فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ

احسن الفتاویٰ

بحذف مکررات وتخریجات فرائض ومسائل غیر مہمہ

جلد ۸

(از)

فقیہ العصر مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

(وجملہ تقسیم کنندگان)

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک کراچی

نام کتاب ــــــ احسن الفتاویٰ
جلد ــــــ ہشتم
زیر اہتمام ــــــ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
ضخامت ــــــ ۵۰۰ صفحات
کتابت ــــــ محمد فاروق خطاط کراچی
تعداد ــــــ ایک ہزار
مطبع ــــــ ایجوکیشنل پریس کراچی
سن طبع ــــــ سنہ ۱۴۱۴ھ
ــــــ ۱۳۲۵ھ

ــــ(ملنے کا پتہ)ــــ

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک کراچی

فہرست مضامین احسن الفتاوی جلد ہشتم

دار الافتاء
والارشاد

کتاب الحظر والاباحۃ

قرآن مجید، کتب حدیث وفقہ ودیگر اشیاء مقدسہ کے احکام

جن کاغذوں پر آیات قرآنیہ لکھی ہوں ان میں پڑیاں باندھنا جائز نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ انگریزی اخبار جس میں قرآن کریم کی آیات لکھ کر نیچے انگریزی میں ترجمہ لکھا ہوا ہے اس میں پڑیاں باندھ کر دینا جائز ہے؟ حالانکہ یہ کاغذ بعد میں پاؤں میں روندے جاتے ہیں۔ اس اخبار میں حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک بھی لکھا ہوا ہوتا ہے، قرآنی آیت کاٹ کر باقی کاغذ استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

جن کاغذوں پر آیات قرآنیہ یا مباحث شرعیہ یا مسائل تحریر ہوں ان میں پڑیا باندھنا جائز نہیں۔ البتہ اگر مباحث شرعیہ نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اور انبیاء وملائکہ علیہم السلام اور کتب الٰہیہ کے اسماء کاٹ کر باقی کاغذ میں پڑیا باندھنا جائز ہے، مگر پھر بھی پاؤں میں ڈالنا اور بیت الخلاء میں کسی قسم کے کاغذ کی بے حرمتی کرنا یا کاغذ کی بے حرمتی جائز نہیں۔

قال فی الدر: ولا یجوز لف شیء فی کاغد فقہ ونحوہ وفی کتب الطب یجوز.

وفی الشامیۃ: (قولہ ونحوہ) الذی فی المنح ونحوہ فی الحلیۃ ولا یجوز لف شیء فی کاغد فیہ مکتوب من الفقہ وفی الکلام الاولی ان لا یفعل وفی کتب الطب یجوز ولو کان فیہ اسم اللہ تعالیٰ او اسم النبی علیہ السلام یجوز محوہ لیلف فیہ شیء ومحو بعض الکتابۃ بالریق وقد ورد النہی عن محو اسم اللہ تعالیٰ بالبصاق ولم یبین محو کتابۃ القرآن بالریق ہل ہو کاسم اللہ تعالیٰ او کغیرہ (شامیہ ص ۲۴۴ ج ۵)

۹ جمادی الاولیٰ سنہ

پھٹے پرانے قرآن مجید کا جلانا جائز نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق

کو جلانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

قرآن کریم کے ناقابلِ انتفاع اوراق کو جاری پانی میں ڈال دیا جائے یا کہیں محفوظ جگہ دفن کردیا جائے، جلانا جائز نہیں۔

قال فی الدر المختار قبیل باب المیاہ من کتاب الطہارۃ المصحف اذا صار بحال لا یقرأ فیہ یدفن کالمسلم (وبعد اسطر) تکرہ اذابۃ درھم علیہ آیۃ الا اذا کسرہ

وفی الشامیۃ تحت (قولہ یدفن) واما غیرہ من الکتب فسیأتی فی الحظر والاباحۃ انہ یمحی عنہا اسم اللہ تعالٰی الخ (رد المحتار ص۱۱۹ ج ۱)

وایضا فی الدر: الکتب التی لا ینتفع بہا یمحی عنہا اسم اللہ وملائکتہ ورسلہ ویحرق الباقی ولا بأس بأن تلقی فی ماء جار کما ھی او تدفن وھو احسن کما فی الانبیاء علیہم السلام۔

وفی الشامیۃ: یعنی ان الدفن لیس فیہ اخلال بالتعظیم لان افضل الناس یدفنون وفی الذخیرۃ المصحف اذا صار خلقا وتعذر القراءۃ منہ لا یحرق بالنار الیہ اشار محمد رحمہ اللہ تعالٰی وبہ نأخذ ولا یکرہ دفنہ وینبغی ان یلف بخرقۃ طاھرۃ ویلحد لہ لانہ لو شق ودفن یحتاج الی اھالۃ التراب علیہ وفی ذلک نوع تحقیر الا اذا جعل فوقہ سقف وان شاء غسلہ بالماء ووضعہ فی موضع طاھر لا تصل الیہ ید محدث ولا غبار ولا قذر تعظیما لکلام اللہ عز وجل (رد المحتار ص۲۷۱ ج ۵)

وفی الھندیۃ: المصحف اذا صار خلقا لا یقرأ منہ ویخاف ان یضیع یجعل فی خرقۃ طاھرۃ ویدفن ودفنہ اولی من وضعہ موضعا یخاف ان یقع علیہ النجاسۃ او نحو ذلک ویلحد لہ لانہ لو شق ودفن یحتاج الی اھالۃ التراب علیہ وفی ذلک نوع تحقیر الا اذا جعل فوقہ سقف بحیث لا یصل التراب الیہ فھو حسن ایضا کذا فی الغرائب المصحف اذا صار خلقا وتعذرت القراءۃ منہ لا یحرق بالنار اشار الشیبانی الی ھذا فی السیر الکبیر وبہ نأخذ کذا فی الذخیرۃ (عالمگیریہ ص۳۲۳ ج ۵)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احراق مصحف سے متعلق شرح سیر کبیر ص۲۶۶ ج۲ میں ہے:

لا یکاد یصح ۔ لا اصل لذلک الحدیث ۔

مگر یہ روایت چونکہ صحیح بخاری میں ہے لہٰذا سند کے لحاظ سے اسے بے بنیاد کہنا مشکل ہے، اس لئے حافظ عینی و عسقلانی و دیگر شراح حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

① ان یخرق بالخاء المعجمۃ روایۃ الاکثرین (الی ان قال) وبالمعجمۃ اثبت ۔

② وقد جزم عیاض بانہم غسلوہا بالماء ثم احرقوہا مبالغۃ فی اذہابہا

(عمدۃ القاری ص ج۲۰، فتح الباری ص ج۹)

③ وقال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ: قال الکرمانی فان قلت کیف جاز احراق القرآن قلت المحروق ہو القرآن المنسوخ او المختلط بغیرہ من التفسیر او بلغۃ غیر قریش او القراءات الشاذۃ وفائدتہ ان لا یقع الاختلاف فیہ ۔

(عمدۃ القاری ص ج۲۰)

وقال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی روایۃ سوید بن غفلۃ عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لا تقولوا لعثمان فی احراق المصاحف الا خیرا (الی قولہ) قال ابن عطیۃ الروایۃ بالحاء المہملۃ اصح وہذا الحکم ہو الذی وقع فی ذلک الوقت واما الآن فالغسل اولی لما دعت الحاجۃ الی ازالتہ ۔

(فتح الباری ص ج۹)

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی احناف کا یہی مذہب نقل کیا ہے جو شامیہ میں ہے۔

قال الشیخ الانور رحمہ اللہ تعالیٰ: والاحراق ہہنا لدفع الاختلاف وہو جائز

(فیض الباری ص۲۹۳ ج۴)

قلت وہذا حاصل ما قال ابن عطیۃ وفی الحدیقۃ المحمودیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ لابی سعید الخادمی رحمہ اللہ تعالیٰ وفیہ (ای فی النصاب) یمحا الکتب التی یستغنی عنہا وفیہا اسم اللہ تعالیٰ تلقی فی الماء الکثیر الجاری او تدفن فی ارض طیبۃ ولا تحرق بالنار وفی التاتارخانیۃ المصحف الذی خلق وتعذر الانتفاع بہ

لا یحرق بل یلف بخرقۃ طاھرۃ ویحفر حفرۃ ویلحد بلا شق او یجعل سقفا و یدفن او یوضع بمکان طاھر لا یصل الیہ الغبار والاقذار او رق الرواجۃ یدفن او یحرق انتھی ملخصا وکذا عن منیۃ المفتی وعن المجتبی الدفن افضل من الالقاء فی الماء الجاری کالانبیاء علیھم السلام کذا جمیع الکتب وفی التاتارخانیۃ لا تحل ان یغسلھا وباخذ القرطبی وعن الحلیمی لا بأس بالاحراق لاحراق عثمان رضی اللہ تعالی عنہ مصاحف فیھا ایات منسوخۃ بلا نکیر وذیضا قیل الاحراق اولی من الغسل لوقوع الغسالۃ علی الارض والقاضی حسین حرم الاحراق لتنافیہ الاحترام وکرہ النووی ھذا وقول الواجح ھو الدفن والغسل لا الاحراق لقوۃ فانکھذ دلیلھما ولترجیح الحظر علی الاباحۃ واما ما نقل عن عثمان رضی اللہ تعالی عنہ فالظاھر انہ بعض بعضھم اذ لو صح ذلک بلا نکیر لحمل علی الاجماع فکیف یتصور من ھؤلاء القول بخلافہ ودعوی عدم وصول ذلک الاجماع ایھام سوء ظن بھم وطعن فی فقاھتھم علی ان الاحراق لازم للاستھانۃ ومخل بالتعظیم۔

(بریقہ محمودیہ ص۲۹ ج ۴)

تاہم جلانے کا جواز تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی فی زماننا بسبب وقوع فتنہ بین المسلمین ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، نیز احترام وبے حرمتی کا مدار عرف پر ہے اور عرف موجود میں احراق استخفاف وحرمت کی بے حرمتی سمجھا جاتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۰ رجب سنہ

کتب حدیث کے بوسیدہ اوراق کو جلانا:

سوال: کتب حدیث کے بوسیدہ اوراق اگر دفن کرنے کا وقت نہ ملے یا شہر میں کوئی مناسب جگہ نہ ملے تو ان کا جلانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ان اوراق سے اللہ تعالی، انبیاء کرام علیہم السلام اور ملائکہ کے نام مٹا کر جلانا جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ ان کو جاری پانی میں بہا دیا جائے یا دفن کر دیا جائے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: الکتب التی لا ینتفع بھا یمحی عنھا اسم اللہ تعالی وملائکتہ ورسلہ ویحرق الباقی ولا بأس بان تلقی

فی زمن جار کما هی او لدفن رھوا حسن کناف الانبیاء علیہم السلام (ردالمحتار ص ۲۴۲ ج ۵)
واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۰ ذی الحجہ سنہ ۸۸ھ

بچوں کو خلاف ترتیب قرآن کی تعلیم دینا:

سوال: بچوں کو پارہ عم آخر سے خلاف ترتیب تعلیم دینا جیسا کہ عموماً آج کل ہو رہا ہے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

جائز ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ويكره الفصل بسورة قصيرة وان يقرأ منكوسا الا اذا ختم۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله وان يقرأ منكوسا) بأن يقرأ في الثانية سورة اعلى مما قرأ في الاولى لان ترتيب السور في القراءة من واجبات التلاوة وانما جوز للصغار تسهيلا لضرورة التعليم (ردالمحتار ص ۳۶۸ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۵ شعبان سنہ ۹۴ھ

ذکر اللہ کو کسی دوسرے مقصد کے لئے آلہ بنانا جائز نہیں:

سوال: یہاں ایک پیر صاحب ہیں ان کے مریدوں کا دستور ہے کہ جب کسی کو اندر سے بلانا مقصود ہو تو دروازے پر دستک یا آواز دینے کی بجائے زور سے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں۔ یہ طریقہ ان کا آپس میں متعارف ہے۔ اس لئے اندر والا شخص سمجھ جاتا ہے کہ کوئی باہر سے بلا رہا ہے۔ یہ طریقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟
بینوا بالدلیل اجرکم بالجلیل۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

یہ طریقہ صحیح نہیں، کیونکہ ذکر اللہ کو کسی دوسرے مقصد کے لئے استعمال کرنا اور غیر کے لئے آلہ بنانا جائز نہیں۔

اس سے اس کا حکم بھی معلوم ہوگیا جو آج کل واعظین میں مروج ہے کہ صرف لوگوں کو

بیدار کرنے اور درمیان میں نشاط پیدا کرنے کی غرض سے اشعار وعظ میں درود شریف پڑھواتے ہیں۔ درود شریف محض بنیت قربت بنفس خود مقصود سمجھ کر پڑھنا چاہئے۔ غیر کے لئے آلہ بنانا جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی فی آخر کتاب الحظر والاباحۃ:

وقد کرھوا واللہ اعلم ونحوہ لاعلام ختم الدرس حین یقرر

وفی الشامیۃ تحت (قولہ ونحوہ) کأن یقول وصلی اللہ علی محمد (قولہ لاعلام ختم الدرس) اما اذا لم یکن اعلاما بانتھائہ لا یکرہ لانہ ذکر وتفویض بخلاف الاول فانہ استعملہ آلۃ للاعلام ونحوہ اذا قال الداخل یا اللہ مثلا لیعلم الجلاس بمجیئہ لیھیئوا لہ محلا ویوقروہ واذا قال الحارس لا الہ الا اللہ ونحوہ لیعلم باستیقاظہ فلم یکن المقصود الذکر اما اذا اجتمع القصدان یعتبر الغالب کما اعتبر فی نظائرہ اھ (رد المحتار ص ۲۸۴ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۲ ذی الحجہ سنہ ۹۵ھ

آیات قرآنیہ خون سے لکھنا:

سوال: مرغ کے خون سے آیات قرآنیہ لکھ کر گلے میں ڈالنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قرآن مجید کی آیات خون یا کسی اور نجاست سے لکھنا کفر ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ جب جان کو خطرہ ہو اور یہ یقین ہو جائے کہ اس کے سوا اس کا کوئی علاج نہیں تو گنجائش ہے، قیاسا علی شرب الخمر للعطشان واکل المیتۃ فی المخمصۃ۔

اس قیاس کا بطلان بالکل ظاہر ہے، اس لئے کسی حال میں بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ لکن نقل المصنف الخ) ونصہ فی الحاوی القدسی اذا سال الدم من انف انسان ولا ینقطع حتی یخشی علیہ الموت وقد علم انہ لو کتب فاتحۃ الکتاب او الاخلاص بذلک الدم علی جبھتہ ینقطع فلا یرخص لہ فیہ وقیل یرخص کما رخص فی

شرب الخمر للعطشان واکل المیتۃ فی المخمصۃ وھو المفتی (رد المحتار ملخصا ج ۱)
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۶ھ

بھنگی کو زمزم کا پانی دینا:

سوال: حاجی آب زمزم یا کھجور اپنے گھر میں صفائی کرنے والے بھنگی کو دے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملھم الصواب

بہتر یہ ہے کہ نہ دیا جائے، اگر بھنگی خود مانگے اور یقین ہو کہ عقیدت سے مانگ رہا ہے اور ادب واحترام ملحوظ رکھے گا تو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
یوم عرفہ سنہ ۹۵ھ

آیات قرآنیہ کے کتبے چومنا:

سوال: ہمارے محلہ کی جامع مسجد میں آیات قرآنیہ اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں کے کتبے لگے ہوئے ہیں، زید روزانہ ان کو چومتا ہے اور ان پر ہاتھ لگا کر بدن پر پھیرتا ہے، زید کا یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملھم الصواب

جائز ہے مگر التزام ورغلو نہ کرے، نیز قرآن کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل کرنے کو اہم سمجھے۔ قرآن مجید پڑھتے وقت کھول کر پہلے چومے اور اس پر عمل کرنے کا عہد کرے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول یہ دعا پڑھے:

عھد ربی ومنشور ربی عز وجل۔

اس سے قرآن پر عمل کرنے کی ہمت پیدا ہوگی جو دنیا وآخرت کی ہر مصیبت سے نجات پانے کا واحد ذریعہ ہے۔

بعض نے تقبیل قرآن کو بدعت کہا ہے مگر وہ قول ضعیف ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی القنیۃ فی باب ما یتعلق بالمقابر تقبیل المصحف قیل بدعۃ لکن روی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان یأخذ المصحف کل غداۃ ویقبلہ ویقول عھد ربی ومنشور ربی عز وجل وکان

عثمان رضی اللہ عنہ یقبل المصحف ویمسحہ علی وجھہ (رد المحتار ص ۲۵۲ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳ محرم سنہ ۷۸ھ

قرآن مجید قبرستان میں لے جاکر پڑھنا:

سوال: قرآن مجید قبرستان میں لے جاکر پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ شرح برزخ میں لکھا ہے کہ قبر کے نزدیک کلام اللہ پڑھنا جائز ہے، فتویٰ اسی پر ہے بدلیل قولہ علیہ السلام نوروا قبور موتاکم بالقرآن، یہ استدلال وفتویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ روایت نظر سے نہیں گزری، اگر ثابت ہو بھی تو اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن مجید قبرستان میں لے جاکر پڑھو بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن پڑھ کر اہل قبور کو ثواب پہنچاؤ، قبرستان میں قرآن لے جاکر پڑھنا قرون مشہود لہا بالخیر سے ثابت نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۰ ذی الحجہ سنہ ۷۸ھ

کتب حدیث وفقہ پر ٹیک لگانا:

سوال: فقہ وحدیث کی کتابوں کو سرہانے کے طور پر استعمال کرنا یا ان پر ٹیک لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قرآن مجید اور کتب حدیث وفقہ سے تکیہ کا کام لینا یا ان پر ٹیک لگانا سخت گناہ ہے، البتہ کہیں سفر میں حفاظت کا اور کوئی طریقہ نہ ہو تو جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویکرہ وضع المصحف تحت رأسہ الا للحفظ وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ ویکرہ وضع المصحف الخ) وھل التفسیر والکتب الشرعیۃ کذلک یحرر۔ اقول الظاھر نعم کما یفیدہ المسألۃ التالیۃ ثم رأیتہ فی کراھیۃ العلائی (قولہ الا للحفظ) ای حفظہ من سارق ونحوہ (رد المحتار ص ۲۵۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۲ صفر سنہ ۸۸ھ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر "صم" لکھنا:

سوال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر پورے صلوٰۃ وسلام کی بجائے صرف "صم" لکھنا اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام پر "رض" لکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسماء مبارکہ کے ساتھ پورا صلوٰۃ وسلام اور رضی اللہ تعالیٰ عنہم لکھنا چاہئے، صرف "م" لکھنا خلاف ادب ہے، جہاں ملفوظات کے صفحات اور پوری کتاب لکھ رہے ہیں تو صیغۂ صلوٰۃ وسلام اور صیغۂ ترضی میں کتنی جگہ صرف ہوتی ہے، درحقیقت یہ محبت کی کمی کی دلیل ہے۔ اسی طرح تعالیٰ کی جگہ "تع" اور رحمہ اللہ تعالیٰ کی جگہ "رح" لکھنے کا دستور صحیح نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۳ ذی الحجہ سنہ ۹۱ھ

اخبار میں لکھی ہوئی آیات قرآن کو بے وضو چھونا:

سوال: اخبار کے جس صفحہ پر آیت قرآن لکھی ہوئی ہو اس کو بے وضو ہاتھ لگا سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جہاں آیت قرآنیہ لکھی ہو صرف اس جگہ ہاتھ لگانا منع ہے، دوسرے مواضع کو ہاتھ لگانا جائز ہے، البتہ اگر چھوٹی سے چھوٹی آیت یعنی چھ حروف سے بھی کم ہو تو ایک قول کے مطابق اس پر ہاتھ لگانے کی گنجائش ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویحرم به ای بالاکبر وبالاصغر مس مصحف ای ما فیه آیة کدرهم وجدار۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله ای ما فیه آیة) لكن لا یحرم فی غیر المصحف الا المکتوب ای موضع الکتابة كذا فی باب الحیض من البحر وقید بالآیة لانه لو کتب ما دونها لا یکره مسه كذا فی حیض القهستانی وینبغی ان یجری هنا ما جری فی قراءة ما دون آیة من الخلاف والتفصیل المارين هناك بالاولى لان المس يحرم بالحدث ولو اصغر بخلاف القراءة

فکانت دونہ تأمل (ردالمحتار ص ۱ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۷ رجب سنہ ۹۲ھ

نعل شریف کی تمثال کا چومنا:

سوال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعل شریف کی تمثال کو سر پر رکھنا اور چومنا اور اس کے توسل سے دعا مانگنا شرعا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ سب امور بطور محبت و تبرک کرنا خلاف شریعت نہیں اور فساد اعتقاد کے اندیشہ سے ترک کرنا خلاف محبت نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۰ صفر سنہ ۹۳ھ

قرآن مجید مسقف زینہ کے نیچے رکھنا:

سوال: ایک مسجد کے زینے کے نیچے الماری ہے، اس الماری میں قرآن مجید رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس زینہ پر سے لوگ گزرتے رہتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۳۰ ربیع الاول سنہ ۹۵ھ

بلندی پر رکھے ہوئے قرآن کی طرف پاؤں پھیلانا:

سوال: الماری میں اوپر والے خانے میں قرآن مجید رکھا ہو تو اس کی طرف پاؤں پھیلانا یا بیٹھ کر جائز ہے یا نہیں؟ فتاوی رشیدیہ میں جائز لکھا ہے، مگر کتب فقہ میں کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔

قال فی الہندیۃ: مد الرجلین الی جانب المصحف ان لم یکن بحذائہ لا یکرہ وکذا لو کان المصحف معلقا فی الوتد وھو قد مد الرجلین الی ذلک الجانب لا یکرہ کذا فی الغرائب (عالمگیریۃ ص ۳۲۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۶ ربیع الثانی سنہ ۹۹ھ

مکان و دکان وغیرہ میں قرآنی آیات آویزاں کرنا:

سوال: مکان یا دکان میں کسی گتے وغیرہ پر قرآنی آیات لکھ کر آویزاں کرنا کیسا ہے؟ نیز دیوار یا دروازے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم، ما شاء اللہ، ہذا من فضل ربی لکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جہاں ٹی وی، ریڈیو یا تصویریں ہوں وہاں آیات لکھ کر آویزاں کرنے میں قرآن مجید کی بے حرمتی ہے اس لئے جائز نہیں، اگر یہ خرافات نہ ہوں اور تعظیم کا خیال رکھتے ہوئے گرد و غبار سے صاف رکھا جائے تو جائز ہے، دیوار اور دروازے پر آیات لکھنا بہرحال مکروہ تنزیہی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: بساط او غیرہ کتب علیہ الملک للہ یکرہ بسطہ واستعمالہ لا تعلیقہ للزینۃ وینبغی ان لا یکرہ کلام الناس مطلقا وقیل یکرہ مجرد الحروف والاول اوسع وتمامہ فی البحر وکراہیۃ القنیۃ قلت وظاہرہ انتفاء الکراہۃ بمجرد تعظیمہ وحفظہ علق او لا زین او لا وہل ما یکتب علی المراوح وجدر الجوامع کذلک یحرر۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ مطلقا) ای سواء استعمل او علق (قولہ وتمامہ فی البحر) حیث قال وقیل یکرہ حتی الحروف المفردۃ ورأی بعض الائمۃ شبابا یرمون الی ہدف کتب فیہ ابو جہل لعنہ اللہ فنہاہم عنہ ثم مر بہم وقد قطعوا الحروف فنہاہم ایضا وقال انما نہیتکم فی الابتداء لاجل الحروف فاذا یکرہ مجرد الحروف لکن الاول احسن واوسع اہ قال سیدی عبد الغنی ولعل وجہ ذلک ان حروف الہجاء قرآن انزلت علی ہود علیہ السلام کما صرح بذلک الامام القسطلانی فی کتاب الاشارات فی علم القراءات اہ

(قولہ قلت وظاہرہ الخ) کذا یوجد فی بعض النسخ ای ظاہر قولہ لا تعلیقہ للزینۃ (قولہ یحرر) اقول فی فتح القدیر وتکرہ کتابۃ القرآن واسماء اللہ تعالیٰ علی الدراہم والمحاریب والجدران وما یفرش اہ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (رد المحتار ص ج)

۲۹ ربیع الاول سنہ [illegible]ھ

اخبار اور سرکاری خطوط میں آیات قرآن اور بسم اللہ لکھنا:

سوال: اخبارات میں قرآن مجید کی آیات، بسم اللہ الرحمن الرحیم اور احادیث وغیرہ لکھنے کا دستور چلا آرہا ہے۔ جبکہ اخبارات میں تصویریں اور ہیبارکے اشتہارات بھی ہوتے ہیں، پھر وہ اخبارات ردی میں فروخت ہو جاتے ہیں، پھر دکاندار ان میں گاہکوں کو سامان وغیرہ ڈال کر دیتے ہیں، اس طرح وہ اخبارات ادھر ادھر پڑے رہتے ہیں اور پاؤں کے نیچے آتے رہتے ہیں، کیا ایسی صورت میں اخبارات میں آیات واحادیث لکھنا جائز ہوگا؟

نیز اب کچھ عرصہ سے سرکاری دفاتر میں سرکاری خطوط میں پوری بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے کا دستور ہو چلا ہے، پھران کاغذات کا بھی مندرجہ بالا حشر ہوتا ہے تو کیا ان خطوط میں بسم اللہ لکھنا جائز ہے، اگر پوری بسم اللہ کی بجائے صرف باسمہ سبحانہ وتعالی یا باسمہ تعالی یا ۷۸۶ لکھ دیا جائے تو بسم اللہ کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اخبارات واشتہارات میں آیات قرآن اور بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا جائز نہیں، سرکاری دفاتر کی مکاتبت میں جائز بلکہ مستحسن ہے، گناہ بے حرمتی کرنے والوں پر ہوگا، بسم اللہ کی بجائے دوسرے کلمات یا ۷۸۶ لکھنا قرآن کریم، عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے عمل متوارث کے خلاف ہے، صلح حدیبیہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے کا حکم فرمایا، مشرکین نے اعتراض کیا اور کہا:

اکتب ما کنت تکتب: باسمک اللّٰھم۔

اس سے ثابت ہوا کہ اسلام نے بسم اللہ لکھنے کا مخصوص طریقہ متعین فرمایا ہے، اس کی بجائے دوسرے کلمات لکھنے سے بسم اللہ کا ثواب نہیں ملے گا اور سنت ادا نہیں ہوگی۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۵ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۱ھ

روپیہ پر قرآنی آیت لکھنا:

سوال: حکومت پاکستان نے سنہ ۷۶ء میں ایک روپیہ کا سکہ جاری کیا جس میں یہ آیت لکھی ہوئی ہے "واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا" اور کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے، کیا سکہ پر آیت وغیرہ لکھنا جائز ہے؟ اور کیا ایسے سکے سے کاروبار کر سکتے ہیں، جبکہ ہمارا کاروبار غیر مسلموں سے بھی ہوتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

سکہ پر آیت لکھنا مکروہ تنزیہی ہے، تاہم کاروبار کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ بحریر) اقول فی فتح القدیر وتکرہ کتابۃ القرآن واسماء اللہ تعالیٰ علی الدراہم والمحاریب والجدران وما یفرش اھ واللہ تعالیٰ اعلم (رد المحتار ص [illegible] ج ۱)

وقال فی الھندیۃ: لا باس بکتابۃ اسم اللہ تعالیٰ علی الدراہم لان قصد صاحبہ العلامۃ لا التہاون بہ کذا فی جواہر الاخلاطی (عالمگیریۃ ص ۳۲۳ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۹۶ھ

بلا وضو کتابت قرآن:

سوال: بلا وضو کسی ورق پر قرآن کریم کی آیت لکھنا کیسا ہے؟ جنابت یا عورت کو حالت حیض میں کوئی آیت لکھنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

کاغذ کو ہاتھ لگا کر آیت لکھنے کی کوئی گنجائش نہیں، بلا مس ورق جواز کتابت میں اختلاف ہے، بوقت ضرورت گنجائش ہے۔

قال شیخ الاسلام ابو بکر بن علی الحداد رحمہ اللہ تعالیٰ: وھل یجوز للجنب کتابۃ القرآن قال فی منیۃ المصلی لا یجوز وفی الجندی یکرہ للجنب والحائض کتابۃ القرآن اذا کان مباشر اللوح والبیاض وان وضعہ علی الارض وکتبہ من غیر ان یضع یدہ علی المکتوب لا باس بہ (الجوہرۃ ص [illegible] ج ۱)

قال العلامۃ الحلبی رحمہ اللہ تعالیٰ: وذکر فی الجامع الصغیر المنسوب الی قاضیخان لا باس للجنب ان یکتب القرآن والصحیفۃ

او الموضوع علی الارض او الوسادۃ عند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی خلافا لمحمد رحمہ اللہ تعالٰی لانہ لیس فیہ مس القرآن وبہ اخذ الفقیہ المکروہ مس المکتوب لا مواضع البیاض ذکرہ الاسبیجابی التمرتاشی رحمہ اللہ تعالٰی وینبغی ان یفصل فان کان لا یمس الصحیفۃ بان وضع علیہا ما یحول بینہا وبین یدہ یؤخذ بقول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی لانہ لم یمس المکتوب ولا الکتاب والا فبقول محمد رحمہ اللہ تعالٰی لانہ ان لم یمس المکتوب فقد مس الکتاب (حلبی کبیر ص۵۹)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالٰی: ولا تکتب الجنب القرآن ولا الکتاب الذی فی بعض سطورہ آیۃ من القرآن وان لم تقرأ شمل ما اذا کان الصحیفۃ علی الارض فقال ابو اللیث رحمہ اللہ تعالٰی لا یجوز وقال القدوری رحمہ اللہ تعالٰی یجوز فان فی الفتح وھو اقیس لانہ ماس بالقلم وھو واسطۃ منفصلۃ فکان کثوب منفصل الا ان یمسہ بیدہ (رسائل ابن عابدین ص۳۳ ج۱)

تنبیہ:

بعض علماء کو بعض روایات کے ظاہر سے بصورت مس ورق بھی جواز کتابت کا شبہ ہوا ہے جس کی تفصیل مع الجواب درج ذیل ہے:

بنائے شبہہ:

(۱) رسائل ابن عابدین کی عبارت الا ان یمسہ بیدہ میں یمسہ کی ضمیر مذکر ہے اور صحیفہ مؤنث ہے، اس لئے کہ اس کا مرجع مکتوب ہی ہو سکتا ہے جو سیاق کلام سے مفہوم ہے۔

(۲) الجوہرۃ میں مکتوب کی تصریح ہے۔

(۳) اگر ورق پر کوئی آیت لکھی ہوئی ہو تو آیت کے سوا دوسرے حصہ کا مس بالاتفاق جائز ہے تو بوقت کتابت مس ورق کیوں جائز نہیں؟ مابہ الفرق کیا ہے؟

جواب:

(۱) یمسہ کی ضمیر کا مرجع صحیفہ بتاویل بیاض ہے، مفہوم کلام کی تاویل بلادلیل

دلالت ظاہر ہے۔ نیز اگر مرجع مکتوب (آیت مکتوبہ) قرار دیا جائے تو وضع علی الارض کی قید لگانے کا کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوتا۔

(۲) الجوهرة کی عبارت میں مکتوب بمعنی کتاب و صحیفہ ہے، ورنہ مصدر کلام مباشر الالواح والبیاض سے اس کا تعارض ہوگا۔ نیز ان وضعهما علی الارض کی قید لگانے کا کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوتا، کیونکہ آیت مکتوبہ مراد ہو تو وضع علی الارض اور حمل فی الید میں کوئی فرق نہیں۔

(۳) وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ قلم ذریعہ کتابت ہے، اس لئے پنکھے وغیرہ پر اس کا قیاس تام نہیں، فرق مذکور کی وجہ سے قلم من وجہ واسطہ ہے اور من وجہ واسطہ نہیں۔ اور کتابت کی دو صورتیں ہیں:

(۱) کاغذ پر ہاتھ رکھ کر۔

(۲) کاغذ پر ہاتھ رکھے بغیر، تپائی وغیرہ پر رکھ کر۔

صورت اول کے متعارف ہونے کی وجہ سے اس میں واسطہ قلم کو غیر معتبر قرار دے کر عدم جواز کا قول کیا گیا اور صورت ثانیہ غیر متعارف ہونے کی وجہ سے واسطہ قلم کو معتبر قرار دے کر قول جواز اختیار کیا گیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۹ محرم ۱۴۰۰ھ

پردہ و دیگر متعلقہ مسائل

خواتین کا معانقہ کرنا:

سوال: خواتین کا آپس میں معانقہ کرنا مسنون ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

معانقہ کا مروجہ طریقہ مردوں کے لئے بھی جائز نہیں، تفصیل رسالہ "معانقہ و مصافحہ" میں ہے، واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۹ ذی القعدۃ سنہ ۸۶ھ

عورت کا بازار سے سامان لانا:

سوال: عورتوں کو سامان خریدنے بازار جانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کے لئے مجبوری بقدر ضرورت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے، اس زمانہ میں لوگوں نے خواہشات نفس اور ہوس بے لگام کو ضرورت کا نام دے رکھا ہے، عورت کے متعلقین مردوں پر فرض ہے کہ بلا ضرورت عورت کو باہر جانے سے منع کریں ورنہ وہ بھی سخت گنہگار ہوں گے، واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۲ محرم سنہ ۸۷ھ

چست لباس پہننا جائز نہیں:

سوال: مرد و عورت کو ٹیڈی لباس پہننا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جس لباس میں واجب الستر اعضاء کا حجم اور ساخت نظر آئی ہو مرد اور عورت دونوں کے لئے حرام ہے اور اس کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے، ٹیڈی لباس میں اس قباحت کے علاوہ کفار کے ساتھ مشابہت بھی ہے، اس لئے جائز نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ ولا یضر التصاقہ) وعبارۃ شرح المنیۃ اما لوکان غلیظا لا یری منہ لون البشرۃ الا انہ متصق بالعضو

و تشکل تشکیل فصار تشکل انه ضرورۃ فینبغی ان لا یمتنع حمل الا المصورۃ لحصول الستر به، قال: والراقص هل یحرم النظر فی ذلک مشکل مطلقا وحیث وجدت الشهوۃ، وقد بسطنا الکلام علی ذلک فی کتاب الحظر والاباحۃ والذی یظهر من کلامهم هنا انه هو الاولی (رد المحتار ص۴۱۱ ج ۱)

وقال فی الحظر بعد نقل کلام الفقهاء رحمهم الله تعالی: وعلی هذا لا یحل النظر الی عورۃ غیره فوق ثوب ملتزق بها یصف حجمها (رد المحتار ص۲۳۲ ج ۵) والله سبحانه وتعالی اعلم۔

۱۲ محرم سنہ ۸۷ھ

محرم والی عورت کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں:

سوال: ایک دیندار عورت اپنے محرم کے ساتھ سفر حج پر جا رہی ہے، دوسری کچھ عورتیں ان کے ساتھ حج کے لئے جانا چاہتی ہیں تو کیا جب کوئی دیندار اور بااعتماد عورت جو مرد کے لئے محرم ہے ساتھ موجود ہو تو غیر محرم مرد کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے؟ بعض حضرات معتدہ اور شوہر کے درمیان ثقہ عورت کے حائل بننے کے جواز سے جواز سفر پر استدلال کرتے ہیں، کیا ان کا استدلال درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ناجائز ہے، اگر عورت بہت بوڑھی ہو تو بھی غیر محرم کے ساتھ سفر کرنا حرام ہے۔ حدیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے، بلکہ جتنی عورتیں زیادہ ہوں گی فتنے کا خطرہ اتنا ہی زیادہ ہوگا۔

جواز حیلولۃ ثقہ سے استدلال درست نہیں، اس لئے کہ وہ حضر کا مسئلہ ہے، اپنے گھر میں زوج زوجہ دونوں بیٹھے، اس عورت کو اپنے خاندان سے حیاء اور بدنامی کا خوف ارتکاب معصیت سے مانع رہتا ہے، نیز اگر مرد برائی کا ارادہ کرے تو حائل بننے والی عورت شور مچا کر دوسروں کو اطلاع کر سکتی ہے جبکہ سفر میں وہ لاچار اور مجبور ہوتی ہے، دفاع پر قادر نہیں ہوتی۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمه الله تعالی: (قوله ولو عجوزا) ای لاطلاق النصوص بحر قال الشاعر:

لکل ساقطۃ فی الحی لاقطۃ … وکل کاسدۃ یوما لها سوق

(قوله فی سفر) هو ثلاثۃ ایام ولیالیها فیباح لها الخروج الی ما دونه لحاجۃ بغیر محرم۔

وروی عن ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کراهۃ خروجها وحدها مسیرۃ یوم واحد وینبغی ان یکون الفتوی علیہ لفساد الزمان شرح اللباب ویؤیده حدیث الصحیحین لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ الا مع ذی محرم علیها وفی لفظ لمسلم مسیرۃ لیلۃ وفی لفظ یوم (رد المحتار ج ۲)

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: (وحسن ان یجعل القاضی بینهما امرأۃ ثقۃ ترزق من بیت المال بحر عن تلخیص الجامع وزادوا علی الحیلولۃ بینهما)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله امرأۃ ثقۃ) لا یقال ان المرأۃ علی اصلکم لا تصلح للحیلولۃ حتی لم تجیزوا للمرأۃ السفر مع نساء ثقات ولکم بانضمام غیرها الیها ازدادت الفتنۃ لانا نقول تصلح للحیلولۃ فی الجملۃ لبقاء الاستحیاء من العشیرۃ وامکان الاستغاثۃ بخلاف المفازۃ نهایۃ وانا اقول ان معنی القدرۃ علیها امکان الاستغاثۃ (رد المحتار ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۶ صفر سنہ ۸۷ھ

نابالغ محرم کے ساتھ سفر کرنا:

سوال: عورت کے لئے بلا محرم سفر جائز نہیں، اگر نابالغ محرم کے ساتھ سفر کرے تو جائز ہے یا محرم کا بالغ ہونا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بارہ سال سے کم عمر کے بچے کے ساتھ سفر بالاتفاق جائز نہیں، بارہ سال کے بعد جواز میں اختلاف ہے، لہٰذا بارہ سال کا بچہ، اگر ہوشیار ہو، جسمانی اور عقلی لحاظ سے بالغ جیسا معلوم ہوتا ہو تو اس کے ساتھ سفر کی گنجائش ہے۔

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ فی الحج: مع امن الطریق وزوج او محرم بالغ عاقل والمراهق کبالغ جوهرۃ (رد المحتار ج ۲)

وقال العلامۃ الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قول المصنف والمراهق کبالغ) جعل الزیلعی کالصبی لانه یحتاج الی من یدفع عنه ولهذا کان للاب منعه عن حجۃ الاسلام فکیف یصلح حافظا لها فی المحیط والمراهق الذی لم یحتلم لا عبرۃ له لکن ما فی الجوهرۃ موافق لما فی الخلاصۃ والبزازیۃ قاله السندی (التحریر المختار ج ۲)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وادنی مدتہ (ای البلوغ) لہ اثنتا عشرۃ سنۃ ولہا تسع سنین ہو المختار کما فی احکام الصغار، فلو راہقا بان بلغا ہذا السن فقالا بلغنا صدقا ان لم یکذبہما الظاہر وہما حینئذ کبالغ حکما (رد المحتار ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

٢۵ ذی القعدہ سنہ ۸۹ھ

اجنبی سے چوڑی پہنوانا:

سوال: خود چوڑیاں پہننا کافی دشوار ہوتا ہے اگر کوئی تجربہ کار عورت پہنانے والی نہ ہو تو چوڑیاں بیچنے والے سے پہنوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی اجنبی کو ہاتھ پکڑانا یا کوئی بھی عضو مس کرنے کی قدرت دینا عورت کے لئے بلا ضرورت شدیدہ حرام ہے اور چوڑیاں پہننا ضرورت میں داخل نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۶ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۹ھ

عورتوں کا ووٹ ڈالنے جانا اور انتخابات میں حصہ لینا:

سوال: مستورات کے لئے ووٹ ڈالنے جانا اور اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کے لئے ووٹ استعمال کرنا اور انتخابات میں حصہ لینا جائز نہیں، خواتین کو کسی عہدہ کے لئے تجویز کرنا گناہ ہے۔

البتہ جب انتخاب اسلامی وغیر اسلامی نظریہ پر مبنی ہو یا ایک امیدوار صالح اور اس کے مقابلے میں دوسرا امیدوار فاسق ہو اور خواتین کا ووٹ استعمال نہ کرنے میں دین کو خطرہ ہو تو استعمال کرنا ضروری ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: المرأۃ تقضی فی غیر حد وقود وان اثم المولی لہا لخبر البخاری لن یفلح قوم ولوا امرہم امرأۃ (رد المحتار ص ٢۵٢ ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

٢٠ ذی الحجہ سنہ ۹٠ھ

حاملہ بالزنا سے صحبت جائز ہے:

سوال: بکر کی بیوی کو زنا سے حمل ہوگیا تو کیا حالت حمل میں بکر اس سے جماع کرسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے اور یہ بچہ بکر ہی کا کہلائے گا اسے ولد الزنا کہنا جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: او الموطوءۃ بالزنا ای جاز نکاح من رأها تزنی وله وطؤها بلا استبراء۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قوله وله وطؤها بلا استبراء) ای عندهما وقال محمد رحمہ اللہ تعالی لا احب له ان یطأها ما لم یستبرئها هدایۃ (وبعد سطر) بقی لو ظهر بها حمل یکون من الزوج لان الفراش له فلا یقال انه یکون ساقیا زرع غیره لکن هذا اذا لم تلده لاقل من ستۃ اشهر من وقت العقد (رد المحتار ص ۲۹۲ ج ۲) واللہ سبحانه وتعالی اعلم

۲۹ ربیع الاول سنہ ۹۰ھ

عورتوں کے لئے اسکول کالج کی تعلیم جائز نہیں:

سوال: عورتوں کو اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں دنیوی تعلیم دلانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ عام طور پر کالجوں، یونیورسٹیوں میں لڑکے اور لڑکیاں مخلوط ہوتے ہیں اور پردے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ اگر کہیں اس کا اہتمام ہو کر لڑکے لڑکیوں سے علیحدہ ہوں اور ان کا آپس میں اختلاط نہ ہو تو پھر کتنا گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کو عصر حاضر کے کالجوں، یونیورسٹیوں میں تعلیم دلانے میں کئی مفاسد ہیں خواہ وہ یہاں کا لڑکوں کے ساتھ اختلاط نہ بھی ہو:

(۱) عورت کا بلاضرورت شرعیہ گھر سے نکلنا اور اجانب کو اپنی طرف مائل کرنے کا سبب بننا۔

(۲) برے ماحول میں جانا۔

(۳) مختلف مزاج رکھنے والی عورتوں سے مسلسل اختلاط کی وجہ سے کئی خرابیاں

کا جنم لینا۔

④ کالج یونیورسٹی کی غیر شرعی تقریبات میں شرکت۔

⑤ بلا حجاب مردوں سے پڑھنے کی معصیت۔

⑥ بے دین عورتوں سے تعلیم حاصل کرنے میں ایمان واعمال اور اخلاق کی تباہی۔

⑦ بے دین عورتوں کے سامنے بلا حجاب جانا، شریعت نے فاسقہ عورت سے بھی پردہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: ولا ینبغی للمرأۃ الصالحۃ ان تنظر الیہا المرأۃ الفاجرۃ لانہا تصفہا عند الرجال فلا تضع جلبابہا ولا خمارہا کما فی السراج (رد المحتار ص۲۳۸ ج ۵)

⑧ کافر اور بے دین قوموں کی نقالی کا شوق۔

⑨ اس تعلیم کے سبب حب مال اور حب جاہ کا بڑھ جانا اور اس کی وجہ سے دنیا وآخرت تباہ ہونا۔

⑩ شوہر کی خدمت، اولاد کی تربیت اور گھر کی دیکھ بھال، صفائی وغیرہ جیسی فطری اور بنیادی ذمہ داریوں سے غفلت۔

⑪ دفتروں میں ملازمت اختیار کرنا جو دین ودنیا دونوں کی تباہی کا باعث ہے۔

⑫ مردوں پر ذرائع معاش تنگ کرنا۔

⑬ شوہر پر حاکم بن کر رہنا۔

مخلوط طریقۂ تعلیم میں مفاسد مذکورہ کے علاوہ لڑکوں کے ساتھ اختلاط اور بے تکلفی کی وجہ سے لڑکوں، لڑکیوں کی آپس میں دوستی، عشق بازی، بدکاری اور اغواء جیسے گھناؤنے مفاسد بھی پائے جاتے ہیں۔ اس لئے عصر حاضر کے تعلیمی اداروں میں عورتوں کو تعلیم دلانا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۹ رجمادی الآخرۃ سنہ ۹۲ھ

عورت کو ڈاکٹری تعلیم دلانا:

سوال: کیا لڑکیوں کو طبی تعلیم دلانا جائز ہے؟ جبکہ میڈیکل کالجوں میں مخلوط طریقۂ تعلیم رائج ہے، اگر کہیں شاذونادر لڑکیوں کی تعلیم کا علیحدہ انتظام ہو تو اساتذہ مرد ہی

ہوتے ہیں، نیز ڈاکٹری تعلیم کے دوران مُردوں کی چیر پھاڑ کرکے تجربات کئے جاتے ہیں، اگر ڈاکٹری تعلیم ناجائز ہو تو پھر اسلامی معاشرے میں خواتین کے علاج کی کیا صورت ہوگی؟ خصوصاً جب خواتین کے لیے معاینہ اور علاج کی ضرورت ہو جس کو مرد ڈاکٹر سے نہیں کروایا جا سکتا، مثلاً زچگی اور دیگر نسوانی امراض، نرسنگ کی حصول تعلیم بھی اس مخلوط طریقہ سے ہوتی ہے، ایسے حالات میں کیا طریقہ اختیار کیا جاتے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کے لئے عصر حاضر کے میڈیکل کالجوں میں تعلیم حاصل کرنا جائز نہیں، خواہ طریقۂ تعلیم مخلوط ہو یا غیر مخلوط، کیونکہ پڑھانے والے دونوں صورتوں میں مرد اساتذہ ہوتے ہیں، عورتوں کے لئے طبی تعلیم کی صحیح صورت یہ ہے کہ مردوں سے علیحدہ انتظام ہو اور پڑھانے والی بھی خواتین ہوں۔

نیز مُردوں کی چیر پھاڑ بھی حرام ہے، عملی مشق کے لئے انسانی ڈھانچوں کی بجائے حیوانات کے ڈھانچے استعمال کئے جائیں۔ ممالک اسلامیہ میں مسلمان خواتین ڈاکٹروں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ لڑکیوں کے لئے علیحدہ میڈیکل کالجوں اور ہسپتالوں کا انتظام بسہولت کیا جا سکتا ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۱؍صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

عورت کو لکھنا سکھانا:

سوال: کیا عورت کے لئے خط وکتابت سیکھنا اور دوسری لڑکیوں کو سکھانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بقدر ضرورت سیکھنا سکھانا جائز ہے، البتہ اگر آثار وقرائن سے کسی عورت کی طبیعت میں شر ظاہر ہو اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو جائز نہیں۔

اخرج الامام البخاری رحمہ اللہ تعالی عن عائشۃ بنت طلحۃ قالت قلت لعائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا وانا فی حجرھا وکان الناس یأتونھا من کل مصر فکان الشیوخ ینتابونی لمکانی منھا وکان الشباب یتأخونی فیھدون الی ویکتبون الی من الامصار فاقول لعائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا یا خالۃ ھذا کتاب فلان وھدیتہ

فقولی لی عائشۃ رضی اللہ تعالی عنھا ای بنیۃ فاجیبی واثنی فان لم یکن عندک ثواب اعطیتک فقالت تعطینی (الادب المفرد ص۳۶ ج۲)

واخرج الامام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالی عن الشفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہما قالت دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا عند حفصۃ رضی اللہ تعالی عنہا فقال لی الا تعلمین ھذہ رقیۃ النملۃ کما علمتیہا الکتابۃ۔

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالی فی شرح ھذا الحدیث: قال الخطابی فیہ دلیل علی ان تعلم النساء الکتابۃ غیر مکروہ قلت یحتمل ان یکون جائزا للسلف دون الخلف لفساد النسوان فی ھذا الزمان ثم رأیت قال بعضھم خصت بہ حفصۃ رضی اللہ تعالی عنھا لان نساءہ صلی اللہ علیہ وسلم خصصن باشیاء قال تعالی یٰنساء النبی لستن کاحد من النساء وخبر لا تعلمن الکتابۃ یحمل علی عامۃ النساء وخوف الافتتان علیھن (المرقاۃ ص۳۴۲ ج۸)

وقال العلامۃ السھارنفوری رحمہ اللہ تعالی: فیہ دلیل علی جواز تعلم النساء الکتابۃ واما حدیث لا تعلموھن الکتابۃ فمحمول علی من یخشی فی تعلیمہا الفساد (بذل المجہود ص ج۶) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۵ جمادی الاولی سنہ ۱۴۰۰ھ

ہیجڑے سے پردہ:

سوال: حدیث میں ہیجڑوں سے پردہ کرنے کا حکم ہے، عرض یہ ہے کہ یہ جماع کے قابل نہیں ہوتے تو ان سے پردہ کرنے کا حکم کیوں دیا گیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پردہ کا مبنیٰ قدرتِ جماع نہیں، حدیث میں ہے کہ بغرضِ استلذاذ دیکھنا یا باتیں سننا یا ہاتھ سے مس کرنا آنکھ، کان اور ہاتھ کا زنا ہے اور یہ صفت ہیجڑے میں بھی موجود ہے۔ نیز بہت سے ہیجڑے ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں مردانہ قوت موجود ہوتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرۂ جمادی الثانیۃ سنہ ۱۳۹۴ھ

سسر سے پردہ:

سوال: سسر سے پردہ فرض ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نہیں، البتہ فتنہ کا خوف ہو تو احتیاط ضروری ہے۔ ایسی حالت میں خسر کے ساتھ خلوت اور سفر جائز نہیں۔

بعض علاقوں میں خسر سے مصافحہ کرنے کا رواج ہے جو بالکل غلط اور واجب الاصلاح ہے، اگر شہوت سے کسی ایک کا کوئی عضو دوسرے کے کسی عضو سے بلا حائل لگ جائے تو عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے، اس لئے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت (قوله والصهرة الشابة) والمسألة مفروضة هناك فيها والعلة تفيد ان الحكم كذلك في بنته ونحوها كما لا يخفى (رد المحتار ص ۲۳۲ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۱۷ ربیع الثانی سنہ ۸۸ھ

داماد سے پردہ:

سوال: ساس کو داماد سے پردہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ساس پر داماد سے پردہ فرض نہیں، البتہ خوف فتنہ کے وقت احتیاط ضروری ہے، تنہائی اور سفر جائز نہیں۔

بعض علاقوں میں ساس سے مصافحہ کرنے کا رواج ہے جو انتہائی خطرناک ہے۔ ایسی حالت میں کسی ایک کو شہوت لگی تو داماد پر اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: والخلوة بالمحرم مباحة الا الاخت رضاعا والصهرة الشابة (رد المحتار ص ۲۳۲ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم

۲ ذی القعدہ سنہ ۹۹ھ

پردہ فرض ہونے کی عمر:

سوال: لڑکی پر کتنی عمر میں پردہ کرنا فرض ہو جاتا ہے اور لڑکا کتنی عمر کا ہو جائے تو اسے عورتوں کے پاس جانے سے روکا جائے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

احکام حجاب سے مقصود مردوں اور عورتوں کو بدنظری اور تحریک خیالات سے بچانا ہے

مخلوقہ بالخطاب، سو جس عمر کے بچوں میں اس گناہ میں مبتلا ہونے کا احتمال ہوگا وہ اسی عمر سے احکام حجاب کے مکلف ہو جائیں گے اور پردہ کے سلسلے میں ایسے بچوں کا وہی حکم ہوگا جو بالغ مردوں عورتوں کا ہے۔

چنانچہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء۔

یعنی جب بچے میں شہوت پیدا ہو جائے تو اس سے پردہ کرنا فرض ہے۔

قال الامام الخازن رحمہ اللہ تعالیٰ: لم یبلغوا حد الشھوۃ (تفسیر الخازن ج ۳)

وقال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: الذین لم یبلغوا حد الشھوۃ والقدرۃ علی الجماع (روح المعانی)

حد شہوت تک پہنچنے پر قدرۃ علی الجماع بھی ہو جاتی ہے۔ کما ھو ظاھر من عبارۃ العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ ومصرح فیما سیجیء من نصوص الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ

اگر بالفرض دونوں کی عمر میں کچھ معمولی سا تفاوت ہو تو حکم حجاب کا مدار حد شہوت ہے نہ کہ قوت جماع، نیز یہ حقیقت عقلاً ونقلاً ہر لحاظ سے بدیہیات ومسلمات میں سے ہے جس کی دو وجوہ ہیں:

① شہوت کے سبب سے نظر وتفکر مستقل گناہ کبیرہ ہے، بلکہ بلا شہوت نظر یا تفکر سے شہوت پیدا ہو جانے کا احتمال ہو تو وہ بھی حرام ہے۔

② شہوت کی نظر آئندہ چل کر زنا اور دوسری بدکاریوں میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہے، وذریعۃ الحرام حرام۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال کی عمر کو حد شہوت کی عمر قرار دیا ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مروا اولادکم بالصلوۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر سنین وفرقوا بینھم فی المضاجع رواہ ابوداؤد (مشکوۃ ج ۱)

دس سال کی عمر میں تفریق مضاجع کا حکم فرمایا گیا، اس حکم کی علت احتمال شہوت ہے اور اس عمر میں نماز نہ پڑھنے پر ضرب کا حکم فرمانا بھی اس امر کا مشعر ہے کہ اس عمر کے بچے بمنزلہ بالغین ہیں۔

قال العلامۃ علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: لانھم بلغوا او قاربوا البلوغ (مرقاۃ ج ۲)

وقال الطیبی رحمہ اللہ تعالیٰ: ای بلوغ العشر مظنة الشهوة (مرقاة ص۱۱۳ ج۲)

حدیث مذکور کے مطابق فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی دس سال کے لڑکے کو مراہق ومشتہی قرار دیا ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولو صبیا یجامع مثله وقدرہ شیخ الاسلام بعشر سنین۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله ولو صبیا مراهقا) هو الدانی من البلوغ نهر (قوله یجامع مثله) تفسیر للمراهق ذکره فی الجامع وقیل هو الذی تتحرک آلته ویشتهی النساء کذا فی الفتح ولا یخفی انه لا تنافی بین القولین نهر۔ (رد المحتار ص[illegible] ج۲)

اشکال: در مختار میں اشباہ سے نقل کیا ہے:

یدخل علی النساء الی خمسة عشر سنة حسب۔

جواب: حدیث وفقہ کی مذکورہ بالا تصریحات کے پیش نظر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پندرہ سال کی عمر ہوجانے کے باوجود شہوت ظاہر نہ ہو تو بھی اس عمر تک پردہ فرض ہے۔

لڑکی کے بارے میں حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسرے دلائل وتجارب کی بناء پر حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ نو سال کی عمر میں مشتہاۃ ہوجاتی ہے، اس لئے نو سال کی لڑکی پر پردہ فرض ہے، حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور نصوص فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے مطابق لڑکی نو سال کی عمر میں بالغ ہوسکتی ہے تو اس عمر میں مراہقہ ومشتہاۃ بطریق اولیٰ ہو سکتی ہے، اس لئے نو سال کی لڑکی کو فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بالاتفاق مشتہاۃ قرار دیا ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وقدر بتسع وبه یفتی وبنت احدی عشرة مشتهاة اتفاقا زیلعی۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: بل فی محرمات المنح وبنت تسع فصاعدا مشتهاة اتفاقا اھ (رد المحتار ص۴۸۰ ج۲)

مذکورہ بالا روایات حدیث وفقہ سے یہ امر متحقق ہوگیا کہ نو سال کی لڑکی اور دس سال کا لڑکا احکام حجاب کے مکلف ہیں، اگر وہ خود کوتاہی کریں تو ان کے اولیاء پر فرض ہے کہ وہ ان سے ان احکام پر عمل کروائیں۔

نشوونما اور ماحول کے پیش نظر لڑکے اور لڑکی کے لئے پردہ کی عمر مذکور میں کچھ کمی بیشی بھی ہوسکتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۴ رمضان سنہ ۹۶ھ

عورتوں میں بدون پردہ وعظ کہنا جائز نہیں:

سوال: ایک مولوی صاحب رمضان میں ۸ بجے سے ۱۱ بجے تک ایک چاردیواری کے اندر جہاں اور کسی کا گزر بھی نہیں بدون پردہ عورتوں کے سامنے وعظ کہتے ہیں جس میں گاؤں کی جوان اور بوڑھی عورتیں کافی تعداد میں شریک ہوتی ہیں، چند آدمیوں نے منع کیا تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ یہ عورتیں ویسے بھی تعویذ لینے کے لئے اور دوسرے دنیوی معاملات میں ہم سے ملتی رہتی ہیں، دین کی باتیں بتانے کے لئے ان کو جمع کرلیا جائے تو کیا حرج ہے؟ اگر میں پردہ میں تقریر کروں تو کوئی عورت بھی سننے نہیں آتی۔ کیا شریعت کی رو سے مولوی صاحب کا یہ فعل جائز ہے؟ ایسے مولوی کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ استدلال بین البطلان اور یہ فعل حرام ہے، مولوی صاحب پر ان شیطانی حیلوں کو چھوڑ کر اس فعل شنیع سے توبہ فرض ہے، اگر توبہ نہ کرے تو ایسے فاسق شخص کو امام بنانا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۷ ذی الحجہ سنہ ۹۷ھ

بہنوئی سے پردہ فرض ہے:

سوال: زید کہتا ہے کہ بکر سے اس کی سگی سالی کو پردہ کرنا فرض ہے جبکہ بکر کا کہنا ہے کہ جب تک میری اہلیہ زندہ ہے، میری سالی کا نکاح مجھ سے حرام ہے، اور جس عورت سے نکاح کرنا حرام ہو اس سے پردہ نہیں ہے۔ براہ کرم شرعی مسئلہ تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

بہنوئی سے پردہ فرض ہے، جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہوتی ہیں ان کو پردہ نہیں، سالی ہمیشہ کے لئے حرام نہیں بلکہ اس کی حرمت ایک عارض کی بنا پر ہے، اگر بکر کی اہلیہ مرجائے یا کہ اس کو طلاق دیدے تو عدت گزرنے کے بعد اس کا سالی سے نکاح جائز ہے۔

اس قسم کی عارضی حرمت تو ہر شادی شدہ عورت میں ہے، جب تک اس کا شوہر زندہ ہے

یہ عورت دنیا میں کسی اور مرد کے لئے حلال نہیں، سب پر حرام ہے۔ اگر عارضی حرمت کی وجہ سے پردے کا حکم ساقط ہو جائے تو شادی شدہ عورت پر کسی سے بھی پردہ فرض نہیں ہونا چاہئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۱ صفر سنہ ۹۹ھ

اجنبیہ سے بات کرنا:

سوال: آج کل عورتیں پردہ تو کرتی نہیں ہیں، ان سے چار و ناچار کام پڑ جاتا ہے آدمی بالکل الگ نہیں رہ سکتا، ان سے بات کرنے کی نوبت بھی آتی ہے، ہوتا یہ ہے کہ بعض عورتیں مثلاً سالی وغیرہ مزاح بھی کرتی ہیں، ایسی صورت میں کوئی عورت بات کرے یا مزاح کرے تو جواب دیا جائے یا نہ کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غیر محرم عورتوں سے بقدرِ ضرورت بات کرنا جائز ہے، بلا ضرورت جائز نہیں، ہنسی مزاح کرنے یا اس کا جواب دینے کی کوئی گنجائش نہیں، سخت گناہ ہے، بلا ضرورت دیکھنا بھی جائز نہیں، حتی الامکان حفاظتِ نظر بھی ضروری ہے۔

ایسے ماحول میں بات کرنا پڑے تو ان کو شرعی پردہ کرنے کی ترغیب دے، قرآن و حدیث کے احکام بیان کرے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: وفي الشرنبلالية معزيا للجوهرة ولا يكلم الاجنبية الا عجوزا عطست او سلمت فيشمتها ويرد السلام عليها والا لا انتهى وبه بان ان لفظة لا في نقل القهستاني ويكلمها بما لا يحتاج اليه زائدة فتنبه۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله زائدة) يبعده قوله في القنية رامزا ويجوز الكلام المباح مع امرأة اجنبية اهـ وفي المجتبى رامزا وفي الحديث دليل على انه لا بأس ان يتكلم مع النساء بما لا يحتاج اليه وليس هذا من الخوض فيما لا يعنيه انما ذلك في كلام فيه اثم اهـ فالظاهر انه قول آخر او محمول على العجوز تأمل وتقدم في شروط الصلوة ان صوت المرأة عورة على الراجح ومر الكلام فيه فراجعه (رد المحتار ص ۲۳۶ ج ۵)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى في شروط الصلوة: وللحرة ولو خنثى

جميع بدنها حتى شعرها النازل في الاصح خلا الوجه والكفين فظهر الكف عورة على المذهب والقدمين على المعتمد وصوتها على الراجح وذراعيه على المرجوح۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله وصوتها) معطوف على المستثنى يعني انه ليس بعورة ح (قوله على الراجح) عبارة البحر عن الحلية انه الاشبه وفي النهر وهو الذي ينبغي اعتماده ومقابله ما في النوازل نغمة المرأة عورة وتعلمها القرآن من المرأة احب قال عليه الصلوة والسلام التسبيح للرجال والتصفيق للنساء فلا يحسن ان يسمعها الرجل وفي الكافي ولا تلبي جهرا لان صوتها عورة ومشى عليه في المحيط في باب الاذان بحر قال في الفتح وعلى هذا لو قيل اذا جهرت بالقراءة في الصلوة فسدت كان متجها ولهذا منعها عليه الصلوة والسلام من التسبيح بالصوت لاعلام الامام بسهوه الى التصفيق اهـ واقره البرهان الحلبي في شرح المنية الكبير وكذا في الامداد ثم نقل عن خط العلامة المقدسي ذكر الامام ابو العباس القرطبي في كتابه في السماع ولا يظن من لا فطنة عنده انا اذا قلنا صوت المرأة عورة انا نريد بذلك كلامها لان ذلك ليس بصحيح فانا نجيز الكلام مع النساء للاجانب ومحاورتهن عند الحاجة الى ذلك ولا نجيز لهن رفع اصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها لما في ذلك من استمالة الرجال اليهن وتحريك الشهوات منهم ومن هذا لم يجز ان تؤذن المرأة اهـ قلت ويشير الى هذا تعبير النوازل بالنغمة (رد المحتار ص۲۷۲ ج ۱) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۱۷ ذی الحجہ سنہ ۹۹ھ

غیر محرم کو سلام کرنا:

سوال: عورت کے لئے غیر محرم مرد کو سلام کرنا یا اس کے سلام کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اجنبی مرد اور عورت کے لئے ایک دوسرے کو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا جائز نہیں، اگر کسی نے سلام کیا تو دوسرا دل میں جواب دے، آواز سے نہ دے۔
البتہ اگر کسی ضرورت سے بات کرنے کی نوبت آئے تو سلام ورد سلام کی گنجائش ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وفی الشرنبلالیۃ معزیا للجوہرۃ ولا یکلم الاجنبیۃ الا عجوزا عطست او سلمت فیشمتہا ویرد السلام علیہا والا لا۔ انتہی۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ والا لا) ای وان لم تکن عجوزا بل شابۃ لا یشمتہا ولا یرد السلام بلسانہ قال فی الخانیۃ وکذا الرجل مع المرأۃ اذا التقیا یسلم الرجل اولا واذا سلمت المرأۃ الاجنبیۃ علی رجل ان کانت عجوزا رد الرجل علیہا السلام بلسانہ بصوت تسمع وان کانت شابۃ رد علیہا فی نفسہ وکذا الرجل اذا سلم علی امرأۃ اجنبیۃ فالجواب فیہ علی العکس اھ وفی الذخیرۃ واذا عطس فشمتتہ المرأۃ فان عجوزا رد علیہا والا رد فی نفسہ اھ وکذا لو عطست ہی کما فی الخلاصۃ (رد المحتار ص ۲۳۶ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۰ ذی الحجۃ ۹۹ھ

ائیر ہوسٹس سے بات کرنا:

سوال: ہوائی جہاز میں کھانے وغیرہ کے لئے ائیر ہوسٹس سے بات کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جہاز میں کھانا اور پانی وغیرہ وقت مقرر پر عملہ کی طرف سے خود پہنچا دیا جاتا ہے، طلب کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، معہذا اگر ضرورت ہو تو ائیر ہوسٹس سے بقدر ضرورت بات کرنا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۵ ذی الحجۃ ۹۹ھ

بغرض علاج عورت کی شرمگاہ دیکھنا:

سوال: مرد ڈاکٹر کے لئے بغرض علاج عورت کی شرمگاہ میں ہاتھ ڈالنا یا دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی ضرورت کے موقع پر حتی الامکان مسلمان عورت ڈاکٹر سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنا لازم ہے، اگر بروقت عورت ڈاکٹر نہ مل رہی ہو اور ضرورت شدیدہ ہو تو مرد ڈاکٹر کے لئے بھی ایسا کرنا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۷ ذی الحجہ سنہ ۹۹ھ

غیر محرم سے تجوید سیکھنا

سوال: عورت عام طور پر بچپن میں کسی ماہر سے قرآن نہیں پڑھتی اس لئے قرآن پڑھنے میں کافی غلطیاں کرتی ہے، تو کیا بالغ ہونے یا شادی کے بعد پردہ کے اہتمام کے ساتھ وہ کسی غیر محرم سے تجوید سیکھ سکتی ہے؟

نیز اگر خود بقدر ضرورت تصحیح حروف کے ساتھ پڑھ لیتی ہے لیکن بچوں کو تعلیم دینے کے لئے مزید مشق کی ضرورت ہے، اگر تجوید سیکھ کر تجوید سے پڑھائے گی تو آیندہ نسل کا فائدہ ہوگا، کیا اس مقصد کے لئے غیر محرم سے تجوید سیکھنا اور قرآن پڑھنے کی مشق کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں مفاسد ذیل ہیں:

① استاذ و شاگرد کا لفظ لفظ بلکہ حرف حرف کا تا دیر باہم تکرار اور ایک دوسرے کی طرف مراجعت خصوصیہ۔

② ایک دوسرے کی آواز بہت دیر تک سننا سنانا۔

③ تجوید کے ساتھ قراءت میں کشش و جاذبیت۔

④ جانبین سے شخصیت متعینہ۔

⑤ مذکورہ محرکات اربعہ کا روزانہ عرصہ دراز تک مسلسل قائم رکھنا۔

اس لئے یہ طریقہ جائز نہیں، بالخصوص جب کہ یہ ضرورت پوری کرنے کی صورتیں

تیسرا درجہ:

(۱) محارم مردوں سے پڑھیں۔

(۲) چھوٹی بچیاں پڑھ کر دوسری خواتین کو پڑھائیں۔

قال العلامۃ الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: ورفع الصوت بھا لشہادۃ الارض لہ والجن والمدر والشجر لہ الا المرأۃ فان صوتہا عورۃ فیجب صونہا۔

وقال العلامۃ حسین بن محمد سعید المکی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ فان صوتہا عورۃ) ھذا ضعیف قال فی البحر الرائق بعد نقل قول الطبقات ولا تلبی جہرا بل تسمع نفسہا دفعا للفتنۃ وما قیل ان صوتہا عورۃ ضعیف (ارشاد الساری ص۴۳) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۰ ذی القعدۃ سنہ ۱۴۰۴ھ

نندوئی سے بات کرنا:

سوال: زید کہتا ہے کہ بکر کہیں دور سے اپنے سالے کے گھر آتا ہے، اتفاق سے سالا اپنی ملازمت یا مزدوری پر گیا ہوا ہے تو بکر کے سالے کی بیوی بکر سے نہ خیریت معلوم کرسکتی ہے نہ بیٹھک میں بیٹھنے کو کہہ سکتی ہے نہ کھانے، چائے وغیرہ کا پوچھ سکتی ہے، اگر خاوند گھر میں موجود ہو تو بھی وہ ایسا نہیں کرسکتی، جبکہ بکر کہتا ہے کہ اگر ایسا ہو تو کون کسی کے گھر جائے گا؟ اس سے قطع رحمی کا خطرہ ہے جو سخت حرام ہے، ویسے ہمارے ہاں برصغیر میں ماحول اتنا خراب نہیں ہے، اسی طرح قریبی رشتہ داروں سے خیریت معلوم کرنے اور کھانا وغیرہ کھلانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا۔ براہ کرم مسئلہ شرعیہ سے آگاہ فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی محرم کی موجودگی میں نندوئی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں، اس لئے جائز نہیں، البتہ محرم کی عدم موجودگی میں پس پردہ رہ کر بیٹھک میں بٹھا سکتی ہے۔ کھانا وغیرہ بھی پس پردہ رکھ دے سکتی ہے، پردے کا پورا اہتمام کرے اور بقدر ضرورت بات پر اکتفاء کرے، اس میں بھی لہجہ میں تکلف درشتی پیدا کرے، نندوئی کے بار بار آنے کی عادت

یا فتنہ کا اندیشہ ہو تو پس پردہ بٹھانا بھی جائز نہیں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله او بحائل) قال في القنية سكن رجل في بيت من دار وامرأة في بيت آخر منها ولكل واحد غلق على حدة لكن باب الدار واحد لا يكره ما لم يجمعهما بيت اهـ ورمز له ثلثة رموز ثم رمز لكتاب آخر هي خلوة فلا تحل ثم رمز ولو طلقها بائنا وليس إلا بيت واحد يجعل بينهما سترة لأنه لولا السترة تقع الخلوة بينه وبين الأجنبية وليس معها محرم فهذا يدل على صحة ما قالوه لأن البيتين من دار واحدة كالسترة بل أولى وما ذكره من الاكتفاء بالسترة مشروط بما إذا لم يكن الزوج فاسقا إذ لو كان فاسقا يحال بينهما بامرأة ثقة تقدر على الحيلولة بينهما كما ذكره في فصل الإحداد وقد بحث صاحب البحر هناك بمثل ما قاله في القنية فقال يمكن أن يقال في الأجنبية كذلك وإن لم تكن معتدته إلا أن يوجد نقل بخلافه (رد المحتار ص۲۳۶ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۱۱ ذی القعدہ سنہ ۹۲ھ

بیوی کی شرمگاہ کا بوسہ لینا:

سوال: جوش محبت میں بیوی کی شرمگاہ کا بوسہ لینا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

چھونا جائز ہے، بوسہ لینا جائز نہیں۔

قال في الهندية: وفي النوازل إذا دخل الرجل ذكره في فم امرأته قد قيل يكره وقد قيل بخلافه كذا في الذخيرة (عالمگیریہ ص۳۷۲ ج ۵)

اقول [illegible] مجهول منكر وقوله مردود شرعا وعقلا، والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۱۴ ذی الحجہ سنہ ۹۶ھ

زوجین کو ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھنا:

سوال: ایک روایت نظر سے گزری، مشہور ہے کہ بوقت صحبت بیوی کی شرمگاہ دیکھنے سے انسان اندھا ہو جاتا ہے، روایت یہ ہے:

ورویٰ بقیۃ بن مخلد و ابن عدی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعا اذا جامع احدکم زوجتہ او جاریتہ فلا ینظر الی فرجھا فان ذلک یورث العمی قال ابن صلاح جید الاسناد کذا فی الجامع الصغیر۔

کیا یہ روایت یا اس مضمون کی کوئی اور روایت صحیح سند سے ثابت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بصیرۃ فقہیہ ایسی روایات کو دیکھتے ہی موضوع یا انتہائی ضعیف ہونے کا فتویٰ دے دیتی ہے، مراجعۃ الکتب سے اس کی توثیق ہوگئی۔

قال الامام ابو الفرج ابن الجوزی فی باب النظر الی الفرج، فیہ عن ابن عباس وابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، فاما حدیث ابن عباس فانبأنا اسمعیل بن احمد السمرقندی انبأنا اسمعیل بن مسعدۃ انبأنا حمزۃ بن یوسف انبأنا احمد بن عدی حدثنا ابن قتیبۃ حدثنا ھشام بن خالد حدثنا بقیۃ عن ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جامع احدکم زوجتہ او جاریتہ فلا ینظر الی فرجھا فان ذلک یورث العمی۔

قال ابو حاتم بن حبان: کان بقیۃ یروی عن کذابین وثقات ویدلس وکان لہ اصحاب یسقطون الضعفاء من حدیثہ ویسوونہ فیشبہ ان یکون سمع ھذا من بعض الضعفاء عن ابن جریج ثم دلس عنہ ۔ و ۔ التزق ۔ (التزق) بہ وھذا موضوع۔

واما حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فانبأنا محمد بن ناصر انبأنا المبارک بن عبد الجبار انبأنا ابو نصر عبد الباقی بن احمد الواعظ انبأنا محمد ابن جعفر بن علان انبأنا ابو الفتح الازدی انبأنا زکریا بن یحیی المقری حدثنا ابراھیم بن محمد الفریابی حدثنا محمد بن عبد الرحمن القشیری عن مسعدۃ بن کرام عن سعید المقبری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جامع احدکم فلا ینظر الی الفرج فانہ

یورث العمی ولا یکثر الکلام فانہ یورث الخرس۔

قال الازدی: ابراھیم بن محمد بن یوسف ساقط (کتاب الموضوعات ص ۲۷۱ ج ۲)

وقال الحافظ ابن عدی الجرجانی رحمہ اللہ تعالی بعد نقل حدیث بقیۃ: ثناہ بھذا الاسناد ثلاثۃ احادیث اخر مناکیر، وھذہ الاحادیث یشبہ ان تکون بین بقیۃ وابن جریج بعض المجھولین او بعض الضعفاء لان بقیۃ کثیرا ما یدخل بین نفسہ وبین ابن جریج بعض الضعفاء و بعض المجھولین الا ان ھشام بن خالد قال عن بقیۃ حدثنی ابن جریج (الکامل ص ۷۳ ج ۲)

وقال الامام البابرتی رحمہ اللہ تعالی: روی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی فی الامالی قال سألت اباحنیفۃ رحمہ اللہ تعالی عن الرجل یمس فرج امرأتہ اوتمس ھی فرجہ لیتحرک علیھا ھل تری بذلک بأسا؟ قال لا، ارجوان یعظم الاجر (العنایۃ بھامش تکملۃ الفتح ص ۱۰۳ ج ۴)

اس میں جواز نظر اگرچہ صراحۃً مذکور نہیں مگر قیاساً ظاہر ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۵ صفر سنہ ۱۴۱۰ھ

عورت کا تفریح کے لئے نکلنا:

سوال: عورتوں اور لڑکیوں کا تفریح کے لئے برقع اوڑھ کر اپنے شوہر، والد یا کسی اور محرم کے ساتھ عام تفریح گاہوں جیسے کلفٹن، ہاکس بے، ہل پارک وغیرہ میں جانا شرعاً کیسا ہے؟ جبکہ عام طور پر علماء کرام بغیر کسی شرعی ضرورت کے عورتوں کا گھروں سے باہر نکلنا ناجائز بتاتے ہیں کیونکہ اگرچہ عورتیں خود برقع میں ہوں اور ان کے چہرہ پر کسی غیر مرد کی نگاہ نہ پڑے لیکن خود ان عورتوں کی نگاہ تو مردوں کے چہروں پر پڑتی ہے اور وہ ان کو دیکھتی ہیں، کیا تفریح کے لئے تفریح گاہوں میں جانا شرعی ضرورت میں شامل ہے؟ جبکہ علماء کرام حج وعمرہ پر جانے والی عورتوں کو نماز کے لئے مسجد حرام اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جانے سے منع فرماتے ہیں، اپنی اپنی قیام گاہوں پر ہی نماز پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں، تو کیا تفریح کی اہمیت ان مسجدوں میں نماز پڑھنے سے بھی زیادہ ہے؟

آج کل بعض دیندار لوگ بھی صوفیانہ وضع کے ساتھ اپنی بیوی اور جوان لڑکیوں

کو لے کر عام تفریح گاہوں اور پارکوں میں جا کر بیٹھنے اور کچھ کھانے پینے کا شغل کرتے ہیں یعنی ایک طرح کی پکنک مناتے ہیں جس سے عام لوگوں کے ذہنوں میں اس کے جواز کا خیال پیدا ہوتا ہے، اس طرح ان کا عام تفریح گاہوں میں جانا دین کے متعلق غلط تصور پیش کرنے کے مترادف معلوم ہوتا ہے اور عوام الناس کی ایسے کاموں کی ہمت افزائی کا باعث ہے اس لئے اس کے متعلق مفصل فتوی تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قرآن و حدیث میں عورت کو پردے کی سخت تاکید اور عورت کے باہر نکلنے میں مفاسد کثیرہ کے پیش نظر عورت کا تفریح کے لئے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں۔ اگر نکلے گی تو اس کے علاوہ اس کا شوہر اور دوسرے اولیاء بھی سخت گنہگار ہوں گے۔ ان سب پر ایسے فسق و فجور سے توبہ کرنا فرض ہے۔

اختصار کے ساتھ چند دلائل اور مفاسد ملاحظہ ہوں:

(۱) عورت کو بلا ضرورت برقع اوڑھ کر بھی گھر سے نکلنا حرام ہے:

(۱) وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (۳۳—۳۳)

(۲) وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ (۳۳—۵۳)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ سوال و جواب کی ضرورت کے وقت بھی عورت برقع وغیرہ میں بیٹھ کر سامنے نہ جائے بلکہ وراء حجاب رہ کر ضرورت پوری کی جائے۔

(۳) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قصۃ الفتی حدیث العہد بعرس فاذا امرأتہ بین البابین قائمۃ فاھوی الیھا بالرمح لیطعنھا بہ واصابتہ غیرۃ۔ رواہ مسلم۔

(۴) عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المرأۃ تقبل فی صورۃ شیطان وتدبر فی صورۃ شیطان۔ رواہ مسلم۔

(۵) عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفھا الشیطان۔ رواہ الترمذی۔

(۶) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس للنساء

نصیب فی الخروج الا مضطرۃ (حدیث) لیس للنساء نصیب فی الخروج الا مضطرۃ الحدیث. رواہ الطبرانی فی الکبیر۔

③ عورت پردہ میں لپٹ کر بھی باہر نکلے گی تو غیر محارم پر نظر پڑے گی، حدیث میں امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو ایک متقی نابینا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا کانت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و میمونۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اذا قبل ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فدخل علیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجبا منہ فقلت یا رسول اللہ الیس ھو اعمی لا یبصرنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افعمیاوان انتما الستما تبصرانہ. رواہ احمد والترمذی وابوداؤد۔

④ باہر نکلنے میں منکرات و فواحش، عریاں عورتوں اور تصاویر پر نظر پڑے گی جس کا قلب پر برا اثر پڑے گا۔

⑤ گانوں باجوں کی آوازیں کان میں پڑیں گی اور قلب پر اثر کریں گی۔

⑥ بے دین لوگوں کی مختلف قسم کی آوازیں کان میں پڑیں گی، جن سے قلب متأثر ہوگا۔

⑦ اس زمانے میں عمومِ فساد کی وجہ سے گھر سے باہر ہر طرف فسق و فجور کا ماحول ہوتا ہے جس سے فضا تک متأثر ہوتی ہے، انسان کے قلب پر لازماً اس کا اثر پڑتا ہے۔

⑧ اگر عورت پردہ میں بھی نکلے تو بھی فساق و فجار اس کی طرف غور سے دیکھتے ہیں اور ان کا میلان اس کی طرف ہوتا ہے اور اس کا سبب یہ عورت بنی، اس لئے یہ بھی گناہ گار ہوئی۔ اسی لئے قرآن و حدیث میں اشتغال کا پردہ بھی ضروری قرار دیا گیا جس کے دلائل کی تفصیل نمبر ① کے تحت گزر چکی ہے۔

مفاسد مذکورہ اگرچہ مردوں کے خروج میں بھی پائے جاتے ہیں مگر مرد و عورت کے خروج میں دو وجہ سے فرق ہے:

① مرد کا خروج ضروریاتِ دینیہ و دنیویہ کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتے ہیں اور عورت کا تفریح کے لئے نکلنا ضرورت میں داخل نہیں۔

② حفظ صحت کے لئے بھی مردوں کو باہر نکلنے کی ضرورت ہے، عورتوں کو اس کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی مخلوق پیدا فرمائی ہے، اس کی صحت

کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے ماحول میں وہ چیزیں پیدا فرمادی ہیں اور اس کے ماحول کو اس کے مطابق بنادیا ہے۔

پھر مختلف قسم کی مخلوق کے افراد میں بھی باہم تفاوت ہوتا ہے۔

ہر فرد کی جو طبیعت اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے، اس کے ماحول کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے سازگار بنادیا ہے، روزمرہ اس کا مشاہدہ اور تجربہ ہوتا رہتا ہے، بعض علماء ومشایخ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ بیٹھ کر دینی کام کرنا مقدر فرمایا ہے ان کی صحت اسی ماحول میں ٹھیک رہتی ہے، باہر کہیں سفر پر جاتے ہیں تو بیمار ہوجاتے ہیں اور جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے باہر نکل کر دوسرے ممالک میں تبلیغ، اشاعتِ دین اور اصلاح عوام کا کام مقدر فرمادیا ہے ان کی صحت پے درپے سفر کرنے ہی سے ٹھیک رہتی ہے، چند دن گھر بیٹھے ہیں تو بیمار ہوجاتے ہیں۔

عورتوں کو وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ کا حکم ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے گھر کے اندر کا ماحول ان کے لئے سازگار بنادیا ہے، جس عورت کو صحت کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت محسوس ہو تو یہ اس کی دلیل ہے کہ کثرتِ معاصی سے اس کی فطرت تبدیل ہوگئی ہے، یہ اس کے بے دین ہونے کی علامت ہے۔ دیندار عورتوں کی صحت گھر ہی میں ٹھیک رہتی ہے۔

ہاں! صحت کے لوازم میں سے ورزش مسلمات میں سے ہے، اور گھر کے کام کاج سے عورتوں کی ورزش پوری ہوجاتی ہے۔

ورزش کا معیار یہ ہے: ① سانس تیز ہوجائے۔ ② پسینہ آنے لگیں۔ ③ تکان محسوس ہو۔

اگر عورت کو گھر میں اتنا کام نہیں ہے تو چکی پیسیں۔ عورتیں گھر کا کام تو کرتی نہیں ہیں، اس کے لئے ملازم رکھتی ہیں، اس لئے صحت کے لئے باہر نکلنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

قال الشیخ ابو سعید الخادمی رحمہ اللہ تعالیٰ: (ومنھا منع الحمام) ای منع زوجتہ من الذھاب الی حمام السوق وھو مذھب دین ظاھر الاطلاق مساواۃ الشابۃ وغیرھا لیلا او نھارا عند فساد الزمان ودوامہ۔

(البریقۃ المحمودیۃ ص ۳ ج ۴)

وقال ایضا: ولا یأذن لھا بالخروج الی المجلس الذی یجتمع فیہ الرجال والنساء وفیہ من المنکرات کالتصدیۃ ورفع الاصوات المختلفۃ واللعب من المتکلم بالقاء الکلام وضرب الرجل علی المنبر والقیام والصعود والنزول

عند فعل من المذکور مکروہ ولا یحضر ولا یأذن لہا ولو فعل یتوب الی اللہ تعالی (ایضا ص۳۱۱)

وقال ایضا: ولا یبیح لہا ان تخرج من الستر من البیت فانہا عورۃ وہی وجہہا الشہود عندہ فی الخلاصۃ من المواضع التی یضرب الزوج زوجتہ فیہا الخروج من البیت وفی القنیۃ: یضرب ایضا (الی) او کشفت وجہہا لغیر محرم (ایضا ص۳۱۲)

قال الشیخ حافظ الدین محمد بن محمد رحمہ اللہ تعالی: ولا یأذن بالخروج الی المجلس الذی یجتمع فیہ الرجال والنساء وفیہ المنکرات الخ (البزازیۃ بہامش الہندیۃ ص۱۵۷ ج۴)

وقال ایضا: وفیما عداہ من زیارۃ الاجانب وعیادتہم والولیمۃ لا وان یأذن وان اذن الزوج کانا عاصیین (ایضا ص۱۵۸)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: وحیث ابحنا لہا الخروج فانما یباح بشرط عدم الزینۃ وتغییر الہیئۃ الی مالا یکون داعیۃ لنظر الرجال واستمالتہم (رد المحتار ص۶۶۵ ج۲) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲ جمادی الاولی ۱۳۸۸ھ

عورت کا ڈرائیور کے ساتھ تنہا گاڑی میں بیٹھنا:

سوال: جامعات البنات کی طرف سے مقرر کردہ بس یا کار ڈرائیور کے لئے بدون محرم بنات کو گھر سے لانا اور واپس پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر گاڑی میں دو یا زیادہ لڑکیاں ہوں تو ڈرائیور کے لئے لانا لے جانا جائز ہے، ایک لڑکی کو لانے لے جانا جائز نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں خلوت بالاجنبیہ لازم آتی ہے جو مرد اور عورت دونوں کے لئے حرام ہے۔

قال الامام القاضیخان رحمہ اللہ تعالی: والخلوۃ الصحیحۃ ان یجتمعا فی مکان لیس ہناک مانع یمنعہ من الوطء حسا او شرعا او طبعا (الی قولہ) ولو کان معہما جاریۃ احدہما او امرأۃ لہ اخری کان محمد رحمہ اللہ تعالی

یقول: ولا جاریۃ الی جنب لا تمنع الخلوۃ لان لہ ان یجامعھا بحضرۃ جاریۃ اوامرأۃ لہ اخری ثم رجع وقال مجاریتہ احدھما تمنع الخلوۃ وھو قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمھما اللہ تعالی رخانیۃ بھامش الھندیۃ ص۲۹۷ ج ۱)
واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۴ جمادی الثانیہ سنہ ۱۴۰۰ھ

عورت کا گھر میں ننگے سر رہنا:

سوال: عورت کا گھر میں محارم کے سامنے ننگے سر رہنا جائز ہے یا نہیں؟
بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

اس کو شریف اور دیندار گھرانوں میں بہت معیوب سمجھا جاتا ہے اور عورتوں میں بے پردگی و آزادی کے شیوع کا ذریعہ ہے، علاوہ ازیں محارم کے سامنے بھی سینے کے ابھار کا اظہار کرنا بہت بڑی بے حیائی ہے، اس لئے جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم
۷ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

مخطوبہ کو دیکھنا:

سوال: آج کل عموماً لڑکے لڑکی کو دیکھے بغیر نکاح کرنے پر راضی نہیں ہوتے اور دیکھنے پر اصرار کرتے ہیں تاکہ نباہ میں آسانی ہو، چنانچہ لڑکی کو بناؤ سنگھار کرا کے والدین یا بعض دوسرے اہل تعلق کی موجودگی میں یا تنہا کمرے میں لڑکے کو دکھانے کا انتظام کیا جاتا ہے اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کو دیکھنے کا حکم فرمایا۔ کیا یہ استدلال اور اس طریقہ سے لڑکی کو دکھلانا کیا شرعاً صحیح ہے؟ اگر صحیح نہیں تو کیا خواتین کے ذریعہ دیکھنا دکھوانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

یہ طریقہ ہرگز جائز نہیں، انتہائی درجے کی بے غیرتی و بے حیائی ہے۔ اگر ہر شخص اس طرح صاف صاف دیکھنے کا مطالبہ کرے اور اس کا یہ بیہودہ مطالبہ پورا کیا جانے لگے تو تو معلوم ایک ایک لڑکی کو شادی کے لئے کتنے کتنے لڑکوں کو دکھانے کی نوبت آئے گی، گھوڑی اور گائے کی سی کیفیت ہو جائے گی کہ گاہک آتے رہیں، دیکھتے رہیں، ناپسند کرتے رہیں اور چلے

جاتے ہیں۔

نباہ کا تعلق صرف صورت ہی سے نہیں ہوتا بلکہ دینی و اخلاقی تعلیم و تربیت، گفت و شنید، نشست و برخاست، امور خانہ داری و دیگر کئی امور کو اس میں بڑا دخل ہے، اور صرف صورت دیکھ کر ان سب امور کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنا نہ بس مشکل ہے۔

حدیث سے اس حیا سوز مروج طریق پر استدلال کرنا جہالت و تحریف دین ہے۔

حدیث میں رؤیۃ کا ذکر ہے نہ کہ ارادۃ کا۔ اور حکم رؤیۃ کا مطلب یہ ہے کہ اگر لڑکی کا چھپ چھپ کر دیکھ سکنا ہو تو اجازت ہے۔ چھپ چھپ کر دیکھنے میں بھی ایسا طریقہ اختیار کرے کہ کسی کو بدنظری کی بدگمانی نہ ہو۔ اس پر یہ دلائل ہیں:

(۱) بعض روایات میں ان استطاع کی تصریح ہے۔

(۲) خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخطوبہ کو عورت کے ذریعہ دکھوایا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے بمنزلہ والد ہیں اور کسی مفسدہ کا قطعاً کوئی امکان نہیں تھا۔

(۳) دوصحابہ حضرت جابر و حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل یہ منقول ہے کہ وہ چھپ کر دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل حدیث کی تشریح ہوتا ہے، خصوصاً حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل، کیونکہ ان کو تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے کا حکم فرمایا تھا۔

لڑکی کو اطلاع کئے بغیر خواتین کے ذریعہ دکھوانا جائز ہے۔ لڑکی کو اطلاع ہو تو خواتین کے ذریعہ دکھوانے میں بھی درج ذیل قباحتیں ہیں۔

(۱) اگر لڑکی دیندار و حیا دار قوم کی ہے تو شرم کے مارے ڈوب جائے گی، سامنے آئے گی ہی نہیں، اگر سامنے آ بھی جائے تو نہ کچھ بولے گی، نہ کوئی کام کرے گی، ایک کونے میں دبکی بیٹھی رہے گی، دینی امور تو درکنار صورت کا صحیح اندازہ کرنا بھی مشکل ہوگا۔

(۲) اگر لڑکی بے دین اور بے حیا خاندان کی ہے تو صورت میں، گفتگو میں، کام کاج میں، غرض ہر چیز میں تصنع کرے گی، حقیقت کا پتہ چلانا ناممکن ہوگا۔

اگر خواتین چانک جائیں گی تو لڑکی اصلی ہیئت میں ہوگی، اصلی صورت کے علاوہ گفتار، رفتار و اطوار سب کچھ اپنی اصلی ہیئت میں نظر آئے گا۔

(۳) اگر پسند نہ آئے تو لڑکی یا لڑکی والے احساس کمتری کا شکار ہو جاتی ہے اور ذلت محسوس کرتی ہے۔

(۴) رشتہ نہ کرنے کی صورت میں دونوں طرف کے خاندانوں کے درمیان سخت منافرت پیدا ہوتی ہے، ایک دوسرے کو منہ دکھانا گوارا نہیں کرتے۔

آخری دو خبروں کے پیش نظر ایسی صورت اختیار کرنا بہتر ہے کہ گھر والوں کو بھی اطلاع نہ ہو۔

عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالی عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا خطب احدکم المرأة فان استطاع ان ینظر الی ما یدعوه الی نکاحها فلیفعل قال فخطبت جاریة فکنت اتخبأ لها حتی رأیت منها ما دعانی الی نکاحها وتزوجها فتزوجتها (ابو داؤد ص [illegible] ج ۱)

عن سهل بن ابی حثمة قال رأیت محمد بن مسلمة رضی الله تعالی عنه یطارد ثبیتة بنت الضحاک فوق اجار لها ببصره طردا شدیدا فقلت اتفعل هذا وانت من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال انی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول اذا القی فی قلب امرئ خطبة امرأة فلا بأس ان ینظر الیها (شرح معانی الآثار ص [illegible] ج ۲)

عن انس رضی الله تعالی عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم اراد ان یتزوج امرأة فبعث بامرأة لتنظر الیها فقال شمی عوارضها وانظری الی عرقوبها۔

(عمدة القاری بحوالہ بیہقی ص [illegible] ج ۲۰)

قال العلامة ظفر احمد العثمانی رحمه الله تعالی: قال العبد الضعیف وحجة الجمهور قول جابر رضی الله تعالی عنه "فخطبت جاریة فکنت اتخبأ لها" والراوی اعرف بمعنی ما رواه فدل علی انه لا یجوز له ان یطلب من اولیائها ان یحضروها بین یدیه لما فی ذلك من الاستهانة بهم ولا یجوز ارتکاب مثل ذلك لامر مباح ولا ان ینظر الیها بحیث تطلع علی رؤیته لها من غیر اذنها لان المرأة تستحی من ذلك ویثقل نظر الاجنبی الیها علی قلبها لما جبلها الله علی الغیرة وقد یفضی ذلك الی مفاسد عظیمة کما لا یخفی وانما یجوز له ان یتخبأ لها وینظر الیها خفیة ومثل هذا النظر یقتصر علی الوجه والکف والقدم لا یعدوها الی مواضع اللحم ولا الی جمیع البدن (اعلاء السنن ص [illegible] ج [illegible]) والله سبحانه وتعالی اعلم

۲۹ شوال [illegible]ھ

خواتین کا تبلیغی جماعت میں نکلنا جائز نہیں:

سوال: عورتوں کا تبلیغی جماعت کے ساتھ تبلیغ کے لئے اپنے محارم کے ساتھ تین دن، دس دن، سال کے لئے اپنے ضلع یا اپنے صوبہ یا اپنے ملک یا دوسرے ممالک میں نکلنا کیسا ہے؟ جبکہ موجودہ دور کے حالات بھی آپ حضرات کے سامنے ہیں، اگر ان کا نکلنا جائز ہے پھر تو کوئی حرج نہیں اور اگر جائز نہیں تو پھر جو لوگ اپنی عورتوں کو لے جاتے ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ وہ گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ مسئلہ کی مکمل وضاحت مطلوب ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عورتوں کا گھروں سے نکلنا بہت بڑا فتنہ ہے، اس لئے حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس پر بہت سخت پابندی لگائی ہے اور دینی کاموں کے لئے بھی عورتوں کے نکلنے کو بالاتفاق حرام قرار دیا ہے۔

قال العلامۃ الخوارزمی ناقلا عن فخر الاسلام رحمہما اللہ تعالیٰ: والفتوی الیوم علی الکراهۃ فی الصلوات کلها لظهور الفساد ومتی کرہ حضور المسجد للصلوۃ لأن یکرہ حضور مجالس العلم خصوصا عند هؤلاء الجهال الذین تحلوا بحلیۃ العلم اولی (الکفایۃ مع فتح القدیر ص ۳۱۷ ج ۱)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویکرہ حضورهن الجماعۃ ولو لجمعۃ وعید ووعظ مطلقا ولو عجوزا لیلا علی المذهب المفتی بہ لفساد الزمان واستثنی الکمال بحثا العجائز المتفانیۃ۔

وقال الامام الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ ولو لجمعۃ وعید ووعظ) قال فی مجموع النوازل یجوز للزوج ان یأذن لها بالخروج الی زیارۃ الابوین وعیادتهما وتعزیتهما او احدهما وزیارۃ المحارم فان کانت قابلۃ او غاسلۃ او کان لها علی آخر حق او علیها حق تخرج بالاذن والحج علی هذا وفیما عدا ذلک من زیارۃ الاجانب وعیادتهم والولیمۃ لا یأذن لها ولا تخرج ولو اذن لها وخرجت کانا عاصیین وتمنع من الحمام وان ارادت ان تخرج الی مجلس العلم بغیر رضی الزوج لیس لها ذلک فان وقعت لها نازلۃ ان سأل الزوج من العالم واخبرها بذلک لا یسعها الخروج، وان امتنع من السؤال یسعها

الخروج من غير رضى الزوج وان لم يقع لها نازلة وارادت ان تخرج لمجلس العلم بتعليم المسألة من مسائل الوضوء والصلوة ان كان الزوج يحفظ المسائل ويذكرها معها له ان يمنعها وان كان لا يحفظها الاولى ان يأذن لها احيانا وان لم يأذن لها فلا شيء عليه ولا يسعها الخروج مالم تقع نازلة اه (قوله ولو عجوزا) هو مؤنث غير لازم التاء كما في الرضى وفي القاموس لا يقال عجوزة او لغية رديئة من احدى وخمسين الى آخر العمر قهستاني (قوله بلا زينة) قيد لقوله لا ايضا (قوله على المذهب المفتى به) قد يقال هذه الفتوى التي اعتمدها المتأخرون مخالفة لمذهب الامام وصاحبيه فانهم نقلوا ان الشابة تمنع مطلقا اتفاقا واما العجوز فلها حضور الجماعة عند الامام في الصلوة الا في الظهر والعصر والجمعة فالافتاء بمنع العجائز في الكل يخالف الكل وما في الدرر والملتقى يوافق ما بحثه قال وفي الكافي وغيره اما في زماننا فالمفتى به منع الكل في الكل حتى في الوعظ ونحوه (حاشية الطحطاوي على الدر ج ۱)

وقال شمس العلماء العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى: قال المصنف في الكافي والفتوى اليوم على الكراهة في الصلوات كلها لظهور الفساد ومتى كره حضور المسجد للصلوة فلأن يكره حضور مجالس الوعظ خصوصا عند هؤلاء الجهال الذين تحلوا بحلية العلماء اولى ذكره فخر الاسلام اه

(البحر الرائق ج ۱)

وفي العلامية عالم بن العلاء رحمه الله تعالى: والفتوى اليوم على الكراهة في كل الصلوات لظهور الفساد ومتى كره حضور المسجد للصلوة لأن يكره حضور مجالس الوعظ خصوصا عند هؤلاء الجهال الذين تحلوا بحلية العلماء اولى

(الفتاوى التاتارخانية ج ۱)

وقال الحافظ العيني رحمه الله تعالى: (ولا) يكره (لهن حضور الجماعات) اي يكره للنساء (يعني الشواب منهن) وهي جمع شابة وهذه اللفظة بعمومها تتناول الجمعة والاعياد والكسوف والاستسقاء وعن الشافعي يباح لهن الخروج (لما فيه) اي في حضور الجماعة (من خوف الفتنة) عليهن من الفساق

وخروجهن سبب للحرام وما يفضي الى الحرام حرام وذكر في كتاب الصلوٰة مكان الكراهة الاساءة والكراهة افحش۔

قلت المراد من الكراهة التحريم ولاسيما في هذا الزمان لفساد اهله۔

(ولا بأس للعجوز ان تخرج في الفجر والمغرب والعشاء) لحصول الامن وفي المغرب اختلاف الروايات وفي المنظومة الحق المغرب بالعشاء كما ذكره المصنف وفي المبسوط لشمس الائمة وفي المختلف الحق العصر والمغرب بالظهر كما في مبسوط شيخ الاسلام ويحتمل ان ذلك بناء على ان المغرب تنتشر فيها الفسقة ايضا كالعصر في بعض البلاد وقيل هذا كله في زمانهم اما في زماننا فيكره خروج النساء الى الجماعة لغلبة الفسق والفساد، فاذا كره خروجهن الى الجماعة فلان يكره حضورهن مجالس العلم خصوصا عند هؤلاء الجهال الذين تحلوا بحلية اهل العلم اولى (البناية ص ۳۹۲ ج ۲)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: واذا منع حضور الجماعة فمنعها عن حضور الوعظ والاستسقاء اولى، وادخل العيني في الجماعات وما قلناه اولى (منحة الخالق بهامش البحر ص ۳۸۰ ج ۱)

وقال العلامة منلا مسكين رحمه الله تعالى: ومتى كره حضور المسجد للصلوة لأن يكره حضورهن مجالس الوعظ خصوصا عند هؤلاء الجهال الذين تحلوا بحلية العلماء اولى ذكره فخر الاسلام۔

وقال العلامة ابو السعود رحمه الله تعالى: (قوله ومتى كره حضور المسجد الخ) اي كراهة تحريمية دل على ذلك قوله في النهر ولا يحضرن اي لا يحل لهن ان يحضرن لكن ذكر بعده عن كتاب الصلوٰة انه ذكر الاساءة التي هي ادون من الكراهة (فتح المعين ص ۲۱۳ ج ۱)

وقال العلامة ابو بكر بن علي الحداد رحمه الله تعالى: والفتوى اليوم على الكراهة في الصلوات كلها لظهور الفسق في هذا الزمان ولا يباح لهن الخروج الى الجمعة عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى كذا في المحيط فجعلها كالظهر وفي المبسوط جعلها كالعيدين حتى انه يباح لهن الخروج اليهما بالاجماع (الجوهرة ص ۸۲ ج ۱)

وقال العلامۃ السہارنفوری رحمہ اللہ تعالیٰ معزیا لشرح النقایۃ: والفتوی الیوم علی الکراھۃ فی الصلوات کلہا لظہور الفساد ومتی کرہ حضورہن فی المسجد للصلوۃ فلأن یکرہ حضورہن فی مجالس الوعظ خصوصا عند ہؤلاء الجہال الذین تحلوا بحلیۃ العلماء اولی ھکذا قال المشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ. ثم لو شاہدوا ما شاہدنا من حضورہن بین مجالس وعاظ زماننا متبرجات بزینتہن لانکروا کل الانکار رحمہم اللہ معاشر الابرار (بذل المجہود ص۳۲۲ ج۱)

نصوص مذکورہ کا حاصل:

عورتوں کا گھروں سے نکلنا بہت بڑا فتنہ ہے، اس لئے حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے مسجد کی جماعت، جمعہ، طلب علم اور وعظ سننے کے لئے عورتوں کے نکلنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ جب ایسی اہم عبادات وضروریات دین کی خاطر تھوڑے سے وقت کے لئے قریب تر مقامات تک نکلنے پر بھی اس قدر پابندی ہے تو تبلیغ کے لئے کئی کئی دنوں بلکہ مہینوں اور چلوں کے لئے دور دراز مقامات میں جانا بطریق اولیٰ ناجائز ہونا چاہیے۔

بصیرت فقہیہ:

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ امور دینیہ کے لئے خواتین کے خروج کی ممانعت قرآن وحدیث میں منصوص نہیں، بلکہ ان حضرات نے اپنے زمانے کے حالات اور شیوع فتن وفسادات کی وجہ سے اصول شریعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی آراء وانظار کا اظہار فرمایا ہے، لہٰذا ان حضرات کا فیصلہ کوئی نص قطعی وحرف آخر نہیں، بلکہ تغیر زمانہ سے اس میں ترمیم کی گنجائش ہے۔

دور حاضر میں غلبۂ جہل اور دین سے بے اعتنائی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ خواتین کے لئے ضروریات شرعیہ سے خروج کو مطلق ممنوع وحرام قرار دینا اور کسی بھی ضرورت شرعیہ کے لئے خروج کی اجازت نہ دینا اقامت دین کی بجائے ہدم دین ہے، چنانچہ اسی کے پیش نظر مجموع النوازل میں مسائل شرعیہ معلوم کرنے کی ضرورت سے خروج کی اجازت دی گئی ہے، کما مر نصہ عن الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

لہٰذا بنظر فقہ اس مسئلہ میں تفصیل ذیل ضروری معلوم ہوتی ہے:

علم دین کے لئے خروج:

احکام شریعت کے علم اور ان پر عمل کرنے میں تصلب و پختگی کی تحصیل کی غرض سے کسی ایسے مدرسۃ البنات میں پڑھنا جائز ہے جس میں شرائط ذیل کی پابندی کا اہتمام ہو:

① پڑھانے والی صرف خواتین ہوں، نامحرم مرد سے پڑھنا جائز نہیں، وجوہ عدم جواز کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

② معلمات روزمرہ کی زندگی سے متعلق مسائل و احکام شرعیہ کے علم میں کمال رکھتی ہوں۔

③ عمل میں پختہ ہوں اور متعلمات میں بھی عملی پختگی پیدا کرنے کی فکر رکھتی ہوں، معاشرہ میں پھیلی ہوئی بدعات اور منکرات و فواحش سے خود بچنے اور دوسروں کو بچانے کا درد رکھتی ہوں، بالخصوص وہ منکرات جو عام معاشرہ میں داخل ہوگئے ہیں، جیسے بے پردگی، تعویذ، ٹی وی، غیبت وغیرہ۔

④ نصاب تعلیم اور طریق تعلیم کا مقصود و محور یہی ہو جو اوپر بیان کیا گیا یعنی روزمرہ کی زندگی سے متعلق احکام شریعت کے علم اور اس کے مطابق عمل میں پختگی پیدا کرنا، بالفاظ دیگر فکر آخرت پیدا کرنا، اصطلاحی عالمات، اور فاضلات بنانے والا نصاب واجب الترک ہے اور ایسے القاب حاصل کرنے کی ہوس واجب الاصلاح۔

⑤ مدرسہ میں کوئی محرم چھوڑ کر آئے اور واپسی پر بھی کوئی محرم ہی ساتھ لائے۔

موجودہ جامعات البنات میں شرائط مذکورہ مفقود ہیں۔

علاوہ ازیں ان جامعات کی تعلیم میں مندرجہ ذیل مفاسد بھی ہیں:

① جامعات تک آمد و رفت کے لئے گھر سے روزانہ خروج و دخول، اور جامعہ میں دخول و خروج کے اوقات اور آمد و رفت کا راستہ متعین ہونے کی وجہ سے بدمعاش لوگ تعاقب کرتے ہیں۔

اور اگر کوئی گاڑی متعین ہو تو ڈرائیور شرارت کرتا ہے۔ یہ صرف خطرات ہی نہیں واقعات ہیں۔ اور جامعہ میں طالبات کی مستقل رہائش میں اس سے بھی زیادہ خطرات ہیں، خواہ انتظام کتنا ہی بہتر ہو

② گھر سنبھالنے کی صلاحیت سے محرومی۔

③ گھریلو کام کاج کو اپنی شان کے خلاف سمجھنا۔

④ گھریلو کاموں کے لئے ملازمہ رکھتی ہیں جو فاسقات ہوتی ہیں اور دین ایمان، عزت

اور ماں کے لئے مہلکات ثابت ہو رہی ہیں۔

⑤ گھروں میں فارغ پڑی رہنے سے نفسانی و شیطانی خطرات کے علاوہ جسمانی ورزش نہ ہونے کی وجہ سے قلب و قالب دونوں کی صحت برباد۔

⑥ جامعات سے فارغ ہونے والی "عالمات و فاضلات" میں مرض عجب و کبر۔

⑦ قرآن و حدیث سے براہ راست تخریج مسائل کا شوق رکھتی ہیں جو دین کی تباہی اور مشہور یا لحاد کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جبکہ کتب فقہ سے بھی کسی غیر مفتی کے لئے مسائل نکالنا جائز نہیں۔

⑧ ان "عالمات و فاضلات" کو علماء و فضلاء کے رشتے نہیں ملتے تو جہلاء بلکہ فساق و فجار اور بے دین ملحدین و مبتدعین سے بھی شادی کر لیتی ہیں جس میں علم دین کی سخت توہین ہے جو درحقیقت دین کی توہین ہے۔

حالات مذکورہ کے پیش نظر ان جامعات کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ کرنا علماء پر فرض ہے۔ بہتر اور بے خطر طریقہ صرف یہ ہے کہ بچیوں کو اپنے گھروں ہی میں رکھ کر مقصد مذکور تک پہنچانے کی کوشش کی جائے جس کے لئے مندرجہ ذیل امور اربعہ کا اہتمام کافی ہے۔

① تجوید قرآن۔

② بہشتی زیور کی تعلیم۔

③ کسی شیخ کامل کے مواعظ کی خواندگی۔

④ گھر سنبھالنے کی صلاحیت اور گھر کا کام خود کرنے کا سلیقہ پیدا کرنا اور اس کی عادت ڈالنا۔

امور مذکورہ کی پابندی پر کچھ محنت تو کرنا پڑے گی مگر فکر آخرت ہو تو اتنی سی محنت کچھ بھی نہیں، تحصیل دنیا کے لئے اس سے ہزاروں درجہ زیادہ محنتیں اور مشقتیں برداشت کی جا رہی ہیں۔

نامحرم مرد سے پڑھنا بوجوہ ذیل ناجائز ہے:

① روزانہ نامحرم کی صحبت میں بیٹھنا۔

② زیادہ دیر تک بیٹھے رہنا۔

③ اشکالات علمیہ حل کرنے اور فہم و تفہیم کے لئے استاذ و طالبات کے درمیان بار بار مراجعہ۔

(۴) قرب مکانی مجلس وعظ کی بنسبت زیادہ ہوتا ہے۔

(۵) طالبات محدود ہوتی ہیں اور استاذ کی نظر میں مشخصات ومعہودات، مجلس وعظ میں عموماً ایسے نہیں ہوتا۔

(۶) معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ استاذ رجسٹر میں حاضری لگانے کے لئے ہر طالبہ کا نام پکارتا ہے اور وہ جواب دیتی ہے، اس سے جانبین کے درمیان خصوصی معرفت اور مزید تعلق پیدا ہوتا ہے۔

مجلس وعظ کے لئے خروج:

کسی نامحرم عالم کی مجلس وعظ میں جانے میں وہ مفاسد نہیں جو نامحرم استاذ سے پڑھنے میں بیان کئے گئے ہیں، معہذا اس کے لئے بھی یہ شرائط ہیں:

(۱) واعظ کے علم، تقوی اور طریق اصلاح پر علماء وقت کو اعتماد ہو۔

(۲) بدعات اور منکرات وفواحش جو معاشرہ میں داخل ہو گئے ہیں، ان سے بچنے بچانے پر زیادہ زور دیتا ہو۔

(۳) اس کے وعظ سے صحیح مسلمان بننے اور دوسروں کو بھی صحیح مسلمان بنانے کی فکر پیدا ہو اور معاشرہ پر چھا جانے والے منکرات چھوٹ جائیں۔

(۴) پردہ کا مکمل انتظام ہو، مقام وعظ کے دروازے پر بھی مردوں سے اختلاط سے حتی الامکان پرہیز کیا جائے۔

(۵) خواتین خراب لباس اور زیور پہن کر، رنگ وروغن سے آراستہ ہو کر اور خوشبو لگا کر نہ آئیں۔

(۶) ہر بار جوڑا نہ بدلیں بلکہ اگر ایک ہفتہ تک ہر حاضری میں ایک ہی جوڑا پہن کر آئیں۔

(۷) خواتین کی مجلس مردوں اور واعظ کی مجلس سے اتنی دور ہو کہ بلا صوت کے سوا آواز نہ پہنچ سکے، اگر یہ مشکل ہو تو جتنا زیادہ فاصلہ ہو سکے۔

(۸) ہفتہ میں ایک بار سے زیادہ نہ ہو، اتنے وقفہ کے مناسب ہونے پر دینی و دنیوی کئی شواہد ہیں۔

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی کے مطلقاً حرمت کے فیصلہ میں ضرورت شرعیہ سے کچھ گنجائش تلاش کرنے کی سعی مذکور کے باوجود خواتین کے لئے تبلیغی جماعت میں نکلنے کے جواز کی کوئی شق نہیں نکل سکی۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۸ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

احکام لباس و زینت

مردوں کے لئے ممنوع رنگ:

سوال: مردوں کو کس رنگ کا کپڑا استعمال کرنا مکروہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

عصفر اور زعفران سے رنگا ہوا کپڑا مردوں کو استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے، اگر کوئی رنگ بعینہ عصفر یا زعفران کے رنگ جیسا ہو مگر خود عصفر یا زعفران کا رنگ نہ ہو تو اس کا استعمال جائز ہے، نفس عصفر و زعفران کے رنگ کے سوا باقی سب رنگ جائز ہیں، البتہ احمر قانی میں اختلاف ہے، مختلف اقوال ہیں، ایک قول استحباب کا بھی ہے، مگر ترجیح کراہت تنزیہیہ کے قول کو ہے، البتہ سر پر پگڑی وغیرہ میں بالاتفاق بلا کراہت جائز ہے۔

قال فی شرح التنویر: وکرہ لبس المعصفر والمزعفر الاحمر والاصفر للرجال مفادہ انہ لا یکرہ للنساء ولا بأس بسائر الالوان وفی المجتبی والقهستانی وشرح النقایۃ لابی المکارم لا بأس بلبس الثوب الاحمر اھ ومفادہ ان الکراھۃ تنزیھیۃ لکن صرح فی التحفۃ بالحرمۃ فافاد انها تحریمیۃ وھی المحمل عند الاطلاق قالہ المصنف قلت وللشرنبلالی فیہ رسالۃ نقل فیها ثمانیۃ اقوال منها انہ مستحب۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ فافاد انها تحریمیۃ الخ) ھذا انما یلزم لو لم یعارضہ تصریح غیرہ بخلافہ ففی جامع الفتاوی قال ابو حنیفۃ والشافعی ومالک رحمهم اللہ تعالی یجوز لبس المعصفر وقال جماعۃ من العلماء مکروہ بکراھۃ التنزیہ وفی منتخب الفتاوی قال صاحب الروضۃ یجوز للرجال والنساء لبس الثوب الاحمر والاخضر بلا کراھۃ وفی الحاوی الزاھدی یکرہ للرجال لبس المعصفر والمزعفر والمورس والمحمر ای الاحمر حریرا کان او غیرہ اذا کان فی صبغہ دم والا فلا ونقلہ عن عدۃ کتب وفی مجمع الفتاوی لبس الاحمر مکروہ وعند البعض لا یکرہ وقیل یکرہ اذا صبغ بالاحمر القانی لانہ خلط بالنجس ولو صبغ بقشر الجوز عسلیا لا یکرہ لبسہ

اجماعا اھ فهذه النقول مع ما ذكره عن المجتبى والقهستاني وشرح
ابي المكارم تعارض القول بكراهة التحريم لعدمه والتوفيق بحمل
التحريم على المصبوغ بالنجس او نحو ذلك (قوله وللشرنبلالي فيه رسالة)
سماها "تحفة الأكمل والهمام المصدر لبيان جواز لبس الأحمر" وقد ذكر
فيها كثيرا من النقول منها ما قدمناه وقال لم نجد نصا قطعيا لاثبات
الحرمة ووجدنا النهي عن لبسه لعلة قامت بالفاعل من تشبه بالنساء
او بالأعاجم او التكبر وبانتفاء العلة تزول الكراهة باخلاص النية لاظهار
نعمة الله تعالى وعروض الكراهة للصبغ بالنجس تزول بغسله ووجدنا
نص الامام الاعظم رحمه الله تعالى على الجواز ودليلا قطعيا على الاباحة
وهو اطلاق الأمر باخذ الزينة ووجدنا في الصحيحين موجبه وبه تنتفي
الحرمة والكراهة بل يثبت الاستحباب اقتداء بالنبي صلى الله عليه
وسلم اھ ومن اراد الزيادة على ذلك فعليه بها، اقول ولكن جل الكتب
على الكراهة كالسراج والمحيط والاختيار والملتقى والذخيرة وغيرها و
به افتى العلامة قاسم وفي الحاوي الزاهدي ولا يكره في الرأس اجماعا.
(رد المحتار ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم

۲۶ ربیع الاول سنہ ۸۵ھ

زعفرانی رنگ کا ازاربند:

سوال: مزعفر الوان مثلاً احمر یا معصفر میں سے کسی رنگ کا ازاربند استعمال کرنا جائز
ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بلاکراہت جائز ہے، ہاں اگر زعفران یا عصفر کے رنگ میں رنگا ہوا ہو تو جائز نہیں، دوسرا
کوئی رنگ خواہ زعفران ہی جیسا ہو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۳ رجب سنہ ۸۶ھ

سیاہ رنگ کا لباس:

سوال: سنا ہے مردوں اور عورتوں کو کالے کپڑے نہیں پہننے چاہئیں، کیونکہ

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کملی کالی تھی، اس لئے سیاہ لباس پہننا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ خیال صحیح نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف رنگوں کا لباس استعمال فرمایا ہے، سفید رنگ سب سے زیادہ پسند تھا، خیال مذکور کی بناء پر تو ہر رنگ کا لباس ممنوع و خلاف ادب ہو جائے گا، لہذا ممنوع رنگوں کے سوا ہر رنگ کا لباس جائز ہے، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور جذبۂ اتباع کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی اسے اختیار کیا جائے۔ البتہ لباس میں سیاہ رنگ چونکہ شرعاً، عقلاً، طبعاً ناپسندیدہ ہے اس لئے سیاہ لباس نہیں پہننا چاہیئے بالخصوص اس زمانہ میں شعار شیعہ ہونے کی وجہ سے اس سے احتراز لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۹ جمادی الاولی ۸۹ھ

پتلون پہننے کا حکم:

سوال: دور حاضر میں پتلون اور شرٹ پہننے کا اتنا رواج ہو گیا ہے کہ اب یہ کسی خاص قوم کا شعار نہیں رہا، نیز قرون اولی میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لباس میں کوئی امتیازی نشان نہیں تھا، یہ بات اس خیال کو تقویت دیتی ہے کہ من تشبہ بقوم فهو منهم میں جس مشابہت کا ذکر ہے، مشابہت لباس اس میں داخل نہیں ہے، اس لئے پتلون اور شرٹ کا پہننا جائز معلوم ہوتا ہے، جناب اپنی تحقیق سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

آج کل کوٹ پتلون وغیرہ کا اگرچہ مسلمانوں میں عام رواج ہو گیا ہے مگر اس کے باوجود اسے انگریزی لباس ہی سمجھا جاتا ہے، بالفرض تشبہ بالکفار نہ بھی ہو تو تشبہ بالفساق میں تو کوئی شبہ نہیں، لہذا ایسے لباس سے احتراز ضروری ہے۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ پہلے زمانہ میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لباس میں کوئی امتیاز نہ تھا، نیز اگر کسی زمانہ یا کسی علاقہ میں امتیاز نہ ہو تو وہاں تشبہ کا مسئلہ ہی پیدا نہ ہوگا، یہ مسئلہ تو وہاں پیدا ہوگا جہاں غیر مسلم قوم کا کوئی مخصوص لباس ہو، احادیث میں غیر مسلموں کے مخصوص لباس سے ممانعت صراحۃً وارد ہوئی ہے۔

یہ تفصیل اس لباس کے بارے میں ہے جس سے واجب الستر اعضاء کی بناوٹ اور حجم چھپا ہو، اگر پتلون اتنی چست اور تنگ ہو کہ اس سے اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر آتا ہو جیسا کہ آج کل ایسی پتلون کا کثرت سے رواج ہو گیا ہے تو اس کا پہننا اور لوگوں کو دکھانا اور دیکھنا سب حرام ہے جیسا کہ ننگے آدمی کو دیکھنا حرام ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ ولا یضر التصاقہ) ای بالالیۃ مثلا وقولہ وتشکلہ من عطف المسبب علی السبب وعبارۃ شرح المنیۃ اما لو کان غلیظا لا یری منہ لون البشرۃ الا انہ التصق بالعضو وتشکل بشکلہ فصار شکل العضو مرئیا فینبغی ان لا یمنع جواز الصلوۃ لحصول الستر اھ قال ط وانظر ھل یحرم النظر الی ذلک المتشکل مطلقا او حیث وجدت الشھوۃ اھ قلت سنتکلم علی ذلک فی کتاب الحظر والذی یظھر من کلامھم ھناک ھو الاول (رد المحتار ص ۲۷۴ ج ۱)

وقال ایضا: وعلی ھذا لا یحل النظر الی عورۃ غیرہ فوق ثوب ملتزق بھا یصف حجمھا فیحمل ما مر علی ما اذا لم یصف حجمھا فلیتأمل (رد المحتار ص ۲۳۴ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۲ ربیع الثانی سنہ ۸۴ھ

چاندی کے تار والا کپڑا:

سوال: زری دار کپڑے جن کی بناوٹ میں چاندی کا تار استعمال ہوا ہو پہننا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عورتوں کے لئے مطلقاً جائز ہے۔

مردوں کے لئے ریشم یا سونے چاندی کے تار سے بنا ہوا یا کڑھائی والا کپڑا اس شرط سے جائز ہے کہ پٹی یا پھول کی چوڑائی چار انگلیوں سے زائد نہ ہو، لمبائی میں کوئی تحدید نہیں، ایسی پٹیاں یا پھول متعدد ہوں تو ان کے جواز میں یہ شرط بھی ہے کہ ان کے درمیان پٹی یا پھول کی چوڑائی سے زیادہ فاصلہ ہو، اگر فاصلہ برابر یا کم ہو کر دیکھنے میں پورا کپڑا ہی ریشمی یا زری دار نظر آتا ہو تو جائز نہیں۔

قال العلامة التمرتاشی رحمہ اللہ تعالی: یحرم لبس الحریر ولو بحائل علی المذھب او فی الحرب علی الرجل لا المرأۃ الا قدر اربع اصابع مضمومۃ وکذا المنسوج

بین ھب یحل اذا کان ھذا المقدار والالا۔

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللّٰہ تعالٰی: وظاھر المذھب عدم جمع المتفرق ولو فی عمامۃ کما بسط فی القنیۃ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللّٰہ تعالٰی: تحت (قولہ الاقدر اربع اصابع الخ) وھل المراد قدر الاربع اصابع طولا وعرضا بأن لا یزید طول العلم وعرضہ علی ذلک او المراد عرضھا فقط وان زاد طولہ علی طولھا المتبادر من کلامھم الثانی ویفیدہ ایضا ما سیأتی فی کلام الشارح عن الحاوی الزاھدی

(قولہ وظاھر المذھب عدم جمع المتفرق) ای الا اذا کان خط منہ قزا وخط منہ غیرہ بحیث یری کلہ قزا فلا یجوز کما سیذکرہ عن الحاوی ومقتضاہ حل الثوب المنقوش بالحریر تطریزا ونسجا اذا لم تبلغ کل واحدۃ من نقوشہ اربع اصابع وان زادت بالجمع ما لم یر کلہ حریرا تأمل۔

(رد المحتار ص ۲۲۴ ج ۵) واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی اعلم

۲ محرم سنہ ۹۵ھ

مصنوعی ریشم کا حکم:

سوال: آج کل مختلف قسم کے کپڑے مروج ہیں، جن میں سے بعض کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ ریشمی ہیں، اسی طرح جو رومال عام طور سے کندھے پر رکھنے کا معمول ہے اس کی بھی ایک قسم ریشمی مشہور ہے، کیا عرف میں اس قسم کے کپڑے اور رومال کے ریشمی ہونے کا اعتبار کرکے مردوں کے لئے اس کو حرام کہا جائے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آج کل عموماً مصنوعی ریشم استعمال ہوتا ہے۔ اس کا استعمال جائز ہے۔ اگرچہ عرف میں اس کو ریشم کہتے ہیں۔ ہاں اگر کسی کپڑے کا اصلی ریشمی ہونا تحقیق سے ثابت ہو جائے تو اس کا استعمال مردوں کے لئے جائز نہ ہوگا۔ واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی اعلم

۴ رجب سنہ ۹۵ھ

مرد اور عورت کے لباس میں ایک دوسرے کی مشابہت

سوال: زعفران، عصفر کے سوا تمام رنگ مرد کو شرعاً جائز ہیں لیکن بعض علاقوں میں

سیاہ اور سرخ رنگ کے کپڑے عورتوں کا شعار سمجھے جاتے ہیں اور سفید کپڑے مردوں کا شعار سمجھے جاتے ہیں۔ کیا ان علاقوں میں مرد کو مختص بالنساء رنگوں کے کپڑے اور عورتوں کو مختص بالرجال رنگوں کے کپڑے پہننا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے ساتھ تشبہ اختیار کرنا جائز نہیں، اس لیے ان علاقوں میں اسی شعار کی رعایت رکھنا ضروری ہے، ایک دوسرے کا شعار اختیار کرنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ محرم سنہ ۹۴ھ

عمامہ بغیر ٹوپی کے جائز ہے:

سوال: عمامہ یا رومال کے نیچے ٹوپی رکھنا سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ، اور بغیر ٹوپی کے صرف عمامہ یا رومال باندھ کر نماز ادا کرنا مکروہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگرچہ بیان جواز کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ استعمال فرمایا ہے لیکن عام معمول عمامہ کے نیچے ٹوپی رکھنے کا تھا، سلف صالحین و بزرگان دین کا عمل بھی اسی پر رہا ہے، اس لئے بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنا خلاف اولیٰ ہے، مگر وہ نہیں، نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۶ شوال سنہ ۹۶ھ

شادی کے موقع پر پگڑی باندھنے کا التزام:

سوال: ہمارے علاقہ میں شادی کے موقع پر پگڑی باندھنے کا ایسا التزام کیا جاتا ہے کہ نہ باندھنے والے پر طعن و تشنیع کیا جاتا ہے اور بغیر عمامہ کے شادی کرنا بیوہ سے شادی کرنے کے ساتھ خاص سمجھا جاتا ہے تو کیا ایسے حالات میں شادی کے موقع پر پگڑی پہننا جائز ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امر مندوب کو واجب کی طرح لازم سمجھا جانے لگے تو اس کا ترک واجب ہو جاتا ہے اس لئے یہ التزام جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۱ محرم سنہ ۹۷ھ

بیوی کا شوہر کے لئے سرخی لگانا:

سوال: زوجہ کو اپنے شوہر کو خوش کرنے کے لئے ہونٹوں اور چہرے پر سرخی اور پاؤڈر لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

فہم دین، عقل سلیم اور طبع مستقیم کے خلاف ہے، بے دینوں کا شعار ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ شوال سنہ ۹۰ھ

محارم کے سامنے بناؤ سنگار کرنا:

سوال: عورت کا اپنے محارم مثلاً باپ اور بھائیوں کے سامنے بناؤ سنگار کرکے بیٹھے رہنا یا ان کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

فی نفسہ جائز ہے، مگر اس زمانہ میں قلوب میں فساد غالب ہے اور ٹی وی اور وی سی آر کی لعنت نے اخلاق اقدار کو بالکل پامال کر دیا ہے، بے حیائی اور بے باکی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ باپ کے اپنی بیٹی کے ساتھ اور بھائیوں کے اپنی بہنوں کے ساتھ منہ کالا کرنے کے واقعات پیش آ رہے ہیں، اس لئے شوہر کے سوا کسی بھی محرم کے سامنے بناؤ سنگار کرکے آنا خطرے سے خالی نہیں، اس سے احتراز ضروری ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۲ ذی الحجہ سنہ ۹۰ھ

مرد کا دنداسا استعمال کرنا:

سوال: مرد کے لئے زینت کا قصد کئے بغیر محض صفائی کی غرض سے دنداسا دانتوں پر ملنا کیسا ہے؟ جبکہ یہ احتیاط بھی کی جائے کہ اس کا رنگ ہونٹوں پر نہ لگے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سوال میں مذکور احتیاط کے ساتھ استعمال کیا جائے تو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

غرہ محرم سنہ ۱۴۰۱ھ

مرد کے لئے انگوٹھی کا حکم:

سوال: مرد کے لئے کس دھات کی انگوٹھی پہننا جائز ہے اور کس کی ناجائز؟ نیز مقدار کے بارے میں بھی کوئی تعیین ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مرد کے لئے دو شرطوں سے انگوٹھی پہننا جائز ہے۔

(۱) چاندی کی ہو۔

(۲) پانچ ماشے = ۸۶ء۴ گرام سے کم ہو۔

نگینے میں کوئی قید نہیں، جس چیز کا بھی ہو اور جتنے وزن کا بھی ہو جائز ہے۔

قال العلامة التمرتاشي رحمه الله تعالى: ولا يتحلى الرجل بذهب وفضة إلا بخاتم ومنطقة وحلية سيف منها ولا يتختم بغيرها كحجر وذهب وحديد وصفر والعبرة بالحلقة لا بالفص۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله ولا يتختم إلا بالفضة) هذه عبارة الإمام محمد رحمه الله تعالى في الجامع الصغير أي بخلاف المنطقة فلا يكره فيها حلقة حديد ونحاس كما قدمه وهل حلية السيف كذلك يراجع قال الزيلعي رحمه الله تعالى وقد وردت آثار في جواز التختم بالفضة وكان للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم خاتم فضة وكان في يده الكريمة حتى توفي صلى الله عليه وسلم ثم في يد أبي بكر رضي الله تعالى عنه إلى أن توفي ثم في يد عمر رضي الله تعالى عنه إلى أن توفي ثم في يد عثمان رضي الله تعالى عنه إلى أن وقع من يده في البئر فأنفق مالا عظيما في طلبه فلم يجده ووقع الخلاف فيما بينهم والتشويش من ذلك الوقت إلى أن استشهد رضي الله تعالى عنه (قوله فيحرم بغيرها) لما روى الطحاوي بإسناده إلى عمران بن حصين وأبي هريرة رضي الله تعالى عنهما قالا نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن خاتم الذهب وروى صاحب السنن بإسناده إلى عبد الله بن بريدة عن أبيه رضي الله تعالى عنه أن رجلا جاء إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وعليه خاتم من شبه فقال له مالي أجد منك ريح الأصنام فطرحه ثم جاء وعليه خاتم من حديد فقال مالي أجد عليك حلية أهل النار فطرحه فقال يا رسول الله من أي شيء أتخذه قال اتخذه من ورق ولا تتمه مثقالا فعلم أن التختم بالذهب والحديد والصفر حرام فألحق اليشب بذلك لأنه قد يتخذ منه الأصنام فأشبه الشبه الذي هو منصوص

معلوم بالنص اتفاقاً والشبہ هو کالنحاس الاصفر قاموس وفی الجوهرة والتختم بالحدید والصفر والنحاس والرصاص مکروہ للرجال والنساء۔ (رد المحتار ص ۲۲۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۹ محرم ۱۴۰۱ھ

عورت کے لئے زیور اور انگوٹھی کا حکم

سوال: بازار میں عورتوں کے جو زیورات ملتے ہیں وہ مختلف دھاتوں کے بنے ہوئے ہوتے ہیں، کیا عورت کے لئے ہر قسم کی دھات کا بنا ہوا زیور یا انگوٹھی پہننا جائز ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے، نیز کتنی مقدار جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عورت کے لئے انگوٹھی کے سوا دوسرا زیور ہر قسم کی دھات کا بنا ہوا جائز ہے۔ انگوٹھی صرف سونے اور چاندی کی جائز ہے خواہ جس مقدار کی بھی ہو، دوسری کسی دھات کی جائز نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ (فیحرم بغیرها) وفی الجوهرة والتختم بالحدید والصفر والنحاس والرصاص مکروہ للرجال والنساء (رد المحتار ص ۲۲۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (اس سے رجوع کی تفصیل تتمہ میں ہے۔)

۹ محرم ۱۴۰۱ھ

مرد کے لئے سونے چاندی کے بٹن:

سوال: ایک عالم مرد کے لئے سونے چاندی کے بٹن جائز بتاتے ہیں اور فتاویٰ رشیدیہ کا حوالہ دیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جائز نہیں۔

قال الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: لا بأس بازرار الدیباج والذهب (رد المحتار ص ۲۲۴ ج ۵)

بعض نے اس سے سونے کے بٹنوں کا جواز سمجھا ہے جو صحیح نہیں، اس لئے کہ ازرار گھنڈی کو کہتے ہیں، بٹن کو نہیں۔ گھنڈی کپڑے کے تابع ہوتی ہے بٹن تابع نہیں اس لئے سونے یا چاندی کے تار کی گھنڈی جائز ہے بٹن جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ محرم ۱۴۰۱ھ

بیوٹی پارلر جا کر میک اپ کرانا:

سوال: لڑکیوں کا شادی کے دن یا عام دنوں میں بیوٹی پارلر جا کر میک اپ کرانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس پارلر میں کوئی ناجائز کام مثلاً بھنویں بنوانا یا بال کٹوانا شامل نہ ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، اس میں یہ مفاسد ہیں:

۱۔ کسی جائز کام کے لئے بھی بے ضرورت گھر سے نکلنا جائز نہیں، جبکہ یہ تو کام ہی ناجائز ہے۔

۲۔ فاسق بے دین عورتوں کی صحبت کا اثر

۳۔ بے دین لوگوں سے مشابہت۔

۴۔ صورت بنانے کی فکر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

شرعی پاجامہ پہننا جائز نہیں:

سوال: بہت سے لوگ پتلون کی طرح ایک تنگ پاجامہ پہنتے ہیں، جسے وہ شرعی پاجامہ کہتے ہیں، کیا واقعۃً وہ شرعی پاجامہ ہے؟ اگر ہے تو اس کی حیثیت کیا ہے؟ سنت، مستحب یا صرف جائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آج کل جس پاجامہ کو شرعی پاجامہ کا نام دیا جاتا ہے، وہ شرعی نہیں، درحقیقت شرعی پاجامہ ہے، اس میں اعضاء مستورہ خصوصاً عورت غلیظہ کا حجم بالکل واضح نظر آتا ہے، بلکہ غور کرنا بھی نہیں ہوتا ہے، دوران نماز حالت سجدہ، اعضاء کا تصور لگتے ہوئے واضح معلوم ہوتے ہیں جس سے نماز مکروہ تحریمی ہو جاتی ہے جس کا اعادہ واجب ہے۔ نماز کے علاوہ نشست و برخاست کی کیفیات میں بھی اعضاء مخفیہ کی شکل نظر آتی ہے جن کا دیکھنا دکھانا حرام ہے۔ اس لئے ایسا پاجامہ پہننا جائز نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ وہی عورۃ بادیۃ)

اقول مفادہ ان رؤیۃ الثوب بحیث یصف حجم العضو ممنوعۃ ولو کثیفا لا تری البشرۃ منہ، قال فی المغرب یقال مسست الحبلی فوجدت حجم الصبی فی بطنہا واحجم الثدی علی نحر الجاریۃ اذا نھد وحقیقتہ صار لہ حجم ای نتوء وارتفاع

ومنه قوله حتى يتبين حجم عظامها اهـ وعلى هذا لا يحل النظر الى عورة غيره فوق ثوب ملتزق بها يصف حجمها فيحمل ما مر على ما اذا لم يصف حجمها فليتأمل (رد المحتار ص۲۳۶ ج۵) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۱۴ ذی القعدہ سنہ [illegible]

غیر شادی شدہ عورت کو چوڑیاں پہننا جائز ہے:

سوال: عورت اگر غیر شادی شدہ ہو تو اس کے لئے چوڑیاں پہننا کیسا ہے؟ بعض علاقوں میں دستور ہے کہ غیر شادی شدہ عورت کو چوڑیاں نہیں پہننے دیتے، دیکھتے ہیں کہ اس سے عورت سہاگن معلوم ہوتی ہے، جبکہ ہمارے بزرگ حضرت خالی ہاتھ ہونے پر ٹوکتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عورت کو چوڑیاں پہننا بہر حال جائز ہے۔ بعض لوگوں کا اس کو معیوب سمجھنا اور دلہن کی علامت قرار دینا غلط ہے، البتہ غیر شادی شدہ عورت کو زیادہ زیب و زینت کرنا بوجہ خوف فتنہ جائز نہیں۔

عن ابی موسی الاشعری رضی الله تعالی عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال حرم لباس الحریر والذهب علی ذکور امتی واحل لاناثهم (الترمذی ص۳۰۲ ج۱)

قال العلامة العثمانی رحمه الله تعالی: وفیه ایضا یجوز للنساء لبس انواع الحلی کلها من الذهب والفضة والخاتم والحلقة والسوار والخلخال والطوق والعقد والتعاویذ والقلائد وغیرها (اعلاء السنن ص۳۴۲ ج۱۷) والله سبحانه وتعالی اعلم۔

۴ شعبان سنہ [illegible]

بالوں کے احکام

ڈاڑھی منڈانا اور کٹانا دوسرے گناہوں سے بدترین گناہ ہے:

سوال: زید محلہ کی مسجد میں امام ہے، ڈاڑھی کٹاتا ہے، اگر اسے ڈاڑھی سے متعلق کوئی شخص سمجھاتا ہے تو جواب میں کہتا ہے کہ ڈاڑھی کٹانا فسق ہے، آج کل ننانوے فیصد لوگ فاسق ہیں ڈاڑھی رکھ کر بھی غیبت، کذب وغیرہ میں مبتلا ہیں، لہٰذا امام اور مقتدی سب ایک جیسے فاسق ہیں اس لئے کسی شخص کو مجھ پر اعتراض کا حق نہیں، زید کا یہ خیال صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

زید کا خیال بالکل غلط اور فریب ہے، اگر ایک شخص خفیۃً زنا کرتا ہے اور دوسرا علی الاعلان سربازار زنا کا ارتکاب کرتا ہے یا ایک شخص خفیہ چوری کرتا ہے اور دوسرا علی الاعلان ڈاکہ ڈالتا اور حکومت کی بغاوت کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ دونوں کے گناہوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، لہٰذا کوئی شخص کسی درجہ کا بھی گناہ گار اور فاسق وفاجر ہو مگر اس کا ظاہر شریعت کے خلاف نہ ہو تو اس کے گناہ مخفی ہونے کی وجہ سے ڈاڑھی کٹانے سے بدرجہا کم ہیں، ڈاڑھی کٹانے والا علی الاعلان شریعت کی مخالفت کررہا ہے اور دنیا میں ایسی شکل وصورت میں پھر رہا ہے کہ دور ہی سے ہر شخص اسے دیکھ کر اس کو فاسق اور شریعت کا مخالف سمجھتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص حکومت کی بغاوت کا جھنڈا اٹھا کر عام بازاروں میں پھر رہا ہو، ایسے شخص کے ناقابل معافی جرم کو حکومت کبھی بھی نظر انداز نہیں کرسکتی، غرضیکہ زید کا ڈاڑھی کٹانے کو دوسرے گناہوں کے برابر کہنا بدترین عذر ہے، زید حکومت الٰہیہ اور شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کرکے شہروں اور بازاروں میں پھر رہا ہے، وہ دور ہی سے ہر خاص وعام کے لئے خود کو شریعت کا باغی ظاہر کررہا ہے۔ گناہ کے اظہار و اخفاء میں بہت فرق ہے، چنانچہ رمضان میں علانیۃً کھانے پینے والے کو حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اہانت دین کی وجہ سے مباح الدم اور واجب القتل قرار دیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علانیہ گناہ کرنے والوں کے سوا میری پوری امت لائق عفو ہے۔

کل امتی معافی الا المجاہرین (متفق علیہ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی کٹانے، ٹخنے ڈھانکنے اور گانے بجانے کو ان بدکاریوں میں شمار فرمایا ہے جن کی وجہ سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا گیا (در منثور)

علاوہ ازیں دوسرے گناہ وقتی ہوتے ہیں مگر ڈاڑھی کٹانے کا گناہ چوبیس گھنٹے ساتھ رہتا ہے، سوتے جاگتے حتی کہ نماز وغیرہ عبادات کی حالت میں بھی یہ گناہ ساتھ رہتا ہے۔ اس لئے ڈاڑھی کٹانے کا گناہ دوسرے سب گناہوں سے بڑھ کر ہے۔

پھر زید کا ہر شخص کو غیبت و کذب یا دوسرے گناہوں میں مبتلا سمجھنا محض سوء ظن ہے جو اپنے نفس پر قیاس کرنے سے پیدا ہوا ہے، بہر کیف فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ کسی نیک شخص کو امام مقرر کرنا ضروری ہے جو نکاح امام الرجوئی یا من اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۵ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۸ھ

ڈاڑھی کی توہین کفر ہے:

یہ مسئلہ کتاب الایمان والعقائد جلد اول میں مفصل آچکا ہے، مزید تفصیل تتمہ میں ہے۔

عورتوں کا جوڑا باندھنا:

سوال: آج کل عورتیں مختلف طریقوں سے بال رکھتی ہیں، بعض سارے بالوں کو جمع کرکے پیچھے کی طرف گوندھ لیتی ہیں، بعض کنگھی مار کر پھیلا دیتی ہیں، بعض رخساروں پر پھیلا دیتی ہیں، کون سی صورت جائز اور کون سی ناجائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورتوں کا بالوں کو جمع کرکے سر کے اوپر جوڑا باندھنا ناجائز ہے، حدیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے کہ ایسی عورتوں کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہیں ہوگی، اس کے سوا دوسرے طریقے جائز ہیں بشرطیکہ کسی نامحرم کی نظر نہ پڑے اور کفار کے ساتھ مشابہت نہ ہو، بالوں کا سخت پردہ ہے حتی کہ بوڑھی عورت کے بال دیکھنا بھی حرام ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: صنفان من اھل النار لم ارھما

قوم معہم سیاط کاذناب البقر یضربون بھا الناس ونساء کاسیات عاریات ممیلات مائلات رؤوسہن کاسنمۃ البخت المائلۃ لا یدخلن الجنۃ ولا یجدن ریحہا وان ریحہا لتوجد من مسیرۃ کذا وکذا (رواہ مسلم)۔

گدی پر جوڑا باندھنا جائز ہے بلکہ حالت نماز میں افضل ہے، اس لئے کہ اس سے بالوں کے پردے میں سہولت ہوتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۸ر شوال ۹۶ھ

مصنوعی بال لگانا:

سوال: بعض عورتیں بازار سے مصنوعی بال خرید کر اپنے بالوں میں لگا لیتی ہیں تاکہ بال بڑے معلوم ہوں، کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ بال انسان کے ہوں تو ان کا لگانا گناہ کبیرہ ہے اور ایسا کرنے پر حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے، اگر کسی دوسرے جانور کے ہوں تو جائز ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ وشعر الانسان ولا یجوز الانتفاع بہ لحدیث لعن اللہ الواصلۃ والمستوصلۃ وانما رخص فیما یتخذ من الوبر فیزید فی قرون النساء وذوائبہن (رد المحتار ص ۲۴۲ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ ربیع الاول ۹۹ھ

عورت کا چہرے کے بال صاف کرنا:

سوال: عورت کے لئے چہرے کے بال صاف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حدیث میں نامصہ اور متنمصہ پر لعنت وارد ہوئی ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کے لئے چہرے کے بال صاف کرنا جائز ہے، اور اگر داڑھی یا مونچھ کے بال نکل آئیں تو ان کا ازالہ مستحب ہے۔

نامصہ اور متنمصہ پر لعنت کا مورد یہ ہے کہ ابرو کے اطراف سے بال اکھاڑ کر باریک دھاری بنائی جائے کما یدل علیہ التعلیل بتغییر خلق اللہ۔

ابرو بہت زیادہ پھیلے ہوئے ہوں تو ان کو درست کرکے عام حالت کے مطابق کرنا جائز ہے، غرضیکہ تزیین مستحب ہے اور ازالۂ عیب کا استحباب نسبۃً زیادہ مؤکد ہے اور تلبیس و تغییر خلق ناجائز ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ والنامصۃ الخ) ذکرہ فی الاختیار ایضا وفی المغرب النمص نتف الشعر ومنہ المنماص المنقاش اھ ولعلہ محمول علی ما اذا فعلتہ لتتزین للاجانب والا فلو کان فی وجہہا شعر ینفر زوجہا عنہا بسببہ ففی تحریم ازالتہ بعد لان الزینۃ للنساء مطلوبۃ للتحسین، الا ان یحمل علی ما لا ضرورۃ الیہ لما فی نتفہ بالمنماص من الایذاء وفی تبیین المحارم ازالۃ الشعر من الوجہ حرام الا اذا نبت للمرأۃ لحیۃ او شوارب فلا تحرم ازالتہ بل تستحب اھ وفی التاترخانیۃ عن المضمرات ولا بأس باخذ الحاجبین وشعر وجہہ ما لم یشبہ المخنث اھ ومثلہ فی المجتبی تأمل (رد المحتار ص ۲۳۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۲ھ

گردن کے بال مونڈنا جائز ہے:

سوال: گردن کے بال مونڈنا جائز ہے یا نہیں؟ امداد الفتاویٰ ص ۲۲۳ ج ۴ میں ہے:
"گردن کے بال مونڈنا فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے مکروہ سمجھا ہے۔" بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عالمگیریہ میں قفا کے بال مونڈنے کی کراہت منقول ہے۔

عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ یکرہ ان یحلق قفاہ الا عند الحجامۃ کذا فی الینابیع (عالمگیریۃ ص ۳۵۷ ج ۵)

امداد الفتاویٰ میں غالباً اسی عبارت میں قفا بمعنی گردن لے کر حکم لکھا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ قفا بمعنی مؤخر الراس (گدی) و مؤخر العنق (گردن کی پشت) دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ گدی سر کا حصہ ہے اور گردن مستقل عضو ہے، خود امداد الفتاویٰ جلد اول ص ۱۳ میں مسح گردن کے بیان میں تحریر ہے کہ قفا راس کا جزء ہے اور رقبہ اس سے خارج ہے اھ

لہذا گدی کا حلق قزع میں داخل ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، مگر گردن کا حلق مکروہ ہونے کی کوئی وجہ ظاہر نہیں، حضرت گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"گردن جدا عضو ہے اور سر جدا، لہذا گردن کے بال منڈانا درست ہے، سر کا جوڑ علیحدہ کان کی لو کے پیچھے معلوم ہوتا ہے، اس سے نیچے گردن ہے (فتاویٰ رشیدیہ ص۴۹۶)"

اس سے معلوم ہوا کہ عالمگیریہ میں قفا بمعنی گدی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ صفر سنہ ۹۱ھ

ڈاڑھی پیدا کرنے کے لئے استرا چلانا:

سوال: ایک شخص کی عمر تیس ۳۰ سال ہے مگر اس کی ڈاڑھی اور مونچھیں نہیں نکلیں، کیا وہ اس احتمال کی بناء پر کہ شاید ڈاڑھی نکل آئے استرا چلا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس ضرورت سے استرا چلانا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۳ رجب سنہ ۹۱ھ

حلق عانہ کی حدود:

سوال: زیر ناف بال کہاں تک کاٹنے چاہئیں؟ کیا ناف سے گھٹنے تک؟ نیز دبر یعنی دونوں سرینوں کے درمیان جو شگاف ہے اس کے بال کاٹنا مشکل ہوتا ہے، کٹنے کا ڈر ہوتا ہے تو کیا دبر کے بال صاف کرنا بھی ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عانہ کی حد مثانہ سے نیچے پیڑو کی ہڈی سے شروع ہوتی ہے، جس پر دلائل ذیل ہیں:

(۱) شرمگاہ جس حصہ میں ہے اس کی ہڈی یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

(۲) مخصوص نوعیت کے گھنے بالوں کی ابتداء یہیں سے ہوتی ہے۔

(۳) ستر کے بیان میں الخط المار بالسرۃ المحیط بجوانب البدن سے عانہ تک ایک عضو شمار کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عانہ اور سرہ کے درمیان ایک عضو خاص ہے اور سرہ سے پیڑو کی ہڈی تک یکساں نوعیت ہے، لہذا یہ عضو خاص پیڑو کی ہڈی تک ہے اور ہڈی سے عانہ شروع ہوتا ہے۔

(۴) فقہ کی کسی کتاب میں نظر سے گذرا ہے کہ خط تحت السرۃ سے نیچے عانہ ہے، اس

وقت تلاش کرنے پر یہ جزئیہ نہیں ملا، ممکن ہے کہ بیان مستقر کے تحت الخط المار بالسرۃ سے اشتباہ ہوا ہو، بہرکیف پیڑو کی ہڈی کے شروع میں بھی ایک خط ہے جو عانہ کی حد ہے۔

⑤ شامیہ کی آئندہ عبارت "الشعر القریب" سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ عانہ کی ابتداء سرۃ سے متصل نہیں۔

۳ پیڑو کی ہڈی کی ابتداء سے لے کر اعضاء ثلاثہ، ان کے حوالی، ان کی محاذات میں رانوں کا وہ حصہ جس کے تلوث کا خطرہ ہے اور دبر کے بال صاف کرنا واجب ہے، دبر کے بالوں کی صفائی کو طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستحب لکھا ہے مگر علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم بھی عانہ کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ مؤکد قرار دیا ہے۔

قال الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: العانۃ ھی الشعر الذی فوق الذکر وحوالیہ وحوالی فرجھا ویستحب ازالۃ شعر الدبر خوفا من ان یعلق بہ شیء من النجاسۃ الخارجۃ فلا یتمکن من ازالتہ بالاستجمار (طحطاوی علی المراقی)

وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی فصل فی الاحرام والعانۃ الشعر القریب من فرج الرجل والمرأۃ ومثلھا شعر الدبر بل ھو اولی بالازالۃ لئلا یتعلق بہ شیء من الخارج عند الاستنجاء بالحجر (رد المحتار ص ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۳ محرم سنہ ۱۴۰۱ھ

زیر ناف بال صاف کرنے کے لئے پاؤڈر کا استعمال:

سوال: زیر ناف بال صاف کرنے کا مستحب طریقہ کیا ہے؟ کترنا، کاٹنا یا اکھاڑنا؟ اس زمانے میں جو کریم یا پاؤڈر استعمال ہوتا ہے، اس کا استعمال از روئے شریعت کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مردوں کے لئے استرا وغیرہ سے صاف کرنا اور عورتوں کے لئے اکھاڑنا مستحب ہے۔ پاؤڈر اور کریم کا استعمال بھی جائز ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ ویستحب حلق عانتہ) قال فی الھندیۃ ویبتدئ من تحت السرۃ ولو عالج بالنورۃ یجوز

کذا فی الغرائب وفی الاشباہ والسنۃ فی عانۃ المرأۃ النتف (رد المحتار ص ۲۶۰ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲ جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ

سر کے بالوں کی جائز و ناجائز صورتوں کی تفصیل:

سوال: چند احباب نے ایک انجمن بنائی ہے۔ اس انجمن کے تحت کئی تعلیمی ادارے چل رہے ہیں، مستحق طلبہ کی اعانت بھی کی جاتی ہے، اس ادارے نے اچھے مسلمان پیدا کرنے کا عزم کر رکھا ہے، چنانچہ اس کے زیر اہتمام چلنے والے اسکولوں اور کالجوں میں ناظرہ قرآن، دینی معلومات، ترجمۂ قرآن، حدیث کی دعائیں نیز ریاض الصالحین اور عربی گرامر وغیرہ بھی پڑھائی جاتی ہے، انجمن کے لئے بڑے دینی مدرسوں سے عالم فاضل کا کورس کئے ہوئے مستند علماء دین کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی ایسے آدمی کو ملازم نہیں رکھا جاتا جس کی وضع قطع دین کے خلاف ہو، وہ کسی ظاہری گناہ کا عادی ہو یا نماز نہ پڑھتا ہو وغیرہ وغیرہ، اس سلسلے میں انجمن سختی سے اپنے قواعد کی پابندی کراتی ہے تاکہ سارے ماحول پر دینی رنگ غالب نظر آئے۔

طلبہ کو بھی لیکچرز کے ذریعے ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ سنتوں کی پابندی کریں اور شریعت میں جو باتیں منع ہیں ان سے بچیں۔

اب انجمن کی انتظامیہ اور مدرسین میں اختلاف ہو گیا ہے، نفس اس اختلاف کا یہ ہے کہ انتظامیہ یہ کہتی ہے کہ دیگر ملازمین کی طرح مدرسین بھی اپنی وضع قطع دین کے مطابق رکھیں جس میں کہ سنت کے مطابق ڈاڑھی، سر کے بال اور لباس کو مظہر خارجی ہونے کی وجہ سے اولیت حاصل ہے۔ اختلافی نقطہ یہ ہے کہ بعض مدرسین انتظامیہ کے خیال میں انگریزی بال رکھے ہوئے ہیں اور اس پر اصرار بھی کر رہے ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ یہ وہی مدرسین ہیں جو عالم فاضل ہیں، اس لئے انتظامیہ کو انہیں اپنا موقف سمجھانے میں دشواری ہو رہی ہے کہ یہ لوگ خود اعتراض کرتے ہیں۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات ایسی ہی ہوتی تو ہم سالہا سال تک دینی مدرسوں میں پڑھتے رہے ہیں اور ہمارے بالوں کی یہی حالت تھی تو ہمارے بزرگوں نے ہمیں کیوں نہیں روکا؟ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اتنی ضروری بات نہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ ہمارے بال انگریزی ہیں ہی نہیں، ہم نے قینچی کے ساتھ برابر کٹے ہیں

کبھی کہتے ہیں ان امور میں اتباع ضروری نہیں۔ یہ عادت والی سنت ہے۔
اب بہت بحث ومباحثہ کے بعد طے ہوا ہے کہ آپ سے فتویٰ لیا جائے چنانچہ آپ ازراہ کرم درج ذیل باتوں کے جوابات مرحمت فرمائیں اگر آپ ہر بات کا نمبر وار الگ الگ جواب دیدیں گے تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

① انگریزی بالوں کی کیا تعریف ہے؟ ایسی تعریف سلیس اردو میں بتائیں جسے ہر خاص وعام سمجھ سکے اور کسی بھی آدمی کے بال دیکھ کر با آسانی اندازہ ہو سکے کہ وہ انگریزی ہیں یا اسلامی؟

② کیا انگریزی بال رکھنا جائز ہے؟

③ اگر ناجائز ہے تو کس قسم کا ناجائز ہے؟ اس لئے کہ جن مدرسین کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ کہتے ہیں ناجائز کی بھی کئی قسمیں ہیں، انگریزی بال رکھنا مکروہ ہے جو ہلکی قسم کی چیز ہے، آپ بتائیں یہ حرام ہے یا مکروہ؟ کیا مکروہ کا ارتکاب کرنا جائز ہے؟

④ اگر مکروہ بھی ہے تو اوپر بیان کردہ صورت حال کے پیش نظر کیا مدرسین کے لئے اس میں شدت نہیں ہو جاتی خصوصیت کے ساتھ جب کہ وہ عالم فاضل ہوں کہ یہی لوگ طلبہ اور دیگر ملازمین کے لئے نمونہ ہیں۔

⑤ یہ مدرسین یہ بھی کہتے ہیں کہ سر کے بال منڈوانا مثلہ ہے۔
کیا سر کے بال منڈوانے کو مثلہ کہنا جائز ہے؟

⑥ یہ مدرسین یہ بھی کہتے ہیں کہ جو آدمی سر کے بال منڈوالے وہ سخت احساس کمتری کا شکار ہوتا ہے ہم پر خود یہ حالت گذری ہے اس لئے طلبہ کو بال منڈوانے کی ترغیب نہ دی جائے کہ اس طرح وہ احساس کمتری کا شکار ہوں گے۔

⑦ کیا بال منڈوانے سے احساس کمتری کا شکار ہونا کوئی معقول بات ہے؟

الجواب باسم ملهم الصواب

پہلے بالوں کی جائز وناجائز تمام صورتیں لکھی جاتی ہیں، اس کے بعد سوالات کے جوابات۔
بال رکھنے کی جائز صورتیں تین ہیں:
① پٹے رکھنا، اس کی تین قسمیں ہیں:
① کانوں کی لو تک۔ اس کو عربی میں وفرہ کہتے ہیں۔

(۲) کانوں کی لو اور کندھوں کے درمیان تک، اس کو لمہ کہتے ہیں۔

(۳) کندھوں تک، اس کو جمہ کہتے ہیں۔

(۲) حلق یعنی پورے سر کے بال منڈوانا۔

(۳) پورے سر کے بالوں کو برابر کاٹنا۔

ان میں سب سے افضل پہلی صورت ہے، پھر دوسری صورت کا درجہ ہے اور آخری صورت کی صرف گنجائش ہے۔

اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں کہ پٹے رکھنا مسنون ہے، البتہ حلق کی سنیت میں اختلاف ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دائمی عمل کی وجہ سے مسنون کہا ہے، اسی طرح امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی سنیت نقل کی ہے۔

حافظ ابن حجر اور ملا علی قاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے اباحت پر محمول کیا ہے۔

بہرحال اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں اور بچوں کی تربیت کی خاطر ان کے سر منڈوانا افضل بلکہ غلبۂ فساد کی وجہ سے ضروری ہے۔

اخرج الامام ابو داود رحمه الله تعالى عن علي رضي الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من ترك موضع شعرة من جنابة لم يغسلها فعل كذا وكذا من النار، قال علي رضي الله تعالى عنه فمن ثم عاديت رأسي فمن ثم عاديت رأسي فمن ثم عاديت رأسي وكان يجز شعره رضي الله تعالى عنه۔

قال العلامة السهارنفوري رحمه الله تعالى: وبهذا الحديث استدل الطيبي على سنية حلق الرأس لتقريره صلى الله عليه وسلم ولانه من الخلفاء الراشدين الذين امرنا بمتابعة سنتهم ورد عليه القاري وابن حجر فقالا ان فعله رضي الله تعالى عنه اذا كان مخالفا لسنته عليه الصلوة والسلام وبقية الخلفاء يكون رخصة لا سنة (بذل المجهود ص۱۵۲ ج۱)

وعن عبد الله بن جعفر رضي الله تعالى عنهما ان النبي صلى الله عليه وسلم امهل آل جعفر ثلاثا ان يأتيهم ثم اتاهم فقال لا تبكوا على اخي بعد اليوم

ثم قال ادعوا لی بنی اخی فجیئ بنا کانا افرخ فقال ادعوا لی الحلاق فامرہ فحلق رؤسنا۔

قال الشیخ السہارنفوری رحمہ اللہ تعالیٰ: وفیہ ان الکبیر من اقارب الاطفال یتولی امرھم وینظر فی مصالحھم من حلق الرأس وغیرہ (بذل المجھود ص ۵۶ ج ۵)

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی الروضۃ للزندویستی ان السنۃ فی شعر الرأس اما الفرق او الحلق وذکر الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ ان الحلق سنۃ ونسب ذلک الی العلماء الثلاثۃ (رد المحتار ص ۲۶۱ ج ۵)

وکذا فی الھندیۃ عن التتارخانیۃ وزاد: یستحب حلق الرأس فی کل جمعۃ کذا فی الغرائب (عالمگیریۃ ص ۳۵۷ ج ۵)

بالوں کی ناجائز صورتیں:

قزع یعنی سر کے بعض حصہ کے بال منڈانا اور بعض کے چھوڑنا یا بعض زیادہ تراشنا اور بعض کم۔

حدیث میں ایسے بال رکھنے سے صراحۃً ممانعت آئی ہے کما سنذکر۔

ایسے بال رکھنا جو کفار و فساق کا شعار ہو۔

یہ تشبہ بالکفار والفساق کی وجہ سے ممنوع ہے، البتہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ ہر زمانہ میں اس وقت کے کفار و فساق کے شعار کا اعتبار ہوگا۔

اخرج الامام ابوداود رحمہ اللہ تعالیٰ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن القزع والقزع ان یحلق رأس الصبی فیترک بعض شعرہ۔

وعنہما رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن القزع وھو ان یحلق رأس الصبی ویترک لہ ذؤابۃ۔

قلت ولیس ھذا مختصا بالصبی بل اذا فعلہ کبیر یکرہ لہ ذلک فذکر الصبی باعتبار العادۃ الغالبۃ۔

وعنہما رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأی صبیا قد حلق بعض رأسہ وترک بعضہ فنہاھم عن ذلک فقال احلقوہ کلہ او

اوترکوہ کلہ۔

قال النووی رحمہ اللہ تعالیٰ: مذھبنا کراھتہ مطلقا للرجل والمرأۃ لاطلاق الحدیث وھی کراھۃ تنزیہ وکذلک کرھہ مالک وابوحنیفۃ رحمھم اللہ تعالیٰ۔

وعن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کانت لی ذؤابۃ فقالت لی امی لا اجزھا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمدھا ویأخذ بھا۔

وقیل ان ذؤابۃ انس انما یجوز اتخاذھا للغلام اذا کانت مع غیرھا من الشعور التی فی الرأس واما اذا حلق شعرہ کلہ وترک لہ ذؤابۃ فھو القزع الذی نھی عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وعن الحجاج بن حسان قال دخلنا علی انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فحدثتنی اختی المغیرۃ قالت وانت یومئذ غلام ولک قرنان او قصتان فمسح رأسک وبرک علیک وقال احلقوا ھذین او قصوھما فان ھذا زی الیھود۔

وھذا یدل علی ان الروایۃ المتقدمۃ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کانت لی ذؤابۃ لا یدل علی جواز ذؤابۃ مطلقا بل الظاھر أن المنھی عنہ غیر المرخص فیہ فالرخصۃ انما ھی اذا کان جمیع شعر الرأس موجودۃ وکانت الذؤابۃ طویلۃ من سائر الشعور واما اذا کان البعض محلوقا والذؤابۃ باقیۃ فلا رخصۃ فیہ (بذل المجھود ص۲۲ج۶)

وقال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ: قال النووی رحمہ اللہ تعالیٰ الاصح ان القزع ما فسرہ بہ نافع رحمہ اللہ تعالیٰ وھو حلق بعض رأس الصبی مطلقا ومنھم من قال ھو حلق مواضع متفرقۃ منہ والصحیح الاول لانہ تفسیر الراوی وھو غیر مخالف للظاھر فوجب العمل بہ، وقلت الا ان تخصیصہ بالصبی لیس قیدا، قال النووی رحمہ اللہ تعالیٰ اجمعوا علی کراھتہ اذا کان فی مواضع متفرقۃ الا للمداواۃ او نحوھا وھی

تشبیہا بالسحاب المتفرق (فتح الباری ص ۳۶۳ ج ۱۰)

وجوہ مذکورہ کی بنا پر امام نووی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ نے طلاق بعض کو صحیح ورد اجیب الحلق قرار دیا ہے۔ ومن نصہما اخذ الفقہ۔

بخلاف المعہود کی وجہ سے توفیق میں مذکورہ صورت جواز بھی اس لئے صحیح نہیں کہ اس میں علت نہی تغییر خلق اللہ موجود ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قزع میں کراہت تنزیہ کا قول فرمایا ہے، اس بارہ میں تین امور:

(۱) ظاہر حدیث اور تعلیل تغییر خلق اللہ سے کراہت تحریم ثابت ہوتی ہے۔

(۲) کراہت تنزیہ پر دوام سے کراہت تحریم ہو جاتی ہے۔

(۳) یہ قول اس صورت میں ہے کہ تشبہ بالکفار نہ ہو، جب تغییر الخلق کے ساتھ تشبہ بالکفار بھی مل جائے تو کراہت تحریم ہونا ظاہر ہے۔

سوالات کے بالترتیب جوابات:

(۲،۱) فیشن میں روز بروز تبدیلیاں آتی رہتی ہیں مگر انگریزی دور کے آغاز سے اب تک یہ امر اس فیشن کا جزو لازم اور قدر مشترک کے طور پر رہا ہے کہ بال کہیں سے چھوٹے کہیں سے بڑے ہوتے ہیں۔ گویا یہ فیشن پورا ہی جب ہوتا ہے کہ بالوں میں یکسانیت نہ ہو، یکسانیت کا فقدان جیسے کاٹنے سے ہوتا ہے ایسے ہی منڈانے سے بھی ہوتا ہے، جیسے کانوں کے قریب استرا لگوانے کا معمول ہے۔

یہ صورت جس میں پورے سر کے بال برابر نہ ہوں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور محدثین و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی نصوص سے واضح طور پر ممنوع ہے۔ خواہ یہ کسی کافر و فاسق قوم یا گروہ کا شعار ہو یا نہ ہو، اگر فساق و فجار کا شعار بھی ہو تو اس کا گناہ اور بھی سخت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من تشبہ بقوم فھو منھم۔

اور فرمایا:

لا تشبھوا بالیہود والنصاری۔

اور فرمایا:

خالفوا الیہود والنصاری۔

(۳) جب ایک چیز کا گناہ ہونا واضح ہوگیا تو پھر یہ کہنا کہ "یہ کم درجہ کا ناجائز ہے، وہ بڑے درجہ کا" سخت خطرناک گمراہی ہے، اللہ تعالی کی نافرمانی سے بچنے کی بجائے اس کو ہلکا سمجھنا اور گناہ کو جائز کرنے کے حیلے بہانے ڈھونڈنا عالم مسلمان کے شایان شان بھی نہیں ہوسکتا، اگر خدانخواستہ یہ حالت عالم کہلانے والوں کی ہوگئی ہے تو اس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے ؎

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مکروہ تحریمی اور حرام میں صرف عقیدہ کے اعتبار سے فرق ہے، عملاً دونوں مساوی ہیں، دونوں گناہ کبیرہ ہیں اور دونوں پر عذاب برابر ہے۔

(۴) علماء جو پوری امت کے لئے رہنما اور مقتدا ہیں، ان کی ذرا سی نامناسب بات بھی بہت ہی معیوب ہے اور تھوڑی سی کوتاہی لاکھوں، کروڑوں انسانوں کی گمراہی کا سبب بن سکتی ہے، چہ جائیکہ مکروہ تحریمی کو ہلکا سمجھا جانے لگے، اس پر کفر کا خطرہ ہے۔

(۵) سر کے بال منڈوانا جائز ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی سنت دائمہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔

نیز اس سے مثلہ کہنا بہت خطرناک گمراہی ہے۔

(۶) احساس کمتری تربیت نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ جب تربیت کرنے والوں کا حال یہ ہو کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ اور صلحاء کی شکل وہیئت کی بجائے فساق وفجار کی شکل وہیئت سے پیار ہو تو ان سے تربیت پانے والے بھی اسی کے دلدادہ ہوں گے، ان کی صحیح تربیت کرکے صلحاء کی ہیئت پر فخر کرنے کا جذبہ پیدا کیا جاسکتا ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۲ ربیع الاول [illegible]

مرد کے لئے جوڑا باندھنا جائز نہیں:

سوال: اگر مرد کے بال بہت بڑے بڑے ہوں تو ان کو سنبھالنے کے لئے جوڑا باندھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔

قال العلامۃ عالم بن العلاء الدھلوی رحمہ اللہ تعالی: ویکرہ ان یصلی وھو عاقص شعرہ والعقص ھو الاحکام والشد والمراد من المسألۃ عند بعض المشایخ ان یجمع شعرہ علی ھامتہ ویشدہ بصمغ او غیرہ لیتلبد وعند بعضھم ان یلف ذوائبہ حول رأسہ کما تفعلہ النساء فی بعض الاوقات وعند بعضھم ان یجمع الشعر کلہ من قبل القفا ویمسکہ بخیط او خرقۃ کیلا یصیب الارض اذا سجد (التاتارخانیۃ ص۱۳ ج۱)

قال العلامۃ الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالی: وکرہ عقص شعرہ وھو ان یشد ضفیرتہ حول رأسہ کما یفعلہ النساء او یجمع شعرہ فیعقدہ فی مؤخر رأسہ وانما کرہ لما روی مسلم عن کریب مولی ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما ان ابن عباس رأی عبد اللہ بن الحارث یصلی ورأسہ معقوص من ورائہ قال فجعل یحلہ فلما انصرف اقبل علی ابن عباس وقال مالک ورأسی فقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انما مثل ھذا مثل الذی یصلی وھو مکتوف وفی شرح مسلم قال العلماء والحکمۃ فی النھی عنہ ان الشعر یسجد معہ ولھذا مثلہ بالذی یصلی وھو مکتوف ولقول علی رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تعقص شعرک فی الصلوۃ فانہ کفل الشیطان رواہ عبد الرزاق وعن ابی رافع قال نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی الرجل ورأسہ معقوص رواہ احمد وابن ماجہ وفی الباب احادیث فی الصحیحین وغیرھما (شرح النقایۃ ص۲۱۳ ج۱)

قال العلامۃ الشیخ ابراھیم الحلبی رحمہ اللہ تعالی: ویکرہ ایضا العقص ای عقص الشعر وھو ضفرہ وفتلہ والمراد بہ ان یجعلہ علی ھامتہ فی ھذا الموضع

ان یجمع شعرہ علی ہامتہ ویشدہ بصمغ او ان یلف ذؤابتیہ تثنیۃ ذؤابۃ بضم الذال المعجمۃ وبعدہا ہمزۃ ممدودۃ ثم باء موحدۃ قال فی القاموس ہی الناصیۃ والمراد ہنا خصلۃ شعرہ حول رأسہ کما یفعلہ السفلۃ فی بعض الاوقات او ان یجمع الشعر کلہ من قبل ای من جہۃ القفا ویمسکہ ای یشدہ بخیط او خرقۃ کیلا یصیب الارض اذا سجد وجمیع ذلک مکروہ اذا فعلہ قبل الصلوۃ وصلی بہ علی تلک الہیئۃ اما لو فعل شیئا من ذلک وہو فی الصلوۃ تفسد صلوتہ لانہ عمل کثیر بالاجماع ووجہ الکراہۃ ما روی الطبرانی عن الثوری عن مخول بن راشد عن سعید بن المقبری عن ابی رافع عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالی عنہا انہ علیہ السلام نہی ان یصلی الرجل ورأسہ معقوص وکذا رواہ اسحق بن راہویہ قال انبأنا المؤمل بن اسمعیل عن سفیان بہ سندا ومتنا وزاد قال اسحق قلت للمؤمل فیہ ام سلمۃ قال بلا شک واخرج الستۃ عنہ علیہ الصلوۃ والسلام امرت ان اسجد علی سبعۃ اعظم وان لا اکف شعرا ولا ثوبا وفی العقص کف الشعر فیکون منہیا (غنیۃ المستملی ص۳۳۹) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۷ ذی القعدۃ ۱۳۹۲ھ

کسب حلال وحرام

سونا بنانا:

سوال: سونا بنانا شریعت کی نظر میں صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ علم تضییع مال واوقات ہے اس لئے جائز نہیں۔

البتہ اگر کوئی اس فن میں پوری مہارت حاصل کرکے سونا بناسکے اور اس کے سونا ہونے میں کوئی شک وشبہہ نہ رہے تو جائز ہے بشرطیکہ خلاف قانون نہ ہو۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله وعلم الحرف) يحتمل ان المراد به ما يعرف الآن بالكيميا ولا شك في حرمته لما فيها من ضياع المال والاشتغال بما لا يفيد (الى قوله) وحاصله انه اذا قلنا باثبات قلب الحقائق وهو الحق جاز تعلمه وتعليمه لانه ليس بغش لان النحاس ينقلب ذهبا او فضة حقيقة وان قلنا انه غير ثابت لا يجوز لانه غش كما لا يجوز لمن لا يعلمه حقيقة لما فيه من اتلاف المال وغش المسلمين والظاهر ان مع ثبوت انقلاب الحقائق يلحق به ما ذكره في انقلاب عين النجاسة كانقلاب الخمر خلا والدم مسكا ونحو ذلك (رد المحتار ص ۳۰ ج ۱) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۹ ذی الحجہ سنہ [illegible]

قلی کا مقررہ اجرت سے زیادہ لینا:

سوال: آج کل حکومت نے اسٹیشن کے قلیوں کے لئے اجرت کی شرح مقرر کردی ہے۔ مثلاً ایک من وزن اٹھانے کی اجرت چار آنے ہے، لیکن عموماً قلی اس سے بہت زیادہ طلب کرتے ہیں، ورنہ سامان نہیں اٹھاتے، اس لئے مسافر زیادہ اجرت طے کرنے پر راضی ہوجاتے ہیں، کیا جو اجرت مجبوراً طے کرلی جائے اس سے کم دینا جائز ہے؟ نیز قلی کے لئے زیادہ اجرت لینا جائز ہے؟

بعض اوقات قلی اجرت طے نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ جو مرضی ہو دے دینا، لیکن بعد میں حکومت کی طرف سے مقرر شرح سے زیادہ طلب کرتے ہیں، کیا اس صورت میں حکومت کی طرف سے مقرر کردہ شرح سے زیادہ جو قلی کی مطلوب رقم سے کم ہو دینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قلی پر حکومت سے کئے ہوئے معاہدہ کی پابندی لازم ہے، اور اس کے خلاف کرنا گناہ ہے، مگر عموماً قلی اس کی پابندی نہیں کرتے، اس لئے ان سے پیشگی اجرت طے کرنا ضروری ہے اور طے کردہ اجرت پوری دینا ضروری ہے۔

اجرت مقررہ پر مجبور کرنے کے جواز میں اختلاف ہے، کما حررہ العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی بحث التسعیر، اس لئے مجبور کرنا بہتر نہیں، خلاف تقویٰ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ رمضان ۔۔۔ھ

ٹیکسی ڈرائیور کا میٹر سے زیادہ کرایہ لینا:

سوال: ٹیکسی ڈرائیور سواری سے میٹر کے حساب کے خلاف زیادہ کرایہ وصول کرے تو کیا یہ جائز ہے جبکہ میٹر کے خلاف پیسے دینا قانوناً جرم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ڈرائیور پر حکومت کے ساتھ معاہدہ کی پابندی لازم ہے، اس کے خلاف کرنا گناہ ہے، مگر اس کے باوجود اگر میٹر سے زیادہ اجرت طے کرلی تو یہ اجرت حلال ہے۔

میٹر کو تیز کرکے دھوکے سے زیادہ اجرت لینا جائز نہیں، میٹر کو تیز کرنے کی وجہ سے جتنی اجرت زیادہ حاصل ہوتی ہے وہ حرام ہے، جس کا مالک تک پہنچانا فرض ہے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو مساکین پر صدقہ کرنا فرض ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۸ ۔ شوال ۔۔۔ھ

بنک، بیمہ کمپنی اور محکمہ انکم ٹیکس وغیرہ میں ملازمت:

سوال: بنک، بیمہ کمپنی، محکمہ انکم ٹیکس جس میں سینما، موٹروں اور مکانوں پر ٹیکس کی تشخیص و تعیین کا کام ہوتا ہے۔ اسی طرح کسٹم، آبکاری جس میں نشہ آور چیزوں کی درآمد

پر بحث وسوال کیا جاتا ہے، ان محکموں میں ملازمت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بنک اور بیمہ ربوٰ ہے اور ٹیکسوں کی تشخیص کا طریق مروج ظلم ہے، ان کے مصارف بھی صحیح نہیں، اس لئے ان میں ملازمت جائز نہیں۔

قال الله تعالى: وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان۔

وعن انس رضی الله تعالى عنه قال لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الخمر عشرة عاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة اليه وساقيها وبائعها وآكل ثمنها والمشتري لها والمشتراة له (ترمذی ص [illegible] ج ۱) والله سبحانه وتعالى اعلم

۲۳ ذی القعدہ [illegible]

سینما کی ملازمت:

سوال: سینما میں ملازمت کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سینما میں ملازمت دو وجہ سے حرام ہے۔

① تنخواہ حرام آمدن سے دی جاتی ہے۔

② اگر اس کے ذمہ کوئی ناجائز کام نہ ہو تو بھی تعاون علی الاثم تو ہے ہی جو بنص قرآن "ولا تعاونوا على الاثم والعدوان" حرام ہے، اس لئے اس کی اجرت لینا حرام ہے۔ والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۹ ربیع الاول [illegible]

سینما، بنک و دیگر سودی اداروں کی تعمیر کی اجرت:

سوال: سینما، بنک اور بیمہ کمپنی کی عمارات کی تعمیر کرنا کیسا ہے؟ اس تعمیر سے جو اجرت حاصل ہو وہ حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارے میں کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، نہ ہی کوئی ایسا جزئیہ مل سکا جس پر قیاس پر تشفی تام ہو، قواعد سے رجحان ادھر معلوم ہوتا ہے کہ اگر عمارت کا نقشہ ایسا ہو کہ اسے

سینما یا بینک وغیرہ کے سوا کسی دوسرے کام میں بصورت استعمال نہ کیا جا سکتا ہو تو اس کی تعمیر کی اجرت ناجائز ہے ورنہ جائز۔

مندرجہ ذیل دو جزئیات اس کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں:

(۱) قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وجاز تعمیر کنیسۃ وحمل خمر ذمی بنفسہ او دابتہ باجر لا عصرہا لقیام المعصیۃ بعینہ (رد المحتار ص ۲۵۲ ج ۵)

(۲) وقال العلامۃ السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ: واذا استأجر الذمی من المسلم بیتا لیبیع فیہ الخمر لم یجز لانہ معصیۃ فلا ینعقد العقد علیہ ولا اجر لہ عندہما وعند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز والشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز ہذا العقد لان العقد یرد علی منفعۃ البیت ولا یتعین علیہ بیع الخمر فیہ فلہ ان یبیع فیہ شیئا آخر یجوز العقد لہذا ولکنا نقول لما نص علیہما بالمقصود لا یجوز اعتبار معنی آخر فیہ وما صرحا بہ معصیۃ (مبسوط ص ۳۹ ج ۱۶)

مگر جزئیہ اولیٰ پر قیاس کرکے قول جواز میں یہ کلام ہے کہ کنیسہ کو کافر استعمال کریگا اور سینما کو مسلمان۔

اور جزئیہ ثانیہ پر قیاس کرکے عدم جواز پر استدلال بھی اس لئے تام نہیں کہ وہاں دینا گو معصیت میں استعمال کرنے کے لئے دے رہا ہے اور مسئلہ زیر بحث میں ایسی کوئی چیز معصیت کے لئے نہیں دے رہا بلکہ معصیت کے لئے استعمال ہونے والے مکان کی تعمیر میں کام کر رہا ہے تاہم اس سے مکان عدم جواز کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۹ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

کوٹ پتلون سینے کی کمائی:

سوال: ایک شخص کی آمدن صرف پتلون سینے سے ہوتی ہے، کیا اس کی آمدن حلال ہے؟ اگر آمدن کوٹ پتلون، شیروانی اور قمیص وغیرہ سب چیزوں کے سینے سے حاصل ہوتی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پتلون اگر اتنی تنگ ہو کہ اعضاء مستورہ کا حجم نظر آتا ہو تو اس کا پہننا اور سینا حرام ہے، لہٰذا اس سے حاصل شدہ آمدن حرام ہوگی، اور اگر اتنی چست نہ ہو بلکہ ڈھیلی ہو تو اسکے

پینے اور سینے کی گنجائش ہے مگر تقویٰ کے خلاف ہے۔
ہر صورت میں مقدار حرام کا تصدق واجب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۲۰ ربیع الاول ۹۳ھ

حکومت کا ضبط کردہ مال خریدنا:

سوال: بیرونی ممالک سے تجار جو خلاف قانون اشیاء منگواتے ہیں بعض مرتبہ حکومت ان کو ضبط کر لیتی ہے، بعد میں اسے نیلام کرتی ہے اور سستے داموں فروخت کر کے اس سے حاصل شدہ رقم سرکاری خزانہ میں داخل کرتی ہے، حکومت سے ایسا مال خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس مال پر حکومت کا قبضہ ظلم ہے، مالی جرمانہ بہرحال ناجائز ہے۔ اس لئے اگر خریدنے والے کو علم ہو تو اس کے لئے اس کا خریدنا جائز نہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ۔

قلت: وکل مال محترم حکمہ حکم مال مسلم۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۳ جمادی الثانیہ ۹۵ھ

کسب میں افراط جائز نہیں:

سوال: آدمی صبح سے رات گئے تک کمانے میں مشغول رہے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دنیا کمانے میں اس قدر منہمک ہو جانا کہ حقوق اللہ و حقوق العباد میں خلل واقع ہونے لگے اور جسمانی و دماغی صحت پر برا اثر پڑنے لگے جائز نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: یا ایہا الذین آمنوا لا تلہکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ، ومن یفعل ذلک فاولئک ہم الخاسرون۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۲۶ رجمادی الآخرۃ ۹۵ھ

جلسہ میں چندہ کرنا:

سوال: مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر لوگوں کو چندہ کی ترغیب دے کر چندہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اکثر و بیشتر لوگ ترغیب و ترہیب کے جوش میں آکر چندہ دیتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر عوام کا اجتماع ہو اور صورت بھی ایسی ہو کہ کوئی شخص بھی چندہ نہ دینے میں ذرا برابر بھی اپنی بے عزتی محسوس نہ کرتا ہو اور طرز بیان میں بھی تملق، دودین داہن دین کی سبکی نہ ہو تو جائز ہے، ورنہ نہیں۔

اس کی تفصیل رسالہ "الکلام البدیع فی احکام التوزیع" مندرجہ احسن الفتاوی جلد اول میں ہے، واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۸ر جمادی الآخرۃ ۹۲ھ

غیر ممالک سے سونا چاندی لانا:

سوال: ایک شخص حج پر جا رہے ہیں، دوسرا شخص ان سے کہتا ہے کہ چونکہ وہاں سونے کی قیمت کم ہے، اس لئے آپ ہمارے لئے چار پانچ تولے سونا لے آنا، میں اصل قیمت ادا کر دوں گا تو کیا حاجی کے لئے وہاں سے سونا لانا جائز ہے؟ اس سے اس کے حج پر تو کوئی اثر نہیں پڑے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حج تو ہو جائے گا مگر یہ فعل جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں ملک کا نقصان، قانون شکنی اور عزت کو خطرہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۶ر شعبان ۹۲ھ

دودھ میں پانی ملانا:

سوال: دودھ میں پانی ملا کر فروخت کرنا کیسا ہے، جبکہ گاہک کو بتا دیا جائے؟ اگر جائز ہے تو کیا دودھ جو اللہ تعالی کی پیدا کی ہوئی نعمت ہے اس میں پانی ملانے کا گناہ ہوگا؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر گاہک کو ملاوٹ کا علم ہو تو فروخت کرنا جائز ہے، اگر دھوکا دینا مقصود نہ ہو تو دودھ میں پانی ملانا کوئی عیب کی بات نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ

اسمگلنگ:

سوال: اسمگلنگ کرنا، اسمگل شدہ مال خریدنا بیچنا اور اس میں مدد کرنا کیسا ہے؟ ان امور میں سے کسی کے مرتکب کے ہاں کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اسمگلنگ میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی، ملک کا نقصان اور عزت کا خطرہ ہے، اس لئے ناجائز ہے، ایسے مال کی خرید وفروخت اور اس میں تعاون کرنا بھی ناجائز ہے مگر اس کے منافع حرام نہیں، لہذا اس کے ہاں کھانا کھانے میں کوئی گناہ نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۰ جمادی الاولی ۱۳۹۹ھ

غیر طبیب کو علاج کا پیشہ اختیار کرنا:

سوال: میں تجربہ کی بنیاد پر مریضوں کا علاج کرتا ہوں، ۲۵ سال سے میرا یہی ذریعہ معاش ہے، میں دس افراد کا واحد کفیل ہوں اور میری عمر ۵۴ سال ہے، پریشانی یہ ہے کہ بعض اوقات انجکشن لگانے سے مریض کی حالت بگڑ جاتی ہے، دست لگ جاتے ہیں یا بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور کبھی ایک دن کے بعد مریض انتقال کر جاتا ہے، کیا اس کی سزا مجھے ہوگی، میں یہ پیشہ ترک کر دوں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی ماہر فن سے علاج کی تعلیم حاصل کئے بغیر علاج کا پیشہ اختیار کرنا جائز نہیں، نیز اس میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کا گناہ بھی ہے، آپ قانون کے مطابق امتحان دے کر کمپوڈری یا ہومیو پیتھک کی سند حاصل کریں، اس کے بعد یہ پیشہ اختیار کر سکتے ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: بل یمنع مفت ماجن یعلم الحیل

الباطلۃ کتعلیم الردۃ لتبین من زوجها او لتسقط عنها الزکاۃ وطبیب جاھل۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وطبیب جاھل) بان یسقیھم دواء مھلکا واذا قوی علیھم لا یقدر علی ازالۃ ضررہ نہر۔ (رد المحتار ص ۹۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ رمضان سنہ ھ

ناجائز محصول سے بچنے کے لئے رشوت دینا:

سوال: ایک شہر سے دوسرے شہر سامان لے جانے پر حکومت کی طرف سے محصول وصول کیا جاتا ہے، اس سے بچنے کی یہ تدبیر اختیار کی جاتی ہے کہ بس کے ڈرائیور یا کنڈیکٹر کو کچھ روپے دیے جاتے ہیں، وہ معروف اڈے پر سامان اتارنے کی بجائے کسی دوسری جگہ اتارتے ہیں، اگر معروف اڈہ پر محصول وصول کرنے والے پوچھ گچھ کریں تو ڈرائیور کسی دوسرے شہر کا نام لے کر کہتا ہے کہ گاڑی وہاں جا رہی ہے، کبھی تو وہ اس قول میں سچا ہوتا ہے کہ گاڑی کسی دوسرے شہر جا رہی ہوتی ہے اگرچہ سامان اسی شہر میں اتارنا ہوتا ہے اور کبھی گاڑی کو وہیں تک جانا ہوتا ہے جہاں سامان اتارنا ہوتا ہے۔ ڈرائیور جھوٹ بول کر سامان کو محصول سے بچاتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ صاحب مال ڈرائیور یا کنڈیکٹر کو جو روپے بطور رشوت دیتا ہے، ان کا لینا دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صاحب مال کے لئے دینا مطلقاً جائز ہے اور ڈرائیور، کنڈیکٹر کے لئے لینا اس شرط سے جائز ہے کہ راستے میں محصول کے علاوہ چوری وغیرہ سے حفاظت بھی ان کے ذمہ ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ جمادی الاولیٰ سنہ ھ

طبیب کی بے اعتنائی سے بچنے کے لئے رشوت دینا:

سوال: بعض دفعہ کوئی مریض ہسپتال میں زیر علاج ہوتا ہے، مریض کے رشتہ دار ڈاکٹر یا کمپوڈر کی مراعات حاصل کرنے اور مریض کی دیکھ بھال کے لئے کوئی چیز یا روپیہ دیتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، ڈاکٹر کی مراعات حاصل کرنے یا بے اعتنائی سے بچنے کے لئے اسے رشوت دینے سے اس کی عادت بگڑے گی جس کے نتیجہ میں پوری قوم ظلم کا شکار ہوگی۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ر جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۰ھ

رشوت کی جائز وناجائز صورتیں:

سوال: آج کل ہر طرف رشوت کا بازار گرم ہے، کئی مواقع ایسے آتے ہیں کہ شریف آدمی بھی رشوت دینے پر مجبور ہو جاتا ہے، جواز وعدم جواز کے مواقع معلوم نہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشانی ہوتی ہے، اور بسا اوقات خاصہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اس لئے کوئی ایسا جامع ضابطہ بیان فرمادیں جسے سامنے رکھ کر ہر موقع کا حکم معلوم ہو جائے تاکہ احکام شرعیہ کی پابندی اور نافرمانی سے احتراز کا اہتمام کیا جا سکے۔
بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

رشوت لینے دینے کی مختلف صورتیں ہیں، ہر ایک کا حکم لکھا جاتا ہے:

① حکومت سے تعلقہ یا اس جیسا کوئی منصب حاصل کرنے کے لئے۔
② حاکم سے کوئی فیصلہ کروانے کے لئے۔
③ ابطال حق یا احقاق باطل کے لئے۔

ان تینوں صورتوں میں رشوت لینا بھی حرام ہے اور دینا بھی۔
حاکم سے منع حق کا خطرہ ہو تو اس کو دفع ظلم کے لئے رشوت دینا بھی جائز نہیں، اس لئے کہ اس سے حاکم کی عادت بگڑے گی جو پوری قوم پر ظلم کا باعث بنے گی، فہذا داخل فی قاعدۃ "ان الضرر الخاص یتحمل لدفع الضرر العام"

④ جس سے ضرر کا اندیشہ ہو اسے رشوت دینا جائز ہے، اس کے لئے لینا حرام ہے۔
⑤ دفع مضرت یا جلب منفعت کے لئے درمیان میں واسطہ بننے والے جس سرکاری سفارش کرنے والے کو رشوت دینا جائز ہے، مگر اس کے لئے لینا جائز نہیں، البتہ اگر درمیانی واسطہ کے ذمہ کوئی کام لگایا جائے تو اس کے لئے اس کام کی اجرت لینا جائز ہے بشرطیکہ

وہ یہ کام کرنے پر بنفس خود قادر ہو، قدرت بقدرت غیر کا اعتبار نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: وفی الفتح الرشوة اربعة اقسام منها ما هو حرام علی الآخذ والمعطی وهو الرشوة علی تقلید القضاء والامارة الثانی ارتشاء القاضی لیحکم وهو کذلک ولو القضاء بحق لانه واجب علیه الثالث اخذ المال لیسوی امره عند السلطان دفعا للضرر او جلبا للنفع وهو حرام علی الآخذ فقط وحیلة حلها ان یستأجره یوما الی اللیل او یومین فتصیر منافعه مملوکة ثم یستعمله فی الذهاب الی السلطان للامر الفلانی وفی الاقضیة قسم الهدیة وجعل هذا من اقسامها فقال حلال من الجانبین کالاهداء للتودد وحرام منهما کالاهداء لیعینه علی الظلم وحرام علی الآخذ فقط وهو ان یهدی لیکف عنه الظلم والحیلة ان یستأجره الخ قال ای فی الاقضیة هذا اذا کان فیه شرط اما اذا کان بلا شرط لکن یعلم یقینا انه انما یهدی لیعینه عند السلطان فمشایخنا علی انه لا بأس به ولو قضی حاجته بلا شرط ولا طمع فاهدی الیه بعد ذلک فهو حلال لا بأس به وما نقل عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه من کراهته فورع الرابع ما یدفع لدفع الخوف من المدفوع الیه علی نفسه او ماله حلال للدافع حرام علی الآخذ لان دفع الضرر عن المسلم واجب ولا یجوز اخذ المال لیفعل الواجب اه ما فی الفتح ملخصا (رد المحتار ص۳۶۲ ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳۰ جمادی الاولیٰ سنہ [illegible]

مختلف ٹیکسوں کا حکم:

سوال: انکم ٹیکس، ویلتھ ٹیکس، گفٹ ٹیکس، سیل ٹیکس، چولہا ٹیکس جو ہر شادی شدہ جوڑے سے وصول کیا جاتا ہے خواہ وہ کھانا خود پکائیں یا پکا ہوا خرید کر کھائیں۔ شادی ٹیکس ہر نکاح پر، مواشی رکھنے کا ٹیکس جس میں بھیڑ بکری کا ٹیکس گائے بھینس کے ٹیکس سے نصف ہوتا ہے، پیدائشی ٹیکس جو ہر لڑکے کی پیدائش پر وصول کیا جاتا ہے، محصول چونگی اور اسی طرح کے دیگر ٹیکسوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز ان محکموں میں

ملازمت کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ سب ٹیکس ناجائز ہیں اور ان محکموں میں ملازمت بھی ناجائز ہے، حکومت کو اگر ضرورت ہو تو ٹیکس عائد کرنے کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔

① حکومت کے مصارف کو اسراف و تبذیر سے پاک کیا جائے۔

② بڑے درجے کے ملازمین کی تنخواہوں کو ضرورت سے زائد کرا قتصاد پر لایا جائے۔

③ ٹیکس ہر شخص پر اس کی حیثیت کے مطابق لگایا جائے، یعنی اس کی آمد و مصارف کو پیش نظر رکھ کر ٹیکس کی شرح تجویز کی جائے۔

مروج ٹیکس مذکورہ کی ناقص یا فاسد ہونے کا باعث ہے، انکم ٹیکس کے سوا دوسرے سب ٹیکس تو ظاہر ہے کہ ہر امیر و غریب پر لگائے جاتے ہیں، اور انکم ٹیکس میں اگرچہ آمد تو ملحوظ ہوتی ہے مگر اس شخص کے مصارف ملحوظ نہیں رکھے جاتے۔ اسی طرح جائداد ٹیکس ہر صاحب جائداد سے بہرحال لازماً وصول کیا جاتا ہے اگرچہ اس کا ذریعہ آمدنی کچھ بھی نہ ہو، ٹیکس کی تشخیص کا یہ طریقہ صریح ظلم اور ناجائز ہے۔

اسی طرح حکومت کے مصارف میں بھی محرمات کی بھرمار ہے، مثلاً:

① اقامت حکومت الٰہیہ و نفاذ آئین اسلام کا فقدان۔

② منکرات، فواحش، عریانی، فحاشی کو فروغ دینا۔

③ لہو و لعب اور مسرفانہ طور طریق۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۶ رجب ۸۶ھ

صراف کے لئے بقدر معروف ملاوٹ جائز ہے:

سوال: صراف چاندی کا زیور بنانے میں جست اور سونے کا زیور بنانے میں تانبہ استعمال کرتے ہیں، اس لئے کہ اس کے بغیر زیور درست نہیں بنتا ہے۔ لوگ پسند نہیں کرتے، فروخت کرتے وقت صراف لوگوں کو بتا دیتا ہے کہ اس میں میں نے جست یا تانبا استعمال کیا ہے مگر قیمت سونے اور چاندی ہی کی وصول کروں گا، لوگ بخوشی خرید لیتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۹ شعبان ۱۳۹۲ھ

تفسیر مودودی کی تجارت جائز نہیں :

سوال : زید کتب فروش ہے، دکان پر بازار سے مختلف کتب خرید کر رکھتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ مودودی صاحب کی تفسیر "تفہیم القرآن" کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۷ صفر ۱۳۹۳ھ

دار الحرب میں سود، وشراب کے اداروں میں ملازمت :

سوال : دار الحرب میں بنک، انشورنس اور کافروں کے دیگر اداروں میں شراب کی دکانوں میں ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بنک، انشورنس اور دوسرے سودی اداروں میں ملازمت ناجائز ہے، اس لئے کہ سود کفار کے لئے بھی حرام ہے، ایسے اداروں میں ملازمت کرنا "اعانت علی المعصیۃ" ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

قال اللہ تعالیٰ : ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

حرمت اجرت کی دوسری وجہ یہ کہ حرام مال سے ہے۔

شراب کا کاروبار اگر کافر کر رہا ہو تو اس میں مسلمان کے لئے ملازمت کی گنجائش ہے، کیونکہ ان کے ہاں شراب حلال ہے، البتہ شراب کی خرید و فروخت اور کسی کو پینے کے لئے دینا مسلمان کے لئے حلال نہیں، دوسرے کاموں میں بھی کئی دینی خطرات ہیں، اس لئے احتراز بہتر ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الخمر وشاربھا وساقیھا وبائعھا ومبتاعھا

وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة الیه (سنن ابی داؤد ص۱۶۱ ج۲)

قال العلامة الکاسانی رحمه الله تعالیٰ: ومن استأجر حمالا یحمل له الخمر فله الاجر فی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ وعند ابی یوسف ومحمد رحمهما الله تعالیٰ لا اجر له کذا ذکر فی الجامع الصغیر انه یطیب له الاجر فی قول ابی حنیفة وعندهما یکره لهما ان هذه اجارة علی المعصیة لان حمل الخمر معصیة لکونه اعانة علی المعصیة وقد قال الله تعالیٰ عز وجل ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ولهذا لعن الله تعالیٰ عشرة منهم حاملها والمحمول الیه ولابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ ان نفس الحمل لیس بمعصیة بدلیل ان حملها للاراقة والتخلیل مباح وکذا لیس بسبب للمعصیة وهو الشرب لان ذلک یحصل بفعل فاعل مختار ولیس الحمل من ضرورات الشرب فکانت سببا محضا فلا حکم له کعصر العنب وقطفه والحدیث محمول علی الحمل بنیة الشرب وبه نقول ان ذلک معصیة ویکره اکل اجرته (بدائع الصنائع ص۱۹۰ ج۴)۔

واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ ربیع الثانی سنہ ۱۳۹۲ھ

کسٹم کا حکم:

سوال: بیرونی ممالک سے مال درآمد کرنے پر حکومت جو کسٹم لیتی ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ارباب حکومت کسٹم وصول کرنے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ بیرونی تجارتی کمپنیاں اپنی مصنوعات عموماً بہت ارزاں قیمت پر فروخت کرتی ہیں۔ اگر حکومت کسٹم وصول نہ کرے تو تمام تجار بیرونی کمپنیوں ہی سے مال خریدیں گے، اس طرح اپنے ملک کی مصنوعات کا کوئی بھی خریدار نہیں رہے گا۔ نتیجۃً اپنے ملک کے کارخانے مال بنانا بند کردیں گے، اس سے ملک کا دیوالیہ ہو جائے گا۔

ارباب حکومت کی وضاحت مذکورہ کے تحت درج ذیل شرائط سے کسٹم وصول کرنا جائز ہے:

(۱) نہ لینے کی صورت میں اپنے ملک کی مصنوعات کے ضیاع اور معاشی واقتصادی لحاظ سے ترقی میں نقصان کا یقین ہو۔

(۲) بوقت ضرورت بقدر ضرورت لیا جائے۔

(۳) حکومت مصارف ضروریہ پر اسراف سے خرچ نہ کرے اور غیر ضروری مصارف اور خرافات پر خرچ کرنے سے احتراز کرے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲ ذی القعدۃ ۱۳۹۶ھ

وکیل بالشراء کا زیادہ قیمت وصول کرنا:

سوال: کمپنی کچھ ملازم اس مقصد کے لئے رکھتی ہے کہ وہ بازار سے سامان خرید کر لایا کریں۔ ملازم سستی اشیاء خرید کر دکاندار سے جعلی بل بنوا کر کمپنی سے زیادہ رقم وصول کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ نیز تعمیر مکان کا ٹھیکیدار لوہا وغیرہ کم قیمت میں خرید کر مالک مکان کے سامنے زیادہ رقم ظاہر کرکے وصول کرتا ہے کیا یہ جائز ہے؟

اگر ملازم یا ٹھیکیدار یہ حیلہ کریں کہ اشیاء اپنے لئے خریدیں اور مہنگی کرکے کمپنی کو فروخت کریں تو اس کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ملازم اور ٹھیکیدار وکیل بالاجرۃ ہیں، ان کا کمپنی یا مالک مکان سے اصل قیمت سے زیادہ وصول کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ حیلۂ مذکورہ باطل ہے، اس لئے کہ وکیل امین ہوتا ہے، اس کا اپنے لئے خریدنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۸ شوال ۱۳۹۶ھ

وکیل کا دکاندار سے کمیشن لینا:

سوال: دکاندار کمپنی کے ملازم سے کہتا ہے کہ اگر آپ کمپنی کا سامان ہم سے خریدیں گے تو ہم آپ کو اتنے فیصد کمیشن دیں گے۔ کیا ملازم کے لئے یہ کمیشن لینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ کمیشن کے نام سے سامان کی قیمت میں رعایت ہے جو کمپنی کا حق ہے، اس لئے ملازم کا اسے اپنے استعمال میں لانا ناجائز ہے، یہ کمپنی کو لوٹانا واجب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۸ شوال ۱۳۹۶ھ

کھانے پینے کی حلال حرام اشیاء اور ان کے متعلقات

رشوت خور کا ہدیہ یا دعوت قبول کرنا:

سوال: رشوت کھانے والے سے کوئی چیز ہدیہ میں لینا یا اس کی دعوت قبول کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر حرام مال جدا ممتاز نہ ہو، یعنی خالص حرام یا حلال وحرام مخلوط ہونے کا یقین نہ ہو اور حلال مال زیادہ ہو تو اس سے ہدیہ یا دعوت قبول کرنا جائز ہے۔

اگر حرام زیادہ ہے یا دونوں برابر ہیں یا حرام مال جدا ممتاز ہے تو اسے قبول کرنا جائز نہیں۔

قال فی الھندیۃ: اھدی الی رجل شیئا او اضافہ ان کان غالب مالہ من الحلال فلا بأس الا ان یعلم بأنہ حرام فان کان الغالب ھو الحرام فینبغی ان لا یقبل الھدیۃ ولا یأکل الطعام الا ان یخبرہ بأنہ حلال ورثہ او استقرضہ من رجل کذا فی الینابیع۔

وایضا فیھا: اٰکل الربوا وکاسب الحرام اھدی الیہ او اضافہ وغالب مالہ حرام لا یقبل ولا یأکل ما لم یخبرہ ان ذلک المال اصلہ حلال ورثہ او استقرضہ وان کان غالب مالہ حلالا لا بأس بقبول ھدیتہ والاکل منھا کذا فی الملتقط (عالمگیریۃ کتاب الکراھیۃ ج ۵)

وفی الاشباہ فی القاعدۃ الثانیۃ من النوع الثانی: اذا اجتمع عند احد مال حرام وحلال فالعبرۃ للغالب ما لم یتبین (الاشباہ والنظائر ص ۱۲۴ ج ۱)

مال مخلوط کا حکم مذکور اس صورت میں ہے کہ خلط متیقن نہ ہو، اگر خلط کا یقین ہو تو یہ مال حرام ہے خواہ حلال غالب ہو یا مغلوب۔

والتفصیل فی رسالتنا "حلال وحرام سے مخلوط مال کا حکم" واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۱ ربیع الآخر سنہ ۸۲ھ

حرام مال سے خریدا ہوا طعام بھی حرام ہے:

سوال: حرام طریقہ مثلاً بنک یا انشورنس کی ملازمت یا رشوت یا غصب سے حاصل شدہ مال کے عوض میں خریدا ہوا طعام حرام ہے یا حلال؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر مغصوب چیز عین ہے تو اس کے عوض خریدی ہوئی اشیاء کا استعمال بالاتفاق حرام ہے۔

اگر نقد ہے تو اس میں امام کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے کہ اگر بوقت اشتراء رقم مغصوب کی طرف اشارہ کیا ہو اور پھر ادا بھی اسی سے کیا ہو تو خرید کردہ اشیاء حرام ہوں گی۔ اگر بوقت اشتراء رقم مغصوب کی طرف اشارہ نہ کیا یا اشارہ کیا مگر ثمن اس سے ادا نہیں کیا بلکہ دوسری رقم سے ادا کیا تو ان حالات میں خریدی ہوئی اشیاء میں کوئی کراہت نہیں۔

راجح یہی ہے کہ بہرحال حرام مال سے حاصل کردہ اشیاء حرام ہیں، خواہ اشارہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: نقل ط عن الحموی عن صدر الاسلام: ان الصحیح لا یحل لہ الاکل ولا الوطء لان فی السبب نوع خبث اھ فلیتأمل (ردالمحتار ص۱۲۵ ج ۵)

قول کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ قرآن وحدیث اور قیاس وعقل کے خلاف معلوم ہوتا ہے، بندہ نے اس کا صحیح محمل تلاش کرنے کی کوشش کی اور بعض دوسرے علماء محققین سے بھی دریافت کیا مگر یہ عقدہ حل نہ ہو سکا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۷ ربیع الآخر سنہ ۱۳۸۴ھ

سوال مثل بالا:

سوال: ایک شخص نے مغصوب رقم سے کوئی چیز خریدی تو وہ اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اب اسے کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ چیز حرام ہے، مغصوب رقم کی مقدار مالک کو دے، اگر اس کا علم نہ ہو سکے تو کسی مسکین پر صدقہ کر دے تو وہ چیز حلال ہو جائے گی۔ اگرچہ اس کی قیمت رقم مغصوب سے زیادہ ہو، البتہ اگر اس چیز کو زائد

نقود میں فروخت کردیا تو یہ ربح بھی واجب الرد ہے، حاصل یہ کہ زیادتی جنس مغصوب سے ہو تو حرام ہے ورنہ حلال۔ عروض مغصوبہ کو ان کی قیمت سے زیادہ نقود میں بیچا تو ربح جنس مضمون سے ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ اذا کان متعینا بالاشارۃ) قال الزیلعی فان کان مما یتعین لا یحل لہ التناول منہ قبل ضمان القیمۃ وبعدہ یحل الا فیما زاد علی قدر القیمۃ وھو الربح فانہ لا یطیب لہ ویتصدق بہ قھستانی ولہ ان یؤدیہ الی المالک ویحل لہ التناول لزوال الخبث (رد المحتار ص۱۲۲ ج۵)

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی لا یتصدق بشیء منہ کما لو اختلف الجنس ذکرہ الزیلعی فلیحفظ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ کما لو اختلف الجنس) قال الزیلعی وھذا الاختلاف بینھم فیما اذا صار بالتقلب من جنس ما ضمن بان ضمن دراھم مثلا وصار فی یدہ من بدل المضمون دراھم ولو صار طعاما او عروضا لا یجب علیہ التصدق بالاجماع لان الربح انما یتبین عند اتحاد الجنس وما لم یصر بالتقلب من جنس ما ضمن لا یظھر الربح اھ (رد المحتار ص۱۲۳ ج۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۴ ربیع الآخر سنہ ۹۴ھ

بازاری پھل، گوشت، دودھ کا حکم:

سوال: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات عنایت فرماکر ممنون فرمائیں۔

(۱) جو لوگ آم، امرود اور دوسرے پھلوں کے باغ خریدتے ہیں ان سے تحقیق کرنے پر ثابت ہوا کہ یہ معاملہ اکثر پھل آنے سے پہلے ہوتا ہے لہذا یہ معدوم شیء کی بیع ہوئی جو باطل ہے اور بیع باطل سے مبیع میں جو حرمت وخباثت آتی ہے وہ کبھی زائل نہیں ہوتی، جہاں تک اس پھل کے بکنے دینے کا سلسلہ چلے گا سب کے لئے وہ پھل حرام ہوگا۔

علاوہ ازیں درختوں پر پھل چھوڑنے کی شرط فاسد اگرچہ صراحۃً نہ ہو معروف ضرور ہے،

ایسی صورت میں بازار میں جو پھل فروخت ہوتا ہے اس کو بلا تحقیق خرید کر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بعض اہل مشاہدہ نے بتایا کہ کراچی کے مذبح میں ذبح کرنے والے بوقت ذبح "بسم اللہ اللہ اکبر" نہیں پڑھتے، اسی طرح بعض اوقات مردار جانوروں کا گوشت بازار میں لاکر فروخت کردیتے ہیں، ان حالات میں بازار سے خرید کردہ گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) بعض شیر فروش پاکی ناپاکی کا اہتمام نہیں کرتے، ان کے مکان پر جاکر دودھ خریدنے والوں کا مشاہدہ ہے کہ تھنوں پر اور آس پاس جو پیشاب اور گوبر لگا رہتا ہے اس کو وہ بہت تھوڑے سے پانی سے دھوتے ہیں جس سے نجاست اور زیادہ پھیل جاتی ہے اور اس کے قطرے برتن میں ٹپکتے رہتے ہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دودھ نکالتے وقت جانور پیشاب کردیتے ہیں اور چھینٹے اڑکر دودھ کے برتن میں پڑجاتے ہیں، یہی دودھ بازاروں میں فروخت ہوتا ہے۔ کیا اس کو خرید کر استعمال میں لانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پہلے دو اصول تحریر کئے جاتے ہیں:

اصل اول: الیقین لا یزول الا بالیقین۔

اصل ثانی: اشیاء میں اصل اباحت ہے، جب تک حرمت کا یقین نہ ہو۔

ان اصول کی روشنی میں فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بعض اشیاء کثیرۃ الاستعمال مثلاً پانی، نمک، دودھ اور پھل وغیرہ کے استعمال میں وسعت دی ہے۔

نصوص الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ:

(۱) قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ: اذا وقعت نجاسۃ فی بئر دون القدر الکثیر او ماتت فیھا حیوان دموی وانتفخ او تفسخ ینزح کل مائھا بعد اخراجہ۔

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ تحتہ: قید بالموت لانہ لو اخرج حیا ولیس بنجس العین ولا بہ حدث او خبث لم ینزح شیء۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت (قوله ليس بنجس العين) أي بخلاف الخنزير وكذا الكلب على القول الآخر فانه ينجس الماء مطلقا وبخلاف الميت فانه ينجس فيه نزح الماء كما سيذكره وبخلاف ما اذا كان على الحيوان خبث اي نجاسة وعلم بها فانه ينجس مطلقا قال في البحر وقيدنا بالعلم لانهم قالوا في البقر ونحوه يخرج حيا لا يجب نزح شيء وان كان الظاهر اشتمال بولها على افخاذها لكن يحتمل طهارتها بأن سقطت عقب دخولها ماء كثيرا مع ان الاصل الطهارة اهـ ومثله في الفتح (رد المحتار ص[illegible] ج ۱)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: العبرة للطاهر من تراب او ماء اختلطا به يفتى.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله العبرة للطاهر لو) هذا ما عليه الاكثر فتح وهو قول محمد رحمه الله تعالى والفتوى عليه بزازية (رد المحتار)

(۳) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: مشى في حمام ونحوه لا ينجس ما لم يعلم انه غسالة نجس.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله مشى في حمام ونحوه) اي كما لو مشى على الواح مشرعة بعد مشي من برجله قذر لا يحكم بنجاسة رجله ما لم يعلم انه وضع رجله على موضعه للضرورة فتح (رد المحتار ص[illegible] ج ۱)

(۴) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: وغسل طرف ثوب او بدن أصابت نجاسة محلا منه ونسي المحل مطهر له وان وقع الغسل بغير تحر هو المختار

(رد المحتار ص[illegible] ج ۱)

(۵) وقال ايضا: كما لو بال حمار على حنطة تدوسها فقسم او غسل بعضه او ذهب بهبة او اكل او بيع كما مر حيث يطهر الباقي وكذا الذاهب لاحتمال وقوع النجس في كل طرف كمسألة الثوب.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله لاحتمال الخ) اي انه يحتمل كل واحد من القسمين على انفراده وكذا الذاهب او المغسول ان تكون النجاسة فيه فلم يحكم على احدهما بعينه ببقاء النجاسة فيه وتحقيقه

اعصلا مارکا نیس بشرط قالہ المصنف (رد المحتار ص۲۲۳ ج۵)

نصوص مذکورہ کے تحت جوابات بالترتیب یہ ہیں:

(۱) بازار میں فروخت ہونے والے پھل کھانا جائز ہے، بوجوہ ذیل:

اولاً: اگرچہ کچھ باغ ناجائز طریقے سے فروخت ہوتے ہیں لیکن بہت سے باغ ایسے بھی ہوتے ہیں جو جائز طریقوں سے فروخت ہوتے ہیں۔

ثانیاً: کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اپنے باغ کے پھل خود ہی بازار میں فروخت کرتے ہوں گے۔

ثالثاً: آج کل بہت سے پھل دور دراز کے علاقوں سے بازاروں میں پہنچتے ہیں، کوئٹہ اور پشاور تک کے پھل کراچی میں فروخت ہوتے ہیں، لہٰذا اگر کسی علاقہ میں بیع باطل کا دستور ہے تو بھی وہاں سے پھل خریدنے کی گنجائش اس بنا پر نکل آئے گی کہ شاید یہ پھل کسی دوسرے علاقہ سے آئے ہوں جہاں بیع صحیح ہوتی ہو۔

حلت کے اتنے احتمالات ہونے کے باوجود ان پھلوں کو حرام کیسے کہا جا سکتا ہے؟

(۲) قصاب کے "بسم اللہ" نہ پڑھنے کا یقین کیسے ہو سکتا ہے؟ شاید آہستہ پڑھی ہو، اگر کسی خاص قصاب کے بارے میں کسی خاص موقع پر کسی کو بسم اللہ نہ پڑھنے کا کسی طرح یقین ہو بھی گیا تو صرف یہ ذبیحہ حرام ہوا، اسی قصاب کے دوسرے ذبائح اور دوسرے قصابوں کے ذبائح پر حکم حرمت لگانا کیسے جائز ہوگا؟

(۳) یہی حکم دودھ کا بھی ہے، اگر کسی نے دودھ میں نجاست گرتے ہوئے یا پیشاب کے چھینٹے پڑتے ہوئے دیکھے ہوں تو اس کے لئے وہ دودھ استعمال کرنا حرام ہوگا۔

الحاصل: محض شک کی وجہ سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۵ صفر سنہ ۸۹ھ

کھاتے وقت چپ رہنا:

سوال: کیا کھاتے وقت خاموش رہنا افضل ہے یا کلام کرنا؟ شامیہ میں سکوت کو مکروہ لکھا ہے، آپ کی تحقیق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

شامیہ میں کراہت سکوت کی علت تشبہ بالمجوس لکھی ہے، مگر تغیر زمان ومکان

کی وجہ سے احکام تشبہ بدلتے رہتے ہیں۔ اس زمانہ میں تشبہ نہیں لہذا کراہت نہ ہوگی، البتہ بہتر یہی ہے کہ جانبین تحریمی گفتگو جاری رہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲ جمادی الاولی

کھانے والوں کو ممانعت سلام کی حکمت:

سوال: جب عند الاکل کلام بالمعروف منع نہیں تو سلام علی الآکل کیوں منع ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کھانے والے کو سلام کیا جائے گا تو اس کی طبیعت میں فوراً جواب دینے کا داعیہ پیدا ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ منہ میں لقمہ ہونے کی وجہ سے وہ اس پر قادر نہ ہو، نیز سلام کرنے والا بھی فوری جواب کا منتظر رہتا ہے، اگر جواب فوراً نہیں دیا گیا تو اس کی طبیعت میں ایک قسم کی ناگواری اور انقباض پیدا ہوگا، بخلاف کلام کے کہ نہ سائل اور متکلم تو فوراً جواب کا منتظر رہتا ہے اور نہ مخاطب کی طبیعت میں فوراً جواب دینے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور نہ تاخیر سے جواب پر سائل یا متکلم کو کسی قسم کا انقباض ہوتا ہے۔ فافترقا۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۵ جمادی الاولی

پان میں چونا اور تمباکو کھانا:

سوال: پان کھانا درست ہے یا نہیں؟ جبکہ اس میں مٹی کی جنس میں سے چونا ہوتا ہے اور نشہ اور تمباکو ہوتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مٹی کی حرمت بوجہ مضرت ہے اور پان میں چونا کھانے میں کوئی ضرر نہیں بلکہ مفید ہے۔ تمباکو مسکر و مفتر نہیں، اس سے دماغ میں فتور نہیں آتا بلکہ اس میں حدت ہے، جیسے مرچ زیادہ کھانے سے پریشانی تو ہوتی ہے مگر نشہ آور نہیں، تمباکو کا کھانا پینے کی نسبت اخف ہے، پینے میں بدبو کی قباحت زائد ہے۔

الحاصل: بغیر تمباکو کے صرف چونے وغیرہ کے ساتھ پان کھانے میں کوئی قباحت نہیں، عند الضرورۃ تمباکو کی بھی اجازت ہے بلا ضرورت نہیں کھانا چاہیے، البتہ جس کو چونا یا تمباکو نقصان دیتا ہو تو اس کے لیے جائز نہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: والتتن الذی حدث وکان حدوثہ بدمشق فی سنة خمسة عشر بعد الالف یدعی شاربہ انہ لا یسکر ان فقد فیفہم منہ حکم النبات الذی شاع فی زماننا المسمی بالتتن فتنبہ.

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ والتتن) وللعلامة الشیخ علی الاجہوری المالکی رسالة فی حلہ نقل فیہا انہ افتی بحلہ من یعتمد علیہ من ائمة المذاہب الاربعة قلت والف فی حلہ ایضا سیدنا العارف عبد الغنی النابلسی رسالة سماہا الصلح بین الاخوان فی اباحة شرب الدخان وتعرض لہ فی کثیر من تآلیفہ الحسان واقام الطامة الکبری علی القائل بالحرمة او بالکراہة فانہما حکمان شرعیان لا بد لہما من دلیل ولا دلیل علی ذلک فانہ لم یثبت اسکارہ ولا تفتیرہ ولا اضرارہ بل ثبت لہ منافع فہو داخل تحت قاعدة الاصل فی الاشیاء الاباحة وان فرض اضرارہ للبعض لا یلزم منہ تحریمہ علی کل احد فان العسل یضر باصحاب الصفراء الغالبة وربما امرضہم مع انہ شفاء بالنص القطعی الخ

(قولہ فیفہم منہ حکم النبات) وہو الاباحة علی المختار او التوقف وفیہ اشارة الی عدم تسلیم اسکارہ وتفتیرہ واضرارہ والا لم یصح ادخالہ تحت القاعدة المذکورة ولذا امر بالتنبہ اھ

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۲ محرم ۸۸ھ

جوتا پہن کر کھانا پینا:

سوال: جوتا پہن کر کھانا پینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا وضع الطعام فاخلعوا نعالکم فانہ اروح لاقدامکم (مشکوٰۃ ص [illegible] ج ۲)

حدیث میں فانہ اروح لاقدامکم کی علت سے معلوم ہوا کہ خلع نعال کا امر صرف شفقت پر مبنی ہے کہ جوتے اتار کر کھانے میں آرام اور سہولت ہے۔

جوتا پہن کر کھانا بھی جائز ہے، لیکن آج کل جوتا پہن کر میز کرسی پر کھانا کھانا متکبرین کا شیوہ و شعار بن گیا ہے لہٰذا اس سے احتراز ضروری ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں اس طرح متواضعانہ بیٹھ کر کھانا کھاتا ہوں جیسا

جیسا کہ غلام اپنے مالک کے سامنے بیٹھتا ہے، میز کرسی پر کھانے میں شانِ تواضع ختم ہوجاتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ ذی القعدۃ [illegible]

فقیر کو جھوٹا کھانا دینا:

سوال: فقیر کو جھوٹا یا رات کا بچا ہوا کھانا دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جھوٹا یا رات کا باسی کھانا دینا جائز تو ہے مگر عمدہ کھانا دینے کے برابر ثواب نہیں ملے گا۔

قال اللہ تعالیٰ: لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی المراد من قولہ سبحانہ ما تحبون اقوال، فقیل المال وکنی بذلک عنہ لان جمیع الناس یحبونہ وقیل نفائس الاموال وکرائمہا وقیل ما یعم ذلک وغیرہ من سائر الاشیاء التی یحبہا الانسان ویہواہا والانفاق علی ہذا مجاز وعلی الاولین حقیقۃ (روح المعانی ص ۳ ج ۴)

وقال ایضا: واستشکلت ہذہ الآیۃ بأن ظاہرہا یستدعی ان الفقیر الذی لم ینفق طول عمرہ مما یحب لعدم امکانہ لایکون بارا او لاینالہ بر اللہ تعالیٰ الکامل باہل طاعتہ مع انہ لیس کذلک واجیب بأن الکلام خارج مخرج الحث علی الانفاق وہو مقید بالامکان وانما اطلق علی سبیل المبالغۃ فی الترغیب وقیل الاولی ان یکون المراد لن تنالوا البر الکامل الواقع علی اشرف الوجوہ حتی تنفقوا مما تحبون والفقیر الذی لم ینفق طول عمرہ لایبعد القول بأنہ لایکون بارا کاملا ولاینالہ بر اللہ تعالیٰ الکامل باہل طاعتہ (روح المعانی ص ۳ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۱ شوال [illegible]

حرام چیز پر بسم اللہ کہنا:

سوال: حرام چیز کھاتے وقت بسم اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حرام چیز کھاتے وقت بقصد استخفاف بسم اللہ پڑھنا بالاتفاق کفر ہے اور بدون استخفاف پڑھنے میں اختلاف ہے، صحیح اور راجح یہ ہے کہ کفر نہیں حرام ہے۔

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: نعم التسمیۃ علی الحرام والمکروہ مما لا ینبغی بل ھی حرام فی الحرام لا کفر علی الصحیح مکروھۃ فی المکروہ وقیل مکروھۃ فیھما ان لم یقصد استخفاف وان قصدہ والعیاذ باللہ تعالیٰ کفر مطلقا (روح المعانی ص۵۲ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تفصیل تتمہ کتاب الایمان والعقائد میں ہے۔

۹ ربیع الاول سنہ ۹۹ھ

سبیل کا پانی کھڑے ہوکر پینا:

سوال: سڑکوں پر لگی ہوئی سبیل یا مسجد میں رکھے ہوئے کولر وغیرہ کا پانی کھڑے ہوکر پینا کیسا ہے؟ ایک عالم دین کہتے ہیں کہ ایسا پانی کھڑے ہوکر پینے کا حکم ہے اور یہ باعث ثواب ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ زعم غلط اور جہالت پر مبنی ہے، کھڑے ہوکر پانی پینے سے احادیث میں منع کیا گیا ہے، سبیل وغیرہ کا کہیں استثناء نہیں، البتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہوکر پانی پینے کا ثبوت بھی ملتا ہے، محدثین نے دونوں قسم کی احادیث ذکر فرماکر تطبیق یوں دی ہے کہ احادیث نہی میں کراہت تنزیہیہ مراد ہے اور شرب قائما والی احادیث بیان جواز کے لئے ہیں، سبیل اور کولر وغیرہ کے پانی کا بھی یہی حکم ہے۔

البتہ اگر ازدحام کی وجہ سے بیٹھنے کی جگہ نہ ہو یا کیچڑ کی وجہ سے کپڑے خراب ہونے کا اندیشہ ہو یا اس قسم کا اور کوئی عذر ہو تو کھڑے ہوکر پینا بلا کراہت جائز ہوگا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۹ ربیع الاول سنہ ۹۹ھ

غیر مسلم کا برتن استعمال کرنا:

سوال: ایک کالج کے کمروں میں مسلم وغیر مسلم دونوں قسم کے طلبہ رہتے ہیں،

کھانے پینے کے برتن مشترک استعمال ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں مسلمان طلبہ کو اس قسم کے برتن استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز یورپ کے ہوٹلوں میں کھانا پینا اور برتنوں کو استعمال کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس کا ظن غالب ہو کہ غیر مسلم طلبہ ان برتنوں میں کوئی نجس چیز مثلاً خمر و خنزیر بھی ڈالتے رہتے ہیں تو بوقت ضرورت دھوکر استعمال کرنے کی اجازت ہے اور اگر نجس چیز نہ ڈالتے ہوں تو دھوئے بغیر بھی استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

یورپ کے ہوٹلوں کے برتنوں کا بھی یہی حکم ہے۔

مگر غیر مسلموں کے ساتھ دوستانہ تعلق رکھنا، بلا ضرورت ان کی چیزیں استعمال کرنا، ان کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھانا غیرت ایمانیہ کے خلاف اور دنیا و آخرت میں تباہی کا باعث ہے، اس لئے حتی المقدور اس سے احتراز لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۸ ربیع الاول [illegible]

منکرات کی جگہ دعوت میں جانا:

سوال: جن شادیوں میں گانا بجانا وغیرہ منکرات ہوں ان میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو کس درجہ میں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر پہلے سے معلوم ہو تو شرکت کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر جانے کے بعد معلوم ہو تو اگر کھانے کی مجلس میں کوئی منکر ہو تو اس مجلس میں شریک ہونا مکروہ تحریمی ہے، اگر اس مجلس میں نہ ہو تو اگر روکنے پر قادر ہو تو روکے ورنہ صبر کرے۔

یہ حکم عام آدمی کا ہے، عالم، مقتدا اور صاحب تقویٰ کے لئے شرکت بہر حال مکروہ تحریمی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: دعی الی ولیمۃ وثمۃ لعب او غناء قعد واکل لو المنکر فی المنزل فلو علی المائدۃ فلا ینبغی ان یقعد بل یخرج معرضا لقولہ تعالیٰ فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین

فان قدر علی المنع فعل والا یقدر صبر ان لم یکن ممن یقتدی به فان کان مقتدی ولم یقدر علی المنع خرج ولم یقعد لان فیه شین الدین والمحکی عن الامام کان قبل ان یصیر مقتدی به وان علم اولا باللعب لا یحضر اصلا سواء کان ممن یقتدی به اولا لان حق الدعوة انما یلزمه بعد الحضور لاقبله ابن کمال (رد المحتار ص۲۲۲ ج ۵) والله سبحانه وتعالی اعلم۔

۱۲ رجب ۸۳ھ

گانے باجے والے ہوٹل میں کھانا کھانا:

سوال: آج کل بازار کے تقریباً تمام ہوٹلوں میں گانا باجا عام ہے، ایک آدمی بازار میں سودا خریدنے یا اور کسی ضرورت سے جاتا ہے، کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو کیا ایسے ہوٹل میں کھانا کھانا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کیا ہوٹل والے کو اس منکر سے روکنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر منکرات سے پاک کوئی ہوٹل نہ مل سکتا ہو تو ایسے ہوٹل میں کھانا کھانے کی گنجائش ہے۔

پھر اگر ہوٹل والے سے ماننے کی امید ہو تو اسے اس منکر سے منع کرنا فرض ہے، ماننے کی امید نہ ہو لیکن کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو منع کرنا مستحب ہے اور اگر فتنے کا اندیشہ ہو یا اس سے انکار کرنے اور دین اور اہل دین کا مذاق اڑانے کا اندیشہ ہو تو منع کرنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

غرۂ شعبان ۸۹ھ

پنیر مایہ حلال ہے:

سوال: پنیر مایہ پاک اور حلال ہے یا نجس وحرام؟ خواہ شتر اعرابی کا ہو یا کسی اور ماکول اللحم جانور کا۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

پنیر مایہ پاک اور حلال ہے خواہ کسی بھی ماکول اللحم مذبوح جانور کا ہو، اس کی حلت ورود نص کی وجہ سے خلاف قیاس ہے، ورنہ معدہ سے نکلنے والی ہر چیز گوبر کے

حکم میں ہے، ورنہ جگال کی طرح نجس ہے۔

اخبرنا ابو بکر بن فورک انبأ عبد اللہ بن جعفر ثنا یونس بن حبیب ثنا ابوداود الطیالسی ثنا شریک عن جابر عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما فتح مکۃ رأی جبنۃ فقال ما ھذا قالوا ھذا طعام یصنع بارض العجم قال فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضعوا فیہ السکین واذکروا اسم اللہ وکلوا۔

اخبرنا ابو نصر بن قتادۃ انبأ ابو عمرو بن مطر وابو الحسن السراج قالا انبأ محمد بن یحیی بن سلیمان المروزی ثنا عاصم بن علی ثنا شعبۃ عن ابی اسحاق قال سمعت قرظۃ یحدث عن کثیر بن شہاب قال سألت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ عن الجبن فقال ان الجبن من اللبن واللبأ فکلوا واذکروا اسم اللہ علیہ ولا یغرنکم اعداء اللہ۔

اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ انبأ علی بن عیسی ثنا محمد بن بشار ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبۃ عن قتادۃ عن علی البارقی انہ سأل ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما عن الجبن فقال کل ما صنع المسلمون واھل الکتاب (السنن الکبری للبیہقی ص ج ۱۰)

قال الامام البیہقی رحمہ اللہ تعالٰی: وھذا لان السخال حین تذبح لا تؤخذ منہ الا الانفحۃ التی بہا یصلح الجبن فاذا کانت من ذبائح المجوس واھل الاوثان لم تحل وھکذا اذا ماتت السخلۃ فاخذت منہا الانفحۃ لم تحل (السنن الکبری للبیہقی ص ج ۱۰)

وقال العلامۃ ظفر احمد العثمانی رحمہ اللہ تعالٰی: اجمعت الامۃ علی جواز اکل الجبن ما لم یخالطہ نجاسۃ بان یوضع فیہ انفحۃ سخلۃ ذبحہا من لا تحل ذکاتہ فہذا ذکرناہ من ولا بد الاجماع ھو المعتمد فی اباحتہ وقد جمع البیہقی فیہ احادیث کثیرۃ وروی عن عمر وابن مسعود وابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم کلوا من الجبن ما صنعہ المسلمون واھل الکتاب قال البیہقی رحمہ اللہ تعالٰی وھذا التقیید لان الجبن یعمل بانفحۃ السخلۃ التی یوجد فاذا کانت من ذبائح المجوس لم تحل وعن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عن

انه سئل عن السمن والجبن فقال سم وكل فقيل له ان فيه ميتة فقال ان علمت ان فيه ميتة فلا تأكل قال البيهقي وكان بعض العلماء لا يسأل عنه تغليبا للطهارة روينا ذلك عن ابن عباس وابن عمر وغيرهما رضي الله تعالى عنهم وكان بعضهم يسأل عنه احتياطا رويناه عن ابي مسعود الانصاري رضي الله تعالى عنه وعن الحسن البصري رحمهما الله تعالى قال كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يسألون عن الجبن ولا يسألون عن السمن اهـ من شرح المهذب (ص۳۳۲ ج ۹) (اعلاء السنن ص۱۲۱ ج ۱۷) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۱۷ ربیع الاول سنہ ۹۳ھ

غیر مسلم ممالک سے آنے والا پنیر مایہ:

سوال: بیرونی ممالک سے جو پنیر مایہ آتا ہے وہ حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پنیر مایہ غیر نجس سے بھی بنایا جاتا ہے، اس لئے جب تک بیرونی ممالک کے پنیر مایہ کا نجس سے بنے کا یقین نہ ہو حلال ہے، معہذا احتیاط اولیٰ ہے۔

اگر نجس سے بنے کا یقین ہو تو حرام ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت قوله لا تحل ذبيحة غير كتابي اقول وفي بلاد الدروز كثير من النصارى فاذا جيء بالانفحة او الجبن من بلادهم لا يحكم بعدم حلها ما لم يعلم انها معمولة بانفحة ذبيحة درزي والا فقد تعمل بغير انفحة وقد يذبح الذبيحة نصراني تأمل وسيأتي عن المصنف آخر كتاب الصيد ان العلم بكون الذابح اهلا للذكاة ليس بشرط (رد المحتار ص۱۹۵ ج ۵)

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: لكن في الخلاصة عن الملتقط قوم اصابوا بعيرا مذبوحا في طريق البادية ان لم يكن قريبا من الماء ووقع في القلب ان صاحبه فعل ذلك اباحة للناس لا بأس بالاخذ والاكل لان الثابت بالدلالة كالثابت بالصريح انتهى فقد اباح الاكل

بالشرط المذکور فعلم ان العلم بکون الذابح اھلا للذکوۃ لیس بشرط
(رد المحتار ص ج ۵)

نصوص مذکورہ سے مطلقاً حلت معلوم ہوتی ہے مگر اس زمانہ کے اہل کتاب کا ذبیحہ
حلال نہیں۔ (ذبیحہ اہل کتاب کی تفصیل جلد سابع میں ہے) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔
۷ ربیع الاول ۹۳ھ

صابن والا دودھ پینا:

سوال: دودھ میں صابن گر جائے تو دودھ کی حلت پر کوئی اثر پڑے گا؟ خواہ
دودھ گرم ہو یا ٹھنڈا، خواہ صابن فوراً نکال دیا گیا ہو یا کچھ دیر اس میں رہا ہو؟
بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بہرحال دودھ حلال ہے، البتہ صابن سے نقصان کا ظن غالب ہو تو حرام ہے۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔
۱۲ ربیع الآخر ۹۳ھ

حرام مال سے لگائے ہوئے نلکے سے پانی پینا:

سوال: کسی نے شراب وجوا کی رقم سے پانی کا نل لگوایا تاکہ اہل محلہ پانی استعمال
کریں تو اس پانی کا پینا اور استعمال کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ایسے نل سے پانی بھرنے کا گناہ ہوگا، البتہ پانی پینا اور استعمال کرنا جائز ہے۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔
۱۲ جمادی الاولیٰ ۹۳ھ

ناپاک پانی سے سینچی ہوئی سبزی حلال ہے:

سوال: ناپاک پانی سے اگنے والی سبزی مثلاً پالک، دھنیا وغیرہ کھانا جائز
ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ناپاک پانی سے اگنے والی سبزی کا کھانا جائز ہے لیکن ناپاک پانی اگر اس پر لگا ہوا ہو

اور شک نہ ہوا ہو تو یہ چیزیں پاک ہیں، اسلئے انہیں اچھی طرح دھوکر استعمال کرنا چاہئے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ لان لحمہ لا یتغیر) (فرع) فی ایلاء السمود الی زروع المسقیۃ بالنجاسات (تحرم) ولا تکرہ عند اکثر الفقہاء رحمہم اللہ تعالی (رد المحتار ص ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم.

۲۰ جمادی الآخرۃ سنہ ۸۵ھ

ناپاک پانی پینے والے جانور کا دودھ حلال ہے:

سوال:- ایک کنویں میں بلی گرگئی اور مرکر سڑ گئی، اس کنویں کا پانی بھیڑوں کو پلایا گیا، پھران بھیڑوں سے گھی اور پنیر نکالا گیا، اب یہ گھی اور پنیر پاک ہے یا ناپاک؟ اگر ناپاک ہے تو کیسے پاک کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

گھی اور پنیر پاک ہے، واللہ سبحانہ وتعالی اعلم.

۲۲ محرم سنہ ۹۵ھ

میزبان کے ہاں کھانے کے بعد دیر تک بیٹھے رہنا:

سوال: زید کا کہنا ہے کہ میزبان کے گھر کھانے کے بعد دیر تک بیٹھ کر گفتگو میں مشغول رہنا جائز نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کھانے کے بعد میزبان کے گھر دیر تک بیٹھے رہنا جائز نہیں، اس سے میزبان کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ مروت کی وجہ سے جانے کے لئے کہنے میں حجاب محسوس کرتا ہے۔

ہاں اگر کسی اہم کام کے لئے دیر تک بیٹھنے کی ضرورت ہو یا میزبان کے ساتھ ایسا خصوصی تعلق ہو کہ اس کی ایذاء کا باعث نہ ہو تو دیر تک بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالی تحت قولہ تعالی فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسین لحدیث ان ذلکم کان یؤذی النبی فیستحیی منکم: ای فاذا اکلتم الطعام فتفرقوا ولا تلبثوا والفاء للتعقیب بلا مہلۃ للدلالۃ علی انہ ینبغی ان یکون دخولہم بعد الاذن والدعوۃ علی وجہ یعقبہ الشروع فی الاکل بلا فصل والآیۃ علی ما ذہب الیہ الجل من المفسرین

الخطاب لقوم کانوا یتحینون طعام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیدخلون ویقعدون منتظرین لادراکہ مخصوصۃ بھم وبامثالھم ممن یفعل مثل فعلھم فی المستقبل فالنھی مخصوص بمن دخل بغیر دعوۃ وجلس منتظرا للطعام من غیر حاجۃ فلا تفید النھی عن الدخول باذن لغیر طعام ولا عن الجلوس واللبث بعد الطعام لمھم آخر ولو اعتبر الخطاب عاما لکان الدخول واللبث المذکوران منھیان عنھما ولا قائل بہ (روح المعانی ص ۷۸ ج ۲۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۵ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

اسٹیل کے برتنوں میں کھانا پینا:

سوال: آج کل اسٹیل کے برتنوں کا عام رواج ہو گیا ہے، ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ لوہا ہے، اس میں کھانا پینا مکروہ ہونا چاہئے، جناب کی تحقیق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

لوہے اور اسٹیل کے برتنوں میں کھانا پینا بلا کراہت جائز ہے، حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تانبے اور پیتل کے برتنوں میں کھانے کی کراہت تحریر فرمائی ہے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کا زنگ کھانے میں شامل ہو جاتا ہے جو صحت کے لئے مضر ہے، اس لئے قلعی کرنے کے بعد استعمال جائز ہے۔ اسٹیل کے برتن تو صحت کے لئے مفید ہیں، ان میں کراہت کی کوئی وجہ نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویکرہ الاکل فی نحاس او صفر والافضل الخزف۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ثم قیدہ النحاس بالغیر المطلی بالرصاص وھکذا رأیت بعض من کتب علی ھذا الکتاب ای قبل طلیہ بالقزدیر والشب لانہ یدخل الصدأ فی الطعام فیورث ضررا عظیما واما بعدہ فلا اھ

وقال بعد اسطر: وفی الجوھرۃ واما الآنیۃ من غیر الفضۃ والذھب

فلا بأس بالاکل والشرب فیہا والانتفاع بہا کالحدید والصفر والنحاس والرصاص والخشب والطین اھ قنیۃ (رد المحتار ص ۲۲۳ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ ذی القعدۃ ۹۰ھ

میز کرسی پر کھانا:

سوال: میز کرسی پر کھانا کھانا کیسا ہے؟ اس کا عوام وخواص میں عام رواج ہے، کیا یہ تشبہ بالکفار یا تشبہ بالفساق میں داخل ہو کر ممنوع ہے یا عام رواج ہو جانے کی وجہ سے یہ تشبہ میں داخل نہیں رہا، اس لئے جائز ہے؟ اگر تشبہ میں داخل ہے تو اپنے قریبی رشتہ داروں، بعض دیندار لوگوں کے ہاں دعوت کے موقع پر کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کفار وفساق یا متکبرین کے ساتھ تشبہ کی نیت ہو تو میز کرسی پر کھانا ناجائز ہے، ورنہ تشبہ کی نیت نہ ہو تو بھی خلاف سنت تو بہر حال ہے، اس لئے اس سے احتراز لازم ہے، البتہ کہیں مبتلا ہو جائے تو کھانے کی گنجائش ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرۃ ذی الحجۃ ۹۰ھ

خاک شفا کھانا جائز نہیں:

سوال: حاجی لوگ مکہ معظمہ ومدینہ منورہ سے مٹی کی ٹکیہ لاکر تقسیم کرتے ہیں، بعض عورتیں اس کو بابرکت سمجھ کر شفاء حاصل کرنے کے لئے کھاتی ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مٹی کا کھانا جائز نہیں، ہاں اتنی کم مقدار جو صحت کے لئے مضر نہ ہو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳ ذی الحجۃ ۹۰ھ

یتیم کے ساتھ مشترک مال سے مہمان کو کھلانا:

سوال: ایک گھر میں یتیم بھی رہتے ہیں، تمام جائداد مشترک ہے، اس گھر سے مہمان کو کھانا کھلانا اور مہمان کا کھانا کھانا، اسی طرح کسی مسکین کو کھانا دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یتیموں کے ساتھ مشترک مال سے مہمان کو کھانا کھلانا اور مسکین کو دینا جائز نہیں، مہمان اور مسکین کے لئے کھانا حرام ہے۔

یتیموں کے مصارف کا صحیح حساب رکھنا فرض ہے۔ مہمان نوازی وغیرہ بالغ شرکاء اپنے پاس سے کریں۔

البتہ اگر بالغ شرکاء الگ سے بھی کماتے ہوں اور اپنی کمائی کو مشترک کھاتے میں جمع کردیتے ہوں، اور یہی کمائی کمی زیادہ ہو کہ مشترک کھاتے سے مہمان نوازی کے مصارف ادا کرنے کی صورت میں یتامیٰ کی حق تلفی نہ ہونے کا یقین ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

قال الامام القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ: السادسۃ: قولہ تعالیٰ وان تخالطوھم فاخوانکم ھذہ المخالطۃ کخلط المثل بالمثل کالتمر بالتمر وقال ابو عبید: مخالطۃ الیتامیٰ ان یکون لاحدھم المال ویشق علی کافلہ ان یفرد طعامہ عنہ ولا یجد بدا من خلطہ بعیالہ فیأخذ من مال الیتیم ما یری انہ کافیہ بالتحری فیجعلہ مع نفقۃ اھلہ وھذا قد یقع فیہ الزیادۃ والنقصان فجاءت ھذہ الآیۃ الناسخۃ بالرخصۃ فیہ (الجامع لاحکام القرآن ج۳)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۵ رمضان سنہ ۹۹ھ

شیعہ کے ہاں کھانا:

سوال: شیعہ کے گھر جانا پڑے تو ان کے گھر سے کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ گوشت اور دوسری چیزوں میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

شیعہ زندیق ہیں، لہٰذا ان سے کسی قسم کا تعلق جائز نہیں۔ ان کے گھر سے کوئی چیز کھانا

غیرت ایمانیہ کے خلاف اور ناجائز ہے۔ البتہ بوقت ضرورت شدیدہ گنجائش ہے۔
مگر گوشت کے بارے میں چونکہ کچھ تفصیل ہے، اس لئے اس سے احتراز واجب ہے۔
واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۰ ذی القعدۃ ۹۹ھ

کافر کی دعوت قبول کرنا:

سوال: کافر کی دعوت قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جو کافر زندیق نہ ہو یعنی خود کو مسلمان نہ کہتا ہو اس کے گھر کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس کی آمدن اسلام یا اس کے اپنے مذہب کی رو سے حلال ہو ورنہ نہیں۔

البتہ اس کا ذبیحہ بہر حال حرام اور مردار ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۵ ذی الحجہ ۹۹ھ

نائی کی دعوت قبول کرنا:

سوال: نائی کی دعوت قبول کرنا کیسا ہے؟ جبکہ وہ نمازی ومتقی ہو؟
بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر نائی ڈاڑھی مونڈنے، کاٹنے اور خلاف شرع بال بنانے کا کام بھی کرتا ہو تو اس کی دعوت کھانے کے جواز کی تین شرائط ہیں:

(۱) حرام آمدن کے حلال آمدن سے کم ہونے کا یقین ہو۔
(۲) دعوت کا مال خالص حرام سے ہونے کا یقین نہ ہو۔
(۳) حرام وحلال سے مخلوط ہونے کا یقین نہ ہو۔

ان امور ثلاثہ میں اشتباہ کی صورت میں دعوت کھانا جائز ہے مگر احتراز بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

غرۃ ذی الحجہ ۹۹ھ

دانتوں سے نکلا ہوا رزق کا ٹکڑا نگلنا:

سوال: کھانا کھاتے ہوئے بعض اوقات کچھ ذرات دانتوں میں اٹکے رہ جاتے

ہیں، یہ ذرات کبھی تو زبان کی نوک سے ذریعہ اور کبھی خلال کے ذریعہ نکل آتے ہیں، ان کا نگلنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

دونوں صورتوں میں نگلنا جائز ہے، مگر خلال سے نکالنے کی صورت میں نگلنا نظافت کے خلاف ہے نیز خلال سے خون نکلنے اور غذا کے ذرہ کے ساتھ اختلاط کا اندیشہ ہے، اس لئے بہتر ہے کہ نہ نگلا جائے۔

عن ابی هريرة رضی الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حدیث: من اکل فما تخلل فلیلفظ وما لاك بلسانه فلیبتلع من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲ ج ۱)

والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۱۰ محرم سنہ ۱۴۰۷ھ

بانجھ بکری کا دودھ:

سوال: ایک بکری بدون ملاقات فحل وبدون ولادت ایسے ہی دودھ دینے لگی، یہ دودھ حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

حلال ہے۔ والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۱۳ محرم سنہ ۱۴۰۷ھ

حرام سوختہ سے پکا ہوا کھانا:

سوال: ہوسٹل میں ہیٹر کے ذریعہ ناشتہ وغیرہ تیار کیا جاتا ہے جو قانوناً ممنوع ہے، اسی طرح سردیوں میں اس سے کمرا گرم کیا جاتا ہے، ہوسٹل میں سوائے چند دیندار ساتھیوں کے سو فیصد طلبہ ہیٹر استعمال کرتے ہیں، کیا ہیٹر کا استعمال جائز ہے اور اس سے پکا ہوا کھانا حلال ہے؟ اگر ہم کسی ساتھی کے کمرے میں جائیں اور وہ ہیٹر سے چائے تیار کرکے پیش کرے تو اس کا پینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر کمرے کے دوسرے ساتھی ہیٹر سے کمرا گرم کرنے پر مصر ہوں تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

خلاف قانون بیڑی کا استعمال حرام ہے، اس سے بچی ہوئی چیز اگرچہ حرام نہیں، مگر اس سے احتراز لازم ہے، دوسرے ساتھی کے ہاں بھی چائے نہ پی جائے۔

کرا اگرم کرنا بھی جائز نہیں، دوسرے ساتھی منع کرنے پر بھی باز نہ آئیں تو آپ پر کوئی گناہ نہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ صفر سنہ ۹۲ھ

ملتانی مٹی کھانا:

سوال: بعض حاملہ عورتیں ملتانی مٹی بھون کر یا کچی کھاتی ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ جن سے معلوم کیا کہ کیوں کھاتی ہو تو کہنے لگی کہ حمل کے زمانے میں اچھی لگتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مٹی کی حرمت بسبب ضرر ہے، اگر کوئی مستند طبیب کہدے یا تجربہ سے ثابت ہوجائے کہ اس کی خاص مقدار میں ضرر نہیں تو اتنی مقدار کھانا جائز ہے اس سے زیادہ نہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ ربیع الاول سنہ ۹۲ھ

خون ملا ہوا دودھ بچے کو پلانا حرام ہے:

سوال: ایک عورت کے پستان سے دودھ کے ساتھ خون بھی آتا ہے، جبکہ بچے کی رضاعت ابھی باقی ہے، کیا اس عورت کے لئے بچے کو دودھ پلانا جائز ہے؟ اس سے متعلق اگر کوئی جزئیہ کتب فقہ میں مل جائے تو ضرور تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس کے لئے جزئیہ صریحہ کی ضرورت نہیں، خون کی حرمت منصوص ہے، لہٰذا دودھ میں خون کا رنگ نظر آئے تو حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۹ ربیع الاول سنہ ۹۲ھ

فارمی مرغیوں کی خوراک اور گوشت کا حکم:

سوال: پولٹری فارم والے مختلف قسم کے مردار جانوروں کا خون اور دوسرے

بعض اعضاء ملا کر مرغیوں کی غذا تیار کرکے ان کو کھلاتے ہیں، اس قسم کی خوراک مرغیوں کو کھلانا، اس خوراک کی خرید و فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس خوراک سے پلی ہوئی مرغیوں کا گوشت حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی غذا کی خرید و فروخت اور مرغیوں کو کھلانا جائز نہیں، البتہ ایسی مرغیاں حلال ہیں، گوشت کی حرمت کے لئے شرط یہ ہے کہ نجس غذا کی وجہ سے گوشت میں بدبو پیدا ہوجائے، جس کا مفقود ہونا یہاں شاہد ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ وکرہ لحم الجلالۃ التی تأکل العذرۃ) ای فقط حتی انتن لحمها قال فی شرح الوهبانیۃ وفی المنتقی الجلالۃ المکروهۃ التی اذا قربت وجدت منها رائحۃ فلا تؤکل ولا یشرب لبنها ولا یعمل علیها وتلک حالها ویکرہ بیعها وهبتها وتلک حالها وذکر البقالی ان عرقها نجس اھ وقدمناہ فی الذبائح (رد المحتار ص ۲۱۴ ج ۵)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وتحبس الجلالۃ حتی یذهب نتن لحمها وقدر بثلاثۃ ایام لدجاجۃ واربعۃ لشاۃ وعشرۃ لابل وبقر على الاظهر ولو اکلت النجاسۃ وغیرها بحیث لم ینتن لحمها حلت کما حل اکل جدی غذی بلبن خنزیر لان لحمہ لا یتغیر وما غذی بہ یصیر مستهلکا لا یبقی لہ اثر۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ حلت) وعن هذا قالوا لا بأس باکل الدجاج لانہ یخلط ولا یتغیر لحمہ وروی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان یأکل الدجاج وما روی ان الدجاجۃ تحبس ثلاثۃ ایام ثم تذبح فذلک على سبیل التنزہ زیلعی (رد المحتار ص ۲۱۳ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ ذی القعدۃ سنہ [illegible]ھ

بیوی کا دودھ حرام ہے:

سوال: شوہر بیوی کا دودھ پی سکتا ہے؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

[illegible]

ٹوٹے ہوئے پیالے سے پینا:

سوال: پیالے کا کنارہ اگر ٹوٹ جائے تو اس سے چائے یا پانی وغیرہ پینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پیالے کی ٹوٹی ہوئی جگہ پر منہ لگا کر پینا مکروہ ہے، وجوہ کراہت یہ ہیں:

(۱) پانی گرنے کا اندیشہ ہے۔

(۲) منہ میں چبھنے کا خطرہ ہے۔

(۳) اس مقام پر میل وغیرہ جما ہوا ہوتا ہے۔

ٹوٹے کی ٹونٹی سے پینے میں کراہت اسی وجہ سے ہے، ٹونٹی سے پینے میں کراہت کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ شاید اس میں کوئی تنکا یا کیڑا وغیرہ ہو۔

(۴) یہ طبع سلیم کے خلاف ہے۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الشرب من ثلمۃ القدح وان ینفخ فی الشراب۔ (ابو داؤد ص [illegible] ج ۲)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کرہ ان یشرب الرجل من کسر القدح ویتوضأ منہ (مصنف عبد الرزاق ص [illegible] ج ۱۰) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

غرۃ محرم [illegible]ھ

مردار کی ہڈی کا گودا ناپاک ہے:

سوال: میتہ کی ہڈی کے اندر جو گودا اور مغز ہے، یہ پاک ہے یا ناپاک؟ اگر ناپاک ہے تو نجاست کی وجہ کیا ہے؟ ہڈی تو دونوں طرف سے بند ہے، اس میں حلول نجاست ناممکن، اگر حالت طعام میں میتہ کی ہڈی یا اس کا گودا ڈال جائے تو اس کا کھانا حلال ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ہڈی کے اندر کا گودا ابھی خوراک کے تغذیہ سے پیدا ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ خوراک وغیرہ کا اثر ہڈی کے اندر بھی پہنچتا ہے۔ جس طرح بھی پہنچانے کا قدرت نے انتظام کیا ہو، جب خوراک کے اثر سے ہڈی کا گودا پیدا ہوتا ہے تو یہ بھی نجس ہوگا۔

ہڈی پاک ہے، مگر میتہ کی جو چیزیں طاہر ہیں ان کا کھانا جائز نہیں، اگر ہڈی کے اوپر یا اندر کسی قسم کی رطوبت کا کوئی اثر ہو تو کھانے میں ایسی ہڈی ڈالنے سے کھانا حرام ہو جائے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۷ رجب ۱۴۰۲ھ

جیلی کی تحقیق:

سوال: ڈبل روٹی پر جیلی لگا کر کھاتے ہیں، بعض لوگ اس کو ناجائز کہتے ہیں کیونکہ یہ جانور کی کھال اور ہڈی سے بنتی ہے۔ آپ کی تحقیق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اولاً جیلی کا ہڈی اور کھال سے بنایا جانا ضروری نہیں، درختوں کے پتوں وغیرہ سے بھی بنائی جاتی ہے۔

ثانیاً اگر کھال وغیرہ سے بنائی گئی ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ کھال مردار ہی کی ہو، حلال ذبیحہ کی کھالیں غالب ہیں۔

ثالثاً جیلی کی صنعت میں تبدیل ماہیت کا احتمال بھی ہے، اس صورت میں حرام جانور کی کھال سے بنی ہوئی جیلی بھی حلال ہے۔

زیادہ تجسس اور کھود کرید کرنا اور احتمالات واوہام کی بناء پر احتراز کرنا دین میں تعمق و غلو ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے اور بلا دلیل شرعی حرمت کا حکم لگانا دین میں زیادتی اور تحریف ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۶ صفر ۱۴۰۵ھ

چائے میں مکھی گرنا:

سوال: گرم چائے میں مکھی گر جائے تو اس کو غوطہ دے کر چائے پینا حلال ہے یا حرام؟ البحر کے مندرجہ ذیل جزئیہ سے حلت معلوم ہوتی ہے:

ومعنى امقلوه اغمسوه وجه الاستدلال به ان الطعام قد يكون حارا فيموت بالغمس فيه فلو كان يفسده لما امر النبي صلى الله عليه وسلم ليكون شفاء لنا اذا اكلناه (البحر الرائق ص ج ۱)

جواب محقق سے نوازیں، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مکھی دوسرے حشرات الارض کی طرح حرام ہے، اگر کھانے پینے کی کوئی چیز اتنی گرم ہو کہ مکھی کے اجزاء اس میں حل ہو جائیں یا اس کا عرق شامل ہو جانے کا ظن غالب ہو جائے تو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریح کے مطابق اس کا استعمال حرام ہوگا۔

جزئیہ بحر اس صورت پر محمول ہے کہ مکھی کے اجزاء یا عرق کے اختلاط کا ظن غالب نہ ہو۔

چونکہ حشرات الارض کی حرمت کی اصل علت استخباث ہے اور یہ قلیل مقدار میں پائی جاتی ہے، طعام و شراب کثیر مقدار میں ہو تو یہ علت نہیں پائی جاتی، لہٰذا بڑی دیگ میں مکھی گر جائے تو اس کا استعمال جائز ہے۔

قال الامام ابن الهمام رحمه الله تعالى: روي عن محمد رحمه الله تعالى اذا تفتت الضفدع في الماء كرهت شربه لا للنجاسة بل لحرمة لحمه وقد صارت اجزاؤه فيه وهذا تصريح بان كراهة شربه تحريمية وبه صرح في التجنيس فقال يحرم شربه (فتح القدير ص ج ۱)

وكذا قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى (البحر الرائق ص ج ۱)

وقال ايضا: واعلم ان كل ما لا يفسد الماء لا يفسد غير الماء وهو الاصح كذا في المحيط والتحفة والاشبه بالفقه كذا في البدائع لكن يحرم اكل هذه الحيوانات المذكورة ما عدا السمك الغير الطافي لفساد الغذاء وخبثه متفسخا او غيره وقد قدمناه عن التجنيس (البحر الرائق ص ج ۱) والله سبحانه وتعالى اعلم

١٣ صفر ١٤٠٢ھ

کیڑا لگا ہوا پھل یا اناج کھانا:

سوال: جس پھل میں کیڑا لگا ہو اس کا کھانا کیسا ہے؟ نفع مفتی و سائل سے بغرض تصدیق ایک استفسار و استبشار پیش خدمت ہے:

الاستفسار: هل يحل كل الدود التي تكون في التفاح وغيرها معه؟
الاستبشار: نعم نعتقد الاحتراز منه وأما إذا فيه دود وأكلت فحكمها حكم الذباب كذا في مظالب المؤمنين (زعم المفتی والسائل منها) بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کیڑے نکال کر سیب کھانا حلال ہے۔ نقل المفتی والسائل کا جواب صحیح نہیں۔
قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: ولا بأس بدود الزنبور قبل أن ينفخ فيه الروح لأن ما لا روح له لا يسمى ميتة خانية وغيرها قال ط وينبغي تقييده بما إذا كان الحيوان لا يجوز أن ينفخ فيه الروح. (رد المحتار ص۳۰۶ ج ۵) والله سبحانه وتعالى أعلم.
۱۰ ذی القعدۃ سنہ ۱۴ھ

مسلمان کا مملوک گوشت کافر کے قبضہ میں جانے سے حرام نہیں ہوتا:

سوال: مندرجہ ذیل سوالات کا حل مطلوب ہے:
(۱) کافر نے مسلمان کو خبر دی کہ اس نے یہ گوشت مسلمان سے خریدا ہے یا مسلمان نے اس کو ہدیہ دیا ہے تو کیا اس کی خبر کو معتبر قرار دے کر وہ گوشت حلال سمجھ کر کھانا جائز ہے؟
(۲) مسلمان کا مملوک گوشت کچھ وقت ایسی حالت میں کافر کے قبضہ میں رہا کہ کوئی مسلمان اس کے پاس نہیں تھا تو کیا اس طرح کافر کے قبضہ میں رہنے سے گوشت حرام ہو جاتا ہے؟ بعض لوگ اس کو حرام سمجھتے ہیں، کیا مسئلہ ایسے ہی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

دونوں صورتوں میں گوشت حلال اور اس کا استعمال جائز ہے۔
قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ويقبل قول كافر ولو مجوسيا قال اشتريت اللحم من كتابي فيحل أو قال اشتريته من مجوسي فيحرم ولا يرده بقول الواحد وأصله أن خبر الكافر مقبول بالإجماع في المعاملات لا في الديانات وعليه يحمل قول الكنز ويقبل قول الكافر في الحل والحرمة يعني الحاصلين في ضمن المعاملات لا مطلق الحل والحرمة كما توهمه الزيلعي۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: (قولہ واصلہ الخ) ای اصل ما ذکر من ثبوت الحل والحرمۃ وھو یشیر الی سؤال وجوابہ المذکورین فی النھایۃ وغیرھا حاصل السؤال ان ھذہ المسألۃ مناقضۃ لقولہ الآتی وشرط العدل فی الدیانات فان من الدیانات الحل والحرمۃ کما اذا اخبر بان ھذا حلال او حرام وقد شرط فیھا العدل والمراد بہ المسلم المرضی وھنا قولہ شریتہ من کتابی الخ معناہ انہ حلال او حرام وقد قبل فیہ خبر الکافر ولو مجوسیا والجواب ان قولہ شریتہ من المعاملات وثبوت الحل والحرمۃ فیہ ضمنی فلما قبل قولہ فی الشراء ثبت ما فی ضمنہ بخلاف ما یأتی وکم من شیء یثبت ضمنا لا قصدا کوقف المنقول وبیع الشرب وبہ یتضح الجواب عن الکنز (ردالمحتار ص۲۲۲ ج ۵)

واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۸ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۹۱ھ

کافر کے ہاں جواز اکل لحم کا حیلہ:

سوال: کافر نے جانور خرید کر کسی مسلمان سے ذبح کرایا، اس کے گوشت سے مسلمانوں کی دعوت کرنا چاہتا ہے، لیکن اس کے لئے یہ بات انتہائی مشکل ہے کہ ذبح کے وقت سے کھانے کے وقت تک یہ گوشت کسی مسلمان کی نگرانی میں رکھے۔ پوچھنا یہ ہے کہ کوئی ایسی تدبیر ہے کہ جس سے اس مشکل سے نجات مل جائے اور مسلمانوں کے لئے اس گوشت کا کھانا حلال ہو جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی تدبیر یہ ہے کہ کافر اپنے جانور کا کسی مسلمان کو بیعۃً یا ہبۃً مالک بنادے، پھر مسلمان اس کو ذبح کرکے اس کا گوشت بیعۃً یا ہبۃً کافر کو دے دے۔ اس صورت میں مسلمان کی نگرانی ضروری نہیں اور مسلمانوں کے لئے اس کا کھانا جائز ہے۔ کافر کا اتنا کہنا کافی ہے کہ میں نے یہ مسلمان سے خریدا ہے یا مسلمان نے مجھے ہبۃً دیا ہے۔

واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۷ رجب سنہ ۱۳۹۶ھ

مالِ حرام سے مسکین کا کھانا جائز نہیں :

سوال : ایک شخص بینک میں ملازم ہے، اس کی نابالغ اولاد اگر مسکین ہے تو کیا ان کے لئے والد کی حرام آمدن سے کھانا پینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

حرام مال واجب التصدق ہے جس میں تملیکِ مسکین ضروری ہے، اس لئے حرام آمدن والے کے ہاں کھانا مسکین کے لئے بھی جائز نہیں، البتہ وہ مسکین کو مالک بنادے تو اس کے لئے جائز ہے مگر تملیکِ مسکین کے بعد بھی غنی کے لئے جائز نہیں جب تک کہ غنی کو مالک نہ بنادے۔

سوال میں مذکورہ صورت میں یہ تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ والد بالغ اولاد میں سے کسی کو نقد رقم کا مالک بنادے پھر وہ گھر کے تمام مصارف پر خرچ کرتا رہے، اس طرح پورا گھرانا حرام خوری سے بچ سکتا ہے۔

فی الباب الخامس عشر من کراھیۃ الھندیۃ: والسبیل فی المعاصی ردھا وذلک ھھنا برد المأخوذ ان تمکن من ردہ بأن عرف صاحبہ وبالتصدق بہ ان لم یعرفہ لیصل الیہ نفع مالہ ان کان لا یصل الیہ عین مالہ (عالمگیریۃ ص۳۴۹ ج۵)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: علیہ دیون ومظالم جھل اربابھا وأیس من علیہ ذلک من معرفتھم فعلیہ التصدق بقدرھا من مالہ وان استغرقت جمیع مالہ (ردالمحتار ص۲۸۳ ج۲)

وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ تملیکا) فلا یکفی فیھا الاطعام الا بطریق التملیک ولو اطعمہ عندہ ناویا الزکاۃ لا تکفی اھ (ردالمحتار ص۳۴۲ ج۲)

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وطاب لسیدہ وان لم یکن مصرفا للصدقۃ ما ادی الیہ من الصدقات فعجز لتبدل الملک واصلہ حدیث بریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا ھو لھا صدقۃ ولنا ھدیۃ کما فی وارث شخص فقیر مات عن صدقۃ اخذھا وارثہ الغنی وکما

في ابن السبيل اخذها ثم وصل الى ماله وهي في يده اي الزكاة وكفقير استغنى وهي في يده فانها تطيب له بخلاف فقير اباح لغني او هاشمي عين زكاة اخذها لا يحل لان الملك لم يتبدل۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت (قوله لان الملك لم يتبدل) لان المباح له يتناوله على ملك المبيح ونظيره المشتري شراء فاسدا اذا اباح لغيره لا يطيب له ولو ملكه يطيب هداية (رد المحتار ص[illegible] ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۱۴ ربیع الاول [illegible]ھ

سلام کے احکام

کافر کو سلام کہنا یا جواب دینا:

سوال: کافر کو سلام کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کافر کے سلام کا جواب دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کافر کو تعظیماً سلام کہنا کفر ہے، تعظیم مقصود نہ ہو محض تحیہ کے طور پر ہو تو جائز ہے اور کسی حاجت سے ہو تو جائز ہے مگر السلام علی من اتبع الہدیٰ کہے۔

کافر کے سلام کا جواب دینا جائز ہے مگر جواب میں صرف وعلیک کہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویسلم المسلم علی اھل الذمۃ لو لہ حاجۃ الیہ والا کرہ ھو الصحیح (الی ان قال) ولو سلم یھودی او نصرانی او مجوسی علی مسلم فلا بأس بالرد ولکن لا یزید علی قولہ وعلیک کما فی الخانیۃ ولو سلم علی الذمی تبجیلا یکفر لان تبجیل الکافر کفر۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ ویسلم المسلم علی اھل الذمۃ الخ) انظر ھل یجوز ان یأتی بلفظ الجمع لو کان الذمی واحدا والظاھر انہ یأتی بلفظ المفرد اخذا مما یأتی فی الرد وتأمل لکن فی الشرعۃ اذا سلم علی اھل الذمۃ فلیقل السلام علی من اتبع الھدی وکذلک یکتب فی الکتب الیہ اھ وفی التاتارخانیۃ قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اذا کتبت الی یھودی او نصرانی فی حاجۃ فاکتب السلام علی من اتبع الھدی اھ (قولہ لو لہ حاجۃ الیہ) ای الی الذمی المفھوم من المقام قال فی التاتارخانیۃ لان النھی عن السلام لتوقیرہ ولا توقیر اذا کان السلام لحاجۃ (رد المحتار ص۲۶۴ ج۵)

وقال ایضا: (قولہ فلا بأس بالرد) المتبادر منہ ان الاولی عدمہ ولکن

فی التتارخانیۃ واذا سلم اهل الذمۃ ینبغی ان یرد علیهم الجواب وبه نأخذ (رد المحتار ص۲۳۵ ج ۵) واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۱۹ شعبان ۸۲ھ

بدعتی اور فاسق کو سلام کہنا:

سوال: بدعتی اور فاسق کو سلام کہنا شرعاً کیسا ہے؟ اور ان کے سلام کا جواب دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بدعتی اور علانیہ فسق میں مبتلا شخص کو سلام کہنا جائز نہیں، ڈاڑھی ایک مشت سے کم کرنا، ٹخنے ڈھانکنا، ٹی وی دیکھنا، تصویریں بنانا، رکھنا، عورتوں کا شریعت کے مطابق پردہ نہ کرنا، حرام کمانا، بینک انشورنس وغیرہ سودی اداروں کی ملازمت، غیبت کرنا یہ سب علانیہ بغاوتیں ہیں، جو شخص ان کا ارتکاب کرتا رہتا ہے جب تک وہ ان گناہوں سے توبہ کا اعلان نہ کرے اسے سلام کہنا جائز نہیں۔

البتہ اگر کسی فاسق سے تعارف اور جان پہچان ہے تو سلام کہنا جائز ہے۔ اس لئے کہ ایسی صورت میں سلام نہ کہنے میں کبر کا گمان ہو سکتا ہے۔ نیز اسے دین اور دینداروں سے مزید متنفر کرنے کا باعث ہے۔

جواب دینا بہرحال ضروری ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمه اللّٰه تعالیٰ: ویکرہ السلام علی الفاسق لو معلنا والا لا۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالیٰ تحت (قوله لو معلنا) وفی فصول العلامی لا یسلم علی الشیخ المازح الکذاب واللاغی ولا علی من یسب الناس او ینظر وجوه الاجنبیات ولا علی الفاسق المعلن ولا علی من یغنی او یطیر الحمام مالم تعرف توبته (رد المحتار ص۲۶۴ ج ۵)

وقال ایضا: وینبغی وجوب الرد علی الفاسق لان کراهۃ السلام علیه للزجر فلا تنافی الوجوب علیه تأمل (رد المحتار ص۲۶۵ ج ۵) واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۱۸ ربیع الاول ۸۵ھ

مواقع کراہت سلام:

سوال: انسان کے کون کون سے حالات ایسے ہیں کہ کسی دوسرے شخص کا اسے سلام کہنا مکروہ ہے؟ مواقع کراہت میں اگر کوئی سلام کہے تو جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مواقع کراہت سلام درج ذیل ہیں:

(۱) جو شخص جواب دینے سے عاجز ہو اسے سلام کہنا خواہ حقیقۃً عاجز ہو، جیسے کھانے میں مشغول ہو یا شرعاً عاجز ہو، جیسے نماز، اذان، اقامت، ذکر، تلاوت یا علوم دینیہ کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہو۔

(۲) قاضی کو مجلس قضاء میں خصمین کا سلام کہنا۔

(۳) نامحرم جوان عورت۔

(۴) برہنہ شخص۔

(۵) پیشاب یا پاخانہ میں مشغول شخص۔

(۶) شطرنج، تاش وغیرہ میں مشغول شخص۔

(۷) بیوی کے ساتھ مشغول شخص۔

ان تمام صورتوں میں راجح قول یہ ہے کہ اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینا واجب نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی النہر عن صدر الدین الغزی.

سلامک مکروہ علی من ستسمع	ومن بعد ما ابدی یسن ویشرع
مصل وتال ذاکر ومحدث	خطیب ومن یصغی الیہم ویسمع
مکرر فقہ جالس لقضائہ	ومن بحثوا فی الفقہ دعہم لینفعوا
مؤذن ایضا او مقیم مدرس	کذا الاجنبیات الفتیات امنع
ولعاب شطرنج وشبہ بخلقہم	ومن ہو مع اہلہ یتمتع
ودع کافرا ایضا ومکشوف عورۃ	ومن ہو فی حال التغوط اشنع
ودع آکلا الا اذا کنت جائعا	وتعلم منہ انہ لیس یمنع

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ وصرح فی الضیاء)

قلت: لكن في البحر عن الزيلعي ما يخالفه فإنه قال: يكره السلام على المصلي والقارئ والجالس للقضاء أو البحث في الفقه أو التخلي ولو سلم عليهم لا يجب عليهم الرد لأنه في غير محله اهـ ومفاده أن كل محل لا يشرع فيه السلام لا يجب الرد. وفي شرح الشرعة: صرح الفقهاء بعدم وجوب الرد في بعض المواضع القاضي إذا سلم عليه الخصمان والأستاذ الفقيه إذا سلم عليه تلميذه أو غيره أوان الدرس وسلام السائل والمشتغل بقراءة القرآن والدعاء حال شغله والجالسين في المسجد لتسبيح أو قراءة أو ذكر حال التذكير اهـ وفي البزازية: ولا يجب الرد على الإمام والمؤذن والخطيب عند الثاني وهو الصحيح اهـ (رد المحتار ج ۱)

والله سبحانه وتعالى اعلم

۸ ربیع الاول سنہ ۹۰ھ

خط کے سلام کا جواب:

سوال: خط کے سلام کا جواب واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو کیا فی الفور واجب ہے یا عند جواب الکتاب؟ اگر خط کا جواب دینے کا ارادہ نہ ہو یا خط قابل جواب نہ ہو تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

زبانی یا بذریعہ خط جواب دینا واجب ہے، بہتر ہے کہ فوراً زبان سے جواب دے دیا جائے، کیونکہ ممکن ہے خط کے جواب کا موقع نہ ملے تو واجب فوت ہونے کا گناہ ہوگا۔

خط کا جواب دینے کا ارادہ نہ ہو یا خط قابل جواب نہ ہو تو فوراً زبان سے جواب دینا واجب ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ويجب رد جواب كتاب التحية كرد السلام.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله ويجب رد جواب كتاب التحية) لأن الكتاب من الغائب بمنزلة الخطاب من الحاضر مجتبى والناس عنه غافلون ط. أقول: المتبادر من هذا أن المراد رد سلام الكتاب لا رد الكتاب لكن في الجامع الصغير للسيوطي: رد جواب الكتاب حق كرد السلام

قال شارحہ المناوی ای اذا کتب لک رجل بالسلام فی کتاب ووصل الیک وجب علیک الرد باللفظ او بالمراسلۃ وبہ صرح جمع شافعیۃ وھو مذھب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما (رد المحتار ص۲۹۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۰ ربیع الاول سنہ ۹۰ھ

ریڈیو پر سلام کا جواب واجب نہیں:

سوال: ریڈیو پر تقریر، درس قرآن یا خبروں سے قبل السلام علیکم کہا جاتا ہے، سننے والوں پر اس کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

بلا ضرورت خبریں سننا ہی جائز نہیں، اس لئے ریڈیو پر سلام سننے اور اس کا جواب دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اگر کسی ضرورت واقعیہ سے خبریں سن رہا ہے اور ریڈیو پر سلام سن لیا تو اس کا جواب دینا جائز نہیں، اس لئے کہ یہ سلام سنت کے خلاف اور بے موقع ہے، وعظ، تقریر یا درس یا امر کی عام اشاعت اور اعلان سے قبل سلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعین اور سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے خطبات متواتر ہیں مگر ان سے قبل سلام کہیں منقول نہیں۔

عن ھلال بن یساف قال کنا مع سالم بن عبید فعطس رجل من القوم فقال السلام علیکم فقال لہ سالم وعلیک وعلی امک فکان الرجل وجد فی نفسہ فقال اما انی لم اقل الا ما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ عطس رجل عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال السلام علیکم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیک وعلی امک الحدیث رواہ الترمذی وابو داود۔ (مشکوۃ ص۴۰۶)

فعدل صلی اللہ علیہ وسلم عن الجواب المسنون واختار الطریق الغریب تنبیھا علی ان العطس لیس محلا للسلام۔

بعض اکابر نے ریڈیو کے سلام کا جواب واجب نہ ہونے کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ مجیب مسلم کو جواب سنانے پر قادر نہیں مگر اس میں یہ اشکال ہے کہ وجوب جواب کے لئے

قدرت علی الاسماع شرط نہیں کما قالوا فی جواب سلام بالکتابۃ والاصم، بلکہ بعض صورتوں میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے قدرت اسماع نہ ہونے کے باوجود بھی جواب بدون اسماع تحریر فرمایا ہے، کما فی جواب سلام الاجنبیۃ الشابۃ، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ جمادی الثانیہ [illegible]ھ

سلام میں برکاتہ پر زیادتی مکروہ ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ سلام اور جواب سلام میں وبرکاتہ کے بعد ومغفرتہ وغیرہ زیادہ کرنا مکروہ ہے، حالانکہ میں نے مشکوٰۃ شریف میں زیادتی کی فضیلت کی حدیث پڑھی ہے، لہٰذا اس بارے میں تحقیق فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارہ میں روایات مختلف ہیں، بعض سے جواز معلوم ہوتا ہے اور بعض سے کراہت۔ بوجوہ ذیل کراہت کو ترجیح ہے:

① حضرات فقہاء وعامۃ المفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ کراہت کے قائل ہیں۔
② بوقت تعارض عموماً کراہت کو ترجیح ہے۔
③ ممانعت کی روایت سنداً قوی ہے۔
④ مقلد کے لئے قول فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ ہی دلیل ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا یزید الراد علی وبرکاتہ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: قال فی التاترخانیۃ والافضل للمسلم ان یقول السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ والمجیب کذلک یرد ولا ینبغی ان یزاد علی البرکات شیء اھ (رد المحتار ص [illegible] ج ۵)

وقال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ فزادوہ ورحمۃ اللہ) فیہ مشروعیۃ الزیادۃ فی الرد علی الابتداء وھو مستحب بالاتفاق لوقوع التحیۃ فی ذلک فی قولہ تعالیٰ "فحیوا باحسن منہا او ردوھا" فلو زاد المبتدئ ورحمۃ اللہ استحب ان یزاد وبرکاتہ ولو زاد وبرکاتہ فھل تشرع الزیادۃ فی الرد وکذا لو زاد المبتدئ علی وبرکاتہ فھل یشرع لہ ذلک اخرج مالک فی الموطأ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال انتہی السلام الی البرکۃ

واخرج البیہقی فی الشعب من طریق عبد الله بن بابیه قال جاء رجل الی
ابن عمر رضی الله تعالی عنهما فقال السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته
ومغفرته فقال حسبك الی وبرکاته انتهی الی وبرکاته ومن طریق زهرة بن
معبد قال قال عمر رضی الله تعالی عنه انتهی السلام الی وبرکاته ورجاله
ثقات وجاء عن ابن عمر رضی الله تعالی عنهما الجواز فاخرج مالك
ایضا فی الموطأ عنه انه زاد فی الجواب والغادیات والرائحات واخرج
البخاری فی الادب المفرد من طریق عمرو بن شعیب عن سالم مولی
ابن عمر قال کان ابن عمر رضی الله تعالی عنهما یزید اذا رد السلام فاتیته
مرة فقلت السلام علیکم فقال السلام علیکم ورحمة الله ثم اتیته فزدت
وبرکاته فرد وزادنی وطیب صلوته ومن طریق زید بن ثابت انه کتب
الی معاویة رضی الله تعالی عنهما السلام علیکم یا امیر المؤمنین ورحمة الله
وبرکاته ومغفرته وطیب صلوته ونقل ابن دقیق العید عن ابی الولید
بن رشد انه یؤخذ من قوله تعالی "فحیوا باحسن منها" الجواز فی الزیادة
علی البرکة اذا انتهی الیه المبتدی واخرج ابوداود والترمذی والنسائی
بسند قوی عن عمران بن حصین رضی الله تعالی عنه قال جاء رجل
الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال السلام علیکم فرد علیه وقال عشر ثم
جاء آخر فقال السلام علیکم ورحمة الله فرد علیه وقال عشرون ثم جاء
آخر فزاد وبرکاته فرد وقال ثلاثون واخرج البخاری فی الادب المفرد من
حدیث ابی هریرة رضی الله تعالی عنه وصححه ابن حبان وقال ثلاثون حسنة
وکذا فیما قبلها صرح بالمعدود وعند ابی نعیم فی عمل یوم ولیلة من حدیث
علی رضی الله تعالی عنه انه هو الذی وقع له مع النبی صلی الله علیه وسلم
ذلك واخرج الطبرانی من حدیث سهل بن حنیف بسند ضعیف رفعه من
قال السلام علیکم کتب له عشر حسنات ومن زاد ورحمة الله کتبت
له عشرون حسنة ومن زاد وبرکاته کتبت له ثلاثون حسنة واخرج
ابوداود من حدیث سهل بن معاذ بن انس الجهنی عن ابیه بسند ضعیف

نحو حدیث عمران وزاد فی آخرہ ثم جاء آخر فزاد ومغفرتہ فقال اربعون وقال ھکذا تکون الفضائل واخرج ابن السنی فی کتابہ بسند واہ من حدیث انس رضی اللہ تعالی عنہ قال کان یمر فیقول السلام علیک یا رسول اللہ فیقول لہ وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ ورضوانہ واخرج البیھقی فی الشعب بسند ضعیف ایضا من حدیث زید بن ارقم کنا اذا سلم علینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلنا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ وھذہ الاحادیث الضعیفۃ اذا انضمت قوی ما اجتمعت علیہ من مشروعیۃ الزیادۃ علی وبرکاتہ (فتح الباری ص۳۳ ج ۱۱)

قال العبد الضعیف: فانی راجعت الموطأ فوجدت فیہ خلاف ما نقل عنہ الحافظ رحمہ اللہ تعالی ونصہ عن یحیی بن سعید ان رجلا سلم علی عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما فقال السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ والغادیات والرائحات فقال لہ عبد اللہ بن عمر وعلیک الفا[1] ثم کأنہ کرہ ذلک (موطا ص۳۸۲)

قال العلامۃ محمود الألوسی رحمہ اللہ تعالی: (فحیوا باحسن منھا) ای بتحیۃ احسن من التحیۃ التی حییتم بھا بأن تقولوا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ تعالی ان اقتصر المسلم علی الاول وبأن تزیدوا وبرکاتہ ان جمعھا المسلم وھی النھایۃ فقد اخرج البیھقی عن عروۃ بن الزبیر رضی اللہ تعالی عنھما ان رجلا سلم علیہ فقال السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فقال عروۃ ما ترک لنا فضلا ان السلام قد انتھی الی وبرکاتہ وفی معناہ ما اخرجہ الامام احمد والطبرانی عن سلمان الفارسی رضی اللہ تعالی عنہ مرفوعا وذلک لانتظام تلک التحیۃ لجمیع فنون المطالب التی ھی السلامۃ عن المضار ونیل المنافع ودوامھا ونماؤھا وقیل یزید المحیی اذا جمع المحیی الثلاثۃ لہ فقد اخرج

---

[1] ھکذا فی الکتاب والصواب المجیب ۱۲ منہ

البخاری فی الادب المفرد عن سالم مولی عبد اللہ بن عمر قال کان ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما اذا سلم علیہ فرد زاد فاتیتہ فقلت السلام علیکم فقال السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالی ثم اتیتہ مرۃ اخری فقلت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فقال السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وطیب صلواتہ ورد بتعین ما ذکر بالزیادۃ فقد روی مرفوعا ابو داود والبیہقی عن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ زیادۃ ومغفرتہ فما فی الدر من ان المراد لا یزید علی وبرکاتہ غیر مجمع علیہ
(روح المعانی ص[illegible] ج ۵)

قال الامام الرازی رحمہ اللہ تعالی: المسئلۃ الرابعۃ منتہی الامر فی السلام ان یقال السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بدلیل ان ہذا القدر ہو الوارد فی التشہد واعلم انہ تعالی قال "فحیوا باحسن منہا او ردوہا" فقال العلماء والاحسن ہو ان المسلم اذا قال السلام علیک زید فی جوابہ الرحمۃ وان ذکر السلام والرحمۃ فی الابتداء زید فی جوابہ البرکۃ وان ذکر الثلاثۃ فی الابتداء اعادہا فی الجواب کما روی ان رجلا قال للرسول صلی اللہ علیہ وسلم السلام علیک یا رسول اللہ فقال علیہ الصلوۃ والسلام وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ واخر قال السلام علیک ورحمۃ اللہ فقال وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فجاء ثالث فقال السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فقال علیہ الصلوۃ والسلام وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فقال الرجل نقصتنی فاین قول اللہ فحیوا باحسن منہا فقال صلی اللہ علیہ وسلم انک ما ترکت لی فضلا فرددت علیک ما ذکرت (تفسیر کبیر ص۲۱۲ ج ۱۰)

قال الحافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالی بعد نقل الحدیث المذکور بطرق متعددۃ: وفی ہذا الحدیث دلالۃ علی انہ لا زیادۃ فی السلام علی ہذہ الصفۃ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اذ لو شرع اکثر من ذلک لزادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تفسیر ابن کثیر ص[illegible] ج ۱)

قال العلامۃ ابو السعود رحمہ اللہ تعالی: (فحیوا باحسن منہا) ای

بتحیۃ احسن منھا بأن تقولوا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ ان اقتصر المسلم علی الاول وبأن تزیدوا وبرکاتہ ان جمعھما المسلم وھی النھایۃ لانتظامھا لجمیع فنون المطالب التی ھی السلامۃ عن المضار ونیل المنافع ودوامھا ونمائھا (تفسیر ابی السعود ص۲۵ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ جمادی الثانیہ سنہ ۹۰ھ

بار بار آتے جاتے تکرار سلام:

سوال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا لقی احدکم اخاہ فلیسلم علیہ فان حالت بینھما شجرۃ اوجدار اوحجر ثم لقیہ فلیسلم علیہ رواہ ابوداود (مشکوٰۃ ص۳۹۹ ج ۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنی مرتبہ بھی کوئی دیوار وغیرہ حائل ہو، پھر آمنا سامنا ہو تو ہر مرتبہ سلام کہنا چاہئے، کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ حکم احیانا پیش آنے والی صورت پر محمول ہے، جہاں بار بار یہ صورت پیش آتی ہو مثلاً کوئی مخدوم کے کمرے میں بار بار آتا جاتا رہتا ہے تو اس میں تکرار سلام وجواب میں حرج ظاہر ہے، اس لئے یہ صورت حدیث سے مستثنیٰ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

غرۃ ذی القعدۃ سنہ ۱۴۱۹ھ

بوقت سلام پیشانی پر ہاتھ رکھنا:

سوال: بوقت سلام پیشانی پر ہاتھ رکھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ ہندؤوں کا شعار ہے، اور سجدہ کے قائم مقام ہے، اس لئے حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۸ ذی الحجہ سنہ ۸۶ھ

ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا:

سوال: ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کسی وجہ سے آواز پہنچنا مشکل ہو تو ہاتھ کے اشارہ سے سلام کرنا جائز ہے اور جواب واجب ہے، اور اگر آواز پہنچ سکتی ہو تو صرف اشارہ کافی نہیں، البتہ زبان سے سلام و جواب کے ساتھ ہاتھ سے اشارہ جائز ہے، اس لئے کہ یہ مصافحہ کے قائم مقام ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۸ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ

سوال مثل بالا:

سوال: لفظ سلام کہنے کے بغیر صرف ہاتھ کے اشارہ سے سلام کرنا اور جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بلا عذر ہاتھ کے اشارہ سے سلام کرنا جائز نہیں اور اس کا جواب دینا بھی واجب نہیں، اور بلا عذر لفظ سلام کے ساتھ اشارہ کو جمع کرنا جائز ہے، اس لئے کہ یہ مصافحہ کے قائم مقام ہے اور بوجہ عذر صرف ہاتھ کا اشارہ بھی جائز ہے، البتہ ممکن ہو تو اس کے ساتھ تلفظ بھی کرے۔

حدثنا قتیبۃ نا ابن لہیعۃ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس منا من تشبہ بغیرنا لا تشبھوا بالیھود ولا بالنصاری فان تسلیم الیھود الاشارۃ بالاصابع وتسلیم النصاری الاشارۃ بالاکف ھذا حدیث اسنادہ ضعیف وروی ابن المبارک ھذا الحدیث عن ابن لہیعۃ فلم یرفعہ (سنن الترمذی ص۹۹ ج ۲)

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالی: رواہ الترمذی وقال اسنادہ ضعیف ولعل وجہ انہ من عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وقد تقدم الخلاف فیہ وان المعتمد ان سندہ حسن لاسیما وقد اسندہ السیوطی فی الجامع الصغیر الی ابن عمرو رضی فارتفع النزاع وزال الاشکال۔

وقال الامام النووی رحمہ اللہ تعالی: روینا عن اسماء بنت یزید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر فی المسجد یوما وعصبۃ من النساء قعود فالوی بیدہ بالتسلیم۔

قال الترمذی: ھذا حدیث حسن وھو محمول علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم جمع بین اللفظ والاشارۃ ویدل علی ھذا ان ابا داود روی ھذا الحدیث وقال فی روایتہ فسلم علینا قلت علی تقدیر عدم التلفظ تبیہ السلام بالسلام لا محذور فیہ لانہ ما شرع السلام علی من مر علی جماعۃ من النسوان (الی ان قال) وقد یحمل علی انہ لبیان الجواز بالنسبۃ الی النساء وان نھی التشبہ محمول علی الکراھۃ لا علی التحریم واللہ اعلم (مرقاۃ المفاتیح ص ۳۳ ج ۸)

وقال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالی: ولو کان السلام علی اصم فینبغی الاشارۃ مع التلفظ لیحصل الافہام والا فلا یستحق جوابا وکذا اذا سلم علیہ الاصم واراد الرد علیہ فیتلفظ باللسان ویشیر بالجواب ولو سلم علی الاخرس فاشار الاخرس بالید سقط عنہ الفرض وکذا لو سلم علیہ اخرس بالاشارۃ استحق الجواب (عمدۃ القاری ص ۲۳ ج ۲۲)

قال فی الھندیۃ ویکرہ السلام بالسبابۃ کذا فی الغیاثیۃ (عالمگیریۃ ص ۳۲۴ ج ۵)

وفی الشامی عن ولا یشیر المسلم بالاصبع فانہ من دأب الیھود ولا بالکف فانہ من عادۃ النصاری (القنیۃ فی مرمۃ، عزا الیہ ص ۲۳۳) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۷ جمادی الثانیہ سنہ ۱۴۱۲ ھ

رسوم مروجہ

اشعار نعتیہ کا حکم:

سوال: شریعت مطہرہ میں اشعار نعتیہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اشعار نعتیہ پڑھنا، معجزات و کمالات کا بیان اشعار میں کرنا جائز بلکہ موجب ثواب و خیر و برکت ہے اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ایسے معجزات و مضامین بیان کئے جائیں جو صحیح روایات سے ثابت ہوں، من گھڑت قصے بیان کرنا جائز نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وحمل ما وقع من بعض الصحابۃ علی انشاد الشعر المباح الذی فیہ الحکم والمواعظ فان لفظ الغناء کما یطلق علی المعروف یطلق علی غیرہ کما فی الحدیث من لم یتغن بالقرآن فلیس منا

وقال ایضا معزیا للبحر: ان التغنی المحرم ما کان فی اللفظ ما لا یحل کصفۃ الذکور والمرأۃ المعینۃ الحیۃ (الی قولہ) الا اذا اراد انشاده للاستشهاد به او لیعلم فصاحته وبلاغته وکان فیه وصف امرأۃ لیست کذلک او الزهریات المتضمنۃ وصف الریاحین والازهار والمیاه فلا وجه لمنعه علی هذا (رد المحتار ص ۲۲۲ ج ۵)

اقول فاذا جاز انشاد الشعر والتغنی به لاجل وصف الزهریات فما ظنک بالتغنی بالشعر لاجل بیان معجزات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما لم یکن من الملاهی والقبور المخترعۃ لاهل البدع والاهواء، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ محرم ۸۳ھ

عید کارڈ کا حکم:

سوال: احباب واعزہ کے درمیان عید کے موقع پر "عید کارڈ" کی مراسلت التزامی یا غیر التزامی طور پر جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مصارف کے پانچ درجات ہیں:

① ضرورت۔
② حاجت۔
③ آسائش۔
④ آرائش و زیبائش۔
⑤ نمائش۔

ضرورت: جو لوازم زندگی میں سے ہو۔ اس کے نہ ہونے سے ضرر لاحق ہو جیسے بقدر کفایت طعام ولباس وغیرہ۔

حاجت: جس کے نہ ہونے سے ضرر تو نہ ہو مگر گزر مشکل ہو، جیسے قدر کفایت سے زائد حاجات میں کام آنے والی اشیاء۔

آسائش: حاجت سے زائد آرام و راحت کی اشیاء۔

آرائش و زیبائش: صرف زیب و زینت کی اشیاء۔

نمائش: جس سے فخر و نمود مقصود ہو۔

ضرورت پر خرچ کرنا فرض ہے اور حاجت، آسائش، آرائش و زیبائش پر خرچ کرنا جائز ہے بشرطیکہ اسراف نہ ہو۔ اسراف یہ ہے کہ بلا ضرورت آمدن سے زائد خرچ کرے۔

نمائش کیلئے خرچ کرنا حرام ہے۔

زیبائش اور نمائش فعل قلب کے قبیل سے ہیں، دونوں میں فرق صرف نیت سے ہوتا ہے، اس لئے بلا وجہ کسی پر نمائش کا حکم لگانا صحیح نہیں۔

عید کارڈ سے اگر فخر و نمود مقصود ہو تو بلا شبہہ ناجائز ہے اور اگر اس سے محض زینت اور دوسرے کا دل خوش کرنا مقصود ہو تو یہ آرائش و زیبائش میں داخل ہے جو بلا شبہہ جائز ہے بلکہ ادخال السرور فی قلب المؤمن کے تحت باعث ثواب ہے۔ اس کی کئی مثالیں

جیسے مثلاً :

گلدستہ، مسہری، خوبصورت پیڈ، خوبصورت پھولدار کاغذ، خوبصورت پھولدار لفافہ، اس قسم کی زینت کی چیزیں بالاتفاق جائز اور علماء و صلحاء کے ہاں بھی عام رائج ہیں تو عید کارڈ کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲ر شوال سنہ ۹۶ھ

عیدی کا لین دین :

سوال : کیا عید کے موقع پر عید کی خوشی میں عیدی کے نام سے روپیہ پیسے کا لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عیدی کا لین دین مندرجہ ذیل مفاسد کی وجہ سے ناجائز ہے :

(۱) فخر و غرور۔

(۲) عموماً مبادلہ کی نیت ہوتی ہے۔

(۳) دینے والے کی نیت عوض لینے کی نہ ہو تو بھی جس کے بچوں کو عیدی دی جاتی ہے وہ اس کو اپنے اوپر بوجھ محسوس کرتا ہے اور اس کا عوض دینا ضروری سمجھتا ہے۔

(۴) مبادلہ کی ناجائز رسم کی تائید و ترویج۔

(۵) دیکھنے سننے والوں کے لئے ناجائز رسم کے ارتکاب کی بدگمانی و مظنۂ تہمت۔

(۶) بچوں کے قلوب میں مال کی محبت پیدا ہوتی ہے، اس لئے اپنے بچوں کو بھی پیسے ہرگز نہ دیئے جائیں۔ بچوں کو پیسے دے کر ان کی دنیا و آخرت تباہ کرنے کی بجائے ان کو صدقہ و خیرات اور امور دین پر زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی ترغیب دیتے رہنا لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۳ر جمادی الثانیہ سنہ ۹۶ھ

مختلف مواقع پر تحائف کا لین دین :

سوال : اس زمانہ میں مختلف مواقع پر ہدایا و تحائف کے لین دین کا سلسلہ عام ہو گیا ہے، مثلاً :

(۱) کوئی شخص عمرہ یا حج پر جا رہا ہوتا ہے تو اقارب و احباب اس کو تحائف و ہدایا

دیتے ہیں پھر وہ شخص واپسی پر ان کو بدلا یا وہ تحائف دیتا ہے اور نہ دینے میں عار سمجھتا ہے۔
(۲) کسی کے یہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ دعوتیں کرتا ہے، جو لوگ جاتے ہیں وہ تحائف دیا دیتے ہیں اسی طرح بچے کو دیکھنے کے وقت بھی۔
(۳) کسی کا نیا مکان بنتا ہے تو لوگ جا کر تحائف دیتے ہیں اور خالی ہاتھ جانے کو عار سمجھتے ہیں۔
(۴) شادی اور منگنی کے مواقع میں لوگ تحائف دیتے ہیں۔
(۵) مریض کی عیادت کے لئے جاتے ہیں تو تحائف ساتھ لے جاتے ہیں۔
(۶) عید کے موقع پر عیدی کا لین دین ہوتا ہے۔

ان مواقع میں لوگوں کا کچھ دینا پھر جس کو دیا جا رہا ہے اس کا قبول کرنا پھر قبول کرنے کے بعد کسی دوسرے موقع پر اس تحفہ دینے والے کو تحفہ دینا ان تمام صورتوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس میں جو خرابیاں ہیں ان کو بھی تفصیل سے لکھنے کی گذارش ہے تاکہ لوگوں میں زیادہ سے زیادہ اس کی اشاعت کر کے ان کو صراط مستقیم کی طرف لایا جا سکے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آپس میں ہدیہ و تحفہ کا لین دین اور مشکل حالات میں ایک دوسرے کی مدد کرنا باہم الفت و محبت پیدا کرنے کا مؤثر ذریعہ اور شریعت کا مؤکد حکم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تھادوا تحابوا (موطا مالک)

مگر شریعت نے ہدیہ، تحفہ اور باہمی تعاون و تناصر کے الفاظ خاص خاص حقیقتوں کے لئے وضع کئے ہیں، ان حقائق کے پائے جانے کی صورت میں ان الفاظ کا استعمال شریعت کے مطابق ہوگا اور یہ عمل موجب اجر و ثواب بنے گا، لیکن جہاں حقیقت دور دور تک نظر نہ آتی ہو وہاں اصطلاحات شرعیہ کو استعمال کرنا احکام اسلام سے مذاق اور ان کی اہانت ہے۔ کیا رشوت کو چائے پانی کا نام نہیں دیا گیا؟ سود اور جوئے کی متعدد صورتوں کو نفع اور انعام کا نام دے کر جائز نہیں کیا جاتا؟

معاشرے کے احوال سے باخبر حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ جو صورتیں سوال میں مذکور ہیں ان میں ہدیہ، تحفہ اور باہمی تعاون و تناصر وغیرہ اصطلاحات کے ساتھ بھی ناروا معاملہ کیا جاتا ہے۔

ان اصطلاحات کا احترام ہر مسلمان پر واجب ہے۔ ان تمام صورتوں میں ہدیہ، تحفہ، تعاون اور عیدی وغیرہ کے نام سے لینا دینا دونوں ناجائز ہیں اور تقریباً یہ تمام صورتیں درج ذیل قبائح پر مشتمل ہیں:

① یہ رقم اور سامان جبراً وصول کیا جاتا ہے بایں طور کہ نہ دینے والے کو ملامت کی جاتی ہے بلکہ برادری سے نکال دیا جاتا ہے اور جبراً کسی سے کچھ وصول کرنا حرام ہے۔

② لینے والے کی نیت میں زیادہ وسعت ہوتی ہے اور شہرت و سمعت کی نیت سے جائز فعل بھی ناجائز ہو جاتا ہے۔

③ یہ رقم و اسباب قرض ہیں جن کا موقع پر واپس کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور بلا ضرورت شدیدہ قرض کا لین دین ناجائز ہے، اس لئے کہ ہدیہ تو دلیل محبت و باعث ازدیاد محبت ہے مگر اس کے بالکل برعکس قرض قاطع محبت ہے، اس کا نام ہی "قرض" اسی لئے رکھا گیا ہے کہ یہ مقراض محبت ہے، مقراض محبت کو ہدیہ محبت کا نام دے کر ناجائز کو جائز بلکہ مندوب و مستحب قرار دینا اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی علانیہ بغاوت اور اصطلاحات شرعیہ میں کھلی تحریف ہے۔

④ قرض سے متعلق حکم یہ ہے کہ جب بھی استطاعت ہو ادا کر دیا جائے مگر یہ اشیاء باوجود استطاعت کے مواقع معہودہ سے قبل نہیں دی جاتیں اور بلا وجہ قرض ادا کرنے میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔

پھر ایک دو روز کے بعد اگر مقروض یہ قرض ادا کرنا چاہے تو قرضخواہ قبول نہیں کرتا مواقع معہودہ ہی پر قبول کرتا ہے یہ بھی مستقل گناہ ہے، کیا معلوم کہ موقع تک زندگی ہوگی بھی یا نہیں، قرض ادا کر سکے گا یا نہیں، خدا نخواستہ قرض ادا کرنے سے قبل موت نے آ دبوچا تو کیا بنے گا۔ مقروض کی موت کی صورت میں اس کے ورثہ کا ادا کرنا یقینی نہیں، اور قرضخواہ کی موت کی صورت میں اس کے تمام ورثہ پر قرض کو تقسیم کرکے ہر ایک کو اس کا حصہ سپرد کرنا ضروری ہے حالانکہ اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا بلکہ عرف کے مطابق مواقع معہودہ پر کسی ایک وارث کو دیا جاتا ہے اور وہ اپنا حق سمجھ کر استعمال کرتا ہے دوسرے ورثہ کے حق کا خیال تک نہیں آتا۔

(۵) کئی قرضخواہ قرض وصول کرنے سے پہلے مرجاتے ہیں تو یہ قرض اس کے وارثوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، پھر کئی وارث بھی مرجاتے ہیں تو بصورت مناسخہ تقسیم در تقسیم و نقل در نقل ہو کر اتنا پھیل جاتا ہے کہ سب اہل حقوق اور ہر ایک کے حق کی مقدار کا معلوم کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس لئے مقروض اگر کسی وقت قرض ادا کرنا بھی چاہے تو اس کے لئے ان حقوق العباد سے سبکدوش ہونے کی کوئی صورت ممکن نہیں رہتی بے شمار لوگوں کے حقوق کا بوجھ لئے مرے گا۔

(۶) ان رسوم پر فرض و واجب کی طرح اصرار و التزام کیا جاتا ہے حالانکہ اس قسم کے التزام سے ہر مباح و مندوب بھی واجب الترک ہو جاتا ہے۔

عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمہ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ رواہ البیہقی فی شعب الایمان والدارقطنی فی المجتبی (مشکوٰۃ ص۲۵۵)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لبس ثوب شہرۃ فی الدنیا البسہ اللہ ثوب مذلۃ یوم القیامۃ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ (مشکوٰۃ ص۳۷۵)

وعنہ رضی اللہ تعالی عنہما یرفعہ قال من لبس ثوب شہرۃ البسہ اللہ ایاہ یوم القیامۃ ثم الہب فیہ النار ذکرہ رزین فی جامعہ۔

وعن ابی ذر رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من لبس ثوب شہرۃ اعرض اللہ عنہ حتی یضعہ متی وضعہ (الترغیب والترہیب ص۱۱۲ ج۳)

محمد بن جحش رضی اللہ تعالی عنہ کنا جلوسا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرفع راسہ الی السماء ثم وضع راحتہ علی جبہتہ ثم قال سبحان اللہ ماذا انزل من التشدید فسکتنا وفزعنا فلما کان من الغد سألتہ یا رسول اللہ ما ہذا التشدید الذی نزل فقال والذی نفسی بیدہ لو ان رجلا قتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم قتل ثم احیی ثم قتل وعلیہ دین ما دخل الجنۃ (جمع الفوائد)

وفی الحدیث مطل الغنی ظلم۔

نقل العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی عن الخیریۃ سئل فیما یرسلہ الشخص الی غیرہ فی الاعراس ونحوہا ہل یکون حکمہ حکم القرض

فیلزمہ الوفاء بہ ام لا؟ اجاب ان کان العرف بأنہم یفعلونہ علی وجہ البدل یلزم الوفاء بہ (الی ان قال) نعم فی بعض القری یعدونہ قرضا حتی انہم فی کل ولیمۃ یحضرون الخطیب یکتب لہم ما یہدی فاذا جعل المہدی ولیمۃ یراجع المہدی الدفتر فیہدی الاول الی الثانی مثل ما اہدی الیہ (رد المحتار ص ۶۹۶ ج ۵)

قال الفقیہ لا بأس ان یستدین الرجل اذا کان لہ حاجۃ لا بد منہا ویرید قضاءہا (بستان العارفین) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

تقاریب میں چراغاں کرنا:

سوال: شادی یا کسی خوشی کے موقع پر مکان کو بجلی کے چھوٹے چھوٹے رنگین بلبوں سے مزین کیا جاتا ہے، شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بقصد زینت چراغاں کرنا جائز ہے، بہ نیت تفاخر وریاء جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(اس کی تفصیل عید کارڈ کے حکم کے تحت گزر چکی ہے) ۱۵ ذی القعدہ ۱۳۹۶ھ

سوال مثل بالا

سوال: بعض دینی جلسوں یا شادی کے اجتماع پر چھوٹے چھوٹے بلب کثیر تعداد میں زینت کے لئے لگا دیتے ہیں اور رنگین جھنڈیاں بھی لگاتے ہیں، کیا یہ اسراف نہیں ہے؟ اور تعدد بلب میں دیوالی سے مشابہت نہیں ہے؟ البتہ قصد مشابہت کا نہیں ہوتا، کیا علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ کلیہ المراد بالتشبہ ما قصد بہ التشبہ سے یہ خارج از تشبہ سمجھا جائے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عدم قصد تشبہ کی وجہ سے دیوالی سے مشابہت کی علت صحیح نہیں، اور اسراف اس کو کہتے ہیں کہ آمد سے زائد خرچ کیا جائے، اور اگر آمد کے اندر خرچ ہو تو اسراف نہیں، ماکولات، مشروبات، ملبوسات، مکان اور سواری وغیرہ پر ضرورت سے زائد مصارف کو کیوں اسراف نہیں کہتے؟ اسراف کو صرف بلبوں اور جھنڈیوں کے ساتھ مخصوص کرنے کی کیا وجہ ہے؟ درحقیقت آسائش وآرائش پر خرچ کرنا فی نفسہ مباح بلکہ بعض

صورتوں میں مستحسن ہے۔

قال اللہ تعالی: قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبٰت من الرزق قل ھی للذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا خالصۃ یوم القیامۃ۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے مسجد نبوی کو منقش سنگ مرمر سے مزین فرمایا، اس پر کسی صحابی نے کوئی اعتراض نہیں کیا، اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی اس تزیین کا جواز باجماع صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم ثابت ہوا، البتہ آرائش وتزیین پر مال وقف خرچ کرنا جائز نہیں، جس کو شوق ہو وہ اپنے ذاتی مال سے کرے یا چندہ دہندگان سے اجازت لے، جہاں اس قسم کی تزیین کا عام دستور ہو اور چندہ دہندگان کو اس کا علم ہو وہاں ان سے صراحۃً اجازت لینا ضروری نہیں، دلالۃً اذن ہی کافی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۴ صفر

صحتیاب ہونے پر گلے میں ہار ڈالنا:

سوال: مریض کے بیماری سے شفا پانے پر دوست احباب کا اس کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اظہار مسرت وشکر نعمت کے لئے ایسا کرنا جائز ہے مگر اس میں غلو کرنا جائز نہیں، نیز اس قسم کی چیزیں ابتداءً صحیح نیت سے انفرادی طور پر شروع ہوتی ہیں، آگے چل کر باقاعدہ رسم کی شکل اختیار کر جاتی ہیں اور ان کا التزام ہونے لگتا ہے جس میں کئی قباحتیں اور ناجائز امور بھی شروع ہو جاتے ہیں، ان کے سد باب کے لئے ایسے امور سے احتراز ضروری ہے۔

شکر نعمت کی حقیقت یہ ہے کہ معاصی سے توبہ کی جائے اور منعم حقیقی کی طرف رجوع کیا جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲ ربیع الاول

امام کے گلے میں ہار ڈالنا:

سوال: ہماری مسجد کے امام صاحب عشاء کی نماز کے بعد حدیث کا درس دیتے ہیں، اگر اس موقع پر کبھی کبھار مقتدی امام صاحب کے گلے میں پھولوں کا ہار

ڈال دیں تو اس میں کچھ حرج تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

فی نفسہ جائز ہے مگر ایسی چیزیں عموماً آگے چل کر بدعت یا رسم کی صورت اختیار کر جاتی ہیں، اور اس میں بہت غلو ہونے لگتا ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۱ ربیع الثانیہ ۹۵ھ

ختم قرآن کی دعوت:

سوال: بچوں کا قرآن مجید ختم ہونے کے موقع پر دعوت کرنا یا مٹھائی تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ بقرہ کی تعلیم بارہ سال میں مکمل کی اور اس خوشی میں اونٹ ذبح کیا۔

البتہ تفاخر و نمود یا اپنی حیثیت سے زیادہ قرض لے کر خرچ کرنا جائز نہیں، نیز التزام سے بھی احتراز ضروری ہے۔

عن مرداس بن محمد ابی بلال الاشعری قال حدثنا مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال تعلم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ البقرۃ فی اثنتی عشرۃ سنۃ فلما ختمها نحر جزوراً (الجامع لاحکام القرآن ص۴۰ ج۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ ربیع الثانی ۹۸ھ

بچوں کی سالگرہ منانا:

سوال: بچوں کی سالگرہ منانے اور اس موقع پر قرآن خوانی کرانے کا شریعت میں کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سالگرہ منانا ایک قبیح رسم ہے، اس کا ترک واجب ہے۔ اصل سالگرہ تو یہ ہے کہ ایسے مواقع پر اپنی زندگی کا احتساب کیا جائے۔ پچھلے عمل کے بارہ میں سوچیں

جائے کہ جنت کی طرف لے جارہے ہیں یا جہنم کی طرف؟ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۷ رجب سنہ ۹۱ھ

حاجی کی دعوت کرنا:

سوال: زید حج کرکے آیا، اب زید اظہار مسرت کے لئے اپنے اعزہ و اقارب کی دعوت کرے یا دوسرے رشتہ دار زید کی دعوت کریں تو یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے مگر اس کا ایسا التزام کہ ترک کرنے کو معیوب اور ایک دوسرے پر قرض سمجھا جانے لگے تو جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۸ محرم سنہ ۹۲ھ

دعوت ختنہ:

سوال: ختنہ کے موقع پر لوگوں کی دعوت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دعوت ختان کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، نہ قولاً، نہ فعلاً، نہ کہیں ذکر ہے اور نہ ہی مشروعیت دعوت عام لفظ "الدعوۃ فی السرور" میں داخل۔ اس لئے یہ دعوت جائز نہیں، بعض لوگ اس کو سنت سمجھتے ہیں، بدعت ہونے کی قباحت مزید، تقبیح کے لئے عدم ثبوت ہی کافی تھا اور یہاں تو قرون مشہود لہا بالخیر میں اس پر نکیر موجود ہے۔

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی حدثنا محمد بن سلمۃ الحرانی عن ابن اسحق یعنی محمداً عن عبید اللہ او عبد اللہ بن طلحۃ بن کریز عن الحسن قال دعی عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی ختان فابی ان یجیب فقیل لہ فقال انا کنا لا نأتی الختان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا ندعی لہ (مسند احمد ج ۴)

ورواية للادب المفرد:

حدثنا زكريا بن يحيى قال حدثنا ابو اسامة عن عمر بن حمزة قال

اخبرنی سالم قال خرجنی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اناو نعیما فذبح علینا کبشا فلقد رایتنا وانا لنجذل به علی الصبیان ان ذبح علینا کبشا۔

اس روایت کی سند کی تحقیق کی حاجت نہیں، بتسلیم صحت سند بھی اس سے بوجوہ ذیل استدلال صحیح نہیں۔

(۱) یہ صرف ایک واقعۂ جزئیہ ہے جو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تعامل عام کے خلاف ہے۔

(۲) مشروعیت دعوت کے ضابطۂ مذکورہ کے خلاف ہے۔

(۳) ائمہ حدیث وفقہ رحمہم اللہ نے اس کو اختیار نہیں فرمایا۔

وجوہ ثلاثہ مذکورہ کی بناء پر یہ جزئیہ واجب التأویل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں عرب کو لڑکیوں کی ولادت بہت ناگوار تھی۔

واذا بشر احدھم بالانثی ظل وجھه مسودا وھو کظیم یتواری من القوم من سوء ما بشر به ایمسکه علی ھون ام یدسه فی التراب الا ساء ما یحکمون۔

اس کے برعکس لڑکوں کی ولادت پر بہت خوش ہوتے تھے، بہت اتراتے اور فخر کرتے۔

ھل بعد ذلك منھم ان کان ذامال وبنین۔

اس لئے وہ لڑکے کی ولادت پر اس کی تشہیر، اظہار مسرت اور فخر و مباہات کی غرض سے اور اس امر کے اظہار و اعلان کے لئے کہ لڑکی پیدا نہیں ہوئی لڑکا ہے، دعوت ختان کرتے تھے اور اس کا ان میں عام دستور تھا۔

شریعت میں اس دعوت سے صراحۃً نہی وارد نہیں ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس دعوت کے خلاف ضابطۂ شرعیہ وخلاف عقل ہونے کی وجہ سے اس کے ترک ہی کو ممانعت کے لئے کافی سمجھا اور ایسے بدیہی البطلان کام سے صراحۃً نہی کی ضرورت نہ سمجھی۔ اس لئے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اتنے بڑے جم غفیر میں سے کسی ایک فرد کا عدم نقل صریح و عدم تشیوع ممانعت کی وجہ سے عرب کے دستور عام کے مطابق

عمل کرلینا بعید نہیں۔

اقوال الفقہاء رحمہم اللہ تعالی:

کتب فقہ میں دعوت ختان کا ذکر ملتا ہے مگر ائمہ احناف رحمہم اللہ تعالی سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

قال الامام الخرقی رحمہ اللہ تعالی: ودعوۃ الختان لا یعرفہا المتقدمون، ولا علی من دعی الیہا ان یجیب. وانما وردت السنۃ فی اجابۃ من دعی الی ولیمۃ تزویج۔

وقال الامام ابن قدامۃ رحمہ اللہ تعالی: یعنی بالمتقدمین: اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذین یقتدی بہم. وذلک لما روی "ان عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالی عنہ دعی الی ختان، فابی ان یجیب، فقیل لہ، فقال: انا کنا لا ناتی الختان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ولا ندعی الیہ" رواہ الامام احمد رحمہ اللہ تعالی باسنادہ- اذا ثبت ہذا فحکم الدعوۃ للختان وسائر الدعوات غیر الولیمۃ: انہا مستحبۃ، لما فیہا من اطعام الطعام، والاجابۃ الیہا مستحبۃ غیر واجبۃ. وہذا قول مالک والشافعی وابی حنیفۃ، واصحابہ رحمہم اللہ تعالی۔

وقال: فاما الاجابۃ الی غیرہ (طعام الولیمۃ) فمحمول علی الاستحباب، بدلیل انہ لم یخص بہ دعوۃ ذات سبب دون غیرہا واجابۃ کل داع مستحبۃ لہذا الخبر ولان فیہ جبر قلب الداعی وتطییب قلبہ وقد دعی احمد رحمہ اللہ تعالی الی ختان فاجاب واکل فاما الدعوۃ فی حق فاعلہا فلیست لہا فضیلۃ تختص بہا لعدم ورود الشرع بہا ولکن ہی بمنزلۃ الدعوۃ لغیر سبب حادث فاذا قصد فاعلہا شکر نعمۃ اللہ علیہ واطعام اخوانہ وبذل طعامہ فلہ اجر ذلک ان شاء اللہ تعالی۔

(المغنی ص۲۸۶ ج۷)

عبارت مذکورہ نص ہے کہ قرون مشہود لہا بالخیر میں دعوت ختان کی بدعت کا کوئی وجود

نہ تھی، البتہ اس عبارت میں امور ذیل محل بحث ہیں:

(۱) ائمہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت استحباب۔

جواب:

(۱) نقل مذہب میں غیر اصحاب مذہب کا قول معتبر نہیں، لان صاحب البیت ادری بما فیہ۔

(۲) سالو کی دعوات سے وہ دعوات مراد ہیں جو کسی داعیہ شرعیہ یا عقلیہ کی وجہ سے ہوں، دعوت ختان کو ان میں داخل سمجھ کر ذکر کر دیا، حالانکہ اس کا عدم دخول واضح ہے، یہ احتمال دوسرے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت میں بھی موجود ہے اور یہاں احتمال بعید بھی معتبر بلکہ واجب القبول ہے، فتدبر۔

(۲) دعوت بلا سبب کا اثبات۔

جواب:

(۱) اس میں مسئلہ مذکورہ یعنی جبر قلب داعی، تطییب قلب، نقض صوم اخوان وبذل طعام کو بلا سبب قرار دینا صحیح نہیں۔

(۲) دعوت بلا سبب کا ثبوت تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کا جواز اس سے مقید ہوگا کہ کسی ایسے امر کو سبب نہ سمجھا جائے جو نہ شرعاً سبب ہو نہ عقلاً، دعوت ختان کو بلا سبب کہنا صحیح نہیں، سبب تو موجود ہے، مگر یہ سبب مخترع ہے، شرعی ہے نہ عقلی، بلکہ شریعت نے اس کو سبب دعوت قرار دینے پر رد کیا ہے، عوام نے رسوم جاہلیت کے مطابق غیر سبب کو سبب بنالیا ہے، وھذا ظاھر جدا۔

قلت: ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یا قول فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی یہ تاویل قرین قیاس نہیں کہ اس سے دعوت بوقت اندمال زخم مراد ہے جو بوجہ حصول صحت موقع اظہار شکر وسرور ہے۔

حاصل یہ کہ اس رسم شنیع وقبیح کا بطلان نہ صرف بین وظاہر ہے، دور کی سوچ بھی کر اس کی بنیاد جاہلیت کے مغضوب علیہم کے ایسے عمل پر منقول ہوتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے

قرآن کریم میں کئی جگہ بہت سخت تنبیہ فرمائی ہے، اتنے بڑے جرم عظیم کو سنت قرار دینے کی بدعت پر جتنی بھی تردید کی جائے اور اس کی جتنی بھی تبدیع وتشنیع وتفزیع بیان کی جائے کم ہے۔ واللہ ھو ولی العصمۃ من البدع فی الدین وھو الھادی سبیل الرشاد۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ ربیع الاول ۹۳ھ

مقابلۂ حسن قراءۃ:

سوال: حسن قراءۃ کے مقابلہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

لوگوں میں تجوید قرآن کا شوق پیدا کرنا مقصود ہو تو جائز ہے، مگر مروجہ محافل میں عموماً درج ذیل مفاسد پائے جاتے ہیں:

① مردوں عورتوں کا بے حجابانہ اختلاط۔

② تصاویر کی لعنت۔

③ خلاف شرع دعوتیں۔

ان حالات میں احتراز لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۲ ربیع الآخر ۹۳ھ

سیاسی ولسانی فسادات میں قنوت نازلہ کا حکم:

سوال: آج کل جو سیاسی اور لسانی فسادات ہوتے ہیں اور غیر مسلم قوتوں کی سازشوں کے نتیجہ میں مذہبی فسادات بھی ہورہے ہیں، جن میں بے گناہ مسلمان شہید ہوتے ہیں، کیا ان حالات میں قنوت نازلہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسلمانوں پر آنے والے مصائب وبلیات کے وقت قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے، مگر دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات کا اصل نسخہ جس کا خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ بار بار اعلان فرمایا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے توبہ واستغفار کیا جائے اور ہر قسم کے منکرات کو ترک کیا جائے، گناہ چھوڑے بغیر سالوں قنوت نازلہ پڑھتے رہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ہرگز نجات نہیں مل سکتی۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ الا لنازلۃ) قال فی الصحاح النازلۃ الشدیدۃ من شدائد الدھر ولا شک ان الطاعون من اشد النوازل اشباہ (قولہ فیقنت الامام فی الجھریۃ) یوافقہ ما فی البحر و الشرنبلالیۃ عن شرح النقایۃ عن الغایۃ وان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوٰۃ الجھر وھو قول الثوری واحمد اھ وکذا ما فی شرح الشیخ اسماعیل عن البنایۃ اذا وقعت نازلۃ قنت الامام فی الصلوٰۃ الجھریۃ لکن فی الاشباہ عن الغایۃ قنت فی صلوٰۃ الفجر ویؤیدہ ما فی شرح المنیۃ حیث قال بعد کلام فتکون شرعیتہ ای شرعیۃ القنوت فی النوازل مستمرۃ وھو محمل قنوت من قنت من الصحابۃ بعد وفاتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وھو مذھبنا وعلیہ الجمھور قال الحافظ ابو جعفر الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ انما لا یقنت عندنا فی صلوٰۃ الفجر من غیر بلیۃ فان وقعت فتنۃ او بلیۃ فلا باس بہ فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رد المحتار ص ۴۵۲ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۸ ربیع الاول سنہ ۹۶ھ

شادی کے موقع پر مہندی کی رسم:

سوال: ہمارے ہاں یہ قدیم دستور چلا آرہا ہے کہ شادی کے موقع پر دلہن کو پھول پہناتے ہیں اور اسے مہندی لگائی جاتی ہے، ساتھ دوسری لڑکیاں بھی مہندی لگاتی ہیں کیا عورتوں کے لئے مہندی لگانا اور پھول پہننا سنت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورتوں کے لئے مہندی لگانا مستحب ہے مگر آج کل جو مہندی کی رسم کا دستور ہے کہ دوسری عورتوں کا بھی بڑا مجمع لگ جاتا ہے، یہ کئی مفاسد کا مجموعہ ہے اس لئے اس سے احتراز لازم ہے۔ اپنے طور پر عورتیں مہندی لگا سکتی ہیں۔

پھول پہننے کا کوئی ثبوت نہیں، مگر شادی کے موقع پر زیب وزینت اختیار کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے، اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ زیب وزینت کے ساتھ کسی غیر محرم کے سامنے جانا سخت گناہ اور حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳ شعبان سنہ ۹۶ھ

مکان کی بنیاد میں بکرے کا خون ڈالنا:

سوال: آج کل جب کوئی شخص مکان تعمیر کرتا ہے تو اس کی بنیادوں میں بکرا ذبح کرکے اس کا خون ڈالتا ہے۔ اور گوشت احباب و فقراء میں تقسیم کرتا ہے۔ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ عمل ناجائز ہے۔ یہ ہندوؤں اور بت پرستوں کا عقیدہ اور شعار ہے۔ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ ربیع الاول سنہ ۹۹ھ

ثواب کا ہبہ اور اس کا قبول کرنا:

سوال: قرآن خوانی کی رسم میں اگر سب لوگ ثواب بخشنے کا طریقہ جانتے ہوں تو اس کی مقدار بتا کر کسی شخص کی ملک کریں اور وہ اس کا قبول کرنا کیسا ہے؟ اس میں ترتیب و مقدار معلوم ہوجانے کی خوبی بھی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ ایجاب و قبول خلاف شرع و بدعت ہے۔ بلکہ اس طرح اجتماعی خوانی کا کوئی ثبوت نہیں، یہ بدعت ہے۔ ایصال ثواب کے لئے صرف نیت کافی ہے، جو ہر شخص کر سکتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ ربیع الاول سنہ ۹۹ھ

حاجی کی پیشانی کا بوسہ لینا:

سوال: جب کوئی حج کرکے واپس آئے تو تبرک حاصل کرنے یا حاجی کے اعزاز کی خاطر اس کی پیشانی کا بوسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

رسم بن جانے اور فتنہ کا خطرہ نہ ہو تو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۹ رجب سنہ ۹۹ھ

عیادت کے موقع پر کھانا پینا:

سوال: ہمارے ہاں کسی مریض کی تیمارداری کے موقع پر یہ رواج ہے کہ بیمار پرسی

کے لئے آنے والوں کو چائے وغیرہ پلائی جاتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ دستور غلط اور قابل اصلاح ہے، آپ اپنی رائے تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عیادت کے موقع پر زیادہ دیر بیٹھنا ویسے ہی خلاف سنت ہے، پھر جبکہ مریض کے اہل خانہ پر بیمار کے علاج کے مصارف، اوقات کار کا حرج اور تیمارداری کی محنت کا بوجھ بھی ہوتا ہے تو ایسی حالت میں ان سے چائے وغیرہ وصول کرکے ان کی محنت اور مصارف میں اضافہ کرنا عقلاً و شرعاً سخت قبیح اور انتہائی بے شرمی کی بات ہے۔

نیز بسا اوقات اہل خانہ رواج سے مجبور ہوکر اور مروت میں کھلاتے پلاتے ہیں، دل سے راضی نہیں ہوتے، چنانچہ نادار مساکین بھی اس رسم کے تحت کچھ نہ کچھ کھلانے پلانے پر مجبور ہوتے ہیں، اس صورت میں "لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ" کی وجہ سے یہ کھانا پینا حرام ہے۔

اگر کوئی صاحب حیثیت طیب خاطر سے کھلائے پلائے تو اگرچہ فی نفسہ یہ جائز ہے مگر اس میں بھی یہ قباحتیں ہیں:

(۱) طریق مسنون کے خلاف ہے، کما ذکرنا۔

(۲) اس رسم کی تائید ہوتی ہے جو مساکین کے لئے وبال جان ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ شوال سنہ ۱۴۰۲ھ

دیوالی کی مٹھائی کھانا:

سوال: ہندؤوں کے تہوار دیوالی کی مٹھائی کھانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ہندؤوں کے تہوار کی مٹھائی کھانا شمسی سال کی ابتداء کی خوشی میں مٹھائی کھانے سے اہون معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ شمسی ابتداء سال کی خوشی میں یہود و نصاریٰ کے غلط نظریہ یعنی قتل عیسیٰ علیہ السلام کی تائید و ترویج ہے، جبکہ دیوالی کی بنیاد کسی غلط نظریہ پر نہیں، بس سال میں قمر کے کسی خاص مقام پر پہنچنے پر یہ رسم ادا کی جاتی ہے، اس لئے اس کے کھانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

یہ حکم ابتلاء اور ضرورت کی صورت میں ہے، عام حالات میں کفار سے اس قسم کے

تعلقات رکھنا کہ ایک دوسرے کی خوشی غمی کے مواقع میں شرکت کی زحمت سے بچا، دنیا کے لئے سخت مضر ہونے کے علاوہ غیرت ایمانیہ کے بھی خلاف ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

۹ ذی القعدۃ ۱۳۹۳ھ

مروج قرآن خوانی کا حکم:

سوال: آج کل جو قرآن خوانی کا رواج عام ہوچکا ہے مثلاً نیا گھر لیا جاتا ہے تو قرآن خوانی کی جاتی ہے، دکان کا افتتاح ہو تو قرآن خوانی کی جاتی ہے، کسی کا چہلم ہو تو قرآن خوانی یا پھر سوئم ہو تو قرآن خوانی تاکہ مرنے والے کو ثواب پہنچے اور بعض دفعہ تو اس کا اعلان تو اخبارات میں بھی کیا جاتا ہے اور لوگ دور دور سے صرف قرآن خوانی کے لئے آتے ہیں اور جاتے ہیں تو فرمائیے یہ قرآن خوانی کا عمل کیسا ہے؟ اس کا کوئی ثبوت قرآن و حدیث کی رو سے ملتا ہے؟ یا پھر بے اصل بدعت ہے؟ کیا ہمیں ہمارے دوست احباب یا خاندان کے لوگ شرکت کریں یا نہیں؟ اگر ہم اس عمل میں خود شریک ہوکر گناہ کے مرتکب تو نہیں ہورہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

① قال الامام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ: حدثنا قتیبۃ ثنا جریر عن منصور عن مجاھد قال دخلت انا وعروۃ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما المسجد فاذا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جالس الی حجرۃ عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا واذا اناس یصلون فی المسجد صلوۃ الضحیٰ قال فسألناہ عن صلوتھم فقال بدعۃ الخ

(صحیح البخاری ص ۲۳۸ ج ۱)

② وقال الامام ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری رحمہ اللہ تعالیٰ: حدثنا اسحق بن ابراھیم اخبرنا جریر عن منصور عن مجاھد قال: دخلت انا وعروۃ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما المسجد فاذا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جالس الی حجرۃ عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والناس یصلون الضحیٰ فی المسجد فسألناہ عن صلوتھم فقال بدعۃ الخ (صحیح مسلم ص ۴۰۹ ج ۱)

سؤال فانه یکره ایضا لانه اذا لم یقصد السؤال لم لا یجلس فی بیته ویقرأ
القرآن (التاتارخانیة فی البزازیة عن الخزانة ص۳۲۳، ۳۲۲ ج۳)

(۷) وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: (تتمة) اشار بقوله
فرادی الی ما ذکره بعد فی متنه من قوله ویکره الاجتماع علی احیاء
لیلة من هذه اللیالی فی المساجد وتمامه فی شرحه، وصرح بکراهة
ذلک فی الحاوی القدسی قال: وما روی من الصلوات فی هذه الاوقات
یصلی فرادی غیر التراویح.

قال فی البحر: ومن هنا یعلم کراهة الاجتماع علی صلوة الرغائب
التی تفعل فی رجب فی اول جمعة منه وانها بدعة، وما یحتاله اهل الروم
من نذرها لتخرج عن النفل والکراهة باطل اھ

قلت: وصرح بذلک فی البزازیة کما سیذکره الشارح آخر الباب،
وقد بسط الکلام علیه شارحا المنیة، وصرحا بأن ما روی فیها باطل
موضوع، وبسطنا الکلام فیها خصوصا فی الحلیة، وللعلامة نور الدین
المقدسی فیها تصنیف حسن سماه "ردع الراغب عن صلوة الرغائب"
احاط فیه بغالب کلام المتقدمین والمتأخرین من علماء المذاهب
الاربعة (رد المحتار ص۲۹ ج۲)

(۸) وقال فی موضع آخر:

وقال ایضا: ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه
شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة، وروی الامام احمد
وابن ماجه باسناد صحیح عن جریر بن عبد الله رضی الله تعالی عنهما
قال "کنا نعد الاجتماع الی اهل المیت وصنعهم الطعام من النیاحة" اھ
وفی البزازیة: ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع
ونقل الطعام الی القبر فی المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع
الصلحاء والقراء للختم او لقراءة سورة الانعام او الاخلاص.

والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لاجل الاکل یکره،

ونحوها من كتاب الاستحسان: وان اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا اھ واطال في ذلك في المعراج وقال: وهذه الافعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها لانهم لا يريدون بها وجه الله تعالى اھ (رد المحتار ص۶۳۲ ج ۱)

⑨ وقال في موضع آخر:

وقد اطنب في رده صاحب تبيين المحارم مستندا الى النقول الصريحة فمن جملة كلامه قال تاج الشريعة في شرح الهداية: ان القرآن بالاجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقاري، وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القاري للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان.

فالحاصل ان ما شاع في زماننا من قراءة الاجزاء بالاجرة لا يجوز، لان فيه الامر بالقراءة واعطاء الثواب للآمر والقراءة لاجل المال، فاذا لم يكن للقاري ثواب لعدم النية الصحيحة فاين يصل الثواب الى المستأجر ولولا الاجرة ما قرأ احد لاحد في هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا ووسيلة الى جمع الدنيا انا لله وانا اليه راجعون (وبعد اسطر) كما صرح به في التاترخانية حيث قال: لا معنى لهذه الوصية ولصلة القاري بقراءته لان هذا بمنزلة الاجرة، والاجارة في ذلك باطلة وهي بدعة ولم يفعلها احد من الخلفاء اھ (رد المحتار ص۵۶ ج ۵)

⑩ وقال ايضا:

ونقل العلامة الخلوتي في حاشية المنتهى الحنبلي عن شيخ الاسلام تقي الدين ما نصه: ولا يصح الاستيجار على القراءة واهداؤها الى الميت لانه لم ينقل عن احد من الائمة الاذن في ذلك وقد قال العلماء: ان القاري اذا قرأ لاجل المال فلا ثواب له فاي شيء يهديه الى الميت وانما يصل الى الميت العمل الصالح، والاستيجار على مجرد التلاوة لم يقل به احد من الائمة. (وبعد اسطر) وحينئذ فقد ظهر لك بطلان ما اكب عليه اهل العصر من الوصية بالختمات والتهاليل مع قطع النظر عما يحصل فيها من المنكرات التي لا ينكرها الا من طمست بصيرته، وقد جمعت

فیها رسالۃ سمیتها "شفاء العلیل وبل الغلیل فی حکم الوصیۃ بالختمات والتهالیل" (رد المحتار ص ۳۵ ج ۵)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ مروج قرآن خوانی بدعت اور ناجائز ہے۔ قرآن وحدیث اور قرون مشہود لہا بالخیر میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس میں شریک ہونا جائز نہیں۔

مزید برآں مروج قرآن خوانی میں بے شمار خرابیاں ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اعلان اور زبردستی وجبر کرکے اس میں لوگوں کو جمع کیا جاتا ہے شریعت کی اصطلاح میں اسے "تداعی" کہا جاتا ہے جو کہ عبادات نافلہ میں ممنوع ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے کچھ لوگ مسجد میں صلوۃ الضحیٰ جماعت کی حالت میں پڑھ رہے تھے، جب آپ سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے اس عمل کو بدعت قرار دیا۔ حالانکہ صلوۃ الضحیٰ انفراداً پڑھنا ثابت ہے۔

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک قوم کے بارے میں سنا کہ وہ اجتماعی حالت میں جہراً تہلیل اور درود شریف پڑھ رہے ہیں تو آپ نے ان کو بدعتی قرار دے کر مسجد سے نکال دیا حالانکہ انفراداً تسبیح وتہلیل اور درود شریف پڑھنا باعث اجر وثواب ہے۔

(۲) جنازے کے بعد اگر کچھ لوگ قرآن خوانی میں حاضر نہ ہوں تو ان کو طرح طرح سے ملامت کی جاتی ہے حالانکہ امر مستحب کے ترک پر ملامت جائز نہیں۔

(۳) حاضر نہ ہونے والوں سے بغض ونفرت اور کدورت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔

(۴) قرآن خوانی کرانے والے ختم قرآن کے حامل ہونے پر فخر کرتے ہیں۔

(۵) مروج قرآن خوانی کو اتنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن خوانی نہ کرائے یا اس میں کم لوگ حاضر ہوں تو ان کو ہدف تنقید بنایا جاتا ہے۔

(۶) پورے قرآن کے ختم کو ضروری سمجھا جاتا ہے جبکہ شریعت میں برکت اور ایصال ثواب کے لئے کوئی مقدار معین نہیں بلکہ تلاوت قرآن کے سوا ذکر واذکار، تسبیحات، نوافل اور صدقات وغیرہ دوسرے طریقوں سے بھی یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔

(۷) اگر پڑھنے والے کم جمع ہوں اور پورے قرآن کے ختم کو اپنے اوپر بوجھ سمجھتے ہیں

اور ذہن کا گھونٹ سمجھا کسی طریقے سے گلے سے اتارنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ حدیث میں ارشاد ہے:

"اقرءوا القرآن ما ائتلفت علیہ قلوبکم فاذا اختلفتم فقوموا عنہ"
(صحیح بخاری ص۷۵۴ ج ۲)

یعنی اس وقت تک قرآن پڑھو جب تک دل نہ اکتا جائے۔

(۸) ایسی صورت میں تجوید کے قواعد، حروف وصفات کی صحیح ادائیگی، مد، اخفاء، اظہار اور مدات وغیرہ کی رعایت کئے بغیر الفاظ و حروف کو کاٹ کر جان چھڑانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

(۹) مروج قرآن خوانی میں بعض وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جو قرآن پڑھے ہوئے نہیں ہوتے تو وہ کوئی پارہ اٹھا کر ہر سطر پر بسم اللہ پڑھ کر یا محض انگلی پھیر کر پارہ رکھ دیتے ہیں۔ اس کو انگلی اور بسم اللہ ختم کہا جاتا ہے جس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں بلکہ اس میں قرآن کریم کی توہین ہے۔

(۱۰) ختم کے آخر تک بیٹھے کو ضروری سمجھا جاتا ہے، لہذا کوئی شخص اپنا پارہ ختم کرکے شدید تقاضے کے باوجود اٹھنے کی جرأت نہیں کر سکتا کیونکہ اس کو نہایت معیوب سمجھا جاتا ہے۔

(۱۱) بعض لوگوں کو سجدۂ تلاوت کا علم نہیں ہوتا تو وہ سجدوں کی آیات پڑھ اور سن کر سجدہ تلاوت نہ کرنے کی وجہ سے ثواب کی بجائے ترک واجب کا گناہ اپنے سر لیتے ہیں۔

(۱۲) بعض مقامات پر قرآن خوانی کرانے والے سب لوگوں کی طرف سے چودہ سجدے ادا کر لیتے ہیں۔ اس سے ان کا ذمہ فارغ نہیں ہوتا اور خلاف شرع سجدے کرنے والے گنہگار ہوتے ہیں۔

(۱۳) مروج قرآن خوانی کے موقع پر دعوت یا شیرینی کا بندوبست بھی کیا جاتا ہے "المعروف کالمشروط" کے قاعدے سے یہ پڑھنے والوں کی اجرت ہے اور قرآن پڑھنے کی اجرت دینے اور لینے والے دونوں گنہگار ہیں تو اس پر ثواب کی کیا توقع؟ اور جب پڑھنے والوں کو خود ثواب نہیں ملتا تو وہ میت کے لئے ایصال ثواب کیسے کر سکتے ہیں؟

(۱۴) دعوت یا شیرینی کرانا لازم کر رکھا ہے کہ اس کا انتظام نہ کرنے والے پر طعن و تشنیع کی بھرمار ہوتی ہے۔

(۱۵) مروجہ قرآن خوانی کے لئے سوئم، چہلم وغیرہ خاص دن کی تعیین کی جاتی ہے، اور غیر معین عبادت میں اپنی طرف سے تعیین مکروہ، ناجائز بلکہ بدعت ہے۔

(۱۶) حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کنا نعد الاجتماع الی اهل المیت وصنعهم الطعام من النیاحة "ہم میت کے گھر والوں کے ہاں جمع ہونے اور ان کے طعام تیار کرنے کو "نوحہ" سمجھتے تھے" اور نوحہ حرام ہے۔

(۱۷) مروجہ قرآن خوانی میں شرکت کرنے والوں اور کرانے والوں دونوں کی نیت نمائش اور دکھلاوے کی ہوتی ہے۔ ریاکاری سے انسان کا بڑے سے بڑا عمل بھی ضائع ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ ریاکاری سے نیک عمل ایسا تباہ ہو جاتا ہے جیسے آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا عمل مردود ہو جاتا ہے۔

سو جو عمل اللہ کے لئے کرنا تھا اور برکت و ثواب پہنچانا مقصود تھا ریاکاری سے سارے عمل کو آگ لگا دی۔ ثواب تو کیا ملا؟ الٹا ریاکاری کا عذاب سر پہ آگیا۔

یہ تمام خرابیاں شریعت و سنت کے طریقے سے روگردانی کا نتیجہ ہیں۔ اس کے برعکس اگر شریعت کا طریقہ اختیار کیا جاتا تو راحت ہوتی اس قدر زحمت اور تکالیف کی مشقت برداشت نہ کرنی پڑتی، اخلاص و للہیت ہوتی جس کی بدولت پڑھنے والوں کا بھی نفع ہوتا اور میت کا بھی اور ریا و نمود کا عظیم گناہ بھی سر پہ نہ آتا۔

ایصال ثواب کا صحیح طریقہ:

ایصال ثواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ لسانی و جسمانی عبادات میں سے ہر شخص اپنے گھر میں انفرادی طور پر جو نیک عمل اپنے لئے کرتا ہے، نفل نماز پڑھتا ہے، نفل روزے رکھتا ہے، تسبیحات پڑھتا ہے، تلاوت کرتا ہے، نفل حج یا عمرہ کرتا ہے طواف کرتا ہے اس میں صرف یہ نیت کرے کہ اس کا ثواب ہمارے فلاں عزیز یا دوست کو پہنچے، وہ پہنچ جائے گا اور بس یہی ایصال ثواب ہے، وہ ثواب جو آپ کو ملتا تھا آپ کو بھی ملے گا۔

اور جن دوسرے لوگوں کی نیت کی ہے ان سب کو بھی پورا ثواب ملے گا۔

مالی صدقہ وخیرات کرنے کا سب سے افضل طریقہ یہ ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق نقد رقم کسی کارِ خیر میں لگادے یا کسی مسکین کو دیدے۔

یہ طریقہ اس لئے افضل ہے کہ اس سے مسکین اپنی ہر حاجت پوری کرسکے گا اور اگر آج اسے کوئی ضرورت نہیں تو کل کی ضرورت کے لئے رکھ سکتا ہے، نیز یہ صورت زیادہ نمود ونمائش سے پاک ہے، حدیث میں مخفی صدقہ دینے والے کی یہ فضیلت وارد ہوئی ہے کہ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ عنایت فرمائیں گے جبکہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا اور تمازت کے سبب لوگ پسینوں میں غرق ہو رہے ہوں گے۔

فضیلت کے لحاظ سے دوسرے درجہ پر یہ صورت ہے کہ مسکین کی حاجت کے مطابق اسے صدقہ دیا جائے یعنی اس کی حاجت کو دیکھ کر اسے پورا کیا جائے۔

مکان ودکان میں برکت کے لئے بھی مالک بذاتِ خود مندرجہ بالا صورت اختیار کرے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۰ھ

(مروج قرآن خوانی کا بیان جلد سابع کتاب الاجارہ میں بھی ہے)

متفرقات الحظر والاباحۃ

ایک بستر پر دو آدمیوں کا سونا:

سوال: فراش واحد پر دو شخصوں کا سونا جائز ہے یا نہیں؟ نیز لمبی چٹائی اور بڑا پلنگ فراش واحد کے حکم میں ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دس سال یا اس سے زیادہ عمر کے دو شخصوں کو خواہ دونوں مرد ہوں یا دونوں عورتیں یا ایک مرد اور ایک عورت فراش واحد پر سونا جائز نہیں، خواہ ایک شخص ایک جانب ہو اور دوسرا دوسری جانب جبکہ ان کے درمیان کوئی کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو، اگر حائل ہو تو اکٹھے سونا مکروہ تنزیہی ہے۔

البتہ لڑکا اپنے والد کے ساتھ اور لڑکی اپنی والدہ کے ساتھ سو سکتی ہے۔ لمبی چٹائی اور بڑا پلنگ فراش واحد کے حکم میں نہیں، ہاں اتنے مل کر سونا کہ دیکھنے والے کو فراش واحد پر سونا معلوم ہو، جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا یجوز للرجل مضاجعۃ الرجل وان کان کل واحد منھما فی جانب من الفراش قال علیہ الصلوٰۃ والسلام لا یفضی الرجل الی الرجل فی ثوب واحد ولا تفضی المرأۃ الی المرأۃ فی الثوب الواحد واذا بلغ الصبی او الصبیۃ عشر سنین یجب التفریق بینھما بین اخیہ واختہ وامہ وابیہ فی المضجع لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وفرقوا بینھم فی المضاجع وھم ابناء عشر وفی النتف اذا بلغوا ستا کذا فی المجتبی وفیہ الغلام اذا بلغ حد الشھوۃ کالفحل۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ مضاجعۃ الرجل) ای فی ثوب واحد لا حاجز بینھما وھو المفھوم من الحدیث الآتی وبہ فسر الاتقانی المضاجعۃ علی خلاف ما مر عن الھدایۃ وھل المراد ان یلتفا فی ثوب واحد او یکون احدھما فی ثوب دون الآخر والظاھر الاول یؤیدہ

الجواب باسم ملہم الصواب

فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ تعریف یعنی نقل وقوف عرفہ بدعت ہے حالانکہ وہاں دوسرے منکرات نہیں ہوتے۔ فلم میں تو کئی منکرات ہیں اس لئے یہ بطریق اولیٰ ناجائز ہوگی۔ اس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

① فلم کا آلۂ لہو ولعب ہونا ظاہر ہے اور آلات لہو کو مقاصد دینیہ میں استعمال کرنا دین کی سخت اہانت اور استخفاف ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: اتخذوا دینھم لھوا ولعبا الآیۃ۔

② اکثر افعال حج تعبدی غیر مدرک بالقیاس ہیں، جنہیں مخالفین اسلام بھی دیکھتے ہیں، ان افعال کو دیکھ کر وہ اسلام کا مذاق اڑائیں گے اور فلم بنانے والے اس کا سبب بنیں گے۔

③ اس میں تصاویر کا استعمال اور ان سے تلذذ ہوتا ہے اور اس کے قبح میں کسی کو کلام نہیں، گو عابدین ہی کی تصاویر ہوں۔

حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام کی جو تماثیل بناکر بیت اللہ میں رکھی گئی تھیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ جو معاملہ فرمایا تھا وہ معلوم ہے۔

④ اس سے اہل ہوی اس رسم کے جواز پر استدلال کریں گے جو کچھ عرصہ قبل ایجاد ہوئی ہے کہ ایک خاص علاقہ میں جمع ہو کر حج کی نقل کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ابتداءً حج کی ترغیب اور تشویق کی نیت ہو مگر اب اس کو اچھا خاصا حج سمجھا جانے لگا ہے، جس کے مفاسد پر سب کا اتفاق ہے۔ اہل ہوی کے سامنے دونوں رسموں کے درمیان کیا فرق بیان کیا جائے گا؟

⑤ نیز فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے حارس کے لئے بغرض ایقاظ رفع الصوت بالتھلیل کو معصیت قرار دیا ہے حالانکہ طاعت ومباح میں اتنا بعد نہیں جتنا کہ طاعت اور معصیت میں ہے۔

⑥ معصیت یعنی فلم کو ترغیب حج کا ذریعہ بنانے میں سب سے بڑھ کر شناعت یہ ہے کہ اس میں صالحین کی اہانت ہے، درحقیقت یہ اسلام کی اہانت ہے جس کا تحمل طبعاً وشرعاً کسی طرح ممکن نہیں۔

جب اس عمل میں اب حسن ریٰ نہیں تو اعتقاد ثواب قریب بکفر ہوگا، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ ربیع الثانی سنہ ۹۶ھ

"محمد" نام تبدیل کرنا:

سوال: خالد کی بیوی حاملہ تھی، اس نے حمل کو لڑکا تصور کرکے "محمد" نام رکھ دیا، اللہ کے فضل وکرم سے لڑکا ہی پیدا ہوا، اب اگر "محمد احمد" یا "محمد عبدالرحمن" یا کوئی دوسرا نام رکھ دیا جائے تو کچھ حرج تو نہیں؟ گناہ تو نہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بچہ پیدا ہونے کے بعد کوئی دوسرا نام رکھنا یا "محمد" کے ساتھ کچھ اور ملادینا اگرچہ شرعاً جائز ہے مگر بہتر نہیں، ایسے محبوب نام کو تبدیل کرنا باعث حرمان ہے، مسلمان کی طبیعت اسے کیسے گوارا کرسکتی ہے؟ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ ذی القعدہ سنہ ۹۶ھ

"عبدالرسول" یا "غلام غوث" نام رکھنا:

سوال: اس قسم کے نام رکھنے کا کیا حکم ہے؟

غلام غوث، غلام احمد، غلام مصطفیٰ، عبدالرسول، عبدالنبی، عبدالعلی وغیرہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غلام غوث اور غلام احمد وغیرہ نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں، عبدالرسول وغیرہ ایسے نام رکھنا جس میں عبد کی اضافت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہو موہم شرک ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، البتہ ایسے شخص کو مشرک نہیں کہا جائے گا کیونکہ عبد سے خادم اور مطیع مراد لیا جاسکتا ہے۔

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا یجوز نحو عبد الحارث ولا عبد النبی ولا عبرۃ بما شاع فیما بین الناس (المرقاۃ ص ج ۹)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا یسمیہ حکیما ولا ابا الحکم ولا ابا عیسی ولا عبد فلان (الی ان قال) اقول ویؤخذ من قولہ ولا عبد فلان منع التسمیۃ بعبد النبی ونقل المناوی عن الدمیری انہ قیل

بالعنوان بقصد التشریف بالنسبة و لاکثر علی منعه خشیة اعتقاد حقیقة العبودیة کما لا یجوز عبد النبی اھ (رد المحتار ص ۲۶۸ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۷ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۱ھ

نام بدلنا یا متعدد نام رکھنا:

سوال: کیا نام تبدیل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس وجہ سے کہ پہلا نام معنی کے لحاظ سے اچھا نہ تھا یا بے معنی تھا یا دوسرا نام پسند آگیا، نیز کیا ایک شخص کے ایک سے زیادہ نام رکھے جا سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

برے نام کو اچھے نام سے بدل دینا ضروری ہے، بلا ضرورت نام بدلنے اور متعدد نام رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت بحث ما یجوز التسمیة به من الاسماء وما لا یجوز: وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغیر الاسم القبیح الی الحسن جاءه رجل یسمی اصرم فسماه زرعة (رد المحتار ص ۲۶۸ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۹ صفر سنہ ۹۲ھ

غیر قریشی کا قریشی کہلانا:

سوال: غیر قریشی کا اپنے کو قریشی کہلانا کیسا ہے؟ ہماری برادری شیخ قصاب بالعموم مشہور و معروف ہے، کچھ لڑکے بی اے پڑھ گئے ہیں، انہوں نے اپنے کو قریشی کہنا شروع کر دیا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غیر قریشی کا قریشی کہلانا یا کسی خاندان سے تعلق رکھنے والے کے لئے اپنے کو دوسرے خاندان کی طرف منسوب کرنا حرام اور سخت گناہ ہے، اس پر شدید وعید آئی ہے۔

عن سعد بن ابی وقاص وابی بکرة رضی اللہ تعالیٰ عنہما قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ادعی الی غیر ابیه وهو یعلم فالجنة علیه

حرام متفق علیہ۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ترغبوا عن ابائکم فمن رغب عن ابیہ فقد کفر متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ ص۲۳۹ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۵ جمادی ثانیہ شعبان ۱۴۰۰ھ

عبدالرحمٰن یا عبدالرحیم نام رکھنا:

سوال: عبدالرحمٰن یا عبدالرحیم جیسے اسماء سے مضاف حذف کرکے صرف رحمٰن یا رحیم پکارنے کا عام دستور ہوگیا ہے کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

چونکہ ایسے اسماء میں مضاف محذوف معنوی ہوتا ہے اس لئے جائز تو ہے مگر کراہت سے خالی نہیں بالخصوص ان اسماء میں جو صرف ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں جیسے خالق، رحمٰن وغیرہ ان میں حذف مضاف زیادہ قبیح ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

پتنگ اڑانا جائز نہیں:

سوال: کیا پتنگ اڑانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پتنگ اڑانا جائز نہیں، اس میں مندرجہ ذیل مفاسد ہیں:

(۱) کبوتر کے پیچھے بھاگنے والے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان فرمایا ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا یتبع حمامۃ فقال شیطان یتبع شیطانۃ (ابو داود ص۳۲۴ ج ۲)

کبوتر بازی میں انہماک کی وجہ سے امور دینیہ و دنیویہ سے غفلت کا مفسدہ پتنگ بازی میں بھی پایا جاتا ہے، لہٰذا یہ وعید اس کو بھی شامل ہے۔

(۲) مسجد کی جماعت بلکہ خود نماز سے بھی غافل ہوجانا، شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی اللہ تعالیٰ نے یہی بیان فرمائی ہے: ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ

(۳) پتنگ کثر مکانوں کی چھت پر کھڑے ہوکر اڑائے جاتے ہیں جس سے آس پاس

والے گھروں کی بے پردگی ہوتی ہے۔

(۴) بعض اوقات پتنگ اڑتے اڑاتے پیچھے کو ہٹتے ہیں اور نیچے گر جاتے ہیں، چنانچہ اخبارات میں اس قسم کے واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس میں اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے جس پر آڑ نہ ہو۔

(۵) بے جا مال صرف کرنا تبذیر اور حرام ہے، قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو شیطان کے بھائی قرار دیا گیا ہے۔

پتنگ بازی کا باہم مقابلہ معصیت میں تسابق وتفاخر ہے جو حرام ہے اور اس پر کفر کا خطرہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۱ محرم سنہ

تعدیہ مرض کی تحقیق:

سوال: کسی علاقہ یا شہر میں کوئی وباء پھیل جائے تو وہاں سے دوسرے شہر یا محلہ کی طرف منتقل ہونا جائز ہے یا نہیں؟ نیز جانوروں میں کوئی وباء آجائے تو تندرست جانوروں کو الگ کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بعض احادیث سے عدوی کی نفی ہوتی ہے اور بعض سے ثبوت ملتا ہے۔

صورت تطبیق یہ ہے کہ احادیث نفی میں وہ عدوی مراد ہے جس کے قائل اہل جاہلیت تھے اور اب بھی اس کے معتقدین موجود ہیں۔ یعنی یہ اعتقاد کہ بعض امراض میں یہ خاصیت طبعی اور لازمی ہے کبھی تخلف ہو ہی نہیں سکتا۔ اس اعتقاد کی نفی نص لا عدوی ولا طیرۃ کے علاوہ مشاہدہ سے بھی ہوتی ہے، مثلاً کسی مقام پر طاعون پھیلتا ہے تو اموات کی تعداد محفوظین کی تعداد سے بہت کم ہوتی ہے۔ اگر تعدیہ ضروری ہوتا تو اس کا عکس ہوتا بلکہ کوئی بھی نہ بچتا۔

اور جن احادیث میں پرہیز کا حکم ہے وہ بدرجہ سبب ہے مگر اس سبب کی حیثیت اسباب ظاہرہ سے کم ہے، اس لئے پرہیز ضروری نہیں۔ فرمن المجذوم فرارک من الاسد کا حکم ضعیف الاعتقاد لوگوں کے لئے ہے کہ ان کو اگر مشیت الٰہیہ جاری ہو گئی تو وہ لا عدوی

ولا مذہبہ جیسی احادیث کا انکار کر بیٹھیں گے جس میں ان کے سلب ایمان کا خطرہ ہے۔

تیسرا فرار عن الوباء ہے چونکہ حدیث میں صراحۃً منع کیا گیا ہے اس لئے ایک شہر چھوڑ کر دوسرے شہر جانا جائز نہیں، البتہ ایک محلہ سے دوسرے محلہ یا ایک مکان سے دوسرے مکان میں جانا جائز ہے۔

اسی طرح مواشی کو بدرجۂ سبب الگ کرنا جائز ہے باعتقاد لزوم جائز نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۶ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ

طلب معاش کے لئے بدون اذن والدین سفر کرنا:

سوال: والدین اور بیوی کی اجازت کے بغیر روزگار کے لئے کسی دور شہر کا سفر کرنا کیسا ہے؟ جبکہ اس شہر میں روزگار نہ ملتا ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر سفر کی وجہ سے والدین یا بیوی بچوں کے ضیاع کا خوف ہو یعنی وہ خود عاجز ہوں یا ان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ ہو تو اس صورت میں سفر نہ کرے اور اگر اپنے شہر میں روزگار کا کوئی انتظام نہ ہو سکے تو ان کے لئے نفقہ اور حفاظت کا معقول انتظام کر کے سفر کر سکتے ہیں، البتہ اگر سفر ایسا پر خطر ہے کہ ہلاکت کا ظن غالب ہے تو بہر صورت والدین کی اجازت کے بغیر سفر کرنا جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وله الخروج لطلب العلم الشرعی بلا اذن والدیه لو ملتحیا وتمامه فی الدرر۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله وله الخروج الخ) ای ان لم یخف علی والدیه الضیعۃ بان کانا موسرین ولم تکن نفقتهما علیه وفی الخانیۃ ولو اراد الخروج الی الحج وکرہا ذلک قالوا ان استغنی الاب عن خدمته فلا بأس والا فلا یسعه الخروج فان احتاجا الی النفقۃ ولا یقدر ان یخلف لهما نفقۃ کاملۃ او امکنه الا ان الغالب علی الطریق الخوف فلا یخرج ولو الغالب السلامۃ یخرج وفی بعض الروایات لا یخرج الی الجهاد الا باذنهما ولو اذن احدهما فقط لا ینبغی له الخروج لان مراعاۃ حقهما

فرض عین والجہاد فرض کفایۃ (الی ان قال) ہذا فی سفر تجارۃ او حج لا بأس بہ بلا اذن الابوین ان استغنیا عن خدمتہ ولو خرج المتعلم وضیع عیالہ یراعی حق العیال اھ (رد المحتار ص ۳۸۳ ج ۳) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرۂ جمادی الثانیہ سنہ ۸۷ھ

بصورت استغناء والدین بلا اجازت سفر جائز ہے:

سوال: ایک شخص کی والدہ نہایت ضعیف ہے، ان کی خدمت بہترین طریقہ سے ہو رہی ہے، ان کے صاحبزادے کی ان کو کوئی ضرورت نہیں، صاحبزادہ ایک دو سال کے سفر کے لئے جانا چاہتا ہے، والدہ اجازت تو دے رہی ہے مگر آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے صاحبزادہ کے فراق کا کافی صدمہ ہوگا، ایسی صورت میں سفر پر جانے سے صاحبزادہ گناہگار تو نہیں ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کسی دینی یا دنیوی حاجت کے لئے سفر کر رہا ہے تو جائز ہے، بوقت استغناء والدین ان کی اجازت کے بغیر بھی سفر کرنا جائز ہے، بشرطیکہ راستہ پرخطر نہ ہو، استغناء کا مطلب یہ ہے کہ دونوں بیٹے کی جسمانی خدمت یا مالی تعاون کے محتاج نہ ہوں، طبعی صدمہ تو برداشت ہوتا ہی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولہ الخروج لطلب العلم الشرعی بلا اذن والدیہ۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ بلا اذن والدیہ) ای ان لم یخف علی والدیہ الضیعۃ بان کانا موسرین ولم تکن نفقتہما علیہ فی الخانیۃ ولو اراد الخروج الی الحج وکرہا ذلک قالوا ان استغنی الاب عن خدمتہ فلا بأس والا فلا یسعہ الخروج فان احتاجا الی النفقۃ ولا یقدر ان یخلف لہما نفقۃ کاملۃ او امکنہ الا ان الغالب علی الطریق الخوف فلا یخرج ولو الغالب السلامۃ یخرج (الی ان قال) ولو اذن الابوان لا یلتفت الی غیرہما حتی فی سفر الجہاد فلو فی سفر تجارۃ او حج لا بأس بہ بلا اذن الابوین ان استغنیا عن خدمتہ اذ لیس فیہ ابطال حقہما الا اذا کان

اصفر بل عفونا کما یخمر فلا یخرج بلا ذخر وان استغنینا عن خل مثلہ (ردالمحتار ص ۲۲۷ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۹ شعبان سنہ

بدون اجازت والدین دوسری جگہ تدریس کرنا:

سوال: ایک شخص والدین کی رضا کے خلاف کسی دوسری جگہ تدریس کرتا ہے والدین کا اصرار ہے کہ وہ وہاں سے چھوڑ کر قریب کسی جگہ تدریس کرے، تو کیا اس حالت میں از روئے شرع اس شخص کے لئے اس جگہ تدریس کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دور حاضر قحط الرجال کا دور ہے، مدارس دینیہ و جامعات اسلامیہ میں علم و عمل کے لحاظ سے ماحول اس قدر ابتر ہو چکا ہے کہ ہر سال ہر جامعہ سے سینکڑوں فارغ ہونے والوں میں گنتی کے چند افراد علم و عمل کے اعتبار سے باصلاحیت ہوتے ہیں۔

راسخ فی العلم اور محقق علماء ایک ایک کرکے دنیا سے رخصت ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ان اکابر علماء کا منصب سنبھالنے کسی حد تک ان کی جانشینی کا حق ادا کرنے، اشاعت علم اور حفاظت دین کا فریضہ ادا کرنے اور اکابر کے خون پسینے سے سینچے ہوئے اس باغیچہ کو سرسبز و شاداب رکھنے کی امید اگر کی جا سکتی ہے تو ان ہی معدودے چند باصلاحیت نوجوانوں سے کی جا سکتی ہے۔

دوسری طرف والدین اور اعزہ و اقارب کے دین سے عدم دلچسپی اور حب دنیا میں مبتلا ہونے کی وجہ سے حال یہ ہے کہ وہ کسی قیمت پر علم سے بہرہ مند افراد کو کسی بہتر ادارے میں اطمینان سے کام کرنے کی بخوشی اجازت نہیں دیتے، وہ صرف اپنی سہولت و آسائش اور تعیش کو پیش نظر رکھتے ہیں، چنانچہ دنیا کمانے اگر کوئی لڑکا امریکہ یا یورپ بھی چلا جائے تو ان کو کوئی اشکال نہیں ہوتا۔

بعض تو دین کا کام کرنے ہی نہیں دیتے بلکہ دنیا کمانے پر لگا دیتے ہیں، اور بعض قریب رہ کر تدریس کرنے پر مجبور کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قریب رہ کر مدرس گھر کے مسائل میں الجھ جاتا ہے، اور دلجمعی سے کام کرنا ممکن نہیں رہتا بلکہ بسا اوقات بہتر ماحول نہ ملنے کی وجہ سے رفتہ رفتہ تدریس سے دل اچاٹ ہو جاتا ہے اور یہ خدمت دین

سے ہاتھ دھو کر خالص دنیادار بن جاتا ہے بلکہ بعض اوقات برے ماحول کے اثر سے دین اور علماء دین سے متنفر ہو جاتا ہے اور طرح طرح کے فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس طرح وہ بجائے دین کی قابل قدر خدمت انجام دینے کے دین اور علماء دین کی بدنامی کا ذریعہ بنتا ہے اور بہت سے علم کا شوق رکھنے والوں کے لئے رکاوٹ بن جاتا ہے۔

اس بناء پر اگر گنے چنے نوجوانوں کو بھی بجائے دین، والدین کی آسائش اور تعیش کی بھینٹ چڑھا دیا جائے تو دین و علم دین کا رہا سہا نام بھی دنیا سے مٹ جائے گا اور دین کا ایک مسئلہ بتانے والا بھی کوئی نہیں رہے گا۔

اس لئے والدین اور اعزہ نے جب اپنی اولاد میں سے کسی کو عالم بنانے کی سعادت حاصل کی تو اب اس کی خدمات دینیہ میں رکاوٹ بن کر شقاوت اپنے سر نہ لیں، بلکہ اس کو بخوشی خدمت دین کی اجازت دیں بلکہ اس کے ساتھ تعاون کرکے سعادت دارین کو اپنا مقدر بنائیں اور تدریس و خدمت دین کے لئے جگہ کے انتخاب میں اس کو پورا پورا اختیار دیں، وہ اپنی طبیعت اور صلاحیت کو مدنظر رکھ کر بہتر جگہ کا انتخاب کر سکتا ہے، وہی زیادہ بہتر سمجھ سکتا ہے کہ وہ کہاں زیادہ بہتر خدمت کر سکتا ہے اور اس کے لئے علمی و عملی ترقی کے مواقع کہاں زیادہ ہیں؟

خلاصہ یہ کہ دور دراز میں کسی جگہ تدریس کے لئے والدین کی رضا ضروری نہیں بلکہ اگر والدین خدمت کے محتاج نہیں اور مدرس ان کی تمنا پوری کرنے میں اپنا دینی نقصان سمجھتا ہے اور دور رہ کر متعدی و غیر متعدی خدمت احسن طریقہ سے انجام دے سکتا ہے تو اس امر میں والدین کی اطاعت جائز نہیں۔

سفر تجارت کے لئے والدین کی اجازت ضروری نہیں حالانکہ یہ محض دنیوی اور ذاتی نوعیت کا نفع ہے تو علم دین جس پر پوری امت کی دنیوی و اخروی کامیابی موقوف ہے اس کے لئے سفر والدین کی اجازت پر کیسے موقوف ہو سکتا ہے؟

ان درج ذیل صورتوں میں والدین کی اجازت کے بغیر سفر کرنا یا دور رہنا جائز نہیں:

① والدین جسمانی خدمت کے محتاج ہیں، اور کوئی خدمت کرنے والا نہیں ہے۔

② سفر ایسا پر خطر ہے کہ ہلاکت کا ظن غالب ہے۔

(۴) لڑکا امرد ہے، اس کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۸ محرم سنہ ۱۴۰۱ھ

ننگے سر اور ننگے پاؤں رہنا:

سوال: ننگے سر اور ننگے پاؤں رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو عدم جواز کی کیا دلیل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ٹوپی یا عمامہ اور جوتا پہننا سنت ہے، اور خلاف سنت وضع قطع کے برا اور قبیح ہونے میں کوئی شک نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں چیزوں کے استعمال پر مواظبت فرمائی ہے، نیز ننگے سر رہنا آج کل فساق و فجار کا شعار ہے اس لئے اس میں زیادہ قباحت ہے، نیز لباس اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جو زینت بھی ہے اور گرمی سردی وغیرہ تکالیف سے حفاظت بھی، اور نعمت کا ترک کفران نعمت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۵ جمادی الثانیہ سنہ ۸۶ھ

غیر عالم کو درس قرآن و حدیث دینا جائز نہیں:

سوال: آج کل عام طور پر اکثر مساجد جو با قاعدہ سند یافتہ نہیں ہوتے وہ ترجمہ دیکھ کر اپنی اپنی مساجد میں درس قرآن و درس حدیث دیتے ہیں، کیا ان کا درس دینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جب تک کسی مستند عالم سے باقاعدہ علم دین حاصل نہ کیا ہو درس قرآن یا درس حدیث دینا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

غرۃ رجب سنہ ۸۶ھ

غسل خانے میں پیشاب کرنا:

غسل خانے میں پیشاب کرنا کیسا ہے جبکہ فرش پختہ ہو اور پیشاب کرکے پانی بہا دیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے مگر احتراز بہتر ہے، اس سے وساوس پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یبولن احدکم فی مستحمہ ثم یغتسل او یتوضأ فیہ فان عامۃ الوسواس منہ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۹ رجب سنہ ۱۳۸۰ھ

ڈھنڈورا پٹوانا جائز ہے:

سوال: کسی چیز کا اعلان کرنے کے لئے ڈھول بجا کر ڈھنڈورا پٹوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی نیک یا جائز کام کے لئے اس قسم کا اعلان کرنا جائز ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے اعلان کے لئے دف بجانے کی اجازت دی ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ ویندب اعلانہ) ای اظہارہ والضمیر راجع الی النکاح بمعنی العقد لحدیث الترمذی اعلنوا ھذا النکاح واجعلوہ فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف فتح (رد المحتار ص ۲۶۲ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۲ رجب سنہ ۱۳۸۰ھ

جوان آدمی کا سفید بال چننا جائز ہے:

سوال: جوان آدمی کو نزلہ کی وجہ سے دو چار سفید بال آجائیں تو ان کا چننا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ازالۂ عیب کے لئے سفید بال چننا جائز ہے اور قبل از وقت بالوں کا سفید ہونا عیب ہے لہٰذا جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا بأس بنتف الشیب۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ ولا بأس بنتف الشیب) قیدہ فی البزازیۃ بأن لا یکون علی وجہ التزین (رد المحتار ص ۲۶۱ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۷ رجب سنہ ۱۳۸۰ھ

سودخور سے رشتہ جوڑنا:

سوال: بینک یا بیمہ ملازم کے گھر میں اپنی لڑکی کا رشتہ کرنا یا ان سے لڑکی کا رشتہ لینا اور جہیز وغیرہ قبول کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۳ شعبان سنہ ۹۸ھ

گابھن گائے کو ذبح کے لئے فروخت کرنا:

سوال: گابھن گائے ذبح کرنے کے لئے قصاب کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

گابھن جانور کو ذبح کرنا جائز ہے، لہٰذا قصاب کو فروخت کرنے میں کچھ حرج نہیں، البتہ اگر قریب الولادہ ہو تو ذبح کرنے کو بعض علماء نے مکروہ فرمایا ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولیس فی ذبح الام اضاعۃ الولد لعدم التیقن بموتہ۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ ولیس فی ذبح الام الخ) جواب عما یقال انہ لو لم یحل بذبح امہ لما حل ذبحہا حاملا لاتلاف الحیوان ونقض بالجواب ظاہر لکن فی الکفایۃ ان تقاربت الولادۃ یکرہ ذبحہا (رد المحتار ص ۱۹۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ شوال سنہ ۹۸ھ

ممتحن کا نالائق طالب علم کو کامیاب کرنا جائز نہیں:

سوال: کسی ممتحن نے ایک لڑکے کو رعایۃً پاس کیا، اس کے بعد اس لڑکے کو ایک ملازمت ملی، اس لڑکے کے لئے اس ملازمت کے پیسے ناجائز تو نہیں ہوں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر ملازمت کا کام کرنے کی پوری صلاحیت ہو تو ملازمت جائز ہے۔

اس کی آمدن پر مستحق کے فعل کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ البتہ متعلق محکمہ کی طرف سے امین تھا اور اس کا پابند کہ لائق طالب علم کو کامیاب کرے۔ اس نے نااہل کو کامیاب کرکے امانت میں خیانت اور بد دیانتی کا ارتکاب کیا جس کا اسے گناہ ہوگا، اس پر توبہ و استغفار لازم ہے۔

قال الله تعالی: ان الله یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اهلها واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل الآیۃ (۴/۵۸) والله سبحانه وتعالی اعلم۔

غرۂ ذی القعدۃ ۸۶ھ

موذی جانوروں کو مارنا:

سوال: کتا، بلی، مکھی، چیونٹی، مکڑی وغیرہ تکلیف دہ جانوروں اور کیڑوں کو قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور قتل کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جانور اور حشرات الارض اگر ایذاء یا اذیت کریں تو ان کے قتل میں کوئی حرج نہیں ورنہ خلاف اولیٰ ہے۔

سانپ اور بچھو چونکہ خلقۃً موذی ہی ہوتے ہیں اس لئے ان کو مارنا جائز بلکہ باعث ثواب ہے کاٹنے والے کتے اور موذی بلی کا بھی یہی حکم ہے۔

موذی جانوروں اور حشرات الارض کو مارنے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ جلد جان نکل جائے۔ آگ میں جلانا جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمه الله تعالی: وجاز قتل ما یضر منها ککلب عقور وهرۃ تضر ویذبحها ای الهرۃ ذبحا ولا یضربها لانه لا یفید ولا یحرقها وفی المبتغی یکرہ احراق جراد وقمل وعقرب ولا بأس باحراق حطب فیها النمل۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمه الله تعالی: (قوله ویذبحها) الظاهر ان الکلب مثلها تأمل (قوله یکرہ احراق جراد) ای تحریما ومثل القمل البرغوث ومثل العقرب الحیۃ (رد المحتار ص ۲۹۹ ج ۵)

تبق يومئذ واحدة الا اطفأت عن المنار الا البرنج فانها كانت تنفخ عليه .
ما ذلك امر رسول الله صلی الله علیه وسلم بقتلها وسماها فويسقة. (ابوجع الافكار ص ۲۳۳ ج ۳)
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔

۱۰ رجب سنہ ۹۳ھ

تحصیل ملازمت کے لئے ستر کھولنا:

سوال: سکاری نے اسکولوں میں مذہبی تعلیم کے سلسلے میں ایک نیا شعبہ کھولا ہے جس میں علماء کو دارالعلوم اسپیشل ٹیچر کے عہدہ پر بھرتی کیا جاتا ہے۔ سرکاری قانون یہ ہے کہ بھرتی کے وقت طبی معائنہ کروانا ضروری ہے جس میں ستر کھولنا لازمی ہے کیا مذکورہ صورت میں ستر کھولنا اور اعضاء مخصوصہ کا معائنہ کروانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کی بنا پر کسی کے سامنے ستر کھولنے کی اجازت ہو۔ تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ جن لوگوں کو مذہبی تعلیم کے لئے لیا جا رہا ہے ان کو مذہب کے خلاف کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے، جو لوگ ملازمت کے لئے ایسے گناہ کبیرہ اور حرام کے ارتکاب پر تیار ہوں گے وہ مذہب کی تعلیم جو کچھ دیں گے وہ ظاہر ہے، ایسے لوگوں سے مذہب کو فائدہ پہنچنے کی بجائے نقصان ہی پہنچے گا۔

بہرکیف بلا ضرورت شدیدہ کسی کو ستر دکھانا اور دیکھنا سخت گناہ اور حرام ہے اور سوال میں مذکورہ صورت ضرورت شدیدہ میں داخل نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

غرۂ محرم سنہ ۹۴ھ

گائے کا مصنوعی بچہ:

سوال: اگر گائے کا بچہ مر گیا تو دوسری کسی چیز سے بچہ کی صورت بنا کر گائے کے سامنے رکھ کر دودھ نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر بچے کا چہرہ اور آنکھیں پوری طرح ظاہر نہ ہوں ایسے ہی ایک شکل بنا دی گئی ہو تو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۷ محرم سنہ ۹۴ھ

چراگاہ میں سب کا حق ہوتا ہے:

سوال: ہمارے علاقہ میں تمام پہاڑ علاقہ وار منقسم ہیں۔ ایک گاؤں والے دوسرے گاؤں والوں کی چراگاہ میں اپنے مواشی نہیں لے جا سکتے۔ اگر کوئی لے جائے تو اس سے معاوضہ لیا جاتا ہے۔ یہ معاوضہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر معاوضہ نہ لیا جائے تو سارے لوگ اپنے مواشی ایک چراگاہ میں لے جاتے ہیں جس سے ان لوگوں کا نقصان ہوتا ہے جن کے حصے میں وہ چراگاہ ہے۔ اگر ایک گاؤں والے اپنی چراگاہ میں کسی کو نہ چھوڑیں تو علاقہ کا حاکم جبرا بھیجتا ہے۔ ان حالات میں کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پہاڑوں کو علاقہ وار اس طرح تقسیم کرنا کہ ایک قوم کے مواشی دوسری قوم کی چراگاہ میں نہ جا سکیں جائز نہیں، معاوضہ لینا اور بھی شدید ظلم ہے۔ تمام پہاڑی علاقوں اور ان کی گھاس میں تمام مسلمان برابر کے شریک ہیں۔

ارض مباحہ تو درکنار اپنی مملوکہ زمین کی خودرو گھاس سے بھی کسی کو روکنا جائز نہیں، اگر اپنی زمین میں داخل نہ ہونے دے تو اس پر لازم ہے کہ گھاس کاٹ کر طالب کے حوالہ کرے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وبیعہ ثوب من توبیت والمراعی ای الکلأ واجارتها اما بطلان بیعها فلعدم الملک لحدیث الناس شرکاء فی ثلاث فی الماء والکلأ والنار واما بطلان اجارتها فلانها علی استهلاک عین الا کما یأتی وهذا اذا نبت بنفسه وان انبته بسقی وتربیة ملکه وجاز بیعه عینی وقیل لا۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قوله لحدیث الناس شرکاء فی ثلاث) ومعنی الشرکة فی النار الاصطلاء بها وتجفیف الثیاب لا اخذ الجمر الا باذن صاحبه وفی الماء الشرب وسقی الدواب والاستقاء من الآبار والحیاض والانهار المملوکة وفی الکلأ الاحتشاش ولو فی ارض مملوکة غیر ان لصاحب الارض المنع من دخوله وللغیر ان یقول ان لی فی ارضک حقا فاما ان توصلنی الیه او تحشه او تستقی وتدفعه لی وصار کثوب رجل وقع فی دار رجل اما ان یأذن للمالک فی دخوله لیأخذه واما ان یخرجه

الیہ فتنبہ ملخصا (رد المحتار ص ۔۔ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۷ صفر ۔۔ ھ

خنزیر اٹھانے میں کافر کا تعاون کرنا:

سوال: زید شکار کرنے گیا، وہاں اس سے پہلے ایک انگریز نے خنزیر کا شکار کیا ہوا تھا، انگریز نے زید سے کہا کہ اسے اٹھوا کر ذرا ہماری گاڑی میں رکھوا دیں، زید نے انکار کر دیا، کافر نے کہا کہ اگر آپ کا کوئی جانور مر جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے اسے بھی تو آپ گھر سے باہر پھینکتے ہیں، زید نے خنزیر تو نہیں اٹھایا مگر اس کے اس استدلال کا کوئی معقول جواب نہیں بن پڑا۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس طرح کے کسی موقع پر خنزیر اٹھانے میں تعاون کرنا جائز ہے؟ کیا خنزیر کو ہاتھ لگانے سے ہاتھ ناپاک ہو جائے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس میں تذلیل مسلم ہے اس لئے جائز نہیں۔

انگریز کا استدلال باطل ہے، اس لئے کہ مردار جانور کو گھر سے حرام، نجس اور متعفن چیز باہر پھینکنے کے لئے اٹھایا جاتا ہے، اس میں کافر کے سامنے مسلم کی تذلیل نہیں، یہ تو مأمور بہ اور طاعت ہے۔

اگر خنزیر کے بال یا پکڑنے والے کا ہاتھ تر ہو تو ناپاک ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲ ربیع الاول ۔۔ ھ

اخبار میں مرد اور عورت کی تصویر دیکھنا:

سوال: اخبار کا مطالعہ کرتے وقت مردوں اور عورتوں کی تصاویر دیکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر ضرورت سے اخبار دیکھنا ہی ہو تو تصویریں دیکھنے سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہیئے۔ اور تصاویر کو قلم زد کر دینا چاہیئے۔ آج کل اخبار بینی ایک ذہنی تعیش بن گیا ہے جسے لوگ ضرورت سے تعبیر کرتے ہیں جو ایمان کی سخت کمزوری کی علامت

ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۷ ربیع الثانی ۔۔۔ھ

بنیت تبلیغ ارتکاب معصیت جائز نہیں:

سوال: اگر کسی فاسق کے ساتھ اس کے فسق میں شریک ہونے سے اس کی اصلاح کی امید ہو تو کیا ایسا کرنا جائز ہوگا؟ جیسے اہل بدعت کی مجالس بدعات میں شریک ہونا۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اصلاح وتبلیغ کی نیت سے معصیت کا ارتکاب ہرگز جائز نہیں، جب ارشاد وتبلیغ سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہے تو اس مقصد کی تحصیل کے لئے اس کی معصیت کا کیا مطلب؟ اگر کوئی شخص نماز شروع ۔۔۔ کر صلاح کی خاطر اس سے بدکاری کرے تو کیا کوئی احمق بھی اسے جائز کہہ سکتا ہے؟ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۱ شعبان ۔۔۔ھ

تنبیہ: اس مسئلہ کی مفصل ومدلل تحقیق رسالہ "تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود" میں ہے، اس کا مطالعہ ضروری ہے۔

کسی مصلحت سے گناہ کو جائز سمجھنا الحاد ہے:

سوال: ایک مسئلہ میں حکم شرعی کرنے یا نہ کرنے کا موجود ہے، مگر زید کہتا ہے کہ مصلحت کی بناء پر حکم شرعی کو چھوڑ دینا چاہئے۔ کیا زید کا یہ نظریہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مصلحت کی بناء پر حکم شرعی کو چھوڑنا الحاد اور بے دینی ہے۔ ایسا کہنے والا فاسق ہے اور آیت قرآنیہ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً کا مصداق ہے، اس قول فسق اور الحاد سے توبہ واستغفار لازم ہے۔

شریعت کا فیصلہ یہ ہے کہ مسائل پر مصالح کو مصالحہ کی طرح قربان کرو، جتنا زیادہ چھوڑو گے مسائل اتنا ہی زیادہ لذیذ ہوگا۔

اس کی پوری تحقیق مفصل و مدلل رسالہ "سیاست اسلامیہ" مندرجہ "احسن الفتاویٰ" جلد ۶ میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرۂ ربیع الآخر ۱۲ھ

عالم کا تصویر کھنچوانا زیادہ شنیع ہے:

سوال: اس زمانہ میں تصویر کھنچوانے کے جواز کا استثناء کیا گیا ہو تو دلائل سے واضح کریں، اگر نہیں تو پھر اس کی وضاحت کریں کہ کیا اس میں کسی عالم یا مفتی اور عامی آدمی میں کچھ فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

تصویر کھنچوانا باجماع امت حرام ہے۔

عوام کے مقابلہ میں کسی عالم دین کا تصویر کھنچوانا کئی وجوہ سے زیادہ شنیع اور قبیح ہے۔

① اس میں علم و اہل علم و دین کی تحقیر زیادہ سخت ہوتی ہے۔

② علماء کی معصیت سے عوام معاصی پر جرأت کرنے لگتے ہیں۔

③ علماء کی مداہنت سے عوام ان گناہوں کو جائز سمجھنے لگتے ہیں۔

تنبیہ: معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بدون اجازت کسی کی تصویر لینا قانوناً منع ہے اس لئے اگر کسی کی تصویر غفلت میں لے لی گئی ہے تو اس پر فرض ہے کہ ایسے مجرم کو قانونی کاروائی کی دھمکی دے کر اس تصویر کے ضائع کرنے پر مجبور کرے۔ اگر وہ ضائع نہ کرے تو قانونی کاروائی کرنا شرعاً فرض ہے۔ خصوصاً علماء دین پر یہ فریضہ زیادہ مؤکد ہے، اس میں تساہل برتنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو حق قبول فرمائیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرۂ جمادی الثانیۃ ۱۳ھ

گھوڑ دوڑ کے مقابلہ میں جیتنے کو تعویذ دینا:

سوال: گدھوں گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ کرنے والوں کو جیتنے کے لئے تعویذ دینا اور اس کی اجرت لینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

دوڑ میں اگر جانبین سے رقم لینے کی شرط ہو تو یہ فعل حرام ہے اور حرام فعل کے لئے تعویذ

دینا اور اس کی اجرت لینا بھی حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

غرۂ رمضان سنہ ۸۷ھ

کان، ناک چھیدنا:

سوال: اکثر عورتیں خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتی ہوں کان اور ناک چھیدواتی ہیں، کیا شرعاً کان ناک میں سوراخ کرنا جائز ہے اور کیا یہ تغییر الخلق نہیں؟ حدیث میں جسم گودنے اور گدوانے والی عورت پر لعنت کی گئی ہے، اس کی علت تغییر الخلق ہی ہے تو کان اور ناک میں سوراخ کرنا بطریق اولیٰ تغییر الخلق ہے کیونکہ اس میں گوشت میں بھی سوراخ کیا جاتا ہے جبکہ گودنے میں صرف جلد میں سوراخ ہوجاتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کانوں میں بالیاں پہننے کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رواج تھا اور اب بھی عرب میں اس کا رواج ہے، اس پر قیاس کرکے ناک چھیدنا بھی جائز ہے اگر یہ تغییر خلق اللہ میں داخل ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور نکیر فرماتے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویکرہ للولی الباس الخلخال والسوار للصبی ولا بأس بثقب اذن البنت والطفل استحسانا ملتقط قلت وھل یجوز الخزام فی الانف لم ارہ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ للصبی) ای الذکر لانہ من زینۃ النساء (قولہ والطفل) ظاھرہ ان المراد بہ الذکر مع ان ثقب الاذن لتعلیق القرط وھو من زینۃ النساء فلا یحل للذکور والذی فی عامۃ الکتب وقدمناہ عن التاترخانیۃ لا بأس بثقب اذن الطفل من البنات وزاد فی الحاوی القدسی ولا یجوز ثقب آذان البنین فالصواب اسقاط الواو (قولہ لم ارہ) قلت ان کان مما یتزین النساء بہ کما ھو فی بعض البلاد فھو فیھا کثقب القرط اھ ط وقد نص الشافعیۃ علی جوازہ مدنی۔

(رد المحتار ص ۲۴۲ ج ۵)

وفی الھندیۃ: ولا بأس بثقب آذان النسوان کذا فی الظھیریۃ ولا بأس بثقب آذان الاطفال من البنات لانھم کانوا یفعلون ذلک فی

من مات من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر تکلف کذا فی الکبری (عالمگیریۃ ص۲۲۵ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ ر صفر ۹۳ھ

غیبت کی جائز و ناجائز صورتوں کی تفصیل:

سوال: غیبت کسے کہتے ہیں، یہ گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ؟ بعض علماء کا کہنا ہے کہ علانیہ فسق و فجور کا ارتکاب کرنے والوں کی غیبت کرنا جائز ہے کیا یہ صحیح ہے؟ غیبت کی جائز و ناجائز صورتیں تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی کے پس پشت اس کے کسی ایسے واقعی عیب کو ذکر کرنا کہ اس کو معلوم ہو جائے تو اسے ناگوار گزرے غیبت ہے، یہ گناہ کبیرہ ہے جس پر قرآن و حدیث میں شدید ترین وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

غیبت کی ناجائز صورتیں:

(۱) غیبت کو حلال سمجھ کر کرنا، مثلاً غیبت کرنے والے کو غیبت سے روکا گیا تو اس نے جواب دیا کہ یہ غیبت نہیں ہے اس لئے کہ میں سچ بول رہا ہوں۔

یہ کفر ہے، اس لئے کہ یہ شخص حرام کو حلال سمجھ رہا ہے۔

(۲) نام ذکر کئے بغیر کسی کی غیبت ایسے شخص کے سامنے کرنا جس کے نزدیک وہ شخص متعین و معلوم ہے۔

یہ نفاق و ریاء کا مجموعہ ہے۔

(۳) کسی متعین شخص کی غیبت کرنا۔

یہ گناہ کبیرہ ہے۔

غیبت کی جائز صورتیں:

(۱) دفع ظلم کے لئے قادر علی دفع الظلم کے سامنے غیبت کرنا۔

(۲) تغییر منکر کی نیت سے قدرت رکھنے والوں کے سامنے غیبت کرنا۔

(۳) حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے مفتی کے سامنے غیبت کرنا، لیکن نام کو مبہم رکھنا بہتر ہے۔

(۴) کسی کے شر سے بچانے کے لئے اس کی غیبت کرنا۔ جیسے مشہود و رواۃ پر جرح کرنا۔

(۵) علانیہ گناہ کرنے والوں کی غیبت کرنا۔

البتہ صرف اسی گناہ کا تذکرہ جائز ہے جو وہ علانیہ کرتے ہوں، مخفی گناہوں کا ذکر جائز نہیں۔

(۶) تعارف کی غرض سے کسی کے عیب کا ذکر کرنا جیسے اعور و اعمش وغیرہ۔

یہ اس شرط سے جائز ہے کہ اس کے بغیر تعارف ناممکن یا متعذر ہو۔

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اتدرون ما الغیبة قالوا الله ورسوله اعلم قال ذکرك اخاك بما یکره قیل افرأیت ان کان فی اخی ما اقول قال ان کان فیه ما تقول فقد اغتبته وان لم یکن فیه ما تقول فقد بهته رواه مسلم (مشکوة ص۴۱۲)

وقال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ تحت الآیة ایحب احدکم ان یأکل لحم اخیه: والآیة دالة علی حرمة الغیبة، وقد نقل القرطبی وغیره الاجماع علی انها من الکبائر، وعن الغزالی وصاحب العدة انهما صرحا بانها من الصغائر وهو عجیب منهما لکثرة ما یدل علی انها من الکبائر، وقصاری ما قیل فی وجه القول بانها صغیرة انه لو لم تکن کذلك یلزم فسق الناس کلهم الا الفذ النادر منهم وهذا حرج عظیم، وتعقب بان فشو المعصیة وارتکاب جمیع الناس لها فضلا عن الاکثر لا یوجب ان تکون صغیرة، وهذا الذی دل علیه الکلام من ارتکاب اکثر الناس لها لم یکن قبل، علی ان الاصرار علیها قریب منها فی کثرة تفسیق الناس وهو کبیرة بالاجماع فیلزم علیه الحرج العظیم وان لم یکن فی عظم الحرج السابق، مع ان هذا الدلیل لا یقاوم تلك الادلة الکثیرة۔

(روح المعانی ص[illegible] ج۲۶)

وعن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ایاکم والکذب فان الکذب یهدی الی الفجور وان

الفجور يهدى الى النار وما يزال الرجل يكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عند الله كذابا متفق عليه (مشكوٰة ص [illegible])

وقال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالى: وقد تجب الغيبة لغرض صحيح شرعي لا يتوصل اليه الا بها، وتنحصر في ستة اسباب، الاول: التظلم فلمن ظلم ان يشكو لمن يظن له قدرة على ازالة ظلمه او تخفيفه. الثاني الاستعانة على تغيير المنكر بذكره لمن يظن قدرته على ازالته. الثالث الاستفتاء فيجوز للمستفتي ان يقول للمفتي: ظلمني فلان بكذا فهل يجوز له او ما طريق تحصيل حقي او نحو ذلك، والافضل ان يبهمه. الرابع تحذير المسلمين من الشر كجرح الشهود والرواة والمصنفين والمتصدين لافتاء او اقراء مع عدم اهلية فيجوز اجماعا بل يجب (الى ان قال) والخامس ان يتجاهر بفسقه كالمكاسين وشربة الخمر ظاهرا فيجوز ذكرهم بما تجاهروا فيه دون غيره الا ان يكون له سبب آخر مما مر (روح المعاني ص [illegible])

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: فتباح غيبة مجهول ومتظاهر بقبيح ولمصاهرة ولسوء اعتقاد تحذيرا منه ولشكوى ظلامته للحاكم شرح وهبانية.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت (قوله فتباح غيبة مجهول الخ) وفي تنبيه الغافلين للفقيه ابي الليث: الغيبة على اربعة اوجه، في وجه هي كفر بان قيل له لا تغتب فيقول ليس هذا غيبة لاني صادق فيه فقد استحل ما حرم بالادلة القطعية وهو كفر، وفي وجه هي نفاق بان يغتاب من لا يسميه عند من يعرفه فهو مغتاب ويرى من نفسه انه متورع فهذا هو النفاق، وفي وجه هي معصية وهو ان يغتاب معينا ويعلم انها معصية فعليه التوبة، وفي وجه هي مباح وهو ان يغتاب معلنا بفسقه او صاحب بدعة وان اغتاب الفاسق ليحذره الناس يثاب عليه لانه من النهي عن المنكر اهـ اقول والاباحة لا تنافي الوجوب في بعض المواضع الآتية (قوله ومتظاهر بقبيح) وهو الذي لا يستتر عنه ولا يؤثر عنده اذا قيل

عنه انه يفعل كذا اھ ابن الشحنة قال في تبيين المحارم فيجوز ذكره بما يجاهر به لا غيره قال صلى الله عليه وسلم من القى جلباب الحياء عن وجهه فلا غيبة له واما اذا كان مستترا فلا تجوز غيبته اھ قلت وما اشتهر بين العوام من انه لا غيبة لتارك الصلوة ان اريد به ذكره بذلك وكان متجاهرا فهو صحيح والا فلا (رد المحتار ص۲۶۲ ج۵) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۱۲ صفر ۹۵ھ

تصویر دار سائیکل پر سوار ہونا:

سوال: جو سائیکل کرایہ پر ملتی ہے بوقت ضرورت اس پر سوار ہونا پڑتا ہے، اس کے ڈنڈوں پر عورتوں کی تصویریں چھپی ہوئی ہیں، کیا اس پر سوار ہونا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی سائیکل پر سوار ہونا جائز نہیں، اگر بغیر تصویر کے سائیکل نہ ملتی ہو اور ضرورت شدیدہ ہو تو گنجائش ہے مگر تصویر کو کسی چیز سے چھپا دے، یہ بھی نہ ہو سکے تو تصویر سے حتی المقدور اغماض واجب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۵ ربیع الاول ۹۵ھ

خاندانی منصوبہ بندی کی جائز صورتیں:

سوال: خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کے کئی طریقے ہیں:

① عورت کی بچہ دانی نکال دی جاتی ہے۔
② مرد کا اپریشن کیا جاتا ہے جس کے بعد وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتا۔
③ دوائیں استعمال کرائی جاتی ہیں۔
④ بوقت جماع پلاسٹک کی تھیلی استعمال کی جاتی ہے۔

دریافت طلب یہ ہے کہ کون سی صورتیں جائز ہیں اور کون سی ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

منصوبہ بندی قلت رزق کے خوف سے بہرصورت حرام ہے، البتہ اگر یہ نظریہ نہ ہو بلکہ عورت کی صحت یا بچوں کی تربیت پیش نظر ہو تو پلاسٹک کی تھیلی یا دوا کا

استعمال جائز ہے، بچہ دانی نکال دینا یا مرد کا اپریشن کرکے اسے ہمیشہ کے لئے بیکار بنا دینا جائز نہیں۔ تفصیل رسالہ "ضبط تولید و اسقاط حمل" مندرجہ احسن الفتاوی جلد ۸ میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۴ جمادی الثانیہ ۹۹ھ

فاسق بیٹے سے قطع تعلق:

سوال: میرا لڑکا کھلم کھلا فسق وفجور میں مبتلا ہے۔ وہ اس پر فخر کرتا ہے، مجھے بھی گالی گلوچ کرتا ہے، حتی کہ مجھے اس سے جان کا خطرہ ہے، میں نے اس سے قطع تعلق کرلیا ہے۔ کچھ رشتہ دار معترض ہیں کہ میں اسے معاف کردوں، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسے لڑکے کو معاف کرکے اس سے تعلقات استوار کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں، ایک معاف کردینا یعنی دنیا یا آخرت میں انتقام نہ لینا، یہ بہت بلند مقام ہے اور قرب ورضائے الہی کا بڑا ذریعہ ہے، شریعت نے اس کے فضائل تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔

دوسرا یہ کہ بیٹے سے تعلقات رکھنا، اس کا فیصلہ لڑکے کے آئندہ حالات سے متعلق اطمینان پر موقوف ہے، اگر اطمینان ہو کہ وہ اپنے حالات درست کرلے گا تو تعلقات استوار کرلئے جائیں ورنہ نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۲ رجب ۹۹ھ

مخمل کے مصلی پر نماز پڑھنا جائز ہے:

سوال: مخمل کے مصلی پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، یہ ریشم کے حکم میں تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جو مصلی خالص ریشم کا ہو، اس پر نماز پڑھنے میں اختلاف ہے۔ قول جواز راجح ہے، آج کل بازار سے جو مصلی ملتا ہے وہ خالص ریشم کا نہیں ہوتا، اس لئے اس پر نماز پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویحل توسدہ وافتراشہ والنوم علیہ وقالا والشافعی ومالک رحمہم اللہ تعالیٰ حرام وھو الصحیح کما فی المواھب قلت فتح تحفظ ھذا لکنہ خلاف المشہور۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ لکنہ خلاف المشہور) قال فی الشرنبلالیۃ قلت ھذا التصحیح خلاف ماعلیہ المتون المعتبرۃ المشہورۃ والشروح (رد المحتار ص۲۲۶ ج۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۸ رجب سنہ ۹۸ھ

جعلی سرٹیفکیٹ بنواکر ملازمت کرنا:

سوال: کسی کو ایک ملازمت مل رہی ہے مگر شرط یہ ہے کہ پانچویں جماعت کا سرٹیفکیٹ ہو، وہ ان کے پاس نہیں، مگر جعلی بن سکتا ہے تو اس صورت میں کوئی گناہ ہے یا نہیں؟ نیز اس کی اس معاملہ میں اعانت کرنے والوں پر گناہ ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح ویلڈنگ وغیرہ کام کی مہارت کا جعلی سرٹیفکیٹ حاصل کرکے ملازمت حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس پر ملنے والی تنخواہ حلال ہوگی یا حرام؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ جھوٹ اور دھوکا ہے، لہٰذا جائز نہیں، اس کی اعانت کرنے والے بھی گناہگار ہوں گے، البتہ جو کام اس کے ذمہ ہے اگر وہ اسے حسن و خوبی انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے تو تنخواہ حلال ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۹۸ھ

میڈیکل بل کے لئے مقرر ڈاکٹر کا تشخیص میں رعایت کرنا:

سوال: حکومت کی طرف سے بعض ملازمین کو میڈیکل سہولتیں مہیا ہیں، تشخیص کے لئے ہر محکمہ کا ڈاکٹر مقرر ہوتا ہے اس کی تشخیص ضروری ہے، اب اگر ایک آدمی کسی اور ڈاکٹر سے تشخیص کرائے اور متعلقہ ڈاکٹر سے مروت میں آکر بل پاس کرالے تو اس شخص کے لئے جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

متعلقہ ڈاکٹر اگر دوسرے ڈاکٹر کی تشخیص پر مطمئن ہو تو اس کا بل پاس کرنا جائز ہے

ورنہ نہیں، مروت کی بناء پر بل پاس کرنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۲ جمادی الاولی سنہ ۹۲ھ

دم کرکے گرہ لگانا:

سوال: چیچک کے واسطے دھاگہ میں سورۂ رحمٰن یا اور کوئی آیت پڑھ کر دم کرکے گرہ لگا کر بچوں کے گلے میں ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ حدیث میں ممانعت آئی ہے اب شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جائز ہے، ایام جاہلیت میں ایسی چیزوں کو مؤثر بالذات سمجھا جاتا تھا اس لئے حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۵ ذی الحجہ سنہ ۹۲ھ

ریڈیو میں تلاوت وتفسیر:

سوال: ریڈیو میں قرآن کریم کی تلاوت اور تفسیر کرنا اور اسے سننا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس وقت استماع وانصات ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

محض تلاوت دو وجہ سے ناجائز ہے:

① عموماً تلاوت کرنے والا اجرت لیتا ہے اور تلاوت محضہ پر اجرت لینا حرام ہے۔

② اسی مجلس میں گانا بجانا بھی ہوتا ہے جس میں قرآن کریم کی توہین ہے لہٰذا اس کا سننا بھی جائز نہیں۔

تفسیر بیان کرنا اور اس پر اجرت لینا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۹۲ھ

ٹی وی پر اسلامی نشریات سننا بھی حرام ہے:

سوال: ٹیلی ویژن پر کسی عالم کی تقریر سننا یا کرکٹ دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ٹی وی دیکھنا بہرحال وجوہ ذیل کی بنا پر حرام ہے:

① اس میں عموماً اصل کی بجائے فلم آتی ہے جو تصویر ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور

جس مجلس میں تصویر ہو وہاں جانا بھی حرام ہے۔ حدیث میں تصویر والوں پر لعنت وارد ہوئی ہے۔ جہاں تصویر ہوتی ہے وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

(۲) اناؤنسر عورت ہوتی ہے، اور عورت کا عکس دیکھنا بھی حرام ہے، خواہ تصویر ہو یا براہ راست عکس دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

(۳) اناؤنسر کے علاوہ بھی ٹی وی پر بہت سی عورتیں آتی ہیں جنہیں مرد دیکھتے ہیں اور ٹی وی پر آنے والے مردوں کو عورتیں دیکھتی ہیں، غیر محرم مرد و عورت کا ایک دوسرے کو بلا ضرورت شدیدہ دیکھنا حرام ہے۔

(۴) کشتی اور تیراکی وغیرہ کے مناظر میں ستر کھلتے ہیں، کسی کے سامنے ستر کھولنا اور کسی کا ستر دیکھنا حرام ہے۔

(۵) موسیقی اور دوسرے فواحش و بے حیائی پر مشتمل نشریات ہوتی ہیں جنہیں سننا اور دیکھنا حرام ہے۔

(۶) ٹی وی کے مفاسد مذکورہ کی وجہ سے معاشرہ میں بے حیائی، فحاشی، بدمعاشی، زنا اور ہر قسم کی بدکاری کا طوفان بپا ہو گیا ہے، حتی کہ سگے بھائی بہن اور باپ بیٹی کی آپس میں بدکاری کے متعلق ہمارے پاس استفتاء آنے لگے ہیں۔

(۷) تمام سائنسدانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ٹی وی دیکھنا بلکہ اس کے قریب بیٹھنا بھی صحت کے لئے سخت مضر ہے، ایک لڑکی کے دماغ کی رگ پھٹ گئی، دماغ کے اسپیشلسٹ نے بتایا کہ یہ ٹی وی دیکھنے کا نتیجہ ہے۔

ایک لڑکی کی بینائی کمزور ہو گئی، آنکھوں کے اسپیشلسٹ نے بتایا کہ یہ ٹی وی دیکھنے کی وجہ سے ہے، اگر آئندہ دیکھا تو اندھی ہو جائے گی۔

(۸) بیشتر مضامین ایسے ہوتے ہیں جن میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہوتا ہے نہ دنیا کا، اور ہر وہ چیز ممنوع ہے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔

(۹) ٹی وی جیسے آلۂ لہو ولعب بے دینی، فواحش و منکرات کے مرکز پر دینی پروگرام دکھائے جاتے ہیں، اور انہیں اشاعت اسلام کا نام دیا جاتا ہے یہ دین کی سخت بے حرمتی ہے اور مسلمان کے لئے ناقابل برداشت توہین ہے۔

(۱۰) کوئی کتنا ہی اہتمام کرے کہ صرف جائز تماشے ہی دیکھے تو بھی احتراز ناممکن ہے۔

(۱۱) اگر بالفرض محال تسلیم کر لیا جائے کہ کسی حرام کام کے ارتکاب کے بغیر صرف جائز اشیاء کا دیکھنا ممکن ہے تو بھی اس میں یہ فساد ہے کہ شروع کرنے کے بعد اس کا شوق اور نشہ اتنا بڑھے گا کہ حرام اشیاء دیکھنے تک پہنچا کر چھوڑے گا، اور ہر وہ کام جو حرام تک پہنچنے کا ذریعہ ہو حرام ہے اگرچہ وہ فی ذاتہ مباح ہو۔

(۱۲) کوئی دیندار شخص محرمات سے بچ کر ٹی وی دیکھنے کی کوشش کرے تو عوام اس سے ٹی وی کی مطلقا اباحت پر استدلال کریں گے۔

ٹی وی کی تباہ کاریوں کی تفصیل رسالہ "ٹی وی کا زہر یلی ناگ" میں ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۹ محرم سنہ ۹۹ھ

انگریزی پڑھنا:

سوال: انگریزی پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نا جائز ہے تو وجہ کیا ہے؟ آج کل اچھے خاصے لوگ اس طرف مائل نظر آتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

انگریزی پڑھنا جائز ہے مگر اسکول اور کالج وغیرہ کا ماحول بے دینی کا ہے جو بے دینی کی طرف داعی ہے لہذا اس سے احتراز لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۵ جمادی الآخرۃ سنہ ۱۴۰۱ھ

مصنوعی مجسمے کے کھلونے کا حکم:

سوال: بچوں کو کھلونے دینا کیسا ہے؟ جب کہ کھلونے میں جاندار جیسے مصنوعی انسان، گھوڑے، بکری وغیرہ کے بھی مجسمے ہوتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بچوں کو کھلونے دینا جائز ہے مگر جاندار کے مجسمے جیسے انسان، گھوڑا، بکری وغیرہ دینا جائز نہیں۔

تصویر کی حرمت کے دلائل اور احکام کی تفصیل رسالہ "التذییل العریان عن عذاب صورۃ الحیوان" میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۰ جمادی الآخرۃ سنہ ۱۴۰۱ھ

بلدیہ سے مردہ جانوروں کا ٹھیکہ لینا:

سوال: زید نے بلدیہ کمیٹی سے مردہ جانوروں کا دس ہزار پر ایک سال کے لئے ٹھیکہ لیا ہے مثلاً جو جانور شہر میں مرجائے گا زید اس کو اٹھائے گا، اس کا چمڑا، ہڈی کام میں لائے گا، چربی پگھلا کر صابن بنانے والوں کو فروخت کرے گا۔ کیا زید کا یہ فعل شرعاً درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۹ شوال سنہ ۸۱ھ

حالت اضطرار میں غیر کا مال کھانا:

سوال: ایک فقیر آدمی جس کے پاس کھانے پینے کے لئے کچھ نہ ہو، سوال کرنے سے بھی اس کی کفایت نہ ہوتی ہو، اس حالت میں اس کو کیا کرنا چاہئے، اگر وہ حالت اضطرار میں کسی مالدار سے کھانا نہ دینے پر لڑائی کرکے اس حالت میں مرگیا تو اس کی موت کس قسم کی موت ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غیر کا مال اس کی طیب خاطر کے بغیر لینا حرام ہے،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منہ۔

حالت اضطرار میں جان بچانے کے لئے مال غیر بلا اجازت کھانے کی بنسبت بقدر ضرورت مردار کھا کر جان بچانا اہون ہے، البتہ مردار کا گوشت بھی میسر نہ ہو تو جان بچانے کے لئے بقدر ضرورت غیر کا مال بلا اجازت کھا سکتا ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی جنایات الحج: وھو مضطر الی اکلہ وان قولین ویقدم المیتۃ علی الصید والصید علی مال الغیر ولحم الانسان الخ (رد المحتار ص ۲ ج ۲)

پھر تعجب اس پر ہے کہ جو شخص کھانے پر قدرت نہیں رکھتا وہ لڑائی پر کیسے تیار ہوجاتا ہے، اگر یہ شخص لڑائی میں مرگیا تو حرام موت مرا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۸ ربیع الثانی سنہ ۸۱ھ

بضرورت کتا پالنا:

سوال: حدیث میں آیا ہے کہ اگر کسی گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو تو کیا مطلقاً کتا پالنا جائز ہے یا ضرورت کے وقت کوئی گنجائش ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حفاظت یا شکار کے لئے کتا پالنا جائز ہے۔ حدیث میں ممانعت بلاضرورت پالنے سے ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۵ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۰ھ

پاسپورٹ سائز تصویر کھینچوانا اور اس کی اجرت لینا بھی حرام ہے:

سوال: پاسپورٹ سائز تصویر کھینچوانا اور اس کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حرام ہے، اس کی حرمت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کتب حدیث میں بکثرت منقول ہیں۔

منها: عن سعید بن ابی الحسن قال کنت عند ابن عباس اذ اتاه رجل فقال یا ابن عباس انی انسان انما معیشتی من صنعة یدی وانی اصنع هذه التصاویر فقال ابن عباس لا احدثك الا ما سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول سمعته یقول من صور صورة فان الله معذبه حتی ینفخ فیها الروح ولیس بنافخ فیها ابدا الحدیث (بخاری ص ۲۹۶ ج ۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۷ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۲ھ

بچوں کو فوٹو کے ذریعہ تعلیم دینا:

سوال: بچوں کو تعلیم دینے کے لئے تصاویر کا استعمال کہاں تک صحیح ہے؟ کیا اس مسئلہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گڑیوں اور ذوالجناح

سے کچھ روشنی پڑ سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حرام ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کھلونوں میں تصویر نہیں تھی۔

قال فی حاشیۃ المشکوۃ معزیا الی اللمعات: والمراد ههنا ما تلعب به الصبية من الخرق والرقع وتزيين لها صور مشخصة كالتصاوير المعروفة فلا حاجة الى ما قيل ان عدم انكاره صلی اللہ علیہ وسلم نعيها بالصور وابقائها في بيتها دال على ان ذلك كان قبل التحريم وان اللعب الصغار مظنة للاستخفاف (حاشیۃ مشکوۃ ص۲۸۰ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۲ جمادی الثانیۃ سنہ ۹۲ھ

ڈاڑھی منڈے کا مسجد میں بیان کرنا:

سوال: کیا ڈاڑھی منڈا شخص مسجد میں وعظ اور بیان کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں دین اور منصب وعظ کی توہین ہے اس لئے جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۹ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۲ھ

کافر کو ڈیکوریشن کا سامان دینا:

سوال: کافر لوگوں کی شادی وغیرہ میں مسلمان کو اپنا ڈیکوریشن کا سامان مثلاً دیگ، پلیٹ، گلاس وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وجاز بيع عصير عنب ممن يعلم انه يتخذ خمرا لان المعصية لا تقوم بعينه الخ (رد المحتار ص۲۹۱ ج ۵)
واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۴ رجب سنہ ۹۲ھ

حق وصول کرنے کے لئے جھوٹ بولنا:

سوال: زید نے بکر کی زمین پر جبراً قبضہ کر لیا ہے، اب مقدمہ چلا تو اس میں اگر

بکر اپنا حق وصول کرنے کے لئے جھوٹ بولے تو جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً زید کو بکر نے دو ہزار روپے دیئے تھے اور وہ یہ کہہ دے کہ میں نے اسے پانچ ہزار دیئے ہیں تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ جبکہ بغیر جھوٹ بولے کام ہی نہ چلے اور بغیر مقدمہ کے فیصلہ بھی نہ ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صریح جھوٹ بولنا جائز نہیں، موقع ضرورت پر تعریض کرے یعنی ایسی بات کہہ سکتا ہے جو بظاہر خلاف واقع ہو مگر اس سے کوئی صحیح مطلب نکل سکتا ہو۔

قال الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: الکذب مباح لاحیاء حقہ ودفع الظلم عن نفسہ والمراد التعریض لان عین الکذب حرام (ردالمحتار ص۲۷۵ ج۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ذی القعدۃ سنہ ۹۲ھ

تبلیغی اجتماع میں بلند آواز سے دعاء کرنا:

سوال: تبلیغی جماعت کے اجتماع کے اختتام پر ہمیشہ بلند آواز سے دعاء ہوتی ہے اور سامعین زور زور سے آمین کہتے ہیں اور اکثر پر بہت گریہ طاری ہوتا ہے، اور اس کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے، اکثر لوگ اس دعاء کو درس قرآن سے بھی زیادہ باعث ثواب سمجھتے ہیں، آیا دعاء کا یہ طریقہ شریعت کے موافق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دعاء کے لئے اجتماع ثابت نہیں، البتہ اجتماع کسی اور مقصد سے ہو تو اس میں اجتماعی دعاء جائز ہے، تبلیغی اجتماع سے مقصود دعاء نہیں بلکہ لوگوں کو دین کی طرف متوجہ کرنا اور دین کی تبلیغ مقصود ہوتی ہے، لہٰذا وہاں بلند آواز سے اجتماعی دعاء کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ر صفر سنہ ۹۳ھ

ظلم سے بچنے کے لیے جھوٹ بولنا اور رشوت دینا:

سوال: حکومت جو عوام پر ٹیکس عائد کرتی ہے اس سے بچنے کے لئے جھوٹ بولنا اور رشوت دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حکومت مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ ٹیکس لگا سکتی ہے:

(۱) حکومت کو ضرورت ہو۔

(۲) ٹیکس بقدر ضرورت لگایا جائے۔

(۳) مصرف صحیح ہو۔

(۴) تعیین و تشخیص صحیح ہو۔

اگر شرائط مذکورہ میں سے کوئی بھی شرط مفقود ہو تو ٹیکس لگانا ظلم ہے اور اس سے بچنے کے لئے کوشش کرنا جائز ہے اور اگر رشوت دینے کی ضرورت پڑے تو اس کی بھی گنجائش ہے، صریح جھوٹ بولنا جائز نہیں، البتہ ایسی بات کہہ سکتا ہے جو در حقیقت تو خلاف واقع ہو مگر کوئی صحیح مطلب بن سکتا ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ رجب سنہ ۹۳ھ

بحرمت لا الٰہ الا اللہ کہنا:

سوال: بحق یا بحرمت لا الٰہ الا اللہ کہہ کر دعاء مانگنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

درست ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۱ ذی القعدۃ سنہ ۹۳ھ

زیارت والدین کے لئے پاسپورٹ بنوانا:

سوال: والدین کی زیارت کے لئے پاسپورٹ بنوانا جس میں فوٹو کی ضرورت پڑتی ہے کیا ایسا پاسپورٹ بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

علماء وقت جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں، مجھے اس میں شرح صدر نہیں، عامی علماء وقت کے فتویٰ پر عمل کرے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۵ رمضان سنہ ۹۴ھ

اعلان توبہ کے بعد قطع تعلق جائز نہیں:

سوال: ایک عورت نے ایک شخص سے ناجائز تعلقات قائم کئے۔ پھر والدین کی رضامندی کے بغیر اسی جگہ جو کہ اس کا کفو بھی نہیں نکاح کرلیا جس سے اس کے تمام قبیلے والوں کی بے عزتی ہوئی اس بناء پر اس کے تمام رشتہ داروں نے اس سے قطع تعلق کرلیا، عرصہ دراز کے بعد اس کو ندامت ہوئی اور اپنے تمام رشتہ داروں سے معافی مانگی، تو کیا اب طلب معافی کے بعد بھی اس کے رشتہ داروں کا اس سے قطع تعلق کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مذکورہ عورت نے اپنے اس گناہ سے توبہ کرلی ہے اور جن لوگوں کو اس گناہ کا علم تھا ان سب کو اپنی توبہ کی اطلاع بھی کردی ہے اور اپنے تمام اعزہ واقارب سے بھی معافی طلب کرلی ہے تو اس سے قطع تعلق جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۹ ذی الحجہ سنہ ۹۲ھ

سانپ، بندر، ریچھ وغیرہ پالنا:

سوال: سانپ، بندر یا ریچھ وغیرہ کا پالنا اور ان سے لوگوں کو تماشا دکھانا، لوگوں کا اس پر پیسے دینا اور ان پیسوں کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ بظاہر تو لینا، دینا منع معلوم ہوتا ہے، اولاً تو اس میں حیوان کا حبس ہے جو ممنوع ہے، ثانیاً حیوان بھی ایسا کہ جس کا حکم قتل ہے۔ ثالثاً لوگوں کو لہو ولعب میں لگانا۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسے تماشے دکھانا اور دیکھنا جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی البزازیۃ استماع صوت الملاھی کضرب قصب ونحوہ حرام لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام استماع الملاھی معصیۃ والجلوس علیھا فسق والتلذذ بھا کفر ای بالنعمۃ (رد المحتار ص ۲۲۲ ج ۵)

وقال ایضا: وکرہ کل لھو لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام کل لھو المسلم حرام الا ثلاثۃ ملاعبتہ اھلہ وتادیبہ لفرسہ ومناضلتہ بقوسہ

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وکرہ کل لہو) ای کل لعب وعبث فالثلاثۃ بمعنی واحد کما فی شرح التأویلات والاطلاق شامل لنفس الفعل واستماعہ کالرقص والسخریۃ والتصفیق وضرب الاوتار من الطنبور والبربط الخ (رد المحتار ص ۲۵۳ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ محرم سنہ ۹۵ھ

مروج کمیٹی کا حکم:

سوال: آج کل ہر علاقے میں یہ رواج ہے کہ چند افراد مل کر ایک کمیٹی بنا لیتے ہیں، ہر ماہ کمیٹی کا ہر رکن ایک متعین مقدار میں رقم جمع کرتا ہے، پھر جمع شدہ رقم پر قرعہ اندازی ہوتی ہے، ارکان کمیٹی میں سے جس کا نام قرعہ میں برآمد ہوا اس کو جمع شدہ کل رقم ادا کر دی جاتی ہے، ایسے ہر ماہ چکر چلتا ہے۔ باری باری ہر رکن کمیٹی کو اس اکٹھی رقم سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا رہتا ہے، اس کو امداد باہمی کی ایک شکل سمجھا جاتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا شرعاً یہ صورت جائز ہے؟

بندہ کو اس معاملے میں چند شبہات ہیں:

(۱) ہر رکن اس امید پر شریک ہوتا ہے کہ اس کی تھوڑی سی رقم ایک کثیر رقم کھینچ لائے گی، گویا ایک بڑی رقم بطور قرض حاصل کرنے کے لئے ایک چھوٹی رقم اپنی جیب سے نکالتا ہے، استقراض کی یہ شکل غلط ہے، کیونکہ کل قرض جر نفعا فہو ربوا فرمایا گیا ہے۔

(۲) موجودہ صورت میں قرعہ اندازی سے قرض حاصل کرنا قمار نہ سہی، قمار کے مشابہ ضرور ہے۔

(۳) کوئی ممبر قرض کی رقم حاصل کرنے کے بعد اگر اپنا ماہانہ چندہ بند کر دے تو تنازع پیدا ہوگا، ظاہر ہے کہ ایسے معاملات شرعاً غلط ہوتے ہیں۔

(۴) یہ ممکن ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے کہ جو واقعۃً ضرورت مند ہے، قرعہ میں نام نہ نکلنے کی وجہ سے عرصہ تک قرض حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے اور اپنی احتیاج کے باوجود ہر ماہ چندہ کی رقم ادا کر کے مزید مشکلات کا شکار ہوتا ہے، لہٰذا یہ امداد باہمی نہیں بلکہ ایک حاجتمند پر ظلم ہے۔

⑤ ہر رکن کمیٹی کو ہر ماہ چندہ دینا ہے جس کمیٹی کا خود بھی رکن ہو وہ جو رہے سو ہر فرد اپنے آپ کو قرض دینے والا ہوا یہ ایک مہمل امر ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کمیٹی کا مروجہ طریقہ بوجہ شبہہ ربٰو ناجائز ہے، البتہ جواز کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ شرائط ذیل کی مکمل پابندی کی جائے:

(۱) بنام کمیٹی جمع کردہ رقم سب شرکاء کی رضا سے یا قرعہ کسی ایک کو بطور قرض دی جائے یا بذریعہ قرعہ دی جائے مگر قرعہ کے نتائج کو لازم نہ قرار دیا جائے بلکہ سب شرکاء کی رضا سے صرف تسہیل انتخاب کا ایک ذریعہ سمجھا جائے۔

(۲) ہر شریک کو ہر وقت الگ ہونے کا اختیار رہے، کوئی جبر نہ ہو بلکہ ایک یا چند مرتبہ رقم کسی شریک کو دے دینے کے بعد بھی ہر شریک کو علیحدہ ہو جانے کا پورا اختیار ہو اور اسے دی ہوئی رقم واپس لینے کے مطالبہ کا پورا حق ہو، اس پر شرکاء میں سے کسی کو اعتراض نہ ہو۔

(۳) ایک ماہ کی مدت کو لازم نہ قرار دیا جائے، ہر شریک کو ہر وقت بطور قرض دی ہوئی اپنی رقم کی واپسی کے مطالبہ کا حق ہو۔

شرائط مذکورہ کے تحت معاملہ کیا جائے تو اس پر سوال میں مندرجہ اشکالات وارد نہ ہوں گے۔ تفصیل یہ ہے:

(۱) اس اشکال کے دو جواب ہیں:

(۱) یہاں جر نفع مستقرض سے نہیں غیر سے ہے۔

(۲) جب ہر شخص کو ہر وقت الگ ہونے کا اختیار ہوگا تو یہ نفع مشروط نہ ہوا۔

(۲) شرط اول کے تحت قمار یا نہ قمار سے مشابہت۔

(۳) یہ صورت تو ہر قرض میں ہوتی ہے کہ قرضخواہ کو مطالبہ کا حق ہوتا ہے، البتہ ایک ماہ کی تاجیل باطل ہے۔ وہ بھی بطلان شرط ثالث سے مرتفع ہو گیا۔

(۴) شرط ثانی کے تحت ہر شریک کو ہر مرحلہ پر اختیار ہوگا اور وہ جب چاہے گا اپنی دی ہوئی رقم واپس لے سکے گا تو یہ اشکال نہ رہا۔

⑤ قرض کمیٹی کو نہیں دیا جاتا بلکہ جس کے نام قرعہ نکلتا ہے اسے دیا جاتا ہے، کمیٹی کے منتظمین کا قبضہ بوکالۃ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۲ رجب ۹۵ھ

کھیلوں میں انہماک اور ان میں عزت سمجھنا:

سوال: کیا مسلمانوں کے لئے دنیا میں کافروں کے سامنے اپنی عزت قائم رکھنے کے لئے کھیلوں میں حصہ لینا، اس میں جیتنے کی کوشش کرنا اور دعائیں کرنا کروانا قرآن و حدیث سے ثابت ہے؟ اور کیا اس طرح واقعی عزت مل سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسلمانوں کی عزت و وقار اور دنیا و آخرت کی سرخروئی صرف اس میں ہے کہ وہ صحیح معنوں میں مسلمان بنیں اور اسلام کے تمام احکام پر عمل کریں، اور کفار پر اپنی دھاک بٹھانے اور ان کے سامنے اپنا سر اونچا رکھنے کے لئے جہاد کی تیاری کریں، ایسی ورزشیں کریں جن سے جسم مضبوط اور جہاد کے قابل بنے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم الآیۃ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے دور میں تربیت جہاد ہی کے ذریعہ کفار پر رعب ڈالا جاتا تھا، چنانچہ مسجد نبوی میں تیر اندازی کے مقابلے ہوتے تھے، اسی تربیت سے حضرت سعد رضی اللہ تعالی عنہ جیسے شہسوار مہارت حاصل کرکے جب کفار کے مقابلے میں میدان میں اترتے تو رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم فداک ابی وامی "ارم یا سعد فداک ابی وامی" کا نعرہ لگا کر ان کو تیر اندازی کے جوہر دکھانے پر ابھارتے تھے۔

اس تربیت کا نتیجہ تھا کہ بچے، جوان، بوڑھے سب جذبۂ جہاد سے سرشار تھے، بچے پنجوں کے بل کھڑے ہو کر اپنا قد لمبا ظاہر کرکے جہاد میں جانے کی اجازت کے لئے بے تاب رہتے تھے، جوان نئی دلہن کے حقوق ادا کرنے کے بعد جہاد کی آواز سن کر غسل کئے بغیر میدان کی طرف دوڑ جاتے اور جام شہادت نوش فرمالیتے تھے، پاؤں سے معذور میدان جہاد کی طرف جاتے ہوئے "اللھم لا تردنی الی اھلی" جیسی دعائیں

مانگا کرتے تھے۔ بوڑھے نوے سال کا بڑھاپا ہونے کے باوجود جہاد کے لیے نکلتے تھے اور بوقت انتقال اپنی جنازہ کو بھی میدان جہاد میں لے جاکر دفن کرنے کی وصیتیں کرتے تھے۔

ان قدسی صفات حضرات نے کبھی بھی کفار کے مقابلے میں کھیلوں کے مقابلے کرکے کفار پر رعب جمانے کا فلسفہ سوچا نہ اس میں اسلام کی سربلندی سمجھی۔

درحقیقت یہ اعدائے اسلام کی گھناؤنی سازش ہے کہ مسلمان نوجوانوں کو لہو ولعب اور کھیل تماشے میں مشغول رکھو، تاکہ وہ اپنے دین کے تمام احکام سے غافل بلکہ عاری ہوجائیں، ہمارے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کریں، مکمل طور پر ہمارے رنگ میں رنگے جائیں اور ہمارے خلاف علم جہاد بلند کرنے کا تصور بھی ان کے ذہن سے مٹ جائے۔

افسوس! آج کی مسلم حکومتیں اور مسلمان نوجوان اپنی حیثیت کو بھول کر ذلت کے کس قدر عمیق گڑھے میں گر گئے اور دشمنان اسلام کی سازشوں کے جال میں پھنس کر فکر آخرت سے کوسوں دور ہوگئے ہیں بلکہ منافع دنیویہ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے

"نسوا اللہ فانساھم انفسھم"

اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کو پس پشت ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے دین و آخرت کے نفع کا شعور ان سے چھین لیا۔

چنانچہ کھیلوں کے مقابلوں میں کئی خلاف شرع امور کے ارتکاب، نماز، روزہ جیسے اہم فرائض سے غفلت بلکہ تنفر کے علاوہ قوم کا کروڑوں، اربوں روپے کا سرمایہ کھیل کے میدان بنانے، تماشائیوں کے بیٹھنے کا انتظام کرنے، غیر مسلم کھلاڑیوں کی آؤ بھگت اور یہود و ہنود کے ساتھ تعلقات نبھانے جیسی لغویات اور غیرت ایمانیہ کے خلاف حیا سوز حرکات پر خرچ ہوتا ہے فالی اللہ المشتکی۔

بنا بریں کھیل کے مروجہ مقابلوں کا کوئی جواز نہیں، اس لئے ان کے لئے کسی بھی قسم کا تعاون یا دعا کرنا روا اور جائز نہیں، بلکہ ہر شخص پر بقدر استطاعت مسلمان نوجوانوں اور حکومتوں کو ایسی تباہ کن سازشوں سے بچانے کی سعی کرنا فرض ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ شوال سنہ ۹۵ھ

مختلف خبریں سننا سنانا:

سوال: اندرون ملک یا باہر کے جو حالات مختلف ذرائع سے موصول ہوتے ہیں ان کا سننا اور ایک دوسرے سے بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، اس میں درج ذیل مفاسد ہیں:

(۱) اکثر خبریں فضول اور لایعنی ہوتی ہیں، جن میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہوتا ہے، نہ دنیا کا۔ جو شخص لایعنی سے نہ بچے اللہ تعالیٰ کو اس کا اسلام پسند نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ"

(۲) اکثر باتیں غیر محقق ہوتی ہیں جن کا بیان کرنا اور پھیلانا جھوٹ میں داخل ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع"۔

(۳) کئی خبروں میں غیبت اور بہتان بھی ہوتی ہے، غیبت زنا سے بدتر ہے اور بہتان غیبت سے بھی بدتر۔

(۴) ان خبروں میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈا اور سازشیں ہوتی ہیں، حالات سے ناواقف سادہ لوح مسلمان غیر شعوری طور پر ان سے متاثر ہوتے ہیں اور دشمنان اسلام کے بیان کردہ خلاف واقع حقائق سے ان کے دلوں میں اسلام سے دوری اور نفرت پیدا ہوتی ہے۔

(۵) مختلف طبقات اور مختلف علاقوں کے درمیان عصبیت اور منافرت پیدا ہوتی ہے۔

(۶) عام طور پر جنگ کے فتنوں اور فسادات کی خبریں سن کر مسلمانوں میں خوف و ہراس اور بزدلی پھیلتی ہے، قرآن مجید میں ایسی خبروں کو پھیلانا منافقین کی عادات قبیحہ میں ذکر کیا ہے:

"واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبہم مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینک بہم ثم لا یجاورونک فیہا الا قلیلا" واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۵ ذی القعدہ سنہ ۹۵ھ

ہاتھ میں چین والی گھڑی باندھنا:

سوال: بعض مفتی حضرات فرماتے ہیں کہ ہاتھ میں چین والی گھڑی باندھنا جائز نہیں، اگر سخت ضرورت ہو تو جائز ہے مگر تقویٰ کے خلاف ہے۔ آپ کی تحقیق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

چین کے استعمال کی دو صورتیں ہیں:

① اس کا باندھنا بذات خود مقصود ہو جیسے زینت کے لئے لوگ باندھتے ہیں۔

② بذات خود مقصود نہ ہو کسی دوسری چیز کے باندھنے کے لئے استعمال کی جائے۔

صورت اولیٰ میں استعمال ناجائز اور ثانیہ میں بلا کراہت جائز ہے۔

خود گھڑی کی پشت جو کلائی کے ساتھ لگتی ہے وہ بھی تو کسی دھات ہی کی ہوتی ہے، مگر چونکہ وہ بھی خود مقصود نہیں اس لئے جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نائی سے حجامت بنوانا:

۳ ربیع الاول سنہ ۹۱ھ

سوال: نائی جو لوگوں کی داڑھی مونڈتا اور کاٹتا ہو اور خلاف شرع بال بناتا ہو اس سے حجامت بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر استرا، قینچی وغیرہ آلات حجامت کے بارے میں یقینی طور پر معلوم نہ ہو سکے کہ حلال مال سے خریدے گئے ہیں یا حرام سے یا حلال و حرام مخلوط سے تو غلبہ کا اعتبار ہے، اگر حلال غالب ہے تو ان آلات کا استعمال جائز ہے ورنہ نہیں۔

اگر غلبہ کا علم نہ ہو سکے تو جائز ہے، مگر احتراز بہتر ہے۔

بیٹھنے کی کرسی وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

دکان کی قیمت خرید یا کرایہ میں حلال غالب ہو تو اس دکان میں داخل ہونا جائز ہے، ورنہ نہیں۔

مذکورہ تمام صورتوں میں حلال و حرام مخلوط ہونے کا یقین ہو جائے تو غلبہ کا اعتبار نہیں، حلال غالب ہو تو بھی ناجائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(تفصیل رسالہ "حلال و حرام سے مخلوط مال کا حکم" میں ہے)

۱۲ محرم سنہ ۱۴۰۰ھ

سفارش کا حکم:

سوال: کسی سے سوال کرنا حرام ہے، اگر کسی صاحب منصب سے کسی مسکین مسلمان کو نوکری دلوانے کی سفارش کی جائے تو کیا یہ بھی ممنوع سوال میں داخل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر صاحب منصب پر آپ کی وجاہت کا اثر ایسا غالب ہو کہ جس کی وجہ سے وہ آپ کی سفارش کو رد نہ کرسکتا ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ وہ خلاف شرع یا خلاف قانون امر کا ارتکاب کر کے بھی آپ کی سفارش ضرور قبول کرے گا تو سفارش کرنا جائز نہیں۔ اور اگر اس کے ساتھ ایسی دوستی اور بے تکلفی ہو کہ اگر سفارش قبول کرنا خلاف شرع یا خلاف قانون ہو یا کسی مصلحت کے خلاف ہو تو وہ بلا تکلف انکار کرسکتا ہو اور اس کے انکار سے آپ کو بھی کوئی ناگواری نہ ہو تو سفارش کرنا جائز بلکہ باعث اجر ہے۔

عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اشفعوا فلتوجروا ویقضی اللہ علی لسان رسولہ ما شاء متفق علیہ (مشکوۃ ص۴۲۳) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۲ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۰ھ

غیر زوج کا نطفہ رحم میں ڈالنا:

سوال: آج کل ایک قسم کا آلہ ایجاد ہوا ہے جس کے ذریعہ عورت کے رحم میں دوسرے اجنبی مردوں کی منی داخل کی جاتی ہے، جس سے عورت عموماً حاملہ ہوجاتی ہے اور بچہ پیدا ہوجاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ بچہ حرامی ہے یا نہیں؟ نیز اس طرح کے فعل کو زنا کہا جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ فعل حرام ہے لاستعمال جزء غیر الزوج، مگر زنا نہیں لعدم صدق تعریفہ علیہ۔ بچہ ثابت النسب ہوگا لان الولد للفراش۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۰ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا حکم:

سوال: توالد وتناسل کے طریق جدید "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" کا شرعاً کیا

حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کی شرمگاہ یا رحم میں کوئی ایسا مرض ہو جو جسمانی تکلیف واذیت کا باعث ہو تو اس کا علاج طبیبہ سے کروانا فرض ہے، مرد طبیب سے جائز نہیں۔ البتہ اگر مرض مہلک یا ناقابل برداشت ہو اور طبیبہ میسر نہ ہو تو مرد طبیب سے علاج کروانا جائز ہے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے طریق کار میں کسی ایسے مرض کا علاج نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے کسی جسمانی تکلیف میں ابتلاء ہو، یہ دفع مضرت نہیں بلکہ جلب منفعت ہے، اس لئے یہ عمل لیڈی ڈاکٹر سے بھی کروانا جائز نہیں، مرد ڈاکٹر سے کروانا شدید بے دینی کے علاوہ ایسی بے غیرتی اور بے شرمی بھی ہے جس کے تصور سے بھی انسانیت کوسوں دور بھاگتی ہے، اللہ تعالیٰ کو ناراض کرکے جو اولاد حاصل کی گئی وہ وبال ہی بنے گی۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وقال فی الجوهرة: اذا کان المرض فی سائر بدنها غیر الفرج یجوز النظر الیه عند الدواء لانه موضع ضرورة وان کان فی موضع الفرج فینبغی ان یعلم امرأة تداویها فان لم توجد وخافوا علیها ان تهلک او یصیبها وجع لا تحتمله یستروا منها کل شیء الا موضع العلة ثم یداویها الرجل ویغض بصره ما استطاع الا عن موضع الجرح اهـ فتأمل والظاهر ان ینبغی هنا للوجوب (رد المحتار ص ۲۳۷ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ صفر ۱۴۰۱ھ

نابالغ بچوں سے خدمت لینا:

سوال: دیہات کی مساجد میں جو طلبہ رہتے ہیں ان میں نابالغ لڑکے بھی ہوتے ہیں جن کے ذمہ تمام کام ہوتے ہیں یہاں تک کہ ان نابالغ بچوں پر کبھی ظلم وزیادتی بھی ہوجاتی ہے، ان حالات میں نابالغ سے بلا اجرت کام لیا جاسکتا ہے؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

والدین واولیاء کی طرف سے ولاءً کام لینے کی اجازت ہوتی ہے اس لئے کام لینا جائز ہے، بلکہ ان کی تربیت کے لئے کسی قدر کام لینا ضروری ہے۔ البتہ دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

(۱) تعلیم میں زیادہ حرج واقع نہ ہو۔

(۲) استطاعت وطاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ ربیع الاول ۹۲ھ

خلافِ قانون کسی ملک میں ٹھہرنا:

سوال: بعض لوگ حکومت سے عمرہ کی اجازت لے کر مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور عمرہ سے فارغ ہوکر واپس نہیں آتے، عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد سعودی حکومت کسی کو مستقل طور پر رہنے کی اجازت نہیں دیتی، اور حکومت پاکستان نے بھی اجازت اس لئے دی کہ وہ عمرہ کے لئے جارہا ہے، اگر حکومت پاکستان کو یہ پتہ چل جائے کہ کوئی شخص وہاں جاکر عمرہ کے بعد مستقل رہائش کے لئے بندوبست کرلے گا تو وہ اسے ہرگز اجازت نہ دے، بہرحال بعض لوگ اس طرح غیر قانونی طور پر جاکر وہاں چوری چھپے رہ جاتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ یہ لوگ شرعی اور قانونی اعتبار سے مجرم ہیں یا نہیں؟

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ حکومتوں کے قوانین سفر خلاف شریعت ہیں، شریعت میں کسی جگہ کے سفر کرنے کی ممانعت نہیں خصوصاً بلد حرام کا سفر تو موجب قرب الٰہی ہے، اس لئے اگر وہ عمرہ کا پاسپورٹ، ویزا لے کر جانے کے بعد وہیں قیام کرلیتے ہیں تو شرعاً مجرم نہیں ہیں۔

بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ملکی اور شہری نظام کو برقرار رکھنے کے لئے قوانین سفر، خصوصاً اجازت کے بغیر ایک ملکی کا دوسرے ملک میں نہ جانے کے قوانین خلاف شریعت نہیں۔

دوسرے یہ کہ اگرچہ قانون شرعی نہیں لیکن عمرہ کرنے والے نے پاکستانی حکومت اور سعودی حکومت کے ساتھ ویزا حاصل کرنے کے وقت گویا معاہدہ کیا ہے کہ وہ عمرہ کرکے واپس آئے گا وہیں پر قیام نہیں کرے گا۔

لہٰذا عمرہ کے بعد وہاں چوری چھپے رہ کر اس نے قانون کی خلاف ورزی کے ساتھ وعدہ اور معاہدہ کی بھی خلاف ورزی کی ہے اس لئے شرعاً وقانوناً مجرم ہے۔ صحیح کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ صورت شرعاً وقانوناً ہر طرح ناجائز ہے۔

قانوناً تو ظاہر ہے کہ پاسپورٹ اور ویزا میں جو تاریخ مقرر ہے اس تاریخ سے زائد ٹھہرنا جرم اور قانون شکنی ہے۔

شرعاً ناجائز ہونے کی کئی وجوہ ہیں:

(۱) پاسپورٹ اور ویزہ حاصل کرنا ایک معاہدہ ہے اور عہد شکنی کو شریعت نے جرم عظیم قرار دیا ہے۔

(۲) مباحات میں حکومت کی اطاعت واجب ہے۔

(۳) جان وعزت کو خطرہ میں ڈالنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۵ ربیع الاول سنہ ۹۶ھ

ویزا کی مدت سے زیادہ قیام جائز نہیں:

سوال: میں مع اہل وعیال مکۃ المکرمہ میں اقامت کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ حکومت پاکستان کی طرف سے صرف دو ہفتہ کا ویزا مل سکتا ہے کیونکہ عمرہ کے لئے جانے والوں کو دو ہفتے سے زائد عرصہ کا ویزا نہیں مل سکتا، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ دو ہفتہ کا ویزا ختم ہو جانے کے بعد مکۃ المکرمہ میں چوری چھپے رہنا پڑے گا، کبھی گرفت میں آگیا تو فوراً واپس ہو جانے کا خطرہ ہے اور اگر کوئی کام سعودی حکومت کی طرف سے مل گیا تو اطمینان سے قیام کی صورت بھی نکل آئے گی، اس صورت حال میں میرے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امور مباحہ میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی سخت گناہ ہے۔ علاوہ ازیں نفس یا عزت کو خطرہ میں ڈالنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۷ ربیع الثانی سنہ ۹۹ھ

بجلی کے میٹر سے کنکشن دینا:

سوال: بعض لوگ چوری چھپے اپنے ہمسائے سے کچھ پیسے لے کر کنکشن دیتے ہیں حکومت اس کی اجازت نہیں دیتی، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں جبکہ حکومت سے بجلی خریدنے کی وجہ سے ملک بن جاتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ بیع نہیں بلکہ بجلی پہنچانے کا اجارہ ہے اور میٹر بھی اجارہ پر ہے، اور مستاجر پر دوسرے کو نہ دینے کی پابندی میں اگر کوئی فائدہ ہو تو ایسی پابندی لگانا جائز ہے، بظاہر حکومت کی نظر میں اس پابندی میں یقیناً کوئی فائدہ ملحوظ ہوگا، لہذا دوسرے کو دینا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۵ شعبان ۱۴۰۰ھ

اپنی زمین سے عام راستہ بند کرنا:

سوال: زید کی زمین کے قریب بکر کی زمین ہے جس میں ایک عام راستہ تھا جس پر عام لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی، بکر نے اپنی اس زمین کے چاروں طرف دیوار لگا کر اس عام راستہ کو بند کر دیا، مجبوراً لوگوں نے متصل زید کی زمین میں راستہ بنا لیا، زید نے بھی اس سے چشم پوشی کی، اب چند سال کے بعد زید نے اپنی اسی زمین میں نیا گھر بنا لیا، جس کی وجہ سے اب اپنی زمین سے اس راستہ کو بند کرنا چاہتا ہے کیونکہ اس راستے کی وجہ سے اس کو بہت نقصان ہوتا ہے، فصل کی خرابی کے علاوہ بے پردگی کا راستہ بھی کھل جاتا ہے، دیگر ان عام لوگوں کو اپنے کاروبار کے سرانجام دینے کے لئے اور راستہ بھی ہے مگر وہ کافی دور پڑتا ہے، اب شرعی فیصلہ کیا ہے؟ وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

زید کو اپنی ملکیت سے راستہ بند کرنے کا حق ہے اگرچہ اس کو کوئی نقصان نہ ہو، اور جب اس کو بے پردگی اور فصل کی خرابی جیسے نقصانات درپیش ہیں تو اس فتنے کا سد باب اس پر فرض ہے، عوام کو چاہئے کہ وہ دوسرا راستہ اختیار کریں، شرکاء بھی بوقت ضرورت اپنے شریک کے حصہ میں تصرف نہیں کر سکتے تو بالکل اجنبی لوگ بطریق اولی

تصرف نہیں کرسکتے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: کل من شریکی ملک اجنبی فی الامتناع عن تصرف مضر فی مال صاحبہ لعدم تضمنہا الوکالۃ (رد المحتار ص ۳۰۳ ج ۳)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۰ ربیع الثانی سنہ ۹۱ھ

خنزیر کے بالوں کے برش کا حکم:

سوال: آج کل دروازوں، کھڑکیوں اور دیواروں پر روغن کرنے کے لئے خنزیر کے بالوں کا برش استعمال ہوتا ہے، ایسے برش سے رنگی ہوئی لکڑی اور دیوار پاک ہے یا نہیں؟ اگر ناپاک ہے تو خشک ہونے کے بعد اس کے ساتھ گیلا کپڑا یا گیلا ہاتھ لگ جائے تو کیا وہ بھی ناپاک ہو جائے گا؟ نیز ایسے دروازوں، کھڑکیوں اور دیواروں کو پاک کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ مسجدوں میں رنگ کرنے کے لئے بھی یہی برش استعمال ہوتا ہے، تو کیا مسجد کے لئے ایسی نجس چیز کے استعمال کرنے کی شرعاً اجازت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مفتی بہ اور ظاہر مذہب پر خنزیر کے بال ناپاک ہیں، جس چیز میں ڈالے جائیں گے وہ بھی ناپاک ہو جائے گی، مگر امام محمد رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک خنزیر کے بال پاک ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: (وشعر المیتۃ) غیر الخنزیر علی المذهب (الی قولہ) طاهر۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ علی المذهب) ای علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی الذی هو ظاهر الروایۃ ان شعرہ نجس وصححہ فی البدائع ورجحہ فی الاختیار فلو صلی ومعہ منہ اکثر من قدر الدرهم لا تجوز ولو وقع فی ماء قلیل نجسہ وعند محمد رحمہ اللہ تعالی لا ینجسہ افادہ فی البحر وذکر فی الدرر انہ عند محمد رحمہ اللہ تعالی طاهر لضرورۃ استعمالہ للخرازین قال العلامۃ المقدسی وفی زماننا استغنوا عنہ ای فلا یجوز استعمالہ لزوال الضرورۃ الباعثۃ للحکم بالطهارۃ نوح آفندی (رد المحتار ص ۲۳۲ ج ۱)

وقال الرافعی رحمه الله تعالیٰ: (قوله ای فلا یجوز استعماله لزوال الضرورة الخ) سیأتی له عن ط عند ما قاله فی الانجاس فی بیان ثمرة الاختلاف فی خرء الحمام والعصفور هل هو طاهر او معفو عنه من انها تظهر فیما لو وجدها فی ثوب وعنده ما هو خال عنه لا تجوز الصلوة علی العفو لانتفاء الضرورة وتجوز علی الطهارة قال ط فیه نظر اذ مقتضاه عدم جواز التطهر بهذا الماء حیث وجد غیره اه فمقتضی ما قاله ط انه بزوال الضرورة الداعیة للطهارة لا تعود النجاسة وهو الظاهر اذ الضرورة هی علة لقول الشارع بالطهارة علی ما قال محمد رحمه الله تعالیٰ ویعد قوله علینا اتباعه حتی یوجد منه ما یدل علی النجاسة ولذلك قال محمد رحمه الله تعالیٰ بعدم فساد الماء وبصحة صلوة الحامل مع عدم وجود الضرورة حقیقة (التحریر المختار ص۲۵ ج ۱)

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شعر خنزیر بہرحال پاک ہیں ان کے استعمال کی ضرورت ہو یا نہ ہو، چونکہ مفتی بہ قول نجاست کا ہے اس لئے ان کے استعمال سے حتی الامکان احتراز واجب ہے، صرف مواقع ضرورت میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لکڑی کو روغن کرنا ضرورت میں داخل ہے، اس لئے کہ روغن کے بغیر لکڑی بہت جلد خراب ہو جاتی ہے اور خنزیر کے بالوں کے سوا کوئی اور برش استعمال کیا جائے تو برش بہت جلد ٹوٹ جاتا ہے اور کام کرنے میں محنت اور مشقت دوچند ہوتی ہے، نیز بال ٹوٹ کر لکڑی پر رہ جانے کی وجہ سے صفائی نہیں آتی، صفائی اور زینت اگرچہ ضرورت میں داخل نہیں مگر پہلی دو چیزیں یعنی برش کا بہت جلد ٹوٹنا اور محنت دوچند ہونا بلاشبہ ضرورت میں داخل ہیں، جوتے کی سلائی کو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ضرورت قرار دیا ہے حالانکہ اس زمانے میں بھی جوتے کی سلائی کے دوسرے ذرائع بھی یقیناً موجود تھے، مگر ان میں مشقت اور خنزیر کے بال سے سلائی میں سہولت تھی، اس سہولت کو ضرورت قرار دے کر شعر خنزیر کے استعمال کو جائز قرار دیا گیا ہے، اس لئے دروازوں اور کھڑکیوں اور لوہے کے جنگلوں وغیرہ کی رنگائی میں طہارت کے قول کی گنجائش ہے۔

البتہ دیواروں پر رنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر کسی حد تک اس کی ضرورت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ سفیدی کرنے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے، لہذا یہاں امام محمد رحمہ اللہ تعالی کا قول اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس قسم کی دیوار کو اگر دھو لیا جائے تو اوپر سے پاک ہو جائے گی، مگر اس کا اندر ناپاک رہے گا، دھونے سے فائدہ یہ ہوگا کہ اس پر گیلا ہاتھ یا گیلا کپڑا لگنے سے ناپاک نہ ہوگا۔

مساجد کی دیواروں کو روغن کرنے میں خنزیر کے بالوں کا برش استعمال کرنے سے احتراز لازم ہے، اگر ایسی دیوار کو دھو کر اوپر سے پاک بھی کر دیا گیا تو بھی اس کی اندرونی نجاست احترام مسجد کے خلاف ہے، لہذا اگر مسجد میں ایسے برش سے رنگ کر دیا گیا ہو تو اسے کھرچ کر اتار دینا چاہیے۔

قال ابن الھمام رحمہ اللہ تعالی: وقد قیل ایضا ان الضرورۃ لیست ثابتۃ فی الخرز بہ بل یمکن ان یقام بغیرہ وقد کان ابن سیرین لا یلبس خفا خرز بشعر الخنزیر فعلی ھذا لا یجوز بیعہ ولا الانتفاع بہ وروی ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی کراھۃ الانتفاع بہ لان ذلک العمل یتأتی بدونہ کما ذکرنا الا ان یقال ذلک فرد تحمل مشقۃ فی خاصۃ نفسہ فلا یجوز ان یلزم العموم حرجا مثلہ (فتح القدیر ص۲۰۲ ج ۵)

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: وحاصلہ ان تأتی الخرز بغیرہ من شخص حمل نفسہ مشقۃ فی ذلک لا تزول بہ ضرورۃ الاحتیاج الیہ من عامۃ الناس (رد المحتار ص۲۱۱ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۸ جمادی الاخرۃ ۹۶ھ

امتحان میں نقل کرنا:

سوال: آج کل امتحان میں طلبہ امتحان گاہ میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں اور بتاتے ہیں یا نقل کرتے کراتے ہیں یا اپنے پاس کاغذات چھپا کر امتحان گاہ کے اندر لے جاتے ہیں، یہاں تک کہ کتابیں بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں حالانکہ ان سب امور کی حکومت کی طرف سے بھی ممانعت ہے، یہ چیزیں شریعت کی رو سے جائز ہیں یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امتحان میں ایک دوسرے سے پوچھنا یا لکھے ہوئے کاغذ یا کتاب چھپاکر ساتھ لے جانا اور اس سے دیکھ کر سوالات کا جواب لکھنا وجوہ ذیل کی بناء پر شرعاً ناجائز اور حرام ہے:

(۱) اس میں قانون کی خلاف ورزی ہے جو ناجائز ہے۔

(۲) ممتحن کو دھوکہ دیا جاتا ہے، اس لئے کہ ممتحن تو یہی سمجھے گا کہ یہ جواب طالب علم نے خود اپنی یادداشت سے لکھا ہے۔

(۳) یہ ظاہر کرنا کہ یہ جواب لکھنے والے نے خود اپنی قابلیت سے لکھا ہے، جھوٹ ہے۔

(۴) اس قسم کے امتحان سے نالائق شخص اپنی لیاقت ظاہر کرکے مختلف محکموں میں ایسے کام پر لگے گا جس کی اس میں صلاحیت نہیں، جس میں ملک وملت کا سخت نقصان ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۵ رشعبان سنہ ۹۶ھ

گناہ میں والدین کی اطاعت جائز نہیں:

سوال: میرے والد صاحب بعض منکرات سے روک نہیں رہے مجھے نہیں روکتے لیکن بعض منکرات سے روک رہے مجھے روکتے ہیں اور مجھ سے ناراض بھی ہوتے ہیں، مثلاً الیکشن کے زمانے میں مجھے اظہار حق کی حمایت سے روکتے ہیں تو کیا مجھے صورت ثانیہ میں خاموش رہنا چاہیئے یا حق کا اظہار کرنا چاہیئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حق بات کی حمایت کرنا ضروری ہے، اگر اس سے والدین روکیں تو اس میں والدین کی اطاعت جائز نہیں، البتہ ان سے جھگڑا نہ کریں۔

قال علیہ الصلوۃ والسلام، لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۷ رشعبان سنہ ۹۶ھ

ڈاکٹری پڑھنا:

سوال: میڈیکل کی تعلیم جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مردوں کی چیر پھاڑ، انسانی ڈھانچے کی بے حرمتی ہے اس لئے جائز نہیں، اگر جانوروں کے یا پلاسٹک کے ڈھانچے استعمال کئے جائیں تو ڈاکٹری پڑھنا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ر شعبان سنہ ۹۶ھ

امرد اغیار کو سفر میں ساتھ لے جانا:

سوال: دورِ حاضر میں جب کہ مرض لواطت کی کثرت ہے، امرد اغیار کے ساتھ سفر کرنا خصوصاً امورِ غیر ضروریہ میں خواہ امورِ دنیویہ ہوں یا دینیہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بمقتضائے اتقوا مواضع التہمۃ امارد اغیار کو سفر میں ساتھ رکھنے سے احتراز لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۹ر رمضان سنہ ۹۶ھ

انجکشن لگا کر دودھ نکالنا:

سوال: مواشی رکھنے والوں نے بھینس کا دودھ نکالنے کی ایک تدبیر نکالی ہے کہ جو بھینس دودھ نہ دے اور دو چار گھنٹے اس کے نیچے بیٹھے رہیں لیکن وہ لات مارتی ہے اب آسان طریقہ یہ نکالا ہے کہ میڈیکل اسٹور سے ایک دوا کی چھوٹی شیشی خرید کر سرنج میں بھر کر بھینس کو لگاتے ہیں جس سے بھینس پتا پورا دودھ تھنوں میں اتار لیتی ہے جس سے آسانی سے اس کا دودھ نکالا جاتا ہے، کیا یہ صورت شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ طریقہ بلاشبہ جائز ہے، اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو انسان کے نفع کے لئے پیدا فرمایا ہے، اس لئے ان سے انتفاع میں ان کو کچھ تکلیف بھی ہو تو کچھ حرج نہیں،

اس لئے گوشت کی بہتری کی غرض سے حیوان کا خصی کرنا بالاتفاق جائز ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی دنبوں کی قربانی کی ہے، خصی کرنے کی تکلیف انجکشن لگانے سے بھی بہت زیادہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۸ شوال سنہ ۹۶ھ

زیارت قبور کے لئے سفر کرنا

سوال: بزرگوں کی زیارت کے لئے مستقل سفر کرکے جانا مثلاً کراچی سے لاہور داتا گنج بخش، ٹھٹھہ اور سیہون شریف جانا حصول مراد کے لئے قرآن وحدیث کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غیر اللہ سے مانگنا بہر حال شرک ہے خواہ اولیاء اللہ کے مزار پر جاکر مانگیں یا بیٹھے مقام پر رہ کر مانگیں، البتہ اگر مراد مانگنا مقصود نہیں تو صرف زیارت کے لئے جانا بشرائط ذیل جائز ہے:

(۱) وہاں کسی قسم کی بدعات ومنکرات نہ ہوں۔
(۲) دیکھنے والوں کو جانے والے کے مشرک یا مبتدع ہونے کا گمان نہ ہو۔
(۳) علماء محققین وموحدین صاحب مزار کی ولایت کے قائل ہوں۔

اس دور فساد میں شرائط مذکورہ کا وجود محال ہے اس لئے احتراز لازم ہے۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ ذی القعدہ سنہ ۹۶ھ

حکم قرعہ اندازی:

سوال: قرعہ اندازی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حقوق میں قرعہ اندازی جائز نہیں، تبرع محض میں جائز ہے، مثلاً آپ کسی کو انعام دینا چاہیں اور بذریعہ قرعہ کسی کو ترجیح دیں یا تقسیم میں مساوی حصے کرکے محض انتخاب کی غرض سے قرعہ ڈالیں تو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی القعدہ سنہ ۹۶ھ

رمضان میں ہوٹل کھلا رکھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی مسلمان منع کرنے کے باوجود رمضان میں ہوٹل کھولتا ہے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔ ایسے شخص کی کسی تقریب میں شریک ہونا یا رمضان وغیرہ رمضان میں دعوت قبول کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر کوئی شخص رمضان میں افطار کی تیاری کے لئے افطار سے قبل یا رات کو ہوٹل کھولے تو کوئی حرج نہیں، اور اگر دن کے وقت ہوٹل کھول کر لوگوں کو کھلاتا پلاتا ہے تو ایسا شخص فاسق مجاہر اور سزا کا مستحق ہے۔

حکومت پر فرض ہے کہ ایسے شخص کو کھلے میدان میں عبرتناک سزا دے۔

عامۃ المسلمین ایسے شخص سے زجراً تعلقات ختم کردیں، اس کی تقریبات میں شامل نہ ہوں، یہ بغض فی اللہ کا مقتضیٰ ہی ہے۔

ہاں جب وہ اپنے اس فعل شنیع سے توبہ کرلے اور آئندہ احتیاط کا وعدہ کرے تو تعلقات بحال کرلئے جائیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ رمضان ۹۶ھ

اثبات زنا کے لئے ڈاکٹری معاینہ:

سوال: جب کوئی عورت کسی مرد پر جبراً اس کے ساتھ زنا کرنے کا الزام لگاتی ہے تو عدالت دونوں کو معاینہ کے لئے ڈاکٹر کے پاس بھیجتی ہے، اس معاینہ میں ڈاکٹر کو مرد وعورت کی ایک ایک چیز خصوصاً شرمگاہ کو اچھی طرح دیکھنا پڑتا ہے۔ کیا شریعت میں یہ معاینہ معتبر ہے اور اس کی اجازت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اثبات زنا کا یہ طریقہ شرعاً معتبر نہیں، لہذا اس طرح شرمگاہ کا معاینہ کرانا حرام ہے۔

ڈاکٹر کے لئے شرمگاہ دیکھنے کی گنجائش صرف اس صورت میں ہے کہ موت یا تکلیف مالایطاق میں مبتلا ہونے کا شدید خطرہ ہو۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وقال فی الجوھرۃ اذا کان

المرأة فی ما وراء ما عدا الفرج یجوز النظر الیہ عند الدواء لانہ موضع ضرورۃ وان کان فی موضع الفرج فینبغی ان یعلم امرأۃ تداویہا فان لم توجد وخافوا علیہا ان تہلک او یصیبہا وجع لا تحتملہ یستروا منہا کل شیء الا موضع العلۃ ثم یداویہا الرجل ویغض بصرہ ما استطاع الا عن موضع الجرح اھ فتأمل. والظاہر ان ینبغی ہنا للوجوب.
(رد المحتار ص۲۳۶ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۶ رجب سنہ ۹۴ھ

ناجائز ملازمت چھوڑنا :

سوال : زید جہاز میں چیف سٹیورڈ ہیں۔ ان کے فرائض میں سے ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ جہاز کے عملہ اور مسافروں کے لئے شراب خریدے اور بوقت طلب ان کو مہیا کرنے کا انتظام کرے، زید نے متعدد مرتبہ کمپنی کو اس کے فرائض سے خارج کرنے کا مطالبہ کیا ہے، مگر انتظامیہ اور کپتان نے عدم ادائیگی فرض (چارج شیٹ) کی دھمکی دیتے ہیں، جو کوشش کرنے سے پاکستانی جہاز پر ملازمت مل سکتی ہے مگر تنخواہ کا بہت فرق ہے۔ یہاں معاوضہ پانچ ہزار ہے اور پاکستانی جہاز پر سولہ سو ہوگی۔ ایسی صورت میں یہ ملازمت زید کے لئے جائز ہے یا ترک کردے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس ملازمت کو چھوڑنا فرض ہے، بالخصوص جبکہ پاکستانی جہاز پر ملازمت بھی مل سکتی ہے، حلال کی قلیل آمدن میں حرام کی کثیر آمدن سے کہیں زیادہ برکت ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرۂ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۵ھ

طلبہ کو سزا دینا :

سوال : بالغ یا نابالغ بچوں کو پڑھائی میں کوتاہی یا کسی غلطی پر سزا دی جا سکتی ہے یا نہیں، نیز سزا کے لئے شرعی کوئی حد مقرر ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بوقت ضرورت بقدر ضرورت طلبہ کو سزا دینا جائز ہے، سزا کی کوئی حد مقرر نہیں۔

عادات وقوی کے اختلاف سے حکم مختلف ہوگا، البتہ اصولی طور پر چند امور کی پابندی ضروری ہے:

① چہرہ پر نہ مارا جائے۔
② اتنا نہ مارا جائے کہ زخمی ہو جائے۔
③ تحمل سے زائد نہ ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ ربیع صفر سنہ ۹۶ھ

بھینس کے بچے کو ذبح کرنا ظلم ہے:

سوال: ہمارے شہر میں یہ رواج ہے کہ بھینس کے اگر بچہ مذکر پیدا ہو تو اسے فوراً بھینس کو دکھائے بغیر ذبح کر دیتے ہیں، اور اگر مؤنث ہو تو اسے زندہ رکھ لیتے ہیں، تو کیا مذکر بچہ کو فوراً ذبح کرنا شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ اس کی ماں پر کھلا ظلم ہے، لہٰذا ذبح کرنے والا گنہگار ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۷ رجب سنہ ۹۶ھ

مکان کی بنیاد کسی بزرگ سے رکھوانا:

سوال: مکان کی بنیاد کسی بزرگ سے رکھوانا اور رکھوانے کے بعد دعا کرنا کرانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آج کل یہ کام بھی ایک رسم بن گیا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ عموماً صاحب خانہ کے عادات و اعمال سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کو دین سے کوئی تعلق نہیں، کسی بزرگ سے بنیاد رکھوا کر پھر اسی مکان میں تصاویر، گانا بجانا اور دوسرے علانیہ معاصی کا ارتکاب کیا جاتا ہے، جو کسی کے قلب میں واقعۃً فکر آخرت ہو اور مکان میں برکت کے لئے خود اپنے اعمال کی بھی اصلاح ضروری سمجھتا ہو پھر بلا تکلف کبھی کسی بزرگ سے بنیاد رکھوانے کا موقع مل گیا، کھانے پینے کے تکلفات اور دوسری خرافات سے بچ کر بنیاد رکھوائی تو کچھ حرج نہیں، بلکہ مستحسن ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۷ صفر سنہ ۹۶ھ

مکان کی بنیاد میں بکرے کا خون ڈالنا:

سوال: آج کل جب کوئی شخص مکان تعمیر کرتا ہے تو اس کی بنیادوں میں بکرا ذبح کرکے اس کا خون ڈالتا ہے، اور گوشت اپنے احباب اور فقراء میں تقسیم کرتا ہے کیا شرعی لحاظ سے اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، یہ ہندوؤں اور بت پرستوں کا عقیدہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۰ ربیع الاول ۹۹ھ

ٹڈی کو گرم پانی میں ڈالنا:

سوال: اگر ٹڈی کو مارنے کے لئے گرم پانی میں ڈالا جائے تو کیا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ ویسے مشکل سے مرتی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

زندہ جانور کو گرم پانی میں ڈالنا گناہ ہے، پھر اگر پانی تیز گرم ہے اور ٹڈی کو اس میں اتنی دیر رکھا گیا کہ اس کے فضلہ کی نجاست گوشت میں سرایت کر گئی تو یہ ٹڈی حرام ہوگئی اب اس کے پاک کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالی: وکذا دجاجة ملقاة حالة غلی الماء للنتف قبل شقها فتح۔

قال ابن عابدین رحمه الله تعالی: قال فی الفتح انها لا تطهر ابدا لکن علی قول ابی یوسف رحمه الله تعالی تطهر والعلة والله اعلم تشربها النجاسة بواسطة الغلیان وعلیه اشتهر ان اللحم السمیط بمصر نجس لکن العلة المذکورة لا تثبت ما لم یمکث اللحم بعد الغلیان زمانا یقع فی مثله التشرب والدخول فی باطن اللحم الخ (رد المحتار ص۲۲۳ ج۱) والله سبحانه وتعالی اعلم۔

۲۲ صفر ۹۹ھ

ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں ڈالنا:

سوال: ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ ایک صاحب مکروہ بتلاتے ہیں، کیا ان کا کہنا صحیح ہے؟ اگر واقعی مکروہ ہے تو مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ اور مسجد، مجلس، اپنے گھر کے اندر اور تنہائی میں سب کا ایک ہی حکم ہے۔ کچھ فرق ہے؟ بالحوالہ تحریر فرما کر تشفی فرمائیں۔
بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

نماز کی حالت میں اور ان حالات میں جو نماز کے حکم میں ہیں مثلاً نماز کی طرف جاتے ہوئے یا نماز کے انتظار میں بیٹھنے کی حالت میں مکروہ تحریمی ہے اور عام حالات میں بلا حاجت مکروہ تنزیہی ہے، انگلیاں چٹخانے کا بھی یہی حکم ہے۔

قال الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: وکره فرقعة الاصابع وتشبیکها ولو منتظرا للصلاة او ماشیا الیها للنهی ولا یکره خارجها لحاجة۔

قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: المراد بخارجها ما لیس من توابعها لان السعی الیها والجلوس فی المسجد لاجلها فی حکمها کما مر لحدیث الصحیحین لا یزال احدکم فی صلوٰة ما دامت الصلاة تحبسه واراد بالحاجة نحو اراحة الاصابع فلو بدون حاجة بل علی سبیل العبث کرہ تنزیها والکراهة فی الفرقعة خارجها منصوص علیها واما التشبیك فقال فی الحلیة لم اقف لمشایخنا فیه علی شیء والظاهر انه لو لغیر عبث بل لغرض صحیح ولو لاراحة الاصابع لا یکره فقد صح عنه صلی الله علیه وسلم انه قال المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضا وشبك اصابعه فانه لافادة تمثیل المعنی وهو التعاضد والتناصر بهذه الصورة الحسیة۔ (رد المحتار ص۴۳۲ ج۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۲ ربیع الثانی

کوکھ پر ہاتھ رکھنا:

سوال: کوکھ پر ہاتھ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز میں مکروہ تحریمی ہے اور عام حالات میں مکروہ تنزیہی۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی فی مکروھات الصلوۃ: التخصر وضع الید علی الخاصرۃ للنھی ویکرہ خارجھا تنزیھا۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: قال فی البحر والذی یقتضیہ کراھۃ تحریمیۃ فی الصلوۃ للنھی المذکور ولانہ فی ترکہ سنۃ الوضع کما فی الھدایۃ لکن العلۃ الثانیۃ لا تقتضی کراھۃ التحریم ثم تقتضی کراھۃ وضع الید علی عضو آخر غیر الخاصرۃ (رد المحتار ص ۶۴۲ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۴ ربیع الثانی ۹۰ھ

حکومت کا کسی کی ذاتی ملکیت میں تصرف کرنا:

سوال: کیا کوئی مسلم حکومت بغیر معاوضہ ادا کئے کسی بھی مسلمان شخص کی ملکیت جائیداد غیر منقولہ خصوصاً زرعی اراضی بینک وغیرہ کو اس کی ملکیت سے ہمیشہ کے لئے محروم کرنے کی مجاز ہے؟ خواہ اس جائیداد کو تحویل میں لینے کا مقصد کچھ بھی ہو، میں شرعی عدالت میں مقدمہ کرنا چاہتا ہوں کہ گذشتہ حکومتوں نے لوگوں کی ملکیت قطعی بغیر کسی معاوضہ کے حاصل کرلی، کیا یہ شریعت اسلامیہ میں جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی کے لئے ملک غیر میں اس کی رضا کے بغیر کسی قسم کا تصرف جائز نہیں، اس کی حرمت قرآن وحدیث کے علاوہ مسلمات عقلیہ میں سے ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲ ربیع الثانی ۹۶ھ

غیر اللہ کو شہنشاہ کہنا جائز نہیں:

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا کسی بادشاہ کو شہنشاہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

غیر اللہ پر اسم کے اطلاق کی حدیث میں ممانعت آئی ہے، شہنشاہ اصل میں شاہ شاہان تھا یعنی بادشاہوں کا بادشاہ اور یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۵ ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ

بغرض تداوی داغ دینا:

سوال: کسی مرض کی وجہ سے حیوان یا انسان کو داغ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جائز ہے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (تنبیہ) لا بأس بکی البهائم للعلامة وثقب اذن الطفل من البنات لانهم کانوا یفعلونه فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر انکار ولا بأس بکی الصبیان لداء اتفاقی (رد المحتار ص۲۳۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ

علم جفر ورمل حرام ہے:

سوال: علم جفر کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ اس علم کے ذریعہ شادی وغیرہ کا استخارہ بھی لیتے ہیں، اس علم کے نتیجہ کو صحیح سمجھنے اور یقین رکھنے سے ایمان پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس جیسی کفریات کا سیکھنا سکھانا اور اس کے مدعی کے پاس کوئی بات پوچھنے جانا حرام اور اس کے نتائج کو یقینی سمجھنا کفر ہے۔

تعریف علم الجفر والجامعۃ

هو عبارة عن العلم الاجمالی بلوح القضاء والقدر المحتوی علی کل ما کان وما یکون کلیا وجزئیا:

والجفر عبارة عن لوح القضاء الذي هو العقل الكل والجامعة لوح القدر الذي هو نفس الكل وقد ادعى طائفة ان الامام علي بن ابي طالب رضي الله تعالى عنه وضع الحروف الثمانية والعشرين على طريقة البسط الاعظم في جلد الجفر يستخرج منها بطرق مخصوصة وشرائط معينة الفاظ مخصوصة يستخرج منها ما في لوح القضاء والقدر (مفتاح السعادة ومصباح السيادة ص ۳۵۰ ج ۲)

وفي المنجد: علم الجفر ويسمى علم الحروف: علم يدعي اصحابه انهم يعرفون به الحوادث الى انقراض العالم (المنجد ص ۹۳)

حكمه: حكم علم الرمل لانهما متحدان في الغرض فهو حرام مثله۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى في حكم الرمل: وقد علمت انه حرام قطعا واصله لادريس عليه السلام فهي شريعة منسوخة وفي فتاوى ابن حجر ان تعلمه وتعليمه حرام شديد التحريم لما فيه من ايهام العوام ان فاعله يشارك الله تعالى في غيبه (رد المحتار ص ۳۱ ج ۱)

والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۱۰ محرم سنہ ۸۴ھ

عشاء کے بعد کراہت سمر

سوال: عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کے بارے میں جو حدیث پاک آئی ہے جس کا مضمون اس قسم کا ہے: کہ درس و تدریس یا مہمان یا اہلیہ کے علاوہ باقی سے باتیں کرنا ممنوع ہے، تو اگر ممنوع سے لغو باتیں لی جائیں تب تو ہر وقت حرام ہیں اور اگر مباح باتیں مراد ہوں تو اس میں اکثریت مبتلا ہے کیونکہ بعض دنیوی امور کے مشورے بعد از عشاء ہی ہوا کرتے ہیں، یہ منع کس قسم کا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کراہت کی علت نماز فجر یا جماعت یا اس میں انشراح باقی نہ رہنا یا اس میں انشراح فوت ہونے کا خوف ہے، ان امور کے تفاوت درجات کے مطابق عشاء کے بعد امور دنیا میں شغل کی کراہت متفاوت ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: قال في البحر: ويكره النوم قبلها والحديث بعدها لنهي النبي صلى الله عليه وسلم عنهما الا حديثا في خير لقوله صلى الله عليه وسلم لا سمر بعد الصلوة يعني العشاء الأخيرة الا لأحد رجلين مصل او مسافر وفي رواية او عرس اهـ وقال الطحطاوي ويكره النوم قبلها لمن خشي عليه فوت وقتها او فوت الجماعة فيها واما من وكل نفسه الى من يوقظه فيباح له النوم اهـ وقال الزيلعي وانما كره الحديث بعدها لانه ربما يؤدي الى اللغو او الى تفويت الصبح او قيام الليل لمن له عادة به واذا كان لحاجة مهمة فلا بأس وكذا قراءة القرآن والذكر وحكايات الصالحين والفقه والحديث مع الضيف اهـ والمعنى فيه ان يكون اختتام الصحيفة بالعبادة كما جعل ابتداؤها بها ليمحى ما بينهما من الزلات ولذا كره الكلام قبل صلوة الفجر وتمامه في الامداد ويؤخذ من كلام الزيلعي انه لو كان لحاجة لا يكره وان خشي فوت الصبح لانه ليس في النوم تفريط وانما التفريط على من اخرج الصلوة عن وقتها كما في حديث مسلم نعم لو غلب على ظنه تفويت الصبح لا يحل لانه يكون تفريطا تأمل (رد المحتار ص ۲۴۶ ج ۱) والله سبحانه وتعالى اعلم

۲۴ ربیع الاول سنہ ۱۴۱۰ھ

اخبار بینی:

سوال: بعض لوگ مساجد میں اخبار بینی کے عادی ہیں، جب ان کو روکا جاتا ہے تو دلیل اور جواب میں بعض علماء کرام کا عمل پیش کرتے ہیں تو ان کو کہا جاتا ہے کہ علماء ادلہ اربعہ میں سے کوئی حجت نہیں، اگر وہ بھی ادلہ میں سے کوئی حجت پیش کریں تو ہم ماننے کے لیے تیار ہیں اور بھی اس قسم کی باتیں دلیل میں پیش کرتے ہیں، اگر آپ از روئے شرع اس کی تشریح فرمادیں تو بہت فائدہ ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بلا ضرورت اخبار دیکھنا ویسے ہی گناہ ہے اور مسجد میں گناہ کرنا موجب اشد عذاب ہے۔

اخبار بینی کے چند مفاسد:

(۱) اضاعت وقت اور فضول و لایعنی خبریں دیکھنا جن میں نہ آخرت کا فائدہ نہ دنیا کا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص لایعنی امور سے نہیں بچتا اس کا اسلام پسندیدہ نہیں۔

"من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ"

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے علم سے پناہ مانگی ہے جس میں دین کا یا دنیا کا کوئی فائدہ نہ ہو۔

"اللّٰھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع"

(۲) اخبار میں بالعموم بہت سی باتیں اسلام کے خلاف ہوتی ہیں، اخبار دیکھنے سے ان خلاف شرع باتوں کی اشاعت میں تعاون ہوتا ہے۔

(۳) اخبار کی اکثر خبریں غیر مصدقہ ہوتی ہیں اور بعض یقیناً غلط ہوتی ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غیر مصدق خبر نقل کرنے والا بھی جھوٹوں کی فہرست میں داخل ہے۔

"کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع"

(۴) اخبار تصویر سے خالی نہیں ہوتا، اور تصویر دیکھنا گناہ ہے، اخبار بینی کے مفاسد کی تفصیل حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے رسالہ "اخبار بینی" میں ہے جو امداد الفتاوی میں شائع ہو چکا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۔ رجمادی الاخرۃ سنہ ۔ھ

اسکول کی تعلیم:

سوال: حضرت والا کے "وصیت نامہ" صہ پر وصیت عہ میں ہے: "اپنی اولاد کو اسکول اور کالج کی تعلیم سے اس طرح بچائیں جس طرح شیر و بھیڑیے سے بچایا جاتا ہے الخ"

اور حضرت تھانوی قدس سرہ "بہشتی زیور حصہ چہارم صہ" کی آخری سطر میں لکھتے ہیں: "لڑکیوں کو بس لکھنا سکھا دو کہ ضروری خط اور گھر کا حساب و کتاب لکھ سکیں۔"

اتنا تو سمجھ میں آتا ہے کہ ان دونوں مذکورہ اقوال میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ جو منع حضرت کا مقصود ہے وہ اسی ماحول اور اسکول کالج وغیرہ کے طرز تعلیم سے منع کیا ہے اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو ترغیب دی ہے یا تو اس صورت میں ہے کہ محرم سے ہو یا اگر محرم سے نہ ہو تو شریعت کے اصول کے ماتحت پردہ کا معقول انتظام ہو لیکن باعث سوال بات یہ ہے کہ بچوں اور بچیوں کو کسی حال بھی اسکول نہ بھیجا جائے یا کہ اتنی گنجائش ہے کہ ضرورت کے مطابق لکھنا پڑھنا سیکھ لیں، اگر اتنی بھی گنجائش نہیں تو کیا ان کے لئے بقدر ضرورت سیکھنا ضروری ہے؟ اگر ضروری ہو تو اسکول کالج کے علاوہ ان کو کیسے پڑھایا جائے؟ اور کیا بجائے اسکول کی کتابوں میں پڑھانے کے ان کو تعلیم الاسلام، بہشتی زیور، باقی دینی رسائل پڑھانے کیسے ہیں؟ کہ اس میں پڑھنے کے ساتھ پڑھانا بھی سیکھ لیں گے اور ذہن بھی دینی بنتا جائے گا، اس بارے میں اپنی مفید رائے سے مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مقصود برے ماحول سے حفاظت ہے اس کا جو طریقہ بھی ہو، مثلاً کسی اسکول کا ماحول اچھا ہو یا گھر پر پڑھانے کے لئے کسی کو مقرر کیا جائے یا خود گھر میں پڑھایا جائے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ جمادی الاخرۃ سنہ ۱۳۹۶ھ

شراب کی بوتل استعمال میں لانا:

سوال: شراب کی وہ بوتلیں جنہیں اچھی طرح صاف کر دیا گیا ہو ان میں شربت وغیرہ استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے مگر گناہ کی یادگار سے بچنا بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۵ رجب سنہ ۱۳۹۶ھ

دیوث سے تعلق رکھنا جائز نہیں:

سوال: ہمارے محلہ میں ایک شخص کا اپنے رشتہ دار کے ہاں آنا جانا ہے اور وہ اس کی لڑکی سے غلط مراسم قائم کئے ہوئے ہے، اس لڑکی کے والدین اور

دوسرے محلے والے سب لوگوں کو اس کا علم ہے، اس کے باوجود وہ اس کا کوئی سد باب نہیں کرتے تو کیا ایسے شخص سے تعلقات رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ شخص دیوث ہے، جب تک زانی سے حفاظت کی تدبیر نہیں کرتا اس وقت تک اس کے ساتھ تعلق رکھنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۷ رجب ۱۴۰۴ھ

جانور کی آنکھ انسان کو لگانا جائز ہے:

سوال: جس طرح مردہ انسانوں کی آنکھ دوسرے لگاتے ہیں، جانور کی آنکھ بھی انسان کو لگ جاتی ہے تو آیا اس کا لگانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جانور کی آنکھ لگانا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۴ رجب ۱۴۰۴ھ

اڈنٹی کارڈ بنوانا جائز نہیں:

سوال: حکومت نے مدارس عربیہ کے طلبہ کے لئے بسوں اور ہوائی جہاز کے کرایہ میں رعایتی شرح کا اعلان کیا ہے، لیکن اس کی تحصیل کے لئے اڈنٹی کارڈ اور اس پر تصویر لازمی ہے اور دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ عربی مدارس کے طلبہ عموماً غریب ہوتے ہیں، بسا اوقات پورا کرایہ نہ ہونے کی وجہ سے ضروری سفر بھی ملتوی کرنا پڑتا ہے۔ نیز کارڈ نہ ہونے کی وجہ سے ایک تسلیم شدہ حق سے محرومی بھی ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایسے طلبہ کے لئے کرایہ میں تخفیف کی غرض سے تصویر کھنچوانا اور اس کو شناختی کارڈ پر چسپاں کرکے اپنے پاس محفوظ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

وجہ اشکال یہ ہے کہ اس کارڈ میں ایک پہلو جلب منفعت کا بھی ہے اس لئے کہ اگر کوئی کارڈ نہ بنوائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اس کو کرایہ میں رعایت نہ ملے گی، اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ طلبہ کو نصف کرایہ پر سفر کرنے کا حق ہے اور ان کا

یہ حق تصویر کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، اس لئے اس کو دفع مضرت بھی کہا جا سکتا ہے، لہٰذا ان دونوں پہلوؤں میں کون سے پہلو کو غالب قرار دیا جائے؟

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تصویر کے عدم جواز کے لئے اس کا سایہ دار ہونا ضروری ہے۔

کما فی حاشیۃ الخطاب المواق علی مختصر خلیل ص ۲ ج ۴ والشرح الصغیر للصاوی علی شرح الدردیر ص ۲ ج ۲، کتاب النکاح باب الولیمۃ والمغنی لابن قدامۃ ص ۲ ج ۷، والانصاف للمرداوی ص ۲۳۱ ج ۸ وغیرہ ذلک من کتب المالکیۃ۔

تو کیا اس قسم کے شناختی کارڈ کے لئے جو ضرورت بحد اضطرار میں تو یقیناً داخل نہیں، لیکن حاجت میں داخل سمجھا جا سکتا ہے، یہی تصویر کو گوارا کرنا ممکن ہے یا نہیں؟ جبکہ یہ تصویر سایہ دار نہیں ہوتی اور کیا یہ اس مجتہد فیہا مسئلہ میں داخل ہے؟ دارالعلوم کراچی ۱۴

۲-۵-۱۴۰۴ھ

الجواب باسم ملہم الصواب

اڈمٹ کارڈ درج ذیل مفاسد کثیرہ خطیرہ کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے:

① یہ تمام تر رعایت تصویر جیسی لعنت پر موقوف ہے۔

والموقوف علی الحرام حرام۔

تصویر پر سخت وعیدیں مشہور و معروف ہیں، تصویر کی حرمت پر دس روایات تو صرف صحیح بخاری میں موجود ہیں۔

لکن حبک الشیء یعمی ویصم۔

② اس رعایت خبیثہ کی وجہ سے طلبہ میں آوارگی اور بدمعاشی جنم لے رہی ہے ضرورت بے ضرورت جب اور جہاں جی چاہے چلے جاتے ہیں، حالانکہ زمانہ کے علمی تنزل کا تقاضا تو یہ تھا کہ عوام کی بنسبت طلبہ کے کرایوں میں معتد بہ اضافہ کردیا جاتا تاکہ سفر غیر ضروریہ سے نجات پاکر سکون و اطمینان سے محنت کر سکیں۔

③ حکومت نے پرائیویٹ بسوں پر یہ رعایت طلبا و زجرا رکھی ہے، ایسی

صورت میں ایسے قبول کرنا حکومت کے ساتھ ظلم میں اعانت اور حرام کام میں حمایت ہے۔

ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

اور بموجب حدیث:

لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ

سراسر ناجائز اور حرام ہے، ظلم اور غصب کو وصول حق کا نام دینا اسلام کے خلاف بہت بڑے اور انتہائی خطرناک فتنہ "اشتراکیت" کا پڑھایا ہوا سبق ہے۔

(۴) معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ پرائیویٹ بسوں کے مالکین چونکہ اس پر راضی نہیں، اس لئے طلبہ اور کنڈیکٹروں کے مابین کشیدگی ہو جاتی ہے، اہل مشاہدہ بخوبی واقف ہیں کہ اس وقت طلبۂ علم دین کی کس قدر اہانت ہوتی ہے، علم کی ذلت، دین کی حقارت، اس وقت عوام علماء دین کے حق میں گستاخی کرتے ہوئے کفریہ کلمات تک بک دیتے ہیں، یہ اسی رعایت کا نتیجہ ہے۔

(۵) بہت سے لوگوں کا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ طلبہ نے بوقت مزاحمت بس اور اہل بس پر مشتعل ہو کر حملہ کر دیا، بیسیوں دفعہ بسیں جلانے کے واقعات اخبار میں شائع ہوئے، قتل و قتال تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ چونکہ اہل مدارس کا طلبہ پر ضابطہ نہیں، اس لئے وہ اس رعایت کی آڑ لے کر بہت سے ناجائز امور کا ارتکاب کر لیتے ہیں۔

(۶) ایک بہت بڑا مفسدہ یہ بھی ہے کہ اس میں حکومت و ارباب اقتدار کے سامنے اظہار مسکنت ہے جو اہل علم کے لئے تباہ کن و رسوا کن ہے، افسوس بالائے افسوس یہ کہ یہ مطالبہ خود اہل مدارس کی طرف سے کیا گیا ہے اور متعدد بار اخباروں میں شائع ہوا ہے۔

اس دور کی حکومتوں سے ادنیٰ رعایت بھی حاصل کرنا دین کے لئے سخت مضر بلکہ مہلک ہے، جن مدارس نے حکومت سے امداد لی ہے آیندہ کے لئے ان کی زبان حق گوئی سے بند ہو گئی اور حکومت اس احسان کے عوض ان سے بہت سے خلاف شریعت کام کرا لیتی ہے۔

جو کام ایسے امور منکرہ پر مشتمل ہو وہ سراسر مضرت ہی مضرت ہے اور اس کے ترک ہی میں دفع مضرت ہے۔

لان دون المعصیۃ مضرۃ کبیرۃ۔

لہذا سوال میں منفعت و دفع مضرت کا قیاس باطل محض ہے، اس فلسفہ کے تحت چوری، رشوت خوری اور ڈاکہ زنی سب کبائر حلال ہو جائیں گے والعیاذ باللہ فالملزوم مثلہ۔

مذہب غیر پر فتوی دینا ضرورت شدیدہ سے ہوتا ہے اور یہاں مذکورہ بالا قباحتوں کی وجہ سے اس کی حرمت پر فتوی دینے ہی میں ضرورت شدیدہ ہے۔ علاوہ ازیں سوال میں درج کردہ مذہب بعض اکابر کا ہے جسے محققین نے "مذہب باطل" فرمایا ہے۔ اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے مطلقاً عدم جواز نقل فرمایا ہے کما فی شرح مسلم للنووی۔

قول جواز روایت و درایت دونوں کے سراسر خلاف ہے۔

طلبہ کا عدم رعایت سے خائف و پریشان ہونا ضعف دین اور حب دنیا کی وجہ سے ہے، افسوس کہ اہل مدارس طلبہ کے اس مرض کا علاج منافی دین سے کرتے ہیں۔

ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

در افسوس کہ اس دور کے علماء کی نظر اللہ تعالیٰ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح اور صریح ارشادات سے ہٹ کر دنیا کے مردار پر ہے، اگر ایسی ہی ضرورتوں سے حرام کام جائز ہونے لگے تو اس میں ڈاکٹر، ڈاکو کی کیا خصوصیت ہے؟ طلبہ کے لئے چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، جیب تراشنا سب امور جائز ہوں گے، اس لئے کہ ضرورت ہے اور پھر طلبہ ہی کیا ہر ایسے ضرورتمند کے لئے سب کچھ جائز ہو جائے گا۔

جیسے اور جنگ میں تو اس سے زیادہ مصالح و ضروریات ہیں اور شراب میں منافع خود قرآن سے ثابت ہیں، ان کے بارے میں کیا خیال رکھا جائے گا؟

اہل مدارس طلبہ کی علمی، عملی اور اخلاقی کمزوری دور کرنے کی بجائے ان کی آخرت و دنیا دونوں کو تباہ کر رہے ہیں، طلبہ کو سفر کی اجازت دے دو یعنی مرتکب حرام کام سے تصور سے بالاتر ہے

یہ اعمال بد کی ہے پاداش ورنہ
کبھی شیریں حبوتے جاتے ہیں بلیں

قال الله تعالیٰ:

ومن یتق الله یجعل له مخرجا ویرزقه من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی الله فهو حسبه ان الله بالغ امره قد جعل الله لکل شیء قدرا۔

ومن یتق الله یجعل له من امره یسرا۔

وقال النبی صلی الله علیه وسلم:

من کان لله کان الله له۔

من کانت الاخرة همه جعل الله غناه فی قلبه وجمع له شمله واتته الدنیا وهی راغمة ومن کانت الدنیا همه جعل الله فقره بین عینیه وفرق علیه شمله ولم تأته من الدنیا الا ما قدر له، رواه الترمذی۔

لا یحملنکم استبطاء الرزق ان تطلبوه بمعاصی الله فانه لا یدرک ما عند الله الا بطاعته، رواه فی شرح السنة۔

وان الرزق لیطلب العبد کما یطلبه اجله رواه ابو نعیم

(۷) جب ثابت ہوگیا کہ ایسی بدترین رعایت تک کے لئے تصویر کھنچوانا ناجائز اور حرام ہے تو بلا ضرورت تصویر رکھنے کا گناہ کتنا بڑا ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ

شطرنج، لوڈو اور بارہ گوٹی کھیلنا جائز نہیں:

سوال: شطرنج کی حرمت کی علت کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ اس میں قمار ہوتی ہے اور جوا کی قسم ہے اس لئے حرام ہے، کیرم بورڈ اور بارہ گوٹی وغیرہ میں قمار نہیں اور ان میں ذہنی ورزش کا فائدہ بھی ہے؟ اس لئے اس قسم کے کھیل جوئے کے طور پر نہ کھیلے جائیں تو جائز ہونے چاہئیں۔ ذرا تفصیل سے تحریر فرمائیں کہ ان کھیلوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر ناجائز ہیں تو عدم جواز کی علت کیا ہے؟ نیز کھیلوں کے جواز و عدم جواز کا کوئی کلیہ تحریر فرمائیں جس کے تحت ہر کھیل کا حکم معلوم کیا جاسکے۔ بینوا بالتفصیل اجرکم الجلیل۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حرمت شطرنج کی علت صرف تصاویر اور جوا ہی نہیں، اگر تصاویر یا جوا کا وجود شطرنج کے لئے لازم ہوتا تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی کراہت تنزیہیہ کا قول نہ فرماتے۔

قاعدہ یہ ہے کہ جس کھیل میں بھی ذہنی ورزش ہوگی وہ ناجائز ہوگا، اور جو ذہنی ورزش سے پاک ہو وہ جائز ہے، خواہ اس میں جسمانی ورزش ہو یا محض دل ودماغ کی تفریح، جیسے لٹو، چکری، بچوں کے کھلونے اور سیر و تفریح وغیرہ۔ وجوہ الفرق تین ہیں:

(۱) دل ودماغ کے سامنے مقاصد اصلیہ بہت کثیر ہیں بلکہ مقاصد آخرت تو غیر متناہیہ ہیں اس لئے انہیں کسی مقصد کی تحصیل کے لئے ذہنی ورزش کو ذریعہ بنانے کی ضرورت نہیں بلکہ فرصت ہی نہیں ؎

آں خیالاتی کہ دام اولیاست
عکس مہرویان بستان خداست

جسمانی صحت کے لئے جسمانی ورزش کی ضرورت ہے، اس لئے جائز بلکہ بقدر ضرورت واجب وموجب اجر ہے، اسی طرح دل ودماغ کی تفریح کا سامان بھی صحت جسمانیہ کے لئے نافع ہونے کی وجہ سے جائز و باعث اجر ہے بشرطیکہ وہ ذہنی ورزش سے پاک ہو، حقیقت تو یہ ہے کہ دل ودماغ کی تفریح اور ورزش دونوں کا اجتماع محال ہے، دماغی تفریح صحت جسمانیہ کے لئے نافع اور دماغی ورزش مضر ہے۔

اگر کسی کو بارہ ٹینی جیسی ذہنی ورزش میں دماغی فرحت محسوس ہو تو اس کی مثال کھجلی کے مرض جیسی ہے جس میں کھجلانے سے وقتی طور پر لذت وسکون ملتا ہے مگر بعد میں سخت تکلیف واذیت۔

دماغ بادشاہ ہے اور پورا جسم اس کی فوج ہے، فوج کے لئے پریڈ اور مشق مستقل کرنا لازم ہے، اس لئے کہ یہ تحصیل مقصد کا ذریعہ ہے مگر بادشاہ کے لئے جس طرح جسمانی پریڈ مضر ہے اسی طرح فکری پریڈ بھی سخت مضر ہے۔ حکومت کا بقاء اس پر موقوف ہے کہ بادشاہ دماغ کو فکری پریڈ میں لگانے کی بجائے براہ راست تحصیل مقاصد کی طرف متوجہ رکھے۔

(۲) ذہنی ورزش دل و دماغ کے مقاصد اصلیہ کی تحصیل میں مخل ہونے کے علاوہ جسمانی صحت کے لئے بھی سخت مضر ہے۔ اس کے برعکس جسمانی ورزش اور تفریح صحت جسمانیہ کے لئے نافع ہونے کے ساتھ دل و دماغ کے مقاصد اصلیہ کی تحصیل میں بھی معین و مددگار ہے۔

اس وجہ ثانی اور وجہ اول میں یہ فرق ہے کہ اول میں مقصود یہ ہے کہ ورزش ذہنی کی ضرورت نہیں اس لئے عبث ولہو میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے اور وجہ ثانی میں یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ صحت جسمانیہ اور دل و دماغ کے مقاصد کی تحصیل کے لئے سخت مضر ہے۔

(۳) ذہنی ورزش میں ایسا انہماک ہوجاتا ہے جو مشاغل دینیہ و دنیویہ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ جسمانی ورزش میں اتنا انہماک نہیں ہوتا، اس فرق کی دو وجوہ ہیں:

(۱) جسمانی ورزش میں کچھ وقت کے بعد تھکاوٹ کا احساس اس سے روک دیتا ہے، گویا الارم اور منبہ کا کام دیتا ہے، ذہنی ورزش میں ایسا کوئی منبہ نہیں۔

(۲) جسمانی ورزش میں دماغ کسی قدر آزاد ہوتا ہے، کھیل میں مشغول تو ہوتا ہے مگر اتنا نہیں کہ دوسری جانب توجہ کا ہوش ہی نہ رہے اور ذہنی ورزش میں مکمل طور پر اسی طرف مشغول ہوتا ہے۔

لوگ جسے "ذہنی ورزش" کہتے ہیں وہ درحقیقت "تفکر بے مقصد" ہے جو نعمت فکر کو بے محل صرف کرنے کی وجہ سے تبذیر ہے۔

تحقیق حکم کی غرض سے اس قسم کے مروجہ کھیلوں کے نقشے اور کھیل جانے والے دارالافتاء میں بلائے گئے، بندہ نے چند علماء کو ساتھ بٹھا کر ان کے طریق کار کا معاینہ کرکے فیصلہ کیا کہ ان میں سے کس میں تفکر بے مقصد ہے اور کس میں محض دماغی تفریح، تفصیل درج ذیل ہے:

تفکر بے مقصد	دماغی تفریح
(۱) شطرنج (۲) تاش	(۱) کیرم بورڈ

محسوس نہیں کرتے، بلکہ اس میں اپنا اعزاز اور وقار سمجھتے ہیں، جس صورت کے بارے میں استفتاء کیا گیا ہے یہ بھی اسی مرعوب ذہنیت کا کرشمہ ہے، جن اکابر نے انگریز کی مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگا کر ان کو اس خطہ سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا، آج انہی کے مبارک ناموں کے ساتھ انگریزی کے الفاظ لگا کر ان کی تزئین کی جا رہی ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ خود کو علماء کہنے اور سمجھنے والے عربی جیسی مبارک اور مسلمانوں کے سب سے اہم و اعظم زبان پر انگریز جیسے دشمنانِ اسلام کی زبان کو ترجیح دیتے ہیں جو علم و علماء کے اقدار اور دینی غیرت کے سخت خلاف ہے، اس نیت سے انگریزی سیکھنا کہ دنیوی ضروری معاملات میں ان سے معاملہ کر سکیں بلاشبہ جائز اور بعض حالات میں واجب بھی ہے، لیکن مجلسوں یا تنظیموں یا مکتب خانوں کے نام رکھنے میں ایسی کوئی ضرورت نہیں، اور یہ بلاشبہ انگریزی زہر کا اثر ہے۔ تجارب سے ثابت ہوا کہ ایسے امور میں یا تو انگریزوں سے تشبہ کا قصد ہوتا ہے یا پھر ان کے نقالوں کے ساتھ، کہ آج کے فاسق معاشرہ میں ایسے ناموں کو باعثِ اعزاز سمجھا جاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن شرائط پر یہود و نصاریٰ کو معافی دی تھی ان میں ایک شرط یہ بھی تھی:

"وان لا يتكلموا بكلامنا"

اور آج اس کے برعکس مسلمان کافروں جیسا کلام کرتے ہیں، اور تعجب بالائے تعجب یہ کہ اسے قابلِ فخر بھی سمجھتے ہیں۔ ؎

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

الغرض شیخ الہند جیسے مقدس برگزیدہ اور دشمنِ انگریز کے اسمِ گرامی کے ساتھ انگریزی الفاظ لگانا تفصیل بالا کے پیشِ نظر نہایت قبیح و شنیع ہے، دینی غیرت کے سخت خلاف ہے، خود علماء کے اقدار کے منافی ہے، اکابر کے لئے باعثِ اذیت ہے، فاسق معاشرے کا زہریلا اثر ہے اور بلا ضرورت وظیفہ و ذریعہ عربی پر انگریزی کو ترجیح دینا ہے۔ علماء وقت پر لازم ہے کہ ایسے منکرات پر بروقت گرفت کیا کریں ورنہ اس تساہل کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ بہت جلد دینداروں کا معاشرہ بھی مکمل طور پر انگریزی معاشرہ بن جائے گا اور مسلمانوں کے پاس اسلام کی ایک چیز بھی باقی نہ رہے گی، اور پھر اس کی اصلاح کی بھی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔

آخر میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی احکام القرآن سے شمسی تاریخ استعمال کرنے کے بارے میں یہ درد دل نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

ویبعد منه کل البعد ان یمیل الی هذا العهد بحیث لا یبقی له میل الی المطلوب الشرعی بالمرۃ کما هو مشاهد من غوائل اکثر المسلمین فی هذا الزمان بل ومن عادۃ کثیر من العلماء والی الله المشتکی من انقلاب القلوب ومیلها الی العیوب المؤدیة الی الذنوب وکل ذلك مع دعواهم بغض النصاری وقد اشرب فی قلوبهم حب النصرانیة اعاذنا الله تعالی من ذلك ورزقنا من حب السنة النبویة والنواسك الاسلامیة انه سمیع مجیب (احکام القرآن ص۳۵ ج ۱) والله سبحانه وتعالی اعلم۔

۲۱ رمضان ۱۴۱۱ھ

انگریزی تاریخ کا استعمال:

سوال: مہتمم صاحب کا خیال ہے کہ امور مدرسہ میں انگریزی تاریخ استعمال کی جائے، تعطیلات بھی انگریزی مہینوں کے اعتبار سے جون، جولائی میں ہوں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ نیز مکاتبات و مخاطبات اور عام بول چال میں انگریزی تاریخ استعمال کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مکاتبات و مخاطبات، عام بول چال اور دیگر امور میں انگریزی تاریخ کا استعمال بلا ضرورت شدیدہ قبیح و شنیع ہے۔ اس میں عیسائیوں کے نظریۂ باطلہ کی تائید کا شائبہ اور ان کو خوش کرنے کا مفسدہ پایا جاتا ہے۔ انگریزی تاریخ کی ابتداء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء سے ہوئی ہے جبکہ عیسائیوں کا نظریہ یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تھا، اس سے اس تاریخ کی ابتداء ہوئی ہے۔

قال حکیم الامة رحمه الله تعالی: ومن هنا علم ان استعمال الحساب الشمسی فی الکتابات والمخاطبات والمعاملات وان کان جائزا فلاریب انه خلاف الاولی لکونه خلاف سنة رسول الله صلی الله

عليه وسلم وسنة اصحابه والسلف الصالحين وايضا فلما كان مدار
الاحكام الشرعية والعبادات الدينية على الحساب القمري كان حفظه
وضبطه فرضا على الكفاية واحسن طريقه وايسرها ان يستعمل في المكاتبات
والمخاطبات والمعاملات اليومية ولا يخفى ان الاثبات بفرض الكفاية
عبادة وما كان طريقا الى حفظه فهو عبادة ايضا فاستعمال الحساب القمري
مطلوب شرعا و بعيد من المسلم ان يترك المطلوب الشرعي و يستعمل
الحساب الشمسي الذي هو ضده في الجملة و يبعد منه كل البعد ان يميل
الى هذا الضد بحيث لا يبقى له ميل الى المطلوب الشرعي بالمرة كما هو مشاهد
من عوام اكثر المسلمين في هذا الزمان بل ومن عامة كثير من العلماء ايضا
فالى الله المشتكى من انقلاب القلوب وميلها الى العيوب المؤدية الى
الذنوب وكل ذلك مع دعواهم بغض النصارى وقد اشرب قلوبهم حب
النصرانية اعاذنا الله من ذلك ورزقنا حب السنة النبوية والعوائد
الاسلامية انه سميع مجيب (احكام القرآن ص ۹۸ ج ۱) والله سبحانه وتعالى اعلم

۱۰ صفر سنہ ۱۴۱۸ھ

اس زمانے میں مباہلہ جائز نہیں:

سوال: مباہلہ کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا یا اب بھی مشروع ہے؟ اگر جائز ہے تو صرف کفار سے یا مسلمانوں کے آپس میں اختلافات میں بھی؟ بیان القرآن میں جواز لکھا ہے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ تعیین حق و باطل کے لئے دلائل شرعیہ ہیں جو مباہلہ پر موقوف نہیں۔

اس پر اشکال ہے کہ پھر مباہلہ کا کیا فائدہ؟ حکم مفصل تحریر فرماکر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اللہ تعالی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصاری سے مباہلہ کا حکم فرمایا تھا اور نصاری کی ہلاکت کی بشارت دی تھی، مباہلہ کا حکم قرآن کریم میں مذکور ہے اور ہلاکت

کی بشارت حدیث میں مذکور ہے، اس طرح مباہلہ کا ایک خاص متعین نتیجہ موعود تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مباہلہ پر متعین نتیجہ کا ترتب کسی دلیل سے ثابت نہیں، لہٰذا بے سود بلکہ بعض اوقات مضر ہونے کی وجہ سے اس کی مشروعیت محل نظر ہے۔

حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی بھی آخری تحقیق یہی ہے، ولفظہ:

"میرے خیال میں اس کی تحقیق بھی ضروری ہے کہ آیا مباہلہ اب بھی مشروع ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ اس کا اثر متعین کیا ہے؟ اور اس اثر کے یقینی ہونے کی کیا دلیل ہے؟

اس کی تحقیق اس لئے ضروری ہے کہ اگر اس مباہلہ کا کوئی موعود یقینی اثر متعین نہ ہوا ور ممکن ہے کہ اس کے بعد اتفاقی طور پر اہل حق کو کوئی ابتلاء پیش آجاوے تو عام دیکھنے والوں کو اشتباہ نہ ہو جاوے جس سے اور اشد ضرر ہو اور اگر ایسا ہو تو اس کے جواب کے لئے کس طرح تیار رہنا چاہیئے۔

اور اگر اس کا کوئی اطمینان کسی دلیل یقینی سے نہ ہو تو مباہلہ کی درخواست میں بجائے مباہلہ کے اس صحیح تحقیق کو جواب میں کیوں نہ پیش کر دیا جائے جو کہ دلیل سے ثابت ہو۔

گو لوگوں نے اس کی مشروعیت پر آیت لعان سے استدلال کیا ہے مگر وہاں تو تشبیہ تفریق ہے اور یہاں جس نتیجہ کی توقع ہو سکتی ہے اس کے ترتب کی کوئی دلیل ہونا چاہیئے، اس لئے اس کا اس پر قیاس مع الفارق ہے۔" (بوادر النوادر ص ۵۲۵)

اگر مباہلہ کی مشروعیت کسی دلیل سے ثابت بھی ہو جائے تو بھی اس زمانہ میں مفاسد ذیل کی وجہ سے جائز نہیں۔

① بیان القرآن میں مباہلہ کا فائدہ "قطع نزاع لسانی" لکھا ہے، اس زمانہ میں عوام وخواص مباہلہ کی اس حقیقت سے بالکل بے خبر ہیں۔

② اس کو اگر سمجھا بھی دیا جائے کہ مباہلہ کی حقیقت صرف "قطع نزاع لسانی" ہے تو بھی اس سے نزاع ختم ہونے کی بجائے اور زیادہ بڑھتا ہے۔ جانبین ایک دوسرے پر طرح طرح کے الزامات لگا کر بے شمار نئے تنازعات کھڑے کر دیتے ہیں۔

③ ہر فریق دوسرے کی ہر آفت ومصیبت کو مباہلہ کا نتیجہ قرار دینے لگتا ہے۔

④ اہل حق پر قدرۃً کوئی ابتلاء آگیا تو عوام کی گمراہی کا باعث ہوگا۔

۵ اس زمانہ میں عوام وخواص کا عقیدہ راسخہ یہ ہے کہ مباہلہ پر نتیجہ مشیئہ کا ترتب لازم ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ خیال بالکل بے دلیل اور سراسر غلط ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زوجین میں لعان ہوا مگر دونوں فریق میں سے کسی پر کوئی آفت نہ آئی۔

اس حقیقت کے مطابق اگر اس دور میں مباہلہ کے بعد فریقین میں سے کسی پر بھی کوئی آفت نہ آئی تو لوگوں کو بزعم خویش اللہ تعالیٰ کے قطعی فیصلہ میں تردد ہوگا جو کفر ہے۔

۶ نصوص شرعیہ وعلماء اسلام کے مقابلہ میں جاہل وگمراہ پیر مباہلہ کی دہائی دے کر عوام میں اپنا مقام پیدا کرنا چاہتے ہیں، لہذا ان کی طرف سے دعوت مباہلہ کو قبول کرلینا ہی ان کی کامیابی ہے۔

۷ اگر ہر جاہل پیر کی دعوت مباہلہ کو علماء اسلام قبول کرکے اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے لگیں اور اللہ تعالیٰ ان سے اپنے دین کی جو اہم خدمات جلیلہ لے رہے ہیں ان میں نقص وخلل ڈالنے لگیں تو یہی شیطان اور اس کے اولیاء کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

حضرت ابن مسعود وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مخالف کو دعوت مباہلہ دینا منقول ہے۔

قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى: فان قلت هل يشرع الدعاء باللعن على الكاذب المعين قلت قال في غاية البيان من العدة وعن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه انه قال من شاء باهلته ان سورة النساء القصرى نزلت بعد التي في سورة البقرة اي من شاء المباهلة اي الملاعنة باهلته وكانوا يقولون اذا اختلفوا في شيء بهلة الله على الكاذب منا قالوا هي مشروعة في زماننا ايضا اھ (البحر الرائق ص۱۲۳ ج۴)

وكذا نقل عنه العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى (رد المحتار ص۵۹۵ ج۲)

وقال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالى: ومن ذهب الى جواز المباهلة اليوم على طرز ما صنع رسول الله صلى الله عليه وسلم استدل بما اخرجه عبد بن حميد عن قيس بن سعد ان ابن عباس رضي الله تعالى عنهما كان بينه

وبيان لأخس شيء وضعه عاد إلى أنها مجملة وقرأة الآية ورفع يديه فاستقبل الركن
(رد المنافق ص ۲ ج ۳)

اگر یہ روایات باسناد صحیح ثابت ہوجائیں تو ان حضرات کا یہ عمل غرض قطع نزاع سابق پر محمول ہوگا جو اس زمانہ میں مفقود ہے۔

علاوہ ازیں ان کے زمانہ میں وہ دوسرے مفاسد بھی نہیں تھے جن کی تفصیل اوپر لکھی گئی ہے، لہٰذا اب مباہلہ جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۹ صفر سنہ ۱۴۱۳ھ

مشت زنی حرام ہے:

سوال: مشت زنی کرنا کیسا ہے؟ ناجائز ہے تو کون سا گناہ ہے صغیرہ یا کبیرہ؟ کیا کوئی صورت ایسی ہے جس میں اس کی گنجائش ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مشت زنی حرام اور گناہ کبیرہ ہے، قرآن وحدیث میں اس پر بہت سخت وعیدیں آئی ہیں۔ اگر زنا میں مبتلا ہونے کا سخت خطرہ ہو اور اس حرکت شنیعہ کے سوا بچنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو شاید اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں۔

قال الله تعالى: والذين هم لفروجهم حافظون الا على ازواجهم الآية

قال القاضي ثناء الله الفاني فتي رحمه الله تعالى: في هذه الآية دليل على أن الاستمناء باليد حرام وهو قول العلماء، قال ابن جريج سألت عطاء رحمه الله تعالى عنه فقال مكروه سمعت أن قوما يحشرون وأيديهم حبالى وأظن أنهم هؤلاء، وعن سعيد بن جبير رحمه الله تعالى قال عذب الله أمة كانوا يعبثون بمذاكيرهم (تفسير مظهري ص ۳۲۰ ج ۶)

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: وكذا الاستمناء بالكف وإن كره تحريما لحديث "ناكح اليد ملعون" ولو خاف الزنا يرجى أن لا وبال عليه۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: ويدل أيضا على ما قلنا ما في الزيلعي حيث استدل على عدم حله بالكف بقوله تعالى والذين هم لفروجهم حافظون الآية وقال فلم يبح الاستمتاع إلا بهما أي بالزوجة والأمة فأفاد عدم حل الاستمتاع أي قضاء الشهوة بغيرهما (رد المحتار ص ۲۷۵ ج ۲)

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: وذكر الكلب العقور اى مصرى ودعوى متأذيه الا ان يسير افاده نقد يشعر لعنه على العموم والعين المعين لا يجوز وروى وان الكلب يجر يوم القيامة حبلى وانه يخلق خلق من ذلك هناء لا يؤذى له يطالب فاعل ذلك بانتقام خلقته فعق بيالہ (حاشية الطحطاوی على الدر المختار ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۸ رشعبان ۱۴۱۲ھ

شیعہ، قادیانی اور ذکری کے ساتھ معاملات

سوال: شیعہ، مرزائی، اور ذکری دوسرے عام کفار ہندو، سکھ وغیرہ جیسے ہیں یا ان کا حکم الگ ہے؟ ان کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے کر لیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب باسم ملہم الصواب

شیعہ کی جملہ اقسام، قادیانی، ذکری، منکرین حدیث اور آغاخانی وغیرہ یہ سب زندیق ہیں جن کے احکام دوسرے کفار بلکہ مرتدین سے بھی زیادہ سخت ہیں، ان کے ساتھ خرید و فروخت وغیرہ ہر قسم کا لین دین ناجائز ہے اور ان سے دوستانہ تعلق رکھنا اور محبت سے پیش آنا غیرت ایمانیہ کے خلاف ہے، حتی الامکان ان کے ساتھ ہر قسم کے معاملات سے بچنا فرض ہے۔

اگر کسی نے ان کے ساتھ کوئی معاملہ بیع یا اجارہ وغیرہ کر لیا تو منعقد نہیں ہوگا، البتہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں عدم قتل تک بوجود عقد نافذ ہو جانے کا، بوقت ابتلاء عام و ضرورت شدیدہ اس قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

تعریف زندیق:

لغت میں بے دین اور بد اعتقاد کو کہتے ہیں۔

اصطلاح شریعت میں جو اسلام ظاہر کرتا ہو اور باطن میں عقائد کفریہ رکھتا ہو یا عقائد کفریہ ظاہر کرتا ہو اور غلط تاویلات سے اپنے ان عقائد کفریہ کو عقائد اسلام قرار دیتا ہو۔

قال العلامة التفتازاني رحمه الله تعالى: وان كان مع اعترافه بنبوة النبي صلى الله عليه وسلم واظهاره شعائر الاسلام يبطن عقائد هي كفر

بالاتفاق خص باسم الزندیق (شرح المقاصد ص۲۶۸ ج۲)

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: واما فی اصطلاح الشرع فالفرق اظهر لاعتبارهم ابطان الکفر والاعتراف بنبوة نبینا صلی الله علیه وسلم علی ما فی شرح المقاصد (رد المحتار ص۲۹۶ ج۳)

وقال ایضا: (قوله المعروف) ای بالزندقة الذی یدعو الناس الی زندقته۔

فان قلت: کیف یکون معروفا داعیا الی الضلال وقد اعتبر فی مفهومه الشرعی ان یبطن الکفر؟

قلت لا بعد فیه فان الزندیق یموه کفره ویروج عقیدته الفاسدة ویخرجها فی الصورة الصحیحة وهذا معنی ابطان الکفر فلا ینافی اظهاره الدعوی الی الضلال وکونه معروفا بالاضلال ابن کمال (رد المحتار ص۲۹۶ ج۳)

وقال الشاه ولی الله رحمه الله تعالیٰ: ان المخالف للدین الحق ان لم یعترف به ولم یذعن له لا ظاهرا ولا باطنا فهو کافر وان اعترف بلسانه وقلبه علی الکفر فهو المنافق وان اعترف به ظاهرا لکنه یفسر بعض ما ثبت من الدین ضرورة بخلاف ما فسره الصحابة والتابعون واجتمعت علیه الامة فهو الزندیق (المسوی ص۱۳۰ ج۲)

وقال العلامة الکشمیری رحمه الله تعالیٰ: قلت الزندیق من یحرف معانی الالفاظ مع ابقاء الفاظ الاسلام کهذا اللعین فی القادیان یدعی انه یؤمن بختم النبوة ثم یخترع له معنی من عنده یحصل له بعده الختم دلیلا علی فتح باب النبوة فهذا هو الزندقة حقا ای التغییر فی المصادیق وتبدیل المعانی علی خلاف ما عرفت عند اهل الشرع وصرفها الی اهوائه مع ابقاء اللفظ علی ظاهره والعیاذ بالله (فیض الباری ص۴۴ ج۴)

وقال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمه الله تعالیٰ: ثم عندهما تصرفات المرتد متی نفذت نفذت فی کسب الاسلام والردة جمیعا واختلف المشایخ فی مذهب ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ قال بعضهم

تصرفاته في كسب الردة نافذة في ظاهر مذهبه وانما التوقف في تصرفاته في كسب الاسلام والى هذا مال شيخ الاسلام خواهر زاده رحمه الله تعالى واستدل بمسألة ذكرها في كتاب الرهن وصورتها: المرتد اذا قضى دينا وجب عليه بعد الردة من كسب الردة جاز عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى. قال شيخ الاسلام: وهذا روى الحسن عن ابي حنيفة رحمه الله تعالى في غير رواية الاصول ان تصرفه في كسب الردة يتوقف ولكن ما ذكر في ظاهر الرواية اصح وذكر شمس الائمة السرخسي رحمه الله تعالى ان الصحيح ان تصرف المرتد يتوقف في الكسبين جميعا قال شمس الائمة: هذا وما ذكر في كتاب الرهن ان المرتد اذا قضى دينا وجب عليه بعد الردة من كسب الردة جاز فذلك على رواية ابي يوسف عن ابي حنيفة رحمهما الله تعالى واما على رواية الحسن رحمه الله تعالى فلا ينفذ كما اذا كان في كسب الاسلام قال: والصحيح رواية الحسن. قال شمس الائمة: والحاصل ان الروايات قد اختلفت عن ابي حنيفة رحمه الله تعالى في قضاء دين المرتد ففي رواية ابي يوسف يبدأ بكسب الردة فان لم يف يقضى من كسب الاسلام وفي رواية الحسن عنه يبدأ من كسب الاسلام فان لم يف يقضى من كسب الردة وفي رواية زفر رحمه الله تعالى: دين الردة يقضى من كسب الردة ودين الاسلام يقضى من كسب الاسلام والصحيح رواية الحسن (التاتارخانية ص ۳۵۳ ج ۵)

وقال العلامة السيد محمد ابو السعود المصري الحنفي رحمه الله تعالى: (قوله هذا عند ابي حنيفة) اعلم ان تصرفات المرتد يتوقف في الكسبين جميعا وهو الصحيح وقال بعض المشايخ ان تصرفه في كسب الردة نافذ في ظاهر الرواية وموقوف في رواية الحسن والاول اصح وهذا كله عند الامام واما عندهما فتصرفاته نافذة في الكسبين قهستاني (قوله وعندهما) والخلاف بينهم في تصرفات وقعت قبل اللحاق واما بعده قبل الحكم فهي موقوفة بالاجماع كولايته على اولاده الصغار

قہستانی عن المحیط (فتح المعین ص۲۲۱ ج ۲)

وهكذا قال القهستانی رحمہ اللہ تعالی (جامع الرموز ص۹۹۵ ج۴)

وقال العلامۃ الحصكفی رحمہ اللہ تعالی: واعلم ان تصرفات المرتد علی اربعۃ اقسام فینفذ منہ اتفاقا ما لا یعتمد تمام ولایۃ وهی خمس الاستیلاد والطلاق وقبول الهبۃ وتسلیم الشفعۃ والحجر علی عبدہ و یبطل منہ اتفاقا ما یعتمد الملۃ وهی خمس النکاح والذبیحۃ والصید والشهادۃ والارث۔

ویتوقف منہ اتفاقا ما یعتمد المساواۃ وهو المفاوضۃ او ولایۃ متعدیۃ وهو التصرف علی ولدہ الصغیر ویتوقف منہ عند الامام وینفذ عندهما كل ما كان مبادلۃ مال بمال او عقد تبرع كالمبایعۃ والصرف والسلم والعتق والتدبیر والكتابۃ والهبۃ والرهن والاجارۃ والصلح من اقرار وقبض الدین لانہ مبادلۃ حكمیۃ والوصیۃ ردبحر ایمانہ وعقلہ ولاشك فی بطلانهما واما ایداعہ واستیداعہ والتقاطہ ولقطتہ فینبغی عدم جوازها نهر ان اسلم نفذ وان هلك بموت او لحق بدار الحرب وحكم بلحاقہ بطل ذلك كلہ فان جاء مسلما قبلہ قبل الحكم فكانہ لم یرتد۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ فینبغی عدم جوازها) عبارۃ النهر: فلا ینبغی التردد فی جوازهما منہ اذ نافذۃ عدم من سبق النقد (قولہ ویتوقف منہ عند الامام رحمہ اللہ تعالی) بناء علی زوال الملك كما سبق نهر (قولہ وینفذ عندهما) لانہ عند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی تصح كما تصح من الصحیح لان الظاهر عودہ الی الاسلام وعند محمد رحمہ اللہ تعالی كما تصح من المریض لانها تفضی الی القتل ظاهرا ھ عن البحر (رد المحتار ص۳۱۷ ج ۳) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔ غرۃ محرم ۱۳۹۵ھ

* قادیانیوں کے ساتھ تعلقات کے مسائل جلد اول کتاب الایمان والعقائد اور جلد سادس باب المرتد والبغاۃ اور تتمہ میں بھی ہیں۔

دنیوی غرض سے تبدیل مذہب حرام ہے:

سوال: حنفی عالم غیر احناف کی مسجد میں امامت کرتا ہے، یہ اس کی ملازمت ہے۔ اگر مسلک حنفی کے مطابق نماز پڑھائے تو معزول ہو جائے گا۔ ایسی حالت میں مسلک احناف کو حق سمجھتے ہوئے ملازمت باقی رکھنے کے لئے غیر حنفی طریقہ پر نماز پڑھنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: قال فی جواهر الفتاوی: لو ان رجلا من اهل الاجتهاد برئ من مذهبه فی مسألة او فی اکثر منها باجتهاد لما وضح له من دلیل الکتاب او السنة او غیرهما من الحجج لم یکن ملوما ولا مأزورا بل کان مأجورا محمودا وهو فی سعة منه وهکذا احوال الائمة المتقدمین فاما الذی لم یکن من اهل الاجتهاد فانتقل من قول الی قول من غیر دلیل لکن لما یرغب من غرض الدنیا وشهوتها فهو مذموم آثم مستوجب للتأدیب والتعزیر لارتکابه المنکر فی الدین واستخفافه بدینه ومذهبه

ونقل السیوطی رحمه الله تعالی فی رسالته المسماة جزیل المواهب فی اختلاف المذاهب من فصل الانتقال من مذهب الی مذهب وهو جائز الی ان قال: قلت للمنتقل احوال الاول ان یکون السبب الحامل له علی الانتقال امرا دنیویا لحصول وظیفة او مرتب او قرب من الملوک واهل الدنیا فهذا حکمه کمهاجر ام قیس لان الامور بمقاصدها ثم له حالات الاول ان یکون عاریا من معرفة الفقه لیس له فی مذهب امامه سوی اسم شافعی او حنفی کغالب متعممی زماننا ارباب الوظائف فی المدارس حتی ان رجلا سأل شیخنا العلامة الکافیجی رحمه الله تعالی مرة یکتب له علی قصة نیابة بولایة اول وظیفة تشغر بالشیخونیة فقال له ما مذهبک قال مذهبی خبز وطعام یجیء وظیفة له اما فی الشافعیة او المالکیة او الحنابلة فان الحنفیة فی الشیخونیة لا خبز لهم ولا طعام فهذا امره فی الانتقال خفیف

لا یصیر الی حد التحریم لانہ ان کان عامیا لا مذھب لہ یحققہ فھو تابع لمن یفتیہ مذھبا واحدا ثانیھما ان یکون فقیھا فی مذھب و یرید الانتقال لھذا الغرض فھذا امرہ اشد و عندی انہ یصل فی حد التحریم لانہ تلاعب بالاحکام الشرعیۃ لمحض غرض الدنیا (العقود الدریۃ ص ۳۳۳ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۰ ربیع الآخر ۱۳۹۸ھ

فون سننا لازم نہیں:

سوال: اگر فون کی گھنٹی بج رہی ہو تو فون اٹھانا اور سننا واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

واجب نہیں، کیونکہ اگر کوئی شخص دور سے چل کر آئے اور دروازے پر دستک دے تو بھی صاحب خانہ پر اس سے ملنا لازم نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: یایھا الذین امنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا (الی قولہ) وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا ھو ازکی لکم (۲۴-۲۸)

اور فون انسان اپنے گھر یا کہیں دور سے کرتا ہے، اس سے ملنا بطریق اولیٰ لازم نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۰ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

تعویذ کا حکم:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ رقیہ (دم) تو ثابت ہے لیکن تمیمہ (تعویذ) ثابت نہیں بلکہ شرک ہے اس لئے دم جھاڑ تو جائز ہے۔ کیا واقعی تعویذ کا ثبوت نہیں؟ اگر ہے تو شرائط جواز کیا ہیں؟ نیز حساب ابجد سے تعویذ لکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

احادیث صحیحہ صریحہ کثیرہ سے رقیہ (دم) کا ثبوت بے غبار ہے۔ تمیمہ (تعویذ) کی مندرجہ ذیل صورتیں ناجائز ہیں:

① ٹوٹکا، جو بچے یا عورت وغیرہ کے گلے میں باندھا جاتا ہے۔

(۳) ایسا تعویذ جس میں اسماء اللہ تعالیٰ، آیات قرآنیہ، دعاء ماثورہ نہ ہوں بلکہ کلمات شرکیہ ہوں۔

(۴) تعویذ کو مؤثر بالذات سمجھا جائے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں تھا اور اب بھی بعض جہاں یونہی سمجھتے ہیں۔

یہ صورتیں بلاشبہ ناجائز، حرام اور شرک ہیں۔

تعویذ میں اسماء اللہ تعالیٰ، آیات قرآنیہ اور ادعیہ ماثورہ ہوں تو یہ جائز اور ثابت ہے اس کو ناجائز اور شرک کہنا جہالت ہے کیونکہ اس قسم کے تعویذ میں مؤثر بالذات صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھا جاتا ہے۔

تعویذ کو شرک کہنے والوں پر لازم ہے کہ شرک کی ایسی تعریف کریں جس میں تعویذ تو داخل ہو اور دعاء، دوا اور رقیہ خارج ہو جائیں۔

حاصل یہ کہ جواز تعویذ کے لئے تین شرائط ہیں:

(۱) لغت مفہوم المعنی ہو۔

(۲) ماثور و منقول ہو۔

(۳) اس کے مؤثر بالذات ہونے کا اعتقاد نہ ہو۔

حساب ابجد سے تعویذ لکھنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ بھی لغت مفہومہ ہے

روایات الحدیث والفقہ:

(۱) عن عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ تعالی عنہ قال کنا نرقی فی الجاھلیۃ فقلنا یا رسول اللہ کیف تری فی ذلک فقال اعرضوا علی رقاکم لا بأس بالرقی ما لم یکن فیہ شرک (صحیح مسلم ص۲۲۴ ج۲)

(۲) عن ابی سعید رضی اللہ تعالی عنہ قال بعثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سریۃ فنزلنا بقوم فسألناھم القری فلم یقرونا فلدغ سیدھم فأتونا فقالوا ھل فیکم من یرقی من العقرب قلت نعم انا ولکن لا ارقیہ حتی تعطونا غنما قالوا فانا نعطیکم ثلاثین شاۃ فقبلنا فقرأت علیہ الحمد سبع مرات

(ابن ماجہ [illegible] ص [illegible] ج ۲)

(۳) عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما قال کان رسول اللہ صلی اللہ

علیه وسلم یعوذ الحسن والحسین یقول اعیذکما بکلمات الله التامة من کل شیطان وهامة ومن کل عین لامة ویقول هکذا کان ابراهیم علیه السلام یعوذ اسحق واسمعیل (الجامع للترمذی ص۲۷ ج۲)

(۴) عن عائشة رضی الله تعالی عنها قالت لیست التمیمة ما تعلق به بعد البلاء انما التمیمة ما تعلق به قبل البلاء رواه الحاکم وقال صحیح الاسناد
(الترغیب ص۳۰ ج۵)

(۵) ان عائشة رضی الله تعالی عنها زوج النبی صلی الله علیه وسلم قالت لیست تمیمة ما علق بعد ان یقع البلاء (شرح معانی الآثار ص۳۲۵ ج۲)

(۶) وکان عبد الله بن عمرو رضی الله تعالی عنهما یعلمهن من عقل من بنیه ومن لم یعقل کتبه فاعلقه علیه (ابوداود ص۱۸ ج۲)

(۷) وقال الحافظ رحمه الله تعالی: والتمائم جمع تمیمة وهی خرزة او قلادة تعلق فی الرأس کانوا فی الجاهلیة یعتقدون ان ذلک یدفع الآفات الخ (فتح الباری ص۱۶۶ ج۱۰)

(۸) وقال الملا علی القاری رحمه الله تعالی: واما ما کان من الآیات القرآنیة والاسماء والصفات الربانیة والدعوات المأثورة النبویة فلا بأس بل یستحب سواء کان تعویذا او رقیة او نشرة واما علی لغة العبرانیة ونحوها فیمتنع لاحتمال الشرک فیها (مرقاة ص۳۲۱ ج۸)

(۹) وقال ایضا: (او تعلقت تمیمة) ای اخذتها علاقة والمراد من التمیمة ما کان من تمائم الجاهلیة ورقاها فان القسم الذی یختص باسماء الله تعالی وکلماته غیر داخل فی جملته بل هو مستحب مرجو البرکة عرف ذلک من اصل السنة وقیل یمنع اذا کان هناک نوع قدح فی التوکل الخ (المرقاة ص۳۳۰ ج۸)

(۱۰) وقال ایضا: (والتمائم) جمع التمیمة وهی التعویذة التی تعلق علی الصبی اطلقه الطیبی لکن ینبغی ان یقید بان لا یکون فیها اسماء الله تعالی وآیاته المتلوة والدعوات المأثورة وقیل هی خرزات کانت العرب

تعلق على الصبي لدفع العين بزعمهم وهو باطل ثم توسعوا فيها حتى سموا بها كل عوذة ذكره بعض الشراح وهو كلام حسن وتحقيق مستحسن

(المرقاة ص ۱۲ ج ۹)

(۱۱) وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: ولا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن أو أسماء الله تعالى (رد المحتار ص۱۲۰ ج ۱)

(۱۲) وقال أيضا: (قوله التميمة المكروهة) أقول الذي رأيته في المجتبى التميمة المكروهة ما كان بغير القرآن، وقيل هي الخرزة التي تعلقها الجاهلية اهـ فلتراجع نسخة أخرى. وفي المغرب: وبعضهم يتوهم أن المعاذات هي التمائم وليس كذلك إنما التميمة الخرزة (إلى أن قال) وفي الشلبي عن ابن الأثير: التمائم جمع تميمة وهي خرزات كانت العرب تعلقها على أولادهم يتقون بها العين في زعمهم فأبطلها الإسلام، والحديث الآخر "من علق تميمة فلا أتم الله له" لأنهم يعتقدون أنها تمام الدواء والشفاء بل جعلوها شركاء لأنهم أرادوا بها دفع المقادير المكتوبة عليهم وطلبوا دفع الأذى من غير الله تعالى الذي هو دافعه اهـ (إلى أن قال) وعن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يعوذ نفسه قال رضي الله تعالى عنه: وعلى الجواز عمل الناس اليوم وبه وردت الآثار (رد المحتار ص۲۳۲ ج ۵) والله سبحانه وتعالى أعلم۔

۱۱ جمادی الثانیہ سنہ ۱۴۰۲ھ

شیطانی گولے کی تباہ کاریاں:

سوال: ورزش کی نیت سے فٹ بال کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ورزش کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جس کا تعلق براہ راست جہاد سے ہو۔

اس کے جواز کے لئے یہ شرط ہے کہ مقام ایسا منتخب کیا جائے جس میں جہاد کی مشق کرنے سے گزرنے والوں میں کسی شخص کے جانی یا مالی نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو، خود ورزش کرنے والوں کا ضرر سے محفوظ ہونا ضروری نہیں۔ اگر کوئی مر بھی گیا تو

شہید ہوگا۔

(۲) جس کا براہِ راست جہاد کی تربیت سے تعلق نہیں۔

ایسی ورزش تحفظِ صحت اور دینی و دنیوی امور میں معین ہونے کی وجہ سے فی نفسہ جائز بلکہ کسی قدر ضروری ہے مگر اس کے لئے یہ شرائط ہیں:

(۱) شرطِ مذکور یعنی گرد و نواح میں کسی قسم کے جانی و مالی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲) خود ورزش کرنے والے کو یا اس کے ساتھ شرکا میں سے کسی کو کسی قسم کے جسمانی یا مالی نقصان یا ایذاء پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۳) اس میں ورزش کے مفہوم پر کھیل کود، لہو و لعب اور تماشا کا پہلو غالب نہ ہو۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کل شیء یلھو بہ الرجل باطل الارمیہ بقوسہ وتادیبہ فرسہ وملاعبتہ امرأتہ فانھن من الحق رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص۳۳۶ ج ۲)

عن سعید بن الجبیر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ان قریبا لعبد اللّٰہ بن مغفل رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ خذف قال فنھاہ وقال ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نھی عن الخذف وقال انھا لا تصید صیدا ولا تنکأ عدوا ولکنھا تکسر السن وتفقأ العین قال فعاد فقال احدثک ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نھی عنہ ثم تخذف لا اکلمک ابدا (صحیح مسلم ص۱۵۳ ج ۲)

گیند اور فٹ بال:

یہ درج ذیل مفاسد کی بناء پر جائز نہیں:

(۱) اس میں کھیل کے شرکاء کو سخت جسمانی نقصان پہنچتا ہے، اس کی بے شمار مثالیں ہیں، بعض کی ٹانگیں ٹوٹیں اور بعض کے پیٹ میں چوٹ لگنے سے برلبِ مرگ ہوجانا ہم نے خود دیکھا ہے۔

(۲) قریب سے گزرنے والوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ بعض کی آنکھیں پھوٹنے اور بعض کے چہرے مسخ ہونے کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔

کھیل نہیں کہتے۔ گیند اور فٹ بال کو کوئی بھی ورزش نہیں کہتا، کھیل کہتے ہیں۔

(۲) ورزش کو دیکھنے کے لئے دوسرے لوگ جمع نہیں ہوتے، کوئی ایک آدمی چلا گیا تو تعجب بات ہے، فٹ بال کو دیکھنے بہت لوگ آتے ہیں سو وہی لوگ بھی آتے ہیں۔ ایک شخص نے صرف فٹ بال کا مقابلہ دیکھنے کے لئے ٹیلی ویژن خریدا اور گھر والوں سے یوں جھوٹ بولا اور یوں فریب دیا کہ فٹ بال کا مقابلہ دیکھنے کے لئے ٹی وی کے جواز کا میں نے فلاں سے فتویٰ لیا ہے۔

مجھ پر افتراء باندھا کہ اس نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

(۳) فٹ بال وغیرہ کے مقابلہ کو دیکھنے کے لئے لوگ ٹی وی پر گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں، کسی ورزش کو دکھانے کے لئے کسی حکومت میں کسی ملک میں کوئی نظم نہیں۔

(۴) ورزش میں کوئی شخص ایسا منہمک نہیں ہوتا کہ ضرورت سے زائد کرتا ہی چلا جائے، کھانا وقت متعین ہوتا ہے، آدھ گھنٹہ، گھنٹہ، جب وقت گزر جاتا ہے تو پھر اس کا شوق نہیں رہتا۔ اس شیطانی دھندے کا حال یہ ہے کہ شروع کیا تو ہوش نہیں رہتا، کھیلتے ہی چلے جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ورزش نہیں بلکہ کھیل تماشا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تفریحی تالاب میں تیراکی سیکھنا: غرۂ ذی الحجہ سنہ [illegible]ھ

سوال: تفریح یا تیراکی سیکھنے کے لئے ایسے تالاب میں نہانا جائز ہے یا نہیں جہاں بے دین، فساق و فجار کا ہجوم ہوتا ہے، جن کے ران کھلے ہوتے ہیں؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم بنیت جہاد تیراکی سیکھنے جاتے ہیں، جب بازاروں میں منکرات والی دکانوں پر اپنی حاجت سے جانا جائز ہے تو بضرورت جہاد ایسے تالاب میں نہانا بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہئے۔

اس بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تالاب میں نہانے کو حاجات عامہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اس لئے اس سے احتراز لازم ہے، بالخصوص علماء و صلحاء کے لئے زیادہ قبیح ہے۔

ھذا، ومسألۃ دخول الحمام مشھورۃ فی کتب المذھب منصوصۃ۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ — غرۂ صفر سنہ [illegible]ھ

نابالغ کا ستر دیکھنا:

سوال: نابالغ بچے کے ستر کو دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ عورت غلیظہ وخفیفہ میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بہت چھوٹے بچے کی عورت غلیظہ وخفیفہ دونوں کو دیکھنا جائز ہے، سات سال کی عمر تک صرف خفیفہ کا دیکھنا جائز ہے، غلیظہ کا دیکھنا جائز نہیں۔

سات سال سے زیادہ عمر کا بچہ اس مسئلہ میں بالغ کے حکم میں ہے، لہٰذا اس عمر کے بعد غلیظہ وخفیفہ دونوں کا دیکھنا ناجائز ہے۔

حد صغر میں چار سال تک کی عمر کا قول بلا نسبت مذکور ہے، مگر تحقیق سے ثابت ہوا کہ اس عمر میں بچہ استنجاء وغیرہ میں مستغنی نہیں ہو سکتا اس لئے اس میں رأی مبتلی بہ کا اعتبار ہونا چاہیئے۔

عورت غلیظہ سے مراد پیشاب و پاخانہ کا مقام اور ان کے ارد گرد کا حصہ ہے اور عورت خفیفہ سے ان مواضع کے سوا باقی حصہ۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی السراج لا عورۃ للصغیر جدا ثم مادام لم یشتہ فقبل ودبر ثم تغلظ الی عشر سنین ثم کبالغ (الی قولہ) والغلیظۃ قبل ودبر وما حولھما والخفیفۃ ما عدا ذلک۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ لا عورۃ للصغیر جدا) وکذا الصغیرۃ کما فی السراج فیباح النظر والمس کما فی المعراج قال ح وفسرہ شیخنا بابن اربع فما دونھا ولم ار من نص علیہ (رد المحتار ص ۲۷۳ ج ۱)

وقال ایضا: (ثم تغلظ بعد ذلک الی عشر سنین) قال فی النھر وکان ینبغی اعتبارہ بالسبع لامرھما بالصلاۃ اذا بلغا ھذا السن (رد المحتار ص ۲۷۳ ج ۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۲۰ جمادی الثانیہ ۱۴۰۳ھ

مال حرام سے خریدا ہوا مال بھی حرام ہے:

یہ مسئلہ کھانے پینے کی اشیاء کے باب میں عنوان "مال حرام سے خریدا ہوا طعام بھی حرام ہے" کے تحت گزر چکا ہے۔

آلاتِ معصیت توڑنے کا حکم:

سوال: گانے بجانے کے آلات اور شراب کے برتن توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز توڑنے والے پر ضمان ہے یا نہیں؟ اگر یہ آلات ذمی کے پاس ہوں تو پھر کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آلاتِ معصیت کا توڑنا جائز ہے اور مندرجہ ذیل تین صورتوں میں توڑنے پر بالاتفاق ضمان نہیں:

(۱) ان آلات کو لہو و لعب کے سوا کسی اور کام میں استعمال نہ کیا جا سکتا ہو۔

(۲) امام کی اجازت سے توڑا ہو۔

(۳) آلاتِ لہو و لعب مغنی کے پاس ہوں اور شراب کے مٹکے خمار یعنی شراب بیچنے والے کے پاس ہوں۔

جب یہ تینوں صورتیں منتفی ہوں یعنی آلات دیگر جائز امور میں استعمال کرنے کی صلاحیت ہو، امام کی اجازت نہ ہو، مغنی و خمار کے پاس نہ ہو تو وجوبِ ضمان میں اختلاف ہے، امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لکڑی وغیرہ اجزاء جو لہو و لعب کے کام نہ آسکیں ان کی قیمت واجب ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ بھی واجب نہیں، فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے لفساد الزمان۔

ذمی بھی بحکم مسلم ہے، البتہ وہ اگر علانیہ خمر کی بیع نہ کرتا ہو تو اس کے حق میں آلۂ معصیت نہ ہونے کی وجہ سے ضمان واجب ہوگا۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وضمن بکسر المیم معترف بکسر المیم آلۃ اللهو ولو لکافر ابن کمال قیمته خشبا منحوتا صالحا لغیر اللهو وضمن القیمۃ لا المثل بإراقۃ سکر ومنصف سیجیء بیانه فی الأشربۃ وصح بیعها کلها وقالا لا یضمن ولا یصح بیعها وعلیه الفتوی ملتقی ودرر وزیلعی وغیرها وأقره المصنف۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله وقالا الخ) هذا الاختلاف فی الضمان دون إباحۃ إتلاف المعازف وفیما یصلح لعمل آخر وإلا لم یضمن شیئا اتفاقا وفیما إذا فعل بلا إذن الإمام وإلا لم یضمن

اتفاقا وفی غیر عود المغنی وجابیۃ الخمار والا لم یضمن اتفاقا لانہ لو لم یکسرہا صار تضمینا للقبیح وفیما اذا کان لمسلم فلو لذمی ضمن اتفاقا قیمتہ بالغا ما بلغ وکذا لو کسر صلیبہ لانہ مال متقوم فی حقہ قلت لکن جزم القہستانی وابن الکمال ان الذمی کالمسلم فلیحرر در منتقی القول وجزم بہ فی الاختیار ایضا ولعلہ اقتصر فی الہدایۃ علی ذکر المسلم لکونہ محل الخلاف وبہ یتحرر المقام فتدبر (رد المحتار ص[illegible] ج ۵)

وقال العلامۃ مجد الدین الموصلی رحمہ اللہ تعالی: ویجب فی کسر المعازف قیمتہا لغیر اللہو وسواء کانت لمسلم او ذمی کالبربط والطبل والدف والمزمار والجنک والعود ونحوہا ویجوز بیعہا وقالا لا یضمن ولا یجوز بیعہا لانہا اعدت للمعاصی فلا تضمن کالخمر ومتلفہا متأول النہی عن المنکر وانہ مأمور بہ شرعا فلا یضمن کاذن القاضی وبہ اوقف (الاختیار ص[illegible] ج ۳) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۶ ذی الحجۃ سنہ ۱۳[illegible]ھ

حکم الاستمناء بید الزوجۃ:

سوال: بیوی کے پیٹ، ران اور ہاتھ سے استمتاع کرتے ہوئے انزال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز بیوی کا شوہر کے ہاتھ سے استمتاع کے بعد انزال کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بضرورت تسکین بلا کراہت جائز ہے، بلا ضرورت مکروہ تنزیہی ہے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی معزیا لمعراج الدرایۃ: ویجوز ان یستمنی بید زوجتہ وخادمتہ وسیذکر الشارح فی الحدود عن الجوہرۃ انہ یکرہ ولعل المراد بہ کراہۃ التنزیہ فلا ینافی قول المعراج یجوز تأمل (رد المحتار ص[illegible] ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

[illegible] ربیع الاول سنہ ۱۳[illegible]ھ

حق طبع محفوظ رکھنا جائز نہیں:

تفصیل رسالہ القول الاحمد فی بیع حقوق میں ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ——— (اعراف: ۳۲)

إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ (مسلم شریف)

مکتبہ فاروقیہ

بقصدِ زینت سرمہ لگانا جائز ہے

سوال ① ولا بأس بالاکتحال للرجال اذا قصد به التداوی دون الزینة (ھدایہ ص ۲۰۱ ج ۱ کتاب الصوم)

② ولا بأس بالاثمد للرجال باتفاق المشائخ ویکرہ الکحل بالاسود بالاتفاق اذا قصد به الزینة واختلفوا فیما اذا لم یقصد به الزینة عامتهم علی انه لا یکرہ کذا فی جواھر الاخلاطی (عالمگیریہ کتاب الکراھیة)

ان عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کے لئے بقصد زینت سیاہ سرمہ کا استعمال مکروہ ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

یعنی تداوی کے بغیر مردوں کے لئے سیاہ سرمہ کا استعمال زینت کے ارادہ سے جائز ہے یا مکروہ ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عادۃ مستمرہ کے طور پر سرمہ لگاتے تھے اور دوسروں کو بھی "علیکم" جیسے الفاظ دوام واستمرار والتزام سے تاکید فرماتے تھے، اگر مردوں کے لئے قصدِ زینت میں کوئی کراہت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ضرور تنبیہ فرماتے، موقع تنبیہ میں سکوت دلیل عدم کراہت ہے۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلقۃً "اکحل" پیدا فرمایا تھا، اگر سرمہ لگانے میں تشبہ بالنساء ہے تو یہ بہت بڑا عیب ہے، اس سے لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلقۃً معیب پیدا فرمایا، تو یہ نقص ہوا حالانکہ اسکو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن میں شمار کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہر قسم کے عیوب جسمانیہ سے بھی منزہ و مبرا پیدا فرمایا ہے تو کیا کسی کی عقل یہ تسلیم کرسکتی ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدائشی طور پر اتنا بڑا عیب رکھدیا ہو۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ مردوں کو بقصدِ زینت سرمہ لگانا بلا کراہت جائز ہے شریعت نے مردوں کے لئے مہندی وغیرہ جیسی رنگدار زینت کی ممانعت سے اس کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جیسا کہ بالوں میں خضاب غیر اسود مستثنیٰ ہے۔

الاکتحال للرجال ــــــــــــ ۲

رہا یہ احتمال کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وعمل اثمد کے ساتھ خاص ہو اور یہ احتمال کہ اثمد سیاہ نہیں ہوتا ہوگا، ایسے احتمالات بعیدہ تسلیم کر لینے کے باوجود بھی مظنۂ قصد زینت موجود ہے، علاوہ ازیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قصد زینت کی کراہت منقول ہے نہ کسی صحابی رضی اللہ تعالی عنہ سے اور نہ ہی حضرت امام رحمہ اللہ تعالی سے بلکہ اس کے برعکس امام ابو العربی رحمہ اللہ تعالی سے جواز بلا کراہت کی تصریح منقول ہے ونصہ:

الكحل يشتمل على منفعتين احداهما زينة والثانية تطبب فاذا استعمل للزينة فهو مستثنى من التصنع الذي يلبس الصنعة بالخلقة كالوصل والوشم والتفلج والنمص رحمة من الله لخلقه ورخصة منه لعباده واذا استعمل بنية التطبب لتقوية البصر من ضعف يعتوره واستنبات الشعر الذي يجمع النور للادراك ويصد الاشعة الغالبة لمن تراءى لعل الزينة لا تحل له شرعا وانما هو يقصد المعالجة في بدنه وحقا انه الخ (شرح الشمائل للمناوي على هامش جمع الوسائل ص ۱۰۲ ج ۱)

حقیقت مذکورہ کے پیش نظر حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی نے قول کراہت کے دو محمل بیان فرمائے ہیں:

① زینت میں اس قدر مبالغہ جو تشبہ بالنساء تک مفضی ہو۔
② نمائش وفخر مقصود ہو۔

قال الامام ابن الهمام رحمه الله تعالى:

(قوله دون الزينة) لانه نوع من زينة النساء ثم قيد دهن الشارب بان لا يكون فيه ذلك وفي الكافي يستحب دهن شعر الوجه اذا لم يكن من قصده الزينة به وردت السنة فقيده بانتفاء هذا القصد فكأنه والله اعلم لانه تبرج بالزينة وقد روى ابو داؤد والنسائي عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكره عشر خلال ذكر منها التبرج بالزينة لغير محلها وسنورده بتمامه ان شاء الله تعالى في كتاب الكراهية - وفي الموطأ عن ابي قتادة رضي الله تعالى عنه قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم ان لي جمة افارجلها قال نعم واكرمها فكان ابو قتادة رضي الله تعالى عنه ربما دهنها

في اليوم مرتين من اجل قول رسول الله صلى الله عليه وسلم لا حظ النفس الطالبة للزينة الظاهرة وذلك لان الاكرام والجمال المطلوب يتحقق مع دون هذا المقدار وفي سنن النسائي ان رجلا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يقال له عبيد قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان ينهى عن كثير من الارفاه فسئل ابن بريدة رضي الله تعالى عنه عن الارفاه قال الترجيل والمراد والله اعلم الترجيل الزائد الذي يخرج الى حد الزينة لا ما كان لقصد دفع اذى الشعر والشعث هذا ولا تلازم بين قصد الجمال وقصد الزينة فالقصد الاول لدفع الشين واقامة ما به الوقار واظهار النعمة شكرا لا فخرا وهو اثر ادب النفس وشهامتها والثاني اثر ضعفها وقالوا بالخضاب وردت السنة ولم يكن لقصد الزينة ثم بعد ذلك ان حصلت زينة فقد حصلت في ضمن قصد مطلوب فلا يضره اذا لم يكن ملتفتا اليه (فتح القدير ص ۴۲۶ ج ۲)

وقال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى بعد نقل ما مر عن الفتح:

وبهذا ظهر ان ما في فتاوى قاضيخان من ان لبس الثياب الجميلة مباح اذا كان لا يتكبر لان التكبر حرام وتفسيره ان يكون معها كما كان قبلها اه (البحر الرائق ص ۲۸۱ ج ۲)

وكذا نقل العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى عن الفتح والبحر (رد المحتار ص ۴۲۳ ج ۲)

تحریرات مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سرمہ لگانا، تیل لگانا، کنگھی، خضاب (غیر اسود) اور ثیاب جمیلہ وغیرہ اسباب آرائش و زیبائش سب کا ایک ہی حکم ہے، یعنی بغرض زیبائش مباح بلکہ مندوب اور بغرض نمائش ناجائز و حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴ شعبان ۱۳۹۱ ہجری

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

توقیع الاعیان

علی

حرمۃ ترقیع الانسان

انسانی اعضاء کی پیوند کاری

انسانی اعضاء کی پیوندکاری اور خون دینا

سوال :

دو مریض ہیں جن میں سے ایک کی قوت باہ بالکل زائل ہوچکی ہے اور وہ شادی شدہ ہے، دوسرے مریض کی قوت باہ تو ٹھیک ہے مگر وہ کسی اور مرض میں مبتلا ہے دونوں مریض ایک سول سرجن کے زیر علاج ہیں، جس مریض کی مردانہ قوت ٹھیک تھی اس کا انتقال ہوگیا، سول سرجن نے اس مردہ کا آلۂ تناسل کاٹ کر دوسرے مریض کے لگا دیا، اس کی قوت باہ بحال ہوگئی اور بیوی کی ضرورت پوری کرنے کے قابل ہوگیا اور اولاد بھی پیدا ہونے لگی، کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ اگر سول سرجن ایسا نہ کرے تو وہ مریض ٹھیک نہیں ہوسکتا اس کی زندگی تباہ ہوجائے گی، اگر یہ صورت شرعاً جائز نہیں تو کیا یہ شخص اپنی بیوی کو طلاق دیدے؟ نیز مذکور کے جواز کا ایک فتوی ارسال ہے اس سے متعلق بھی اپنی تحقیق تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

یہاں چند سوال پیدا ہوتے ہیں:

① استعمال جزء آدمی مستفاد جائز ہے یا نہیں؟

② اگر ناجائز ہے تو پیوست کردہ جزء کا قطع واجب ہے یا نہیں؟

③ اگر قطع واجب نہیں تو ایسے آلہ کا استعمال للجماع جائز ہے یا نہیں؟

④ اگر جماع جائز نہیں تو کیا بیوی کو طلاق دینا واجب ہے؟

⑤ اولاد ثابت النسب ہوگی یا نہیں؟

ان امور خمسہ کے جوابات بالترتیب تحریر کئے جاتے ہیں:

① قولہ فی الخانیۃ ویقدم المضطر المیتۃ علی الصید (صید الحرم) والصید علی مال الغیر ولحم الانسان قیل والخنزیر، وامیتۃ نبیا لایحل بحال کما لایأکل طعام مضطر آخر (رد المحتار ص ۲۳۳ ج ۲)

توقیع الاعیان ۲ ——

الضرر لا یزال بالضرر ولا یأکل المضطر طعام مضطر آخر ولا شیئا من بدنہ (الاشباہ ص ۱۱۰)

مضطر لم یجد میتۃ وخاف الهلاک فقال لہ رجل اقطع یدی وکلها او قال اقطع منی قطعۃ وکلها لا یسعہ ان یفعل ذلک ولا یصح امرہ بہ کما لا یسع للمضطر ان یقطع قطعۃ من نفسہ فیأکل (خانیۃ ص ۸۰ ج ۳، عالمگیریۃ ص ۳۳۸ ج ۵، شامیۃ ص ۲۹۵ ج ۵)

روی عن ابی امامۃ بن سهل بن حنیف ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم داوی وجهہ یوم احد بعظم بال، فیہ دلیل جواز المداواۃ بعظم بال وهذا لان العظم لا یتنجس بالموت علی اصلنا لانہ لا حیاۃ فیہ الا ان یکون عظم الانسان او عظم الخنزیر فانہ یکرہ التداوی بہ لان الخنزیر نجس العین فعظمہ نجس کلحمہ لا یجوز الانتفاع بہ بحال والآدمی محترم بعد موتہ علی ما کان علیہ فی حیاتہ فکما لا یجوز التداوی بشیء من الآدمی الحی اکراما لہ فکذلک لا یجوز التداوی بعظم المیت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسر عظم المیت ککسر عظم الحی (شرح السیر الکبیر ص ۸۸ ج ۱)

الانتفاع باجزاء الآدمی لم یجز قیل للنجاسۃ وقیل للکرامۃ هو الصحیح کذا فی جواهر الاخلاطی (عالمگیریۃ ص ۳۵۴ ج ۵)

واذا کان برجل جراحۃ یکرہ المعالجۃ بعظم الخنزیر والانسان لانہ یحرم الانتفاع بہ کذا فی الکبری (عالمگیریۃ ص ۳۵۴ ج ۵)

ولو سقط سنہ یکرہ ان یأخذ سن میت فیشدها مکان الاولی بالاجماع وکذا یکرہ ان یعید تلک السنۃ الساقطۃ مکانها عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمهما اللہ تعالی ولکن یأخذ سن شاۃ ذکیۃ فیشدها مکانها وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی لا بأس بسنہ ویکرہ سن غیرہ (بدائع ص ۱۳۲ ج ۵)

لا بأس بان یسعط الرجل بلبن المرأۃ ویشربہ للدواء (عالمگیریۃ ص ۳۵۵ ج ۵)

عبارات بالا سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے:

① صرف مضطر جان بچانے کے لئے مردہ انسان کا گوشت کھا سکتا ہے، اس

سے معلوم ہوا کہ مُردہ کے کسی عضو کو علاج کے طور پر استعمال کرنا جائز نہیں اگرچہ مریض کو ہلاکت کا خطرہ ہو۔ اسے اکل مضطر پر قیاس کرنا دو وجہ سے صحیح نہیں:

(۱) اکل سے تشبیع و حیات متیقن ہے اور تداوی سے صحت متیقن نہیں۔

قال فی العلائیۃ: الاکل للغذاء والشرب للعطش ولو من حرام او میتۃ او مال غیرہ وان ضمنہ یثاب علیہ۔

وفی الشامیۃ: بخلاف من امتنع عن التداوی حتی مات اذ لا یتیقن بانہ یشفیہ (رد المحتار ص۲۹۵ ج۵)

الرجل استطلق بطنہ او رمدت عیناہ فلم یعالج حتی اضعفہ واضناہ ومات منہ لا اثم علیہ فرق بین ہذا وبین ما اذا جاع ولم یاکل مع القدرۃ حتی مات حیث یاثم والفرق ان الاکل مقدار قوتہ مشبع بیقین فکان ترکہ اھلاکا ولا کذلک المعالجۃ والتداوی کذا فی الظہیریۃ (عالمگیریۃ ص۳۳۶ ج۵)

(۲) اکل کی صورت میں عضو ماکول بالکل ہلاک و لاشی ہو جاتا ہے جبکہ پیوند لگایا ہوا عضو باقی رہتا ہے۔

انہی وجوہ کی بنا پر فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی مضطر کے لئے اکل میتۃ انسان کی اجازت دیتے ہیں مگر تداوی کے لئے عظم انسان کے پیوند کو ناجائز فرماتے ہیں، ونصہ: واذا کسر للمرأۃ عظم فطار فلا یجوز ان ترقعہ الا بعظم ما یؤکل لحمہ ذکیا وکذلک ان سقطت سنہ صارت میتۃ فلا یجوز لہ ان یعیدہا بعد ما بانت فلا یعید سن شیء غیر سن ذکی یؤکل لحمہ وان رقع عظمہ بعظم میتۃ او ذکی لا یؤکل لحمہ او عظم انسان فہو کالمیتۃ فعلیہ قلعہ واعادۃ کل صلاۃ صلاہا وہو علیہ فان لم یقلعہ جبرہ السلطان علی قلعہ (الام ص۴۴ ج۱)

(۲) مضطر زندہ انسان کا گوشت اور خود اپنا کوئی عضو نہیں کھا سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آجکل مریض کے کسی حصہ سے گوشت اتار کر دوسری جگہ چڑھانے کا جو معمول ہے یہ ناجائز ہے، جب حالت اضطرار میں جان بچانے کے لئے اپنے یا دوسرے کے گوشت یا کھال کو کاٹ کر استعمال کرنا جائز نہیں تو تداوی کے لئے

بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

بعض علماء نے مریض کے اپنے عضو سے اس کے دوسرے کسی عضو کو پیوند لگانے کے جواز پر بدائع کا جزئیہ مذکورہ بالا پیش کیا ہے۔

یہ قیاس اس لئے صحیح نہیں کہ کسی عضو کو اسی کی اصل جگہ پر لگانے کو مرمت کہنا نہیں سمجھا جاتا اس لئے اس میں اہانت نہیں، دوسری جگہ لگانا مرمت کہلاتا ہے جو اہانت ہے۔ ولہذا قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ:

وانما دفعہ جزء منفصل الی مکانہ لیلتئم یجوز کما اذا قطع شیء من عضوہ فاعادہ الی مکانہ ولا اھانۃ فی استعمال جزء نفسہ فی الاعادۃ الی مکانہ (بدائع ص ۱۳۳ ج ۵) اس لئے اس جزئیہ سے دوسری جگہ نقل کرنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا، معہذا بوقت ضرورت شدیدہ ان علماء کی توسیع پر عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

(۳) زندہ انسان کے گوشت کے سوا باقی اجزاء، خون اور دودھ وغیرہ پر تداوی بالمحرم کا حکم ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت شدیدہ جان بچانے کے لئے عمل نقل دم جائز ہے، مگر خون کی خرید و فروخت جائز نہیں، اگر خون مفت نہ مل سکے اور سخت مجبوری ہو تو خریدنے کی گنجائش ہے، بیچنے والا بہر حال گنہگار ہوگا۔

اعضاء کو دودھ اور خون پر قیاس کرنا صحیح نہیں، کیونکہ دودھ کی تو تخلیق ہی افزائش و ارضاع کے لئے ہے۔

خون کا بوجوہ ذیل فرق ہے:

(۱) بسا اوقات خون کا اخراج ناگزیر ہوتا ہے، بلکہ قصداً اخراج کی بجائے قدرتاً نکسیر وغیرہ کے ذریعہ اخراج ہوتا رہتا ہے۔

(۲) خون کے اخراج میں کسی عضو کی قطع و برید نہیں ہوتی۔

(۳) لحوق شین بھی نہیں ہوتا۔

(۴) خون دینا تغذیہ ہے، تداوی نہیں۔

(۲) قال فی البحر وعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ انہ لا بأس ان یأخذ من الخاتم قوضعہ موضع سنہ (الی قولہ) ان کان یمکن قلع سن الکلب بغیر ضرر

یقطع وان کان لایمکن الا بضرر لا یقطع (البحر الرائق ص ۵، ج ۸)

چونکہ آلۂ تناسل کا قطع بلا ضرر ممکن نہیں لہٰذا اس کا قطع کرنا واجب نہیں۔

(۳) اس کے استعمال لبول او رمس للاستنجاء وغیرہ پر مجبور ہونے کی وجہ سے ماخوذ نہ ہوگا مگر استعمال للجماع پر مجبور نہیں لہٰذا اپنے اصل (حرمۃ استعمال جزء الآدمی) کے مطابق جماع حرام ہوگا، میاں بیوی دونوں گنہگار ہونگے، بیوی کے لئے اس کا دیکھنا اور چھونا جائز نہیں۔

قال فی شرح المنیۃ ان الشارع (ستر الغلیظۃ والخفیفۃ) صوالمذحوذ لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام لعلی رضی اللہ تعالٰی عنہ لا تنظر الی فخذ حی ولا میت ولان ما کان عورۃ لا یسقط بالموت ولذا لا یجوز مسہ۔

(رد المحتار ص ۸۰۰ ج ۱)

وفی البحر فی باب شروط الصلوۃ کل عضو ھو عورۃ من المرأۃ اذا انفصل عنھا ھل یجوز النظر الیہ فیہ روایتان، الثانیۃ لا یجوز وھو الاصح وکذا الذکر المقطوع من الرجل وشعر عانتہ اذا حلق علی ھذا والاصح انہ لا یجوز (حموی علی الاشباہ ص ۱۸۸ ج ۱)

(۴) بیوی کے مطالبہ پر طلاق دینا واجب ہے ومسئلۃ العنین والمجبوب مشھورۃ وفی کتب المذھب مذکورۃ۔

(۵) ثبوت النسب کا تعلق نطفہ سے ہے، لہٰذا یہ اولاد ثابت النسب ہوگی، ونظائرھا متکاثرۃ فی الکتب المتوافرۃ۔

جواز کے فتویٰ پر تنقید

اس فتویٰ میں ترقیع انسان کا جواز ثابت کرنے کے لئے کیا دو دلائل پیش کئے گئے ہیں:

(۱) ولابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی ان الاطراف یسلک بھا مسلک الاموال فیجری فیھا الابتذال بخلاف النفس فانہ لو قال اقطع یدی فقطعہ لا یجب علیہ الضمان وھذا اعمال البذل الا انہ لا یباح لعدم الفائدۃ وھذا الابتذال

مفیدا لانہ قاطع الخصومۃ فصار کقطع الید للاکلۃ وقطع السن للوجع

(ھدایۃ ص ۱۰۹ کتاب الدعوی)

تنقیح:

اولاً اباحت قطع ید وقلع سن وغیرہ خود صاحب جزء کے نفع بلکہ دفع ضرر کیلئے ہے۔

ثانیاً اس میں صرف قطع الجزء کی اباحت ہے نہ کہ اسکے استعمال کی۔

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ مضطر جان بچانے کے لئے اپنا گوشت نہیں کھا سکتا تو تداوی کے لئے یہ کیسے جائز ہوگا؟ اجزاء آدمی کے بذل واستعمال اور بیع وشراء کی حرمت پر صریح عبارات اس قدر کثرت سے موجود ہیں کہ ان کا احصاء مشکل ہے، پس جزئیہ مذکورہ میں صرف بذل کا لفظ آجانے سے پورے ذخیرہ حدیث وفقہ کے خلاف جواز بیع و شراء وغیرہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا کتنی بڑی جرأت ہے۔

(۲) جواز شق بطن المیت لاخراج الولد اذا کانت ترجی حیاتہ وقد امر بہ ابوحنیفۃ رحمہ اللہ تعالی فعاش الولد کما فی الملتقط (الاشباہ صفحہ ۱۲۳ ج ۱)

تنقیح:

اس عبارت سے تو صرف جواز قطع المیت بلکہ شق المیت ثابت ہوا نہ کہ استعمال جزء کا جواز۔

شق المیت بھی احیاء نفس کے لئے نہ کہ محض تداوی کے لئے۔

یہ حادثہ سے نجات دلانے کے قبیل سے ہے جو مضطر کے اکل میتہ کی طرح فرض ہے جبکہ تداوی فرض نہیں۔

علاوہ ازیں یہ بھی تو تولید کا ایک متبادل طریق ہے۔

(۳) وان اضطر ولم یجد شیئا فهل یجوز له ان یقطع شیئا من بدنه ویأکله وجهان قال ابو اسحاق یجوز لانه احیاء نفس بعضو فیجوز کما یجوز ان یقطع عضوا اذا وقعت فیه الاکلة لاحیاء نفسه الخ (شرح المهذب للنووی ج ۹)

(۴) وقال الشافعی رحمه الله تعالی یأکل لحم ابن آدم (الی قوله) والصحیح عندی ان لا یأکل الآدمی الا اذا تحقق ان ذلک ینجیه ویحییه

(احکام القرآن لابن العربی ص ۵۵ ج ۱)

تنقید :

اس میں اکل مضطر کا مسئلہ ہے۔ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اس پر تداوی کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔

علاوہ ازیں تداوی ببعض الانسان کی حرمت فقہ حنفی کے علاوہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی صراحۃً ثابت ہے، وقد مرّ نصوصہم۔

(۵) ویجوز للعلیل شرب الدم والبول واکل المیتۃ للتداوی اذا اخبرہ الطبیب ان شفاءہ فیہ ولم یجد من المباح ما یقوم مقامہ وان قال الطبیب یتعجل شفاؤک فیہ وجہان (الہندیۃ ص ۳۵۵ ج ۵)

(۶) اذا سال الدم من انف انسان ولا ینقطع حتی یخشی علیہ الموت وقد علم انہ لو کتب الفاتحۃ والاخلاص بذلک الدم علی جبہتہ ینقطع فلا یرخص فیہ، وقیل یرخص کما رخص فی شرب الخمر للعطشان واکل المیتۃ فی المخمصۃ وھو الفتوی نقلا عن الخانیۃ (رد المحتار ص ۱۹۳ ج ۱)

تنقید :

ان جزئیات میں تداوی بالحرام کا بیان ہے اور اوپر تحریر کیا جا چکا ہے کہ لحم الانسان اس سے مستثنیٰ ہے۔ جب مضطر جان بچانے کے لئے لحم الانسان نہیں کھا سکتا تو اس سے تداوی کیسے جائز ہوگی؟ ہاں مضطر کے لئے مردہ انسان کا گوشت کھانے کے جواز کا قول ملتا ہے مگر اس پر تداوی کا قیاس صحیح نہیں کما حررنا۔

(۷) وسبب الاباحۃ الحاجۃ الی حفظ النفس عن الہلاک لکون ھذہ المصلحۃ اعظم من مصلحۃ اجتناب النجاسات والصیانۃ عن تناول المستخبثات (المغنی ص ۷۳ ج ۹)

(۸) الضرورات تبیح المحظورات ومن ثم جاز اکل المیتۃ عند المخمصۃ واساغۃ اللقمۃ بالخمر والتلفظ بکلمۃ الکفر للاکراہ وکذا اتلاف مال الغیر (الاشباہ ص ۱۰۸ ج ۱)

تنقید :

ضرورت کی وجہ سے اباحتِ محظورات میں تفصیل ہے، ہر ضرورت سے ہر محظور

مباح نہیں ہوجاتا، چنانچہ لحم الانبیاء علیہم السلام اور مال المضطر کسی حال میں بھی مباح نہیں کما قدمناہ عن الشامیۃ وغیرھا۔

⑨ قولہ للضرورۃ: فی فتح القدیر ھھنا خمسۃ مراتب ضرورۃ وحاجۃ ومنفعۃ وزینۃ وفضول۔

فالضرورۃ بلوغہ حدا ان لم یتناول الممنوع ھلک او قارب وھذا یبیح تناول الحرام۔

والحاجۃ کالجائع الذی لو لم یجد ما یأکل لم یھلک غیر انہ یکون فی جھد ومشقۃ وھذا لا یبیح الحرام ویبیح فطر الصوم۔

والمنفعۃ کالذی یشتھی خبز البر ولحم الغنم والطعام الدسم۔

والزینۃ کالمشتھی الحلوی والسکر۔

والفضول التوسع باکل الحرام والشبھۃ (شرح الحموی ص ۱۰۸ ج ۱)

تنقید:

اس عبارت میں الحاجۃ کی تفسیر میں تصریح ہے کہ جب تک خوف ہلاک غالب نہ ہو اس وقت تک اکل الحرام کی اجازت نہیں تو خوف ہلاکت کے بغیر تداوی کے لئے کیسے جائز ہوگا۔ خصوصاً جبکہ تداوی اکل سے اہون ہے کما قدمناہ مرارا۔

⑩ لو کان احدھما اعظم ضررا من الآخر فان الاشد یزال بالاخف (الاشباہ ص ۱۲۳)

⑪ قاعدۃ رابعۃ: اذا تعارض مفسدتان روعی اعظمھما ضررا بارتکاب اخفھما (الاشباہ ص ۱۲۳ ج ۱)

تنقید:

کسی انسان کی قوت بینائی یا قوت مردمی کا نقص یا فقدان بدستور باقی رہنے میں زیادہ ضرر ہے یا کہ اس کی خاطر دوسرے انسان کی تذلیل و تحقیر، قطع و برید اور آنکھیں نکالنے میں؟

ایک شخص کے فائدہ کے لئے دوسرے کو نقصان پہنچانا کیسے جائز ہو سکتا ہے! جلب منفعت سے دفع مضرت مقدم ہے، یا یوں کہا جائے کہ احداث ضرر سے ابقاء ضرر اہون ہے۔

پھر تعجب اس پر ہے کہ جزئیات کثیرہ صریحہ کے ہوتے ہوئے کلیات سے غلط استنباط کرنے کی جرأت کیسے ہوئی !

اس فتویٰ کے آخر میں انسان کو پیوند لگانے کی غرض سے ضرورت کی تعریف میں بھی بلا دلیل پیوند لگا دیا ہے، فرماتے ہیں :

" ضرورت کی تعریف جیسا کہ شارح نے کی ہے پیش نظر رکھی جائے، اس کو معیار نہ بنا لیا جائے، کیونکہ انسان کی کرامت کو شریعت نے بڑی حیثیت دی ہے "

تو کیا انسان کے مر جانے سے اس کی کرامت ختم ہو جائے گی کہ کسی کی بے حرمتی، اعضاء کاٹنا اور آنکھیں نکالنا اور ان کی خرید و فروخت جائز ہو جائے پھر قوت بصارت یا قوت رجولیت کے فقدان کا مہلک ہونا تو درکنار اس سے عام صحت پر بھی کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا، ایسے امراض کے علاج کی خاطر انسان کی بے حرمتی کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الآخر ۸۷ھ

الحاق :

① بندہ کی اس تحریر کے بعد دار العلوم کراچی، مدرسہ نیو ٹاؤن اور دار الافتاء والارشاد کی مشترک " مجلس تحقیق مسائل حاضرہ " نے بالاتفاق بندہ کی تحقیق کے موافق ہی حرمت کا فیصلہ کیا، اس لئے بندہ نے اپنے اس زیر نظر رسالہ کا نام " توقیع الاعیان علی حرمۃ ترقیع الانسان " تجویز کیا۔

" مجلس تحقیق " کی مشترک کارروائی اور سب ارکان کے متفقہ فیصلہ کو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا، جو مستقل رسالہ کی صورت میں بنام " انسانی اعضاء کی پیوند کاری " شائع ہو چکا ہے۔

② بندہ کی تحریر کے بتیس برس بعد اس موضوع پر مختلف ممالک کے اہل قلم کے دس ضخیم مطبوعہ مقالے میرے سامنے آئے جن میں سے آٹھ میں ترقیع انسان کی حلت ثابت کرنے پر زور قلم صرف کیا گیا ہے مگر ان میں مجوزہ دلائل میں سے کوئی ایک دلیل بھی مثبت مدعیٰ نہیں، بلکہ سب دلائل ایسے ساقط ہیں کہ لائق اعتناء

ہی نہیں، بہرحال ان میں سے دو دلائل سے متعلق کچھ لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

(۱) عن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ من تصدق بشیء من جسدہ اعطی بقدر ما تصدق (الجامع الصغیر ص ۱۶۸ ج ۲)

اس سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کسی کو اپنے جسم کا کوئی حصہ دے دینا صدقہ ہے جس پر اجر ملتا ہے۔

ایسی سطح کے لوگ بھی جب مفکر اسلام بن گئے تو اس دین کا اللہ ہی حافظ ہے۔ قرآن و حدیث کا ادنیٰ علم رکھنے والا بھی اس حدیث کا مطلب سمجھ سکتا ہے کہ یہ جنایت سے متعلق ہے، یعنی کسی نے کسی پر جنایت کی مثلاً کسی کا ہاتھ کاٹ دیا، مجنی علیہ نے قصاص لینے کی بجائے معاف کر دیا تو یہ اس کی طرف سے مجنی علیہ پر صدقہ ہے۔ یہ حدیث آیت کریمہ:

ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ

کی تفسیر ہے، چنانچہ مسند احمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں یہی حدیث ان ہی حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں ہے:

ان عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من رجل یجرح فی جسدہ جراحۃ فیتصدق بھا الا کفر اللہ عنہ مثل ما تصدق بہ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۶)

قال الہیثمی رجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ج ۶)

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ حدیث بھی الجامع الصغیر جلد ۲ ص ۱۴۹ میں موجود ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

وقال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فی تفسیر قولہ تعالیٰ:

فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ ای فالمتصدق کذا قال عبد اللہ بن عمرو بن العاص والحسن والشعبی وقتادۃ۔

اخرج ابن مردویہ عن رجل من الانصار عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ قال ھو الرجل یکسر سنہ او یجرح من جسدہ او یقطع

شيء منه او يجرح فيتصدق به فيعفو عن ذلك فيحط عنه قدر خطاياه فان كان ربع الدية فربع خطاياه وان كان الثلث فثلث خطاياه وان كانت الدية حطت عنه خطاياه كذلك.

وروى الطبراني في الكبير بسند حسن عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تصدق من جسده بشيء كفر الله عنه بقدره من ذنوبه.

والطبراني والبيهقي عن سخبرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ابتلي فصبر واعطي فشكر وظلم فغفر وظلم فاستغفر اولئك لهم الامن وهم مهتدون.

وروى الترمذي وابن ماجة عن ابي الدرداء رضي الله تعالى عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما من رجل يصاب بشيء في جسده فيتصدق به الا رفعه الله به درجة وحط عنه خطيئة (تفسير مظهري ج ۳ ص ۱۲۲)

(۲) امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف "منہاج الطالبین" سے ترقیع بعظم الانسان کا جواز نقل کیا ہے۔

جوابات:

(۱) اوپر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ترقیع بعظم الانسان کی حرمت کی تصریح گزر چکی ہے، امام کے قول کے مقابلہ میں اس کے کسی مقلد کا قول کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

(۲) امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کے بیان میں متقدمین فی المذہب میں سے کسی کا حوالہ نہیں دیا، اور یہ بھی ممکن نہیں کہ انہوں نے اپنے امام سے لیا ہو، اگر آپ امام کے تلمیذ ہوتے یا آپ نے امام کا زمانہ پایا ہوتا یا امام سے زمانہ قریب میں گزرے ہوتے تو اس کا امکان تھا کہ انہوں نے امام سے بلا واسطہ یا بالواسطہ سنا ہو، مگر دونوں کے درمیان تقریباً ساڑھے چار سو سال کا زمانہ ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات ۲۰۴ھ ہجری میں ہوئی اور امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت ۶۳۱ھ اور وفات ۶۷۶ھ ہجری میں ہوئی ہے۔

(۳) مقلد کے لئے بلا ضرورت شدیدہ وبدون شرائط معہودہ دوسرے امام کا قول

لینا جائز نہیں تو اس کے کسی مقلد کا ایسا قول لینا کیسے جائز ہو سکتا ہے جو اس کے اپنے امام کی نص صریح کے خلاف ہے۔

(۴) منہاج مع الشرح تحفۃ المحتاج اور اس کے بعد حاشیۃ الشروانی کی پوری عبارت درج ذیل ہے:

فی المنہاج مع شرحہ تحفۃ المحتاج (ولو وصل) معصوم او غیرہ لما یأتی فیہ التفصیل الآتی علی الاوجہ لانہ لما اہدر لم یبال بضررہ فی جنب حق اللہ تعالیٰ وان خشی منہ فوات نفسہ (عظمہ) لاختلالہ وخشیۃ مبیح تیمم ان لم یصلہ (بنجس) من العظم ولو مغلظا ومثل ذلک بالاولیٰ دہنہ بمغلظ او ربطہ بہ (لفقد الطاہر) الصالح للوصل کان قال خبیر ثقۃ ان النجس او المغلظ اسرع فی الجبر او مع وجودہ وہو من آدمی محترم (فمعذور) فی ذلک فتصح صلاتہ للضرورۃ ولا یلزمہ نزعہ وان وجد طاہرا صالحا کما اطلقاہ وینبغی حملہ علی ما اذا کان فیہ مشقۃ لا تحتمل عادۃ وان لم تبح التیمم ولا یقاس بما یأتی لعذرہ ہنا لا ثم (والا) بان وصلہ بنجس مع وجود طاہر صالح ومثلہ ما لو وصلہ بعظم آدمی محترم مع وجود نجس او طاہر صالح (وجب) نزعہ ان لم یخف ضررا ظاہرا) وہو ما یبیح التیمم وان تألم واستتر باللحم فان امتنع اجبرہ علیہ الامام او نائبہ وجوبا کرد المغصوب ولا تصح صلاتہ قبل نزع النجس لتعدیہ بحملہ مع سہولۃ ازالتہ فان خاف ذلک ولو نحو شین وبطء برء لم یلزمہ نزعہ لعذرہ بل یحرم کما فی الانوار وتصح صلاتہ معہ بلا اعادۃ (قیل) یلزمہ نزعہ (وان خاف) مبیح تیمم لتعدیہ (فان مات) من لزمہ النزع قبلہ (لم ینزع) ای لم یجب نزعہ (علی الصحیح) لان فیہ ہتکا لحرمتہ او لسقوط الصلاۃ المأمور بالنزع لاجلہا قال الرافعی فیحرم علی الاول دون الثانی وقضیتہ اقتصار المجموع وغیرہ علیہ اعتماد عدم الحرمۃ بل قال بعضہم انہ اولیٰ من الابقاء لکن الذی صرح بہ جمع ونقلہ فی البیان عن الاصحاب حرمتہ مع تعلیلہم بالثانی وقیل یجب نزعہ لئلا یلقی اللہ تعالیٰ حاملا لنجاسۃ ای فی القبر او مطلقا بناء علی ما قیل ان العائد اجزاء المیت عند الموت

والمشهور انه جميع اجزائه الاصلية فتعين ان مراده الاول ويجري ذلك كله
فيمن داوى جرحه او حشاه بنجس او خاطه به او شق جلده فخرج منه
دم كثير ثم حشاه بالكحل او النيلة الاثم مما ذكرنا هل فلم يكف لاستتارة الا لو قطعت
اذنه ثم لصقت بحرارة الدم وفي الوشم وان فعل به صغيرا على الاوجه و
توهم فرق انما يتاتى من حيث الاثم وعدمه فحيث امكنه ازالته من غير
مشقة فيما لم يتعد به وخوف مبيح تيمم فيما تعدى به نظير ما مر في
الوصل لزمه ولم تصح صلاته ولا امامته والا فلا فتصح امامته
وفي حاشية الشرواني رحمه الله تعالى (قوله وصل عظمه الخ) ظاهره ولو كان
الواصل غير معصوم لكن قيده م ر بالمعصوم ولعل عدم تقييد الشارح م ر
اي والمقيد بالمعصوم جرى على ما قدمه في التيمم من ان الزاني المحصن ونحوه
معصوم على نفسه وتقييد م ر جرى على ما قدمه ثم من انه هدر ع ش
(قوله لاختلاله) اي بكسر ونحوه نهاية ومغني (قوله وخشية مبيح تيمم الخ)
يؤخذ منه انه لو كان النجس صالحا والطاهر كذلك الا ان الاول يعيد العضو
ما كان عليه من غير شين فاحش والثاني مع الشين الفاحش فينبغي تقديم
الاول ع ش (قوله من العظم الخ) ولو وجد عظم ميتة لا يؤكل لحمها وعظم
مغلظ وكل منهما صالح وجب تقديم الاول ولو وجد عظم ميتة ما يؤكل وعظم
ميتة ما لا يؤكل من غير مغلظ وكل منهما صالح تخير في التقديم لانهما
مستويان في النجاسة فيما يظهر فيهما لكن ايجب تقديم عظم الخنزير على
الكلب للخلاف عندنا في الخنزير دون الكلب ع ش (قوله ومثل ذلك الاولى)
لعل وجهها ان العظم ليس بدم ومع ذلك عفي عنه والدم ونحوه مما لا يدوم
فهو اولى بالعفو ع ش (قوله ساتر لغسل الظاهر) اي محل يصل اليه قبل
تلف العضو او زيادة غرزه كذا مر التقدم فيمن عجز عن تكبيرة الاحرام او
نحوها حيث قالوا يجب عليه السفر للتعلم وان طال وفرقوا بينه وبين ما
يطلب منه الماء في التيمم بمشقة تكرار طلب الماء بخلافه هنا وعبارة سم
على م ر لم يبين ضابطا للفعل ولا يبعد ضبطه بدوام الفتق عليه بلا مشقة

غاية مطلقا انه لا فرق بين كونه من ذكر او انثى فيجوز للرجل الوصل بعظم الانثى
وعكسه ثم ينبغي انه لا ينتقض وضوءه ولا وضوء غيره بمسه وان كان ظاهرا مكشوفا
ولم تحله الحياة لان العضو المبان لا ينتقض الوضوء بمسه الا اذا كان من الفرج
واطلق عليه اسمه (قوله ثم) ومطلقا اي حيث وجد ما يصلح للجبر ولو نجسا وقوله
ثم فلو وجد نجسا اي ولو مغلظا اه ع ش (قوله محترم) ليس بقيد عند النهاية
والمغني كما مر (قوله فتصح صلاته الخ) قال ع ش وحيث عذر ولم يجب النزع صار
لذلك العظم النجس ولو قبل استتاره باللحم حكم جزئه الظاهر حتى لا ينجس غيره
له مع الرطوبة ويصلي به في الصلاة ولا ينجس ماء قليلا لاقاه انتهى اه سم (قوله وان
وجد الخ) ولم يخف من نزعه ضررا خلافا لبعض المتأخرين نهاية ومغني (قوله وينبغي الخ)
تقدم عن النهاية والمغني انه خلافه (قوله وان لم يحتج لتيمم) قريب منه ما مر من لزوم اتحاد
الشقين سم (قوله مع وجود طاهر الخ) اي او لم يحتج للوصل نهاية ومغني (قوله محترم)
ليس بقيد عند النهاية والمغني كما مر (قوله مع وجود نجس الخ) يفهم انه لو لم يجد
الا عظم آدمي وصل به وهو ظاهر وينبغي تقديم عظم الكافر على غيره وان الصالح وغيره
سواء وان ذلك في غير النبي ع ش وفي سم والرشيدي مثله الا قوله وينبغي الخ (قول
المتن وجب نزعه الخ) اي وان لم يكن الواصل مكلفا مختارا عند الشارح كما
يأتي في الوشم ويشترط ان يكون مكلفا مختارا عند النهاية والمغني (قول المتن
ان لم يخف ضررا الخ) ينبغي ان يكون موضعه اذا كان المقلوع ممن يجب
عليه الصلاة فان كان ممن لا تجب عليه الصلاة كما لو وصله ثم جن فلا يجبر على
قلعه الا اذا افاق او حائضا لم يتعين الا بعد الطهر ويشهد لذلك ما سيأتي
في نزعه اذا مات لعدم تكليفه اه حاشية الشهاب الرملي على شرح
الروض اي ومع ذلك فينبغي انه اذا لاقى مائعا او ماء قليلا نجسه ولو قيل
بوجوب النزع على وليه مراعاة للاصلح في حقه لم يكن بعيدا وقد يتوقف ايضا
في عدم وجوب النزع على الحائض لان العلة في وجوب النزع حمله لنجاسة
تعدى بها وان لم تصح منه الصلاة لمانع قام به ع ش (قوله ولا تصح صلاته الخ)
وينبغي على قياس ذلك نجاسة الماء القليل والمائع بملاقاة عضوه الموصول

بالنجس قبل استتاره بالجلد وبعدم صحۃ غسل عضوہ المذکور عن الطهارۃ لنجاسۃ الماء المماس للنجس المتصل بہ بخلاف ما اذا لم یجب النزع فینبغی م ر عدم نجاسۃ الماء القلیل بملاقاتہ وصحۃ غسلہ عن الطهارۃ للعفو عن النجس حینئذ وتنزیلہ منزلۃ جزئہ الطاهر سم (قولہ ولو نحو شین) ظاهرہ ولو کان فی عضو باطن ع ش (قولہ علی الاول) هو قولہ لان فیہ الخ و (قولہ دون الثانی) هو قولہ او لسقوط الخ (قولہ علیہ) ای الثانی (قولہ والمشهور) ای الذی هو مذهب اهل السنۃ مغنی و نهایۃ (قولہ لکن الذی صرح بہ جمع ونقلہ الخ) وهذا هو المعتمد مغنی و نهایۃ وقضیۃ صحۃ غسلہ وان لم یستتر العظم النجس باللحم مع انہ فی حال الحیاۃ لا یصح غسلہ فی هذہ الحالۃ وکانهم اغتفروا ذلک لضرورۃ هتک حرمتہ سم علی المنهج اھ ع ش (قولہ الاول) ای فی القبر (قولہ دم کثیر) ای لانہ بفعلہ فلم یعف عنہ مع کثرتہ سم (قولہ کما لو قطعت اذنہ الخ) ای وانفصلت بالکلیۃ بخلاف ما اذا بقی لها تعلق بجلد ثم لصقت بحرارۃ الدم فلا تلزمہ ازالتها مطلقا وتصح صلاتہ و امامتہ (قولہ وان فعل بہ صغیرا الخ) هذا ممنوع بل لا لزوم هنا وفیما لو اکرہ مطلقا م ر اھ سم عبارۃ النهایۃ فعلم من ذلک ای من ان الوشم کالجبر فی تفصیلہ المذکور ان من فعل الوشم برضاہ فی حال تکلیفہ ولم یخف من ازالتہ ضررا یبیح التیمم منع ارتفاع الحدث عن محلہ لتنجسہ والا عذر فی بقائہ وعفی عنہ بالنسبۃ لہ ولغیرہ وصحت طهارتہ وامامتہ وحیث لم یعذر فیہ ولاقی ماء قلیلا او مائعا او رطبا نجسہ کذا افتی بہ الوالد رحمہ اللہ تعالی اھ وفی المغنی ما یوافقہ وعبارۃ ع ش قال فی الذخائر فی العظم قال بعض اصحابنا هذا الکلام فیما اذا فعلہ بنفسہ او فعل بہ باختیارہ فان فعل بہ مکرها لم تلزمہ ازالتہ قولا واحدا قلت وفی معناہ الصبی اذا وشمتہ امہ بغیر اختیارہ فبلغ واما الکافر اذا وشم نفسہ او وشم باختیارہ فی الشرک ثم اسلم فالمتجہ وجوب الکشط علیہ بعد الاسلام لتعدیہ ولانہ کان عاصیا بالفعل بخلاف المکرہ والصبی سم علی المنهج اھ (قولہ فیما لم یتعد بہ) ای علی بحثہ السابق فی سم ای بقولہ وینبغی حملہ الخ الذی خالفہ النهایۃ والمغنی کما مر (تحفۃ المحتاج ص ۱۲۵ تا ۱۲۷ ج ۳)

لودی ہیثمی اور شروانی رحمہم اللہ تعالیٰ کے مباحث مذکورہ سے امور ذیل مستفاد ہوئے:

(۱) امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی نص صریح کے خلاف ان کے مقلدین کے اقوال میں غیر معمولی اختلاف و اضطراب ہے۔

(۲) ہم نے ابتداء بحث میں اکل عضو کی بنسبت ترقیع کے زیادہ قبیح ہونے کی دو وجہ تحریر کی ہیں جن میں سے دوسری یہ ہے کہ اکل میں انتفاع ہے اور ترقیع میں ابقاء، اس کی تائید علامہ شروانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے کلام سے بھی ہوگئی، حیث قال:

(قوله ومثل ذلك بالاولى الخ) لعل وجهها ان العظم يحترم ومع ذلك عفي عنه والآدمي ونحوه مالا يحترم فهو اولى بالعفو ع ش (تحفة المحتاج ج ۲ ص ۱۲۵)

(۳) ہم نے یہ بھی لکھا ہے کہ انسان کے اپنے عضو سے ترقیع کو عضو کا اس مقام میں اعادہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

علامہ شروانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی تائید بھی مل گئی، ونصہ:

وينبغي ان محل الامتناع بعظم نفسه اذا اراد نقله الى غير محله اما اذا وصل عظم يده لا بيده مثلا في المحل الذي ابين منه فالظاهر الجواز لانه اصلاح للمنفصل عنه (تحفة المحتاج ج ۲ ص ۱۲۶)

(۴) علامہ ہیثمی و علامہ شروانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عضو مقطوع کے اصل مقام سے لصاق بحرارۃ الدم کو ممنوع قرار دیا ہے،

قال العلامة الهيتمي رحمه الله تعالى:

ويجري ذلك كله فيمن داوى جرحه او حشاه بنجس او خاطه به او شق جلده فخرج منه دم كثير ثم بنى عليه اللحم لان الدم صار ظاهرا فلم يكف استتاره كما لو قطعت اذنه ثم لصقت بحرارة الدم.

وقال العلامة الشرواني رحمه الله تعالى: (قوله كما لو قطعت اذنه الخ) اي وانفصلت بالكلية بخلاف ما اذا بقي لها تعلق بجلد ثم لصقت بحرارة الدم فلا تلزمه ازالتها مطلقا وتصح صلاته وامامته (تحفة المحتاج ۱۲۴/۲) فقط والله تعالى اعلم۔

رشید احمد

غرۂ رمضان ۱۴۰۱ھ قبل ادا العصر

از افاضات

حضرت فقیہ العصر دامت برکاتہم

تحریر

حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

الفہد فاروقی

ٹی وی کے مفاسد :

تصویر سازی کی لعنت

تصویر بینی کی لعنت

تصویر نمائی کی لعنت

ملائکہ رحمت کی بجائے ملائکہ لعنت

مال ضائع کرنا

گانا باجا سننے کی لعنت

حیاء اور شرم و غیرت کا جنازہ

دل کی سیاہی اور ظلمت و کدورت

دنیا کے گناہوں سے الفت پیدا ہونا

وقت جیسی قیمتی دولت ضائع کرنا

صحت جسمانیہ، دماغ، اعصاب اور بینائی کا دیوالہ

جرائم کی تعلیم اور دنیا میں جرائم پھیلانا

شعائر دین کی بے حرمتی

ٹی وی کے احکام :

ٹی وی دیکھنا، خریدنا، بیچنا، مرمت کرنا حرام ہے۔

ایسے لوگوں کی اذان، اقامت، امامت جائز نہیں۔

ان کی شہادت قبول نہیں۔

ٹی وی کی لعنت

سوال : ٹی وی آجکل گھر گھر میں موجود ہے ، کیا بے دین ، کیا دیندار ، سبھی لوگ شوق سے اسے دیکھتے ہیں ، لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں کوئی گناہ نہیں بلکہ آجکل ٹی وی ذریعۂ تعلیم ہے ، اس میں خانۂ کعبہ ، مسجد نبوی ، فیصل مسجد ، جدید ایجادات ، نت نئی مشینریاں اور دنیا بھر کے عجائبات دکھائے جاتے ہیں ، مزید براں علماء کرام کی تقاریر ، نعتیں اور قرآن مجید کی تلاوت سنائی جاتی ہے ۔

مختصر یہ بڑوں اور بچوں کی تعلیم و تربیت کا بہترین ذریعہ ہے ۔

کیا ان فوائد کے پیش نظر ٹی وی رکھنا یا دیکھنا شرعاً درست ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

ٹی وی کی تباہ کاریاں کسی ذی ہوش انسان پر مخفی نہیں ، موجودہ معاشرے میں ٹی وی کے کردار کو دیکھتے ہوئے بھی کوئی شخص اس کے منافع گنانے پر مصر ہے تو اس کی مثال اس احمق سے کچھ مختلف نہیں جس کے سامنے آگ کا الاؤ جل رہا ہے اس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں اور اس کی لپٹ اردگرد کی ہر چیز کو جھلسائے دے رہی ہے ، عقلمند لوگ تو یہ منظر دیکھ کر دُور دُور بھاگ رہے ہیں ، مگر یہ ڈھٹائی سے کھڑا آگ کے منافع گنا رہا ہے ، اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ مجھے یا تو قائل کرو ورنہ میں بیوی بچوں سمیت اس دہکتی آگ میں کود جاؤں گا ۔ ایسے شخص کو کیا جواب دیا جائے سوائے اس کے کہ اپنے دماغ کا علاج کراؤ ؟

غرض ٹی وی کے مفاسد اور اس کی تباہ کاریاں کوئی نظریاتی مسئلہ نہیں کہ دلائل کے ذریعہ اسے سمجھایا جائے ، یہ تو ایک چشم دید حقیقت اور سامنے کی بات ہے کہ ٹی وی کی لعنت انسانی معاشرے کی صحت مند ڈھانچے کو ٹی بی کی طرح چاٹے جا رہی ہے ، مگر افسوس ! کہ اس کی رنگینیوں نے اچھے بھلے لوگوں کی نظروں کو خیرہ کر دیا ہے ، اس لئے ہم قدرے تفصیل سے اس کے مفاسد پر روشنی ڈالتے ہیں ، شاید کسی چشم بینا کے لئے بصیرت کا سامان بن جائے ۔

ٹی وی کے مفاسد :

① تصویر بینی :

ٹی وی میں تصویر دیکھنا کہنے کو تو ایک گناہ ہے مگر بنظر غائر دیکھا جائے تو لاتعداد گناہوں کا پشتارہ ہے، مثلاً:

① آلۂ معصیت کا استعمال۔

② اس کی خریداری پر مال ضائع کرنا۔

③ تصویر سازی۔

④ تصویر بینی۔

⑤ تصویر نمائی۔

⑥ ملائکہ رحمت سے دوری۔

⑦ استحقاق لعنت۔

⑧ کفار سے مشابہت۔

⑨ مردوں کا غیر محرم عورتوں کو دیکھنا۔

⑩ غیر محرم عورتوں کی آواز سننا۔

⑪ عورتوں کا غیر محرم مردوں کو دیکھنا۔

⑫ بلاضرورت غیر محرم مردوں کی آواز سننا۔

⑬ پہلوان، تیراک اور کھلاڑی عموماً نیم برہنہ ہوتے ہیں، انہیں دیکھنے کا گناہ۔

تقریباً یہ تمام گناہ اپنی جگہ کبیرہ اور سخت وعیدوں کے مصداق ہیں۔ مثلاً آلات معصیت اور ان میں مال ضائع کرنے کے متعلق ارشاد ہے:

ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا اولئک لھم عذاب مھین (۳۱-۶)

"اور بعضا آدمی ایسا ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو غافل کرنے والی ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے گمراہ کرے، اور اس کا مذاق اڑائے، ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔"

لھو الحدیث کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

الغناء والذی لا الہ الا ھو یرددھا ثلاث مرات (تفسیر ابن جریر ص ۳۶ ج ۲۱)

ٹی وی کا زہر ـــــــــــــــــــ ۳

"اس سے مراد گانا ہے، اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تین بار یہ جملہ دہرایا۔"

امام مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ھو اشتراء المغنی والمغنیۃ والاستماع الیہ والی مثلہ من الباطل۔

(تفسیر ابن جریر ص ۲۱ ج ۲۱)

"اس سے مراد گانے والا غلام یا گانے والی لونڈی کی خریدنا اور ان سے گانا سننا اور گانے جیسی دیگر خرافات سننا ہے۔"

تصویر احادیث کی روشنی میں:

رحمت الٰہیہ سے دوری کا سبب ہے۔

صنعت تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا مقابلہ ہے۔

مستوجب اشد العذاب ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر ساز پر لعنت بھیجی۔

یہ تمام احادیث مفصل طور پر ہم نے رسالہ "التبری العریان عن عذاب صورۃ الحیوان" میں درج کر دی ہیں۔

عورتوں کی بے پردگی اور عریانی تو حکومت الٰہیہ سے کھلی بغاوت کا اعلان ہے، پردہ سے متعلق متعدد قرآنی آیات کے علاوہ ستر سے زائد احادیث منقول ہیں، پردہ کے مفصل احکام رسالہ "ہدایۃ المرتاب فی فرضیۃ الحجاب" (پردۂ شرعی قرآن کی روشنی میں) میں ملاحظہ ہوں۔

ٹی وی دیکھنے والے بیک وقت ان تمام گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، اگر کسی میں شمہ برابر بھی عقل و ادراک اور ایمانی حس ہو تو سوچ کر فیصلہ کرے کہ اس دوران کیا کھو رہا ہے؟ کیا پا رہا ہے؟

(۲) غنا و مزامیر سننے کا گناہ:

ساز باجے اور گانے بھی ٹی وی کا لازمہ ہیں، یوں تو یہ کام ہر حال قطعی حرام ہے مگر چونکہ کار پردازان ٹی وی نے ہر گناہ کو بام عروج تک پہنچانے کا ٹھیکہ اٹھایا ہے اس لئے ٹی وی کے گانے فحش سے فحش ہوتے ہیں اور بالعموم فاحشہ عورتوں کی آواز میں پیش کئے جاتے ہیں،

ٹی وی کا زہر ـــــــــــــــــ ۵

عورتیں بھی کیسی؟ بے پردہ جوان! نیم عریاں! متحرک ورقصاں! اور پوری طرح فتنہ سامان!

ظلمات بعضها فوق بعض.

گانا بجانا حدیث کی رو سے دل میں نفاق کی تخم ریزی کرتا ہے:

الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع (ابوداؤد، بیہقی)

”گانا دل میں نفاق کو اگاتا ہے جیسا کہ پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔“

نیز گانے کو زنا کا منتر کہا گیا ہے:

الغناء رقية الزنا (تلبیس ابلیس ص ۲۹۱)

”گانا زنا کا منتر ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

واستفزز من استطعت منهم بصوتك میں جس شیطانی آواز کا ذکر ہے اس کی ایک معروف تفسیر گانے بجانے سے کی گئی ہے (تفسیر ابن جریر، بیہقی، وعامۃ التفاسیر) گانے بجانے کے متعلق مفصل روایات ہم نے رسالہ ”النصائح الغر بالوقایۃ عن عذاب الغناء“ میں درج کر دی ہیں۔

غرض یہ گناہ ٹی وی کے گناہوں میں نمایاں ترین گناہ ہے اور اکثر ٹی وی بین اس میں مبتلا ہیں، بسا اوقات ان کے گھروں سے راگ باجوں اور فلمی گانوں کا وہ شور اٹھتا ہے کہ آس پاس کے لوگوں کو کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی، ان کا کاروبار ٹھپ، نیندیں حرام اور جینا دوبھر ہو جاتا ہے، ایسا بھی بارہا دیکھنے میں آیا کہ کسی مسجد کے متصل مکان یا دکان سے ٹی وی کا شور بلند ہوا اور بیچارے نمازیوں کی نماز غارت کر کے رکھ دی، بندہ نے خود دیکھا:

”بیچارے بوڑھے نمازی چیخ چیخ اٹھے کہ خدارا ہمیں نماز تو پڑھ لینے دو۔“

کون بتائے کہ یہ مسلمانوں کی ادائیں ہیں یا کفار کی حرکتیں؟ ع

عار دارد کفر از اسلام تو

پڑوسی خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو اس کے حقوق کا اندازہ ان احادیث سے لگائیے:

والله لا يؤمن! والله لا يؤمن! والله لا يؤمن! قيل من يا رسول الله؟ قال الذي لا يأمن جاره بوائقه (بخاری ومسلم)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: واللہ! مؤمن نہیں ہو سکتا، واللہ! مؤمن نہیں ہو سکتا، واللہ! مؤمن نہیں ہو سکتا۔ عرض کیا گیا: کون یا رسول اللہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جس کی ایذا سے پڑوسی محفوظ نہیں۔"

مزید ارشاد فرمایا:

من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ (بخاری ومسلم)

"جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو ایذاء نہ دے۔"

③ حیاء وغیرت کا جنازہ نکل جانا:

حیاء شعبۂ ایمان اور جوہر انسانیت ہے، حدیث میں ہے:

الحیاء شعبۃ من الایمان (بخاری ومسلم)

"شرم وحیاء ایمان کی شاخ ہے۔"

اذا لم تستحی فاصنع ما شئت (بخاری ومسلم)

"بے حیا باش وہرچہ خواہی کن۔"

مگر ٹی وی، وی سی آر اور سینما اور ان کی جنات نے دنیا کو بے حیائی کا گہوارہ بنا دیا ہے، ہر سو بے پردگی، عریانی اور فواحش ومنکرات کی بھرمار ہے۔

ٹی وی کی ایجاد سے پہلے ہر منکر کا دائرۂ فساد اس کے وجود تک محدود تھا، اس طرح ہر شخص کے لئے ہر آن ہر گناہ میں شرکت ممکن نہ تھی، مگر ٹی وی کی ایجاد نے اس ناممکن کو ممکن بنا دیا، دنیا بھر کی بے حیائی، ناگفتنی ہر طرف سے سمٹ کر بیک وقت ٹی وی میں سما گئی۔

ہمارے ذرائع ابلاغ معاشرہ میں بے حیائی کو کس قدر فروغ دے رہے ہیں؟ اس کا اندازہ کسی شخص کے لئے مشکل نہیں، زنا، ہم جنس پرستی بلکہ جانوروں سے بدفعلی اس بدقسمت معاشرہ میں کوئی اچنبھے کے واقعات نہیں رہے، نوبت بایں جا رسید کہ اب سگے بہن بھائیوں بلکہ باپ بیٹی تک میں ناجائز تعلقات کے واقعات رونما ہو رہے ہیں، یا لیتنی مت قبل ھذا و ۔۔۔۔۔

④ دل پر کدورت چھا جانا:

گناہوں کی نحوست سے انسان کے دل پر سیاہی چھا جاتی ہے، کما جاء فی الحدیث، ٹی وی دیکھنے کا یہ نتیجہ بدیہی عام طور پر مشاہد ہے کہ کسی بھی ٹی وی بین نے اس موضوع

یہ غلط کرکے دیکھ لیجئے، سب جگہ سے گناہ کا اعتراف کرنے کی بجائے ٹی وی کے جواز پر گفتگو شروع کردیگا۔ ایک قطعی حرام کو جائز قرار دینے کا یہ رجحان دینی لحاظ سے جتنا کچھ خطرناک ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

(۵) گناہ کی شناعت دل سے نکل جانا:

جو لوگ ٹی وی کی لعنت کو جائز نہیں سمجھتے مگر دیکھنے سے باز بھی نہیں آتے وہ اس شیطانی فریب میں تو یقیناً مبتلا ہیں کہ نجات کے لئے ترک منکرات کی ضرورت نہیں، بلکہ صدقہ و خیرات خواہ مال حرام ہی سے ہو، اور ذکر و اوراد و نوافل کا اہتمام نجات کے لئے کافی ہے، حالانکہ مسلمان کے دین کے لئے گناہ سم قاتل ہیں۔

بعض گناہوں کا زہر تو اتنا متعدی ہوتا ہے کہ وہ انسان کی نیکیوں کو بھی غارت کردیتا ہے، اس لئے قرآن و حدیث میں جس قدر زور گناہوں سے اجتناب پر دیا گیا ہے اتنا زور کسی نفل عبادت پر نہیں دیا گیا، مثلاً:

وذروا ظاهر الاثم وباطنه الآية

لا تقربوا الزنى الآية

لا تقربوا الفواحش الآية

يا ايها الناس اتقوا ربكم الآية

وغيرها من آيات كثيرة.

اتق المحارم الحديث

والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه.

المهاجر من هجر الخطايا والذنوب.

والمجاهد من جاهد نفسه.

ليس الشديد بالصرعة الحديث.

وغيرها من احاديث كثيرة شهيرة.

گناہ چھوڑنے کی بجائے جو شخص صرف نفل عبادت میں کوشاں ہے اور اسی کو وسیلہ نجات قرار دیتا ہے اس کی مثال اس احمق سے چنداں مختلف نہیں جو ایک سرنگوں گرتی عمارت کی بنیادیں مستحکم کرنے کی بجائے اس کی کھوکھلی دیواروں پر رنگ و روغن کرنے میں مصروف ہے۔

⑥ قیمتی وقت کا ضیاع:

اس فانی زندگی کے چند گنے چنے سانس انسان کا سرمایۂ حیات ہیں، اس کا ایک ایک لمحہ دنیا و مافیہا سے گراں بہا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه (مالک، احمد، ترمذی)

"مسلمان کے دین کی خوبی یہ ہے کہ بے فائدہ کام چھوڑ دے۔"

اور ارشاد ہے:

علامة اعراضه تعالیٰ عن العبد اشتغاله بما لا یعنیه (مکتوبات امام ربانی)

"انسان کا کسی بے فائدہ کام میں مشغول ہونا اس کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہیں۔"

مزید ارشاد ہے:

لیس یتحسر اهل الجنة الا علی ساعة مرت بهم ولم یذکروا الله تعالیٰ فیها

(طبرانی، بیہقی، ابن السنی)

"اہل جنت کو کسی چیز پر حسرت نہ ہوگی سوائے اس گھڑی کے جو ذکر اللہ سے غفلت میں گزری۔"

وہ غفلت کیش مسلمان جن کا کوئی دن ٹی وی دیکھے بغیر نہیں گزرتا کسی دن بیٹھ کر سوچیں کہ آنے والی زندگی میں اپنے لئے کتنی بڑی حسرت کا سامان کر رہے ہیں۔

⑦ صحت جسمانیہ بالخصوص دماغی صلاحیتوں اور بینائی کا دیوالہ نکل جانا:

جسمانی صحت اور اعضاء کی سلامتی ہزار نعمتوں کی ایک نعمت ہے، مگر اکثر لوگ اس نعمت بے بہا کی قدر و قیمت سے بے خبر ہیں، حدیث میں ہے:

نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس الصحة والفراغ (بخاری)

"تندرستی اور فراغت دو ایسی نعمتیں ہیں جن میں اکثر لوگ نقصان میں ہیں" ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

ٹی وی کے پرستار اتنے بڑے نقصان سے آنکھیں بند کئے جسم و جان ایسی متاع عزیز کو بھی داؤ پر لگا رہے ہیں۔

جب سے ٹی وی کی ایجاد ہوئی ہے ڈاکٹر اس کے جسمانی نقصانات سے آگاہ کرتے آرہے ہیں، جرمنی کا مشہور ڈاکٹر والٹر بوہلر لکھتا ہے:

"بعض چھوٹے چھوٹے جانور چوہا چڑیا وغیرہ اگر ٹی وی کے سامنے رکھ دیئے جائیں تو اس کی اسکرین کی شعاعوں کی تیزی سے کچھ دیر کے بعد یہ مرجائیں۔"

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انسانی صحت اس سے کس قدر متاثر ہوتی ہوگی؟

یہاں کراچی میں ایک لڑکی کی دماغ کی رگ پھٹ گئی، دماغی امراض کے مشہور اسپیشلسٹ ڈاکٹر جعفر خان نے معاینہ کرکے بتایا:

"یہ دماغی رگ ٹی وی دیکھنے سے پھٹی ہے۔"

ایک لڑکی آنکھوں کے اسپیشلسٹ کے پاس نظر ٹیسٹ کرانے آئی، ڈاکٹر نے کہا:

"اس کی نظر ٹی وی دیکھنے سے کمزور ہورہی ہے۔"

اس قسم کے واقعات حدِ احصاء سے باہر ہیں، کہاں تک درج کئے جائیں؟

ماہرین فن کا فیصلہ ہے کہ ایک کمرے میں ٹی وی چل رہا ہو تو ساتھ والے کمرے میں بیٹھنے والے لوگوں کی صحت بھی اس سے متأثر ہوتی ہے۔

یہ بھی سامنے کی بات ہے کہ جن لڑکوں کو ٹی وی کی لت پڑجاتی ہے وہ پڑھنے سے تو اُچاٹ ہو ہی جاتے ہیں کسی اور کام کے بھی نہیں رہتے نہ دین کے نہ دنیا کے۔

خسر الدنیا والآخرۃ

"دنیا و آخرت دونوں تباہ"

یہ نقصان کا ایک پہلو تھا دوسری طرف نوخیز لڑکوں لڑکیوں میں شہوانی جذبات اور جنسی انارکی کی جو آگ ٹی وی اور وی سی آر نے برپا کی ہے اس کی تپش سے پورا معاشرہ سلگ رہا ہے، عشق و محبت کی فحش داستانیں اور مرد و عورت کے ملاپ کے ناگفتہ بہ ننگے مناظر پیش کرکرکے وہ خام ذہنوں کے جنسی جذبات کو مسلسل انگیخت کرتے ہیں نتیجہ یہ کہ یہ لاشعوری نسل بالغ ہونے سے پہلے ہی بالغ ہورہی ہے، پھر وہ خود جذبات سے بے تاب ہوکر تسکین کے لئے وہ غیر فطری طور طریقے اختیار کررہی ہے جنہیں صفحۂ قرطاس پر لانے سے قلم شرمارہا ہے۔ ع

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

ایک شخص اپنی روسیاہی کا قصہ لکھ کر بغرض استفتاء خود دار الافتاء میں آیا جس کا خلاصہ یہ ہے:

"وہ، اس کی بیوی اور بیٹی وی سی آر دیکھ رہے تھے، کچھ دیر بعد بیوی بستر پر جا کر سو گئی تو اس نے اپنی بیٹی سے منہ کالا کیا اور مکمل طور پر کیا۔"

بیوی کو علم ہو گیا ہوگا اس نے استفتاء پر مجبور کیا ہوگا، ٹیلی ویژن، وی سی آر کے سامنے یہ بہت معمولی بات ہے، واللہ اعلم روزانہ کتنے ایسے واقعات ہوتے ہیں، ایسی قوم طرح طرح کے عذابوں میں نہ پڑے تو اور کیا ہو؟

آفریں ہے ان سنگ دل والدین پر جو یہ سب کچھ سننے دیکھنے کے باوجود بچوں کی تفریح اور ذہنی نشوونما کے لئے گھر میں ٹی وی رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ع

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اپنے جگر گوشوں کے ساتھ اس سے بڑھ کر دشمنی کا مظاہرہ کیا ہوگا؟

قرآن مجید علی الاعلان کہہ رہا ہے:

یا ایہا الذین آمنوا قوا انفسکم واہلیکم نارا وقودہا الناس والحجارۃ (التحریم:۶)

"اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔"

اس کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

روی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال حین نزلت یا رسول اللہ! نقی انفسنا فکیف لنا باھلینا فقال علیہ الصلوۃ والسلام تنھونھم عما نھاکم اللہ عنہ وتامرونھم بما امرکم اللہ بہ فیکون ذلک وقایۃ بینھم وبین النار۔

واخرج ابن المنذر والحاکم وصححہ وجماعۃ عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال فی الآیۃ علموا انفسکم واھلیکم الخیر وادبوھم۔

والمراد بالاھل علی ما قیل ما یشمل الزوجۃ والولد والعبد والامۃ واستدل بھا علی انہ یجب علی الرجل تعلم ما یجب من الفرائض وتعلیمہ لھؤلاء۔

وادخل بعضھم الاولاد فی الانفس لان الولد بعض من ابیہ۔

وفی الحدیث رحم اللہ رجلا قال یا اھلاہ صلوتکم صیامکم زکوتکم

مسکینکم ویتیمکم وجیرانکم لعل اللہ یجمعکم معہم فی الجنۃ ۔

وقیل ان اشد الناس عذابا یوم القیامۃ من جھل اھلہ (روح المعانی ملخصاً)

"جب یہ آیت اتری تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنی جانوں کا تو دوزخ سے بچاؤ کرتے ہیں اپنے گھر والوں کو کیسے بچائیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں منع فرمایا ہے ان سے انھیں منع کرو، اور جن کاموں کا تمھیں حکم فرمایا ہے ان کا انھیں حکم کرو، سو یہ چیز ان کے لئے آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائے گی۔

امام ابن المنذر وامام حاکم نے اپنی تصحیح کے ساتھ اور محدثین کی ایک جماعت نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی تفسیر یوں نقل کی ہے:

"اپنے نفسوں کو اور اپنے گھر والوں کو خیر کی تعلیم دو اور انھیں دین کے طور طریقے سکھاؤ۔"

اور آیت میں اہل سے بیوی، اولاد، غلام اور لونڈی مراد ہیں، آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ مسلمان پر تمام فرائض کا سیکھنا اور مذکورہ افراد کو سکھانا واجب ہے۔

اور بعض حضرات نے اولاد کو النفس میں داخل کیا ہے اسلئے کہ اولاد بھی باپ کا جزء ہے۔

اور حدیث میں ہے: اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جو گھر والوں کو بیدار رکھے کہ اے اہل خانہ! اپنی نماز، روزے اور زکوٰۃ کی فکر کرو، اپنے مسکین، یتیم اور پڑوسیوں کی خبرگیری کرو، شاید اللہ تعالیٰ تمھیں انکے ساتھ جنت میں جمع کردے۔ کہا گیا ہے کہ روز قیامت شدید ترین عذاب اس شخص کو ہوگا جس نے اپنے گھر والوں کو دین سے بے خبر جاہل رکھا۔"

مگر یہاں "جب باڑھ ہی کھیت کو کھانے لگے تو رکھوالی کون کرے" کے مصداق والدین خود اولاد کو دین سے برگشتہ کر رہے ہیں، ٹی وی اور وی سی آر کے ذریعہ انہیں گناہوں کا رسیا

بنا رہے ہیں، یہی اولاد جب بڑھ کر کل والدین کے سر ہو جاتی ہے انہیں کا بیان ہے ان سے غیر انسانی سلوک کرے تو اچنبھے کی بات نہیں اگر یہ اسکول و کالج اور ٹی وی، وی سی آر کی تعلیم و تربیت کا منطقی نتیجہ ہے۔ "جیسی کرنی ویسی بھرنی" دنیا کا مسلّم اصول ہے، آخرت میں بھی یہ اولاد یقیناً والدین کی گریبان گیر ہوگی۔

⑧ جرائم کو ہوا دینا:

ٹی وی صرف تفریح و تماشہ یا طرب و عیش کا ہی ایک آلہ نہیں بلکہ دنیا میں رونما ہونے والے بڑے بڑے جرائم کا "ٹریننگ سینٹر" بھی ہے، اخباروں میں اس قسم کی خبریں بارہا شائع ہو چکی ہیں کہ بڑی بڑی وارداتوں میں پکڑے جانے والے نوجوانوں نے سزایاب ہونے کے بعد از خود اعتراف کیا:

"ڈکیتی کا یہ پروگرام ہم نے فلاں ٹی وی ڈرامہ دیکھ کر ترتیب دیا تھا"

جنوبی افریقہ کی "مجلس علماء" کی جانب سے شائع شدہ کتاب "اسلام اینڈ ٹیلیویژن" میں واقعہ لکھا ہے:

"ٹی وی میں پیش کیا گیا "عورت کی آبروریزی کا منظر" حقیقت بن کر سامنے آ گیا جب ایک بدمعاش ہو بہو اسی طرح چھری چاقو لیکر ایک عورت کے گھر گھس گیا، اسکی آبروریزی کی اور رقم چھین کر بھاگ گیا، تفتیش کے لئے اس کے گھر پولیس آئی تو پولیس افسر بے ساختہ بول اٹھا:

"ملزم نے یقیناً وہ ٹی وی ڈرامہ دیکھ کر ہی یہ واردات کی ہے جس میں یہ منظر پیش کیا گیا تھا"

⑨ شعائر دینیہ کی بے حرمتی:

ٹی وی میں ضمنی طور پر کچھ دینی پروگرام مثلاً حج کے مناظر، نوازن، تلاوت اور نعتیہ کلام وغیرہ پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ دین کی کوئی خدمت نہیں بلکہ دینی احکام کے ساتھ بھونڈا مذاق ہے، قرآن مجید نے اسے کفار کا عمل بتا کر مسلمانوں کو ان سے بیزار رہنے کی تاکید فرمائی کہ:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (۵-۵۷)

"اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے جو ایسے ہیں کہ انھوں

تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے ان کو اور دوسرے کفار کو دوست مت بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو۔"

اس میں دین کی بے وقعتی تو ہے ہی مزید ایک بڑا مفسدہ یہ ہے کہ عوام ٹی وی کے ایسی بے حیائی کو جائز مباح بلکہ اشاعت دین کا ایک ذریعہ باور کرنے لگے ہیں۔

(۱۰) معاشرے میں مذکورہ بالا تمام گناہوں کی تشہیر و ترویج کا وبالِ عظیم :

ٹی وی، وی سی آر کے ذریعہ دنیا بھر میں جتنی بے حیائی پھیل رہی ہے اس میں اس کے تمام پرستار (تاجر، خریدار، مشتہر، بنانے اور مرمت کرنے والے، دیکھنے دکھانے والے) سب برابر کے شریک و حصہ دار ہیں، کسی نیکی یا برائی میں حصہ دار بننے کے لئے اس تک چل کر جانا اور بنفس نفیس شریک ہونا ضروری نہیں بلکہ گھر بیٹھے اسے سراہنا، دل سے راضی رہنا یا کسی بھی انداز سے اس کی حوصلہ افزائی کرنا اس میں شرکت کے مترادف ہے، چنانچہ حدیث ہے :

اذا عملت الخطیئۃ فی الارض فمن شہدھا فکرھھا کان کمن غاب عنھا ومن غاب عنھا فرضیھا کان کمن شہدھا (ای باشرھا وشارک اھلھا) (سنن ابی داؤد ص ۲۴۰ ج ۲)

"جب زمین میں کہیں گناہ ہوتا ہے تو جو شخص موقع پر موجود ہونے کے باوجود اسے دل سے ناپسند کرے تو وہ (حکماً) اس شخص کی مانند ہے جو اس سے غائب تھا۔ اور جو شخص وہاں سے غائب ہو لیکن باوجود اس پر دل سے راضی ہو وہ (حکماً) اس شخص کی مانند ہے جو موقع پر موجود (اور شریک گناہ) ہے۔"

یہ ظاہر و باہر حقیقت محتاج دلیل نہیں کہ اس وقت پورے انسانی معاشرہ میں فحاشی و عریانی کو فروغ دینے میں جو کردار اکیلا ٹی وی ادا کر رہا ہے وہ دنیا بھر کی رنڈیاں، بھانڈ، بھڑوے میراثی مل کر بھی ادا نہ کر سکتے، ٹی وی نے گھر گھر سنیما ہال کھول دیئے۔ کچھ عرصہ پیشتر جس گناہ کے ارتکاب کے لئے لوگ اوٹ تلاش کرتے تھے آج ٹی وی کی بدولت وہ گناہ نہ صرف جائز قرار پایا بلکہ فیشن بن چکا ہے، گناہوں کی اس بہتات نے معاشرہ کو جہنم کدہ بنا دیا ہے۔ اس تمام بگاڑ کا سہرا انہی لوگوں کے سر ہے جو اس "سرچشمۂ فساد" کی تشہیر و ترویج میں کسی بھی درجہ میں دخیل ہیں، یہ لوگ فقط اپنی ذات کے ہی نہیں بلکہ پورے معاشرہ کے بدخواہ اور دشمن ہیں، اور اس قرآنی وعید میں داخل ہیں :

انّ الّذین یحبّون ان تشیع الفاحشۃ فی الّذین اٰمنوا لہم عذاب الیم فی

الدنیا والاٰخرۃ واللہ یعلم وانتم لا تعلمون (۲۴ : ۱۹)

"جو لوگ چاہتے ہیں کہ بیحیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

عذرِ گناہ:

ٹی وی کے ان مہیب اور ہولناک نتائج کو دیکھ کر کوئی بھی ذی ہوش انسان اسے اپنے لئے، اپنی اولاد کے لئے یا معاشرہ کے کسی فرد کے لئے مفید قرار نہیں دے سکتا، مگر اس موٹی سی حقیقت کو سمجھنے کے لئے بھی کچھ انسانی حس درکار ہے، افسوس کہ ٹی وی اپنے دلدادوں کے دل و دماغ سے اس "حس" کو کھرچ کھرچ کر ایسا صاف کر دیتی ہے کہ انھیں خیر و شر کے درمیان کوئی تمیز نہیں رہتی۔

سوال میں مذکور تقریر جس میں ٹی وی کے فائدے گنائے گئے ہیں انہی ٹی وی گزیدہ لوگوں کی زبانی دہرائی گئی ہے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ دنیا کی وہ کون سی برائی ہے جسے تمہاری اس منطق کی رُو سے خیر و بھلائی ثابت نہیں کیا جا سکتا؟ کیا آدم خور درندے، سانپ، بچھو، سنکھیا بھی اپنے اندر فائدے کا ایک پہلو نہیں رکھتے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ کوئی احمق سے احمق انسان بھی انھیں ہاتھ لگانے کو تیار نہیں؟ سچ ہے:

"بے دینی کی سب سے پہلی زد عقل پر پڑتی ہے۔"

بعض لوگ ٹی وی کے طرفداروں کی یہ تقریر سن کر کہ "ٹی وی کی سکرین پر براہ راست پیش ہونے والے مناظر تصویر نہیں بلکہ عکس ہیں" طول طویل بحث چھیڑ دیتے ہیں۔

ہم اس بحث کو اس لئے بے سود سمجھتے ہیں کہ ٹی وی کا اصل حکم اس پر موقوف نہیں، یہ مناظر تصویر ہوں تو بھی حرام ہیں عکس ہوں تو بھی قطعی حرام۔ اگر بقول انکے یہ عکس ہے تو بھی بے پردہ فاحشہ عورتوں کے عکس دیکھنا کس نے جائز قرار دیا؟ عورتوں کیلئے نیم برہنہ مردوں کے عکس دیکھنے کی کس نے اجازت دی؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ عکس ایک پہلو سے اصل صورت سے بھی زیادہ مہلک اور خطرناک ہے، کہنے والے نے سچ ہی کہا ہے ؎

تری تصویر میں اک چیز تجھ سے بھی نرالی ہے ٭ کہ جتنا چاہو چپکا لو نہ جھڑکی ہے نہ گالی ہے

اگر اسے عکس تسلیم کر کے ہم جائز قرار دیں تو خارجی مفاسد کی بنا پر ایک جائز کام بھی ناجائز ہو جاتا ہے، اور ٹی وی تو ہے ہی "مجموعۂ فساد" اس کے تمام مفاسد سے آنکھیں بند

کرکے اسے جائز کیسے قرار دیا جائے؟

اگر خارجی مفاسد سے بھی قطع نظر کرتے ہوئے یہ فرض کرلیا جائے کہ براہِ راست پیش کئے جانے والے مناظر "عکس" ہیں اور پہلے سے فلمائے گئے مناظر "تصویر"، تو ہر ٹی وی بین ہر وقت یہ پہچان ہی کیسے کریگا کہ اس وقت یہ پروگرام براہِ راست نشر ہو رہا ہے یا اس کی فلم دکھائی جارہی ہے؟ جبکہ عموماً ٹی وی پروگرام فلم ہی کی صورت میں دکھائے جاتے ہیں۔

ویڈیو کیسٹ:

یہ فتنہ سامانی میں ٹی وی سے بھی دو گام آگے ہے، اسمیں تو حقیقی محفوظ تصویر ہے۔

بعض لوگ یہاں بھی وہی تقریر شروع کر دیتے ہیں کہ اس کی تصویر بھی پانی یا آئینہ میں دیکھے جانے والے عکس جیسی ہے، حالانکہ کوئی عقل کا کورا بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ تصویر و عکس دو بالکل متضاد چیزیں ہیں، تصویر کسی چیز کا پائیدار اور محفوظ نقش ہوتا ہے، عکس ناپائیدار وقتی نقش ہوتا ہے، اصل کے غائب ہوتے ہی اسکا عکس بھی غائب ہوجاتا ہے۔

ویڈیو کے فیتے میں تصویر محفوظ ہوتی ہے، جب چاہیں جتنی بار چاہیں ٹی وی کی سکرین پر اس کا نظارہ کرلیں، اور یہ تصویر تابع اصل نہیں بلکہ اس سے بالکل لاتعلق اور بے نیاز ہے، کتنے ہی لوگ ہیں جو مرکھپ گئے، دنیا میں ان کا نام و نشان نہیں، مگر ان کی متحرک تصویریں ویڈیو کیسٹ میں محفوظ ہیں، ایسی تصویر کو کوئی پاگل بھی عکس نہیں کہتا، صرف اتنی سی بات کو لیکر کہ ویڈیو کے فیتے میں ہمیں تصویر نظر نہیں آتی تصویر کے وجود کا انکار کردینا کھلا مغالطہ ہے۔

اگر یہ منطق تسلیم کرلی جائے کہ فیتے میں تصویر محفوظ نہیں بلکہ معدوم ہے اور ویڈیو کیسٹ میں محفوظ نقوش ٹی وی اسکرین پر جاکر تصویر بنا دیتے ہیں تو اس لاحاصل تقریر سے اصل حکم پر کیا اثر پڑا؟ تصویر محفوظ ماننے کی تقدیر پر ٹی وی صرف تصویر نمائی کا ایک آلہ تھا اب تصویر سازی کا آلہ بھی قرار پایا، کہ صرف تصویر دکھاتا ہی نہیں بناتا بھی ہے، اب تو اس کی قباحت دوچند ہوگئی، یک شد دو شد۔

مختصر یہ کہ ٹی وی ویڈیو کیسٹ کی تصویر کے متعلق زائد از زائد یہ کہا جاسکتا ہے کہ سائنس کی ترقی نے فن تصویر سازی کو ترقی دیکر اسمیں مزید جدت پیدا کردی اور تصویر سازی کا ایک دقیق انوکھا طریقہ ایجاد کرلیا۔

ٹی وی کا زہر ———— ۳

مگر یاد رکھئے تصویر خواہ کسی قسم کی ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وعید سے خارج نہیں:

اشد الناس عذابا یوم القیمۃ المصورون۔

"روز قیامت تصویر سازوں کو سب سے سخت عذاب ہوگا۔"

لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ..... المصور

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر ساز پر لعنت بھیجی۔"

یہ چند سطریں ہم نے ان لوگوں کی تردید میں لکھ دیں جو عکس کی اوٹ لیکر ٹی وی کی لعنت کے لئے جواز کا چور دروازہ کھولنا چاہتے ہیں ورنہ یہ شروع ہی میں ہم لکھ چکے ہیں کہ ٹی وی کی حرمت و شناعت اس بحث پر موقوف نہیں۔

ایک سوال:

آخر میں ان لوگوں سے جو عکس عکس کی رٹ لگاتے نہیں تھکتے ایک سوال ہے کہ اگر آپ کی اپنی بہو بیٹیاں ٹی وی اسکرین پر اسی طرح نمودار ہوں اور اچھلتی کودتی ساری دنیا کو دعوت نظارہ پیش کریں تو خدا لگتی کہئے کیا آپ اپنے تئیں بھی یہ سوچ سوچ کر مطمئن ہو جائیں گے کہ "یہ ایک عکس ہی تو ہے" یا غیرت و حمیت سے زمین میں گڑ جائیں گے؟

آں کہ بر خود نپسندی بر دیگراں مپسند۔

"جو چیز اپنے لئے پسند نہیں کرتے دوسروں کے لئے کیسے پسند کرتے ہو۔"

کچھ مغرب زدہ روشن خیال قسم کے لوگ علماء کرام پر طعن کرتے ہیں کہ یہ حضرات قدامت پسند اور تنگ نظر ہیں، انھیں معلوم نہیں کہ آج ٹی وی متمدن زندگی کا ایک لازمی جزء بن چکا ہے، علم و ادب فلسفہ و سائنس بلکہ دین کی تبلیغ و اشاعت کا ایک بہترین ذریعہ ہے، مگر علماء چاہتے ہیں کہ ٹی وی سے نیکی کا یہ عنصر ختم کر کے اسے بالکل آزاد و بے مہار چھوڑ دیا جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علم و ادب یا دین کی اشاعت سے کوئی مسلمان منع نہیں کرتا، بالخصوص علماء کرام کی تو پوری زندگیاں ہی علوم دینیہ کی اشاعت کے لئے وقف ہیں، ان پر یہ تہمت تھوپنا تو حقیقت کا منہ چڑانا ہے، مگر دین میں تحصیل علم کے کچھ آداب و اصول ہیں، ٹی وی تحصیل علم کا آلہ نہیں بلکہ مغنیہ عورتوں، گویوں، میراثیوں اور ڈھولکیوں کا گہوارہ ہے، گندگی کے اس جوہڑ میں بیٹھ کر دین کی تبلیغ کرنا دینی خدمت نہیں بلکہ دین کے ساتھ بدترین مذاق ہے۔

کسی معترض میں انصاف و دیانت کی رمق ہو تو وہی بتائے کہ ٹی وی یوں تو دن رات فلمی ایکٹروں، ایکٹرسوں اور نیم عریاں کھلاڑیوں کے لئے وقف ہے، ان کے جھرمٹ میں ذرا سی دیر کو کسی سرکاری مولوی یا درباری شاعر و نعت خواں کو باریابی کا موقع دیدینا ٹی وی کی تطہیر ہے یا بیت الخلاء کو عبادت گاہ بنانے کی حماقت؟

کوئی ٹی وی کا دلدادہ بتا سکتا ہے کہ ٹی وی کے دینی پروگرام جو سالہا سال سے چل رہے ہیں ان کو دیکھ کر آج تک کتنے کافر مشرف باسلام ہوئے؟ کتنے بے نماز نمازی بن گئے؟ اور خود آپ پر اس کا کتنا اثر ہوا؟

(خصوصیت)! دنیا کے ہر فن و ہنر کو سیکھنے کے لئے یہ لوگ ماہرین فن کے پاس چل کر جاتے ہیں، ان کی بھاری فیسیں ادا کرتے اور ہر طرح سے نازبرداری کرتے ہیں، مگر دین ہی ان کی نظر میں ایک کار لایعنی ہے جسے گھر بیٹھے تماشا دیکھتے ہوئے حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس سے بڑھ کر دین کی بے وقعتی کیا ہوگی؟

کون نہیں جانتا کہ ٹی وی پروگراموں میں دینی امور کی یہ آمیزش بھی صرف ذائقہ بدلنے کے لئے وقتی سی بات ہوتی ہے۔

اگر کسی وقت ملک میں اسلامی حکومت قائم ہوا اور وہ ٹی وی کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے کر اسے موجودہ منکرات سے پاک کردے، ٹی وی میں عورتوں کا گزر نہ ہو، کسی جاندار کی تصویر بھی پیش نہ کی جائے، اس کا پورا عملہ صالح مردوں پر مشتمل ہو، جسے عوامی خواہشات کے تابع رکھنے کی بجائے مفید مقاصد میں استعمال کرے، استعمال کی مخصوص حدود و شرائط وقت کے محقق سے طے کرائے تو ایسے حالات ٹی وی واقعی آلہ خیر بن جائے گا اور علماء کو اس پر کوئی اعتراض نہ رہے گا، مگر بحالات موجودہ یہ قطعاً آلۂ شر ہے اور اس کے قلب ماہیت کے دور دور تک کوئی آثار نظر نہیں آتے۔

علماء کسی نئی ایجاد کے مخالف نہیں، وہ ہر قیمت پر دین کا تقدس برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔

عنادو تعنت پر مبنی ایک اعتراض کی نامعقولیت ولغویت ظاہر کرنے کی غرض سے یہ بقدر ضرورت لکھدیا ہے ورنہ یہ حقیقت واضح ہے کہ ٹی وی کی بطریق مذکور تطہیر کے لئے عرصہ دراز چاہئے، وہ بھی اس شرط سے کہ فی الحال ٹی وی پر فوراً ایسی مکمل پابندی لگائی جائے کہ پوری مملکت سے اس کا وجود ہی ختم کر دیا جائے، ٹی وی کی موجودگی میں اس سے فحاشی و

لیے دین کے ہر لمحہ بڑھنے والے سیلاب و طغیانی پر بندش لگانا ناممکن ہے، ٹی وی کے زہر کو اس سے مسموم معاشرہ کی رگ و پے سے نکالنے کے لئے چند سال کافی نہیں، صدیوں کی ضرورت ہے۔

یہ خیال صحیح نہیں کہ حکومت چاہے تو موجودہ حالات میں بھی پابندیاں عائد کر کے تطہیر کر سکتی ہے۔ اس لئے کہ جب تک حکومت کی اصلاح نہ ہوگی وہ چھوت سے نجات کیوں چاہے گی؟ اور جمہوری طرز حکومت میں حکومت کی اصلاح عوام کی اصلاح پر موقوف ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ موجودہ حالات میں ٹی وی کی تطہیر کے مشورے اور بصورت تطہیر جواز استعمال کے فتوے سب خام خیالی و رخواب ہیں یا محض زبان و قلم کی تفریح کا سامان۔

کرشمۂ جہالت:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم صرف کارآمد پروگرام دیکھتے ہیں، فحش اور دوسرے ناجائز پروگرام نہیں دیکھتے۔

ان کی یہ منطق تلبیس ابلیس و فریب نفس و شیطان ہے، ہم نے ٹی وی کے جو مفاسد لکھے ہیں ان کے پیش نظر اس آلۂ شیطان کو کسی حال میں اور کسی نیت سے بھی دیکھنا جائز نہیں، جائز پروگرام دیکھنے کے عدم جواز کی وجوہ ہم دوبارہ لکھ دیتے ہیں:

(۱) تصویر یا عکس، ان دونوں کے مفاسد کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(۲) عورت کی تصویر یا عکس، اناؤنسر بہرحال عورت ہوتی ہے۔

(۳) کھیل اور ٹیلرک کے مناظر میں ستر کھلا ہوتا ہے۔

(۴) فحاشی کے اس اڈے میں مناظر حج اور دوسرے دینی پروگرام پیش کرنا اور ان کو دیکھنا دین اسلام کی توہین ہے اور بہت سخت گمراہی بلکہ خطرۂ ایمان۔

(۵) ٹی وی دیکھنے والا حد جواز پر قائم نہیں رہ سکتا، یہ نشہ کبھی نہ کبھی حرام میں مبتلا کر کے چھوڑتا ہے اور قاعدہ ہے:

الامر المفضی الی الحرام حرام۔

"جو کام حرام میں ابتلاء کا سبب ہو وہ بھی حرام ہے"

(۶) نماز میں تاخیر یا ترک جماعت کا سبب ہے۔

(۷) صحت جسمانیہ و دماغ، اعصاب اور بینائی کو نقصان پہنچتا ہے۔

(۸) بالفرض کوئی شخص دیکھنے میں حدود و قیود کی پابندی کر لے تو اس کے عمل سے عوام

مطلقاً جواز پر استدلال کرکے فواحش و معاصی میں بھی مبتلی ہونگے جن کا گناہ اور وبال اس پر بھی پڑیگا جو ان کی بے دینی اور فسق و فجور کا سبب بنا۔

ٹی وی کے احکام:

○ ٹی وی اپنی موجودہ صورت میں ڈھول سارنگی اور بینڈ باجوں کی طرح لہو ولعب کا ایک آلہ ہے بلکہ مفاسد کے لحاظ سے دیگر آلات معاصی سے بڑھ کر قرر رساں و تباہ کن ہے، اسلئے اسکا بیچنا، خریدنا، اجارہ پر دینا لینا، ہبہ کرنا، ہبہ میں قبول کرنا، مرمت کرنا، پاس رکھنا، اسکی تصویر دیکھنا، دکھانا یا ایسے مکان میں بیٹھنا جس میں ٹی وی چل رہا ہو یہ تمام کام حرام ہیں۔

○ جس مسلمان کو اس کبیرہ گناہ سے توبہ کی توفیق ہو وہ اسے توڑ پھوڑ کر ضائع کرے، ہاں اس میں کوئی کل پرزہ اس قسم کا موجود ہو جو کسی دوسرے مباح کام میں آسکتا ہو تو اسکے نکال لینے میں مضائقہ نہیں نیز جس شخص یا کمپنی سے ٹی وی خریدا تھا قیمت خرید یا اس سے کم پر اسے واپس بھی کیا جا سکتا ہے۔

○ کوئی شخص کسی مسلمان کا ٹی وی توڑ دے تو اس پر ضمان نہیں مگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو توڑنا جائز نہیں۔

○ جو لوگ ٹی وی، وی سی آر اور تصاویر کا کاروبار کرتے ہیں انکی کمائی حرام ہے، لہذا انسے ہدیہ لینا، ان کی دعوت کھانا، ہدیہ لینا، قرض کسی شکل میں بھی انکے مال سے انتفاع جائز نہیں۔

○ چونکہ ٹی وی آلۂ لہو ولعب ہے اسلئے اسپر حج کے مناظر، اذان، تلاوت، حمد ونعت اور دوسرے کسی قسم کے دینی پروگرام نشر کرنا ناجائز اور قطعی حرام ہے، اس گناہ کو نیکی تصور کرنے میں کفر کا اندیشہ ہے۔

○ جو شخص مذکورۃ الصدر گناہوں میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہو وہ فاسق ہے، لہذا اس کی اذان و اقامت مکروہ ہے۔ اسے باختیار خود امام بنانا جائز نہیں، اگر بن گیا تو فرض نماز اسکی اقتداء میں ادا کرنا درست ہے، بشرطیکہ امامت کی دوسری شرطیں اسمیں پائی جاتی ہوں۔

تراویح اور وتر اس کی اقتداء میں جائز نہیں۔ اس کی شہادت مردود ہے۔

○ ایسے مخصوص مقامات جہاں دور حاضر میں ٹی وی کا استعمال ناگزیر ہے، جیسے حفاظتی تدابیر، ایٹمی تنصیبات، سائنسی مراکز، ڈاکٹری کی مہارت کے لئے عملی تجربات، ایسے مواقع میں بوقت ضرورت بقدر ضرورت جائز ہے۔ واللہ ھو العالم ومنہ جمیع الفتاویٰ۔

محمد ابراہیم

نائب مفتی دارالافتاء والارشاد

۱۷ ذی قعدہ ۱۴۰۲ ہجری

الکافر

غلبۂ شہوت سے اپنی ماں پر جھپٹ پڑا :

ایک شخص نے دارالافتاء سے خود اپنے بارے میں یوں استفتاء کیا :

"میں اپنی ماں کے ساتھ ایک فحش پروگرام دیکھ رہا تھا، شہوت کی آگ بھڑک اٹھی آلۂ تناسل میں انتشار پیدا ہوا اور جوش شہوت میں بے اختیار ماں کو پکڑ لیا۔"

وی سی آر کے سامنے بیٹی کے ساتھ بدکاری کا قصہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔

ایسے شرمناک اور حیاسوز واقعات قید تحریر میں لاتے ہوئے قلم تھرا رہا ہے مگر دل پر پتھر رکھ کر صرف اس مقصد سے اس قسم کے واقعات شائع کئے جا رہے ہیں کہ شاید ان لوگوں کے لئے تازیانۂ عبرت بنیں جو تفریح کے نام سے اس بےحیائی کو فروغ دینے میں مصروف ہیں۔

ان حقائق کا مشاہدہ کرنے کے باوجود اگر یہ لوگ اپنی روش نہیں بدلتے تو یہ باور کئے بغیر چارہ نہیں کہ شاید ان کی لغت میں دین وایمان، شرم وحیا اور غیرت وحمیت کے الفاظ مہمل اور بےمعنی الفاظ ہیں ؎

حمیت نام تھا جس کا گئی مسلم گھرانوں سے

آنکھوں دیکھا عبرتناک عذاب :

رمضان المبارک کی بات ہے کہ افطاری سے کچھ دیر پہلے ماں نے بیٹی سے کہا :

"آؤ میرے ساتھ مل کر افطاری کے لئے تیاری میں میری مدد کرو۔"

بیٹی نے جواب دیا :

"امی! مجھے تو ٹی وی پر پروگرام دیکھنا ہے وہ دیکھ لوں تو پھر کام کروں گی۔"

یہ کہہ کر اوپر چھت پر چلی گئی کمرے میں ٹی وی رکھا تھا اس لڑکی نے ماں کے ڈر سے کہ کہیں مجھے زبردستی کام کے لئے نہ اٹھا کر لے جائے دروازہ بھی اندر سے بند کر لیا، ادھر ماں بیٹی کو آوازیں دیتی رہی، بیٹی نے ایک نہ سنی کافی وقت گزر گیا، گھر میں سب مرد بھی آ گئے، افطاری ہو گئی لیکن لڑکی ابھی تک کمرے سے نکلی نہیں، ماں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے آواز نہ آئی، دل ڈر گیا، اس کے باپ اور بھائیوں سے کہا، انھوں نے دروازہ توڑا اور اندر

داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ لڑکی زمین پر اوندھے منہ پڑی ہے ، اس کو دیکھا تو وہ مری پڑی تھی اب حالت یہ ہوئی کہ لڑکی زمین کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی ، اٹھاتے تھے اٹھتی نہیں تھی ، سب اس کو اٹھا اٹھا کر تھک گئے ، اب حیران کہ کیا کریں ، کسی کے ذہن میں اچانک ایک بات آئی ، اس نے جو اٹھا کر ٹی وی کو اٹھایا تو لڑکی بھی اٹھی ، اب تو یہ ہوا کہ اگر ٹی وی اٹھاتے تو لڑکی اٹھتی ورنہ بالکل کوئی اس کو نہ اٹھا سکتا ، آخر انھوں نے لڑکی کے ساتھ ٹی وی کو بھی اٹھایا اور اس کو نیچے لائے اور غسل دے کر کفن وغیرہ پہنا کر جب جنازہ اٹھایا تو حیران رہ گئے کہ چارپائی تو ٹس سے مس نہیں ہوتی ، بالآخر انھوں نے ٹی وی کو اٹھایا اور قبرستان تک لے گئے ، اب انھوں نے لڑکی کو قبر میں دفن کیا اور ٹی وی کو لے کر گھر جانے لگے ، جونہی انھوں نے ٹی وی کو اٹھایا تو میت قبر سے باہر آ پڑی ، انھوں نے پھر اس کو دفن کیا اور ٹی وی کو اٹھایا تو پھر میت باہر آ پڑی ، اب تو سب کو بہت پریشانی ہوئی ، انھوں نے لڑکی کو ٹی وی سمیت قبر میں دفن کر دیا ۔

اب اس کا جو حشر ہوگا وہ اللہ ہی جانتا ہے ۔ (رسالہ ختم نبوت جلد ۷ شمارہ ۱۸)

ٹی وی کے نقصانی اثرات :

روزنامہ مسلمان مدراس نے ۲۵ / اگست ۹۰ء کی اشاعت میں لکھا ہے :

"رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ گھریلو الیکٹرانکس مثلاً ٹی وی سے جو زہریلے مادے گیسوں کی شکل میں خارج ہوتے ہیں وہ کیمیائی تجربہ گاہ میں بیٹھنے کے بعد پائے جانے والے اثرات سے دوگنا زیادہ خطرناک ہوتے ہیں ۔"

(رسالہ ختم نبوت جلد ۱۱ شمارہ ۴۴)

دنیا ہی میں عذاب عظیم :

۳۰ / اکتوبر ۱۹۹۰ء کو جب کہ ہر طرف مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا مسلمانوں کی جائیداد کو آگ لگائی جا رہی تھی عورتوں کی بے حرمتی کی جا رہی تھی ، تو ۳۱ / اکتوبر ۹۰ء کو میں استخارہ کی نیت سے سو گیا ، خواب میں ایک بزرگ تشریف لاتے ہیں ، میں نے ان سے عرض کیا :

"حضرت مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے ، ان کے مال و جائیداد کو آگ لگائی جا رہی ہے ، عورتوں کی بے حرمتی کی جا رہی ہے ، ہر طرف مسلمان پریشان حال ہیں ، وہ عمل بتائیے جس سے مسلمانوں کی پریشانیاں دور ہو جائیں ۔" ان بزرگ نے فرمایا :

"گھروں پر سے چھتریاں اتروا دو ۔"

ٹی وی کا زہر ——— ۲۳

(یعنی ٹیلیویژن کے انتہائی تر وادو۔ دوسرا۔ ٹی وی کی تباہ کاریاں)

عذابِ قبر:

دو دوست تھے ایک جدہ میں رہتا تھا دوسرا ریاض میں۔ دونوں میں گہری دوستی تھی دونوں ہی دیندار و پرہیزگار تھے۔ ریاض والے دوست کے گھر والوں نے بہت ضد کی کہ وہ گھر میں ٹی وی لے آئے، اپنے بچوں اور بیوی کے اصرار پر اس نے اپنے گھر والوں کے لئے ٹی وی خرید لیا، کچھ دنوں بعد اس کا انتقال ہوگیا، جدہ والے دوست نے اس کو تین مرتبہ خواب میں دیکھا، ہر مرتبہ اس کو عذاب کی حالت میں پایا اور اس نے خواب میں تینوں مرتبہ اس جدہ والے دوست سے کہا:

"خدا کے لئے میرے گھر والوں سے کہو کہ وہ گھر سے ٹی وی نکال دیں، کیونکہ جب سے ان لوگوں نے مجھے دفن کیا ہے مجھ پر اس ٹی وی کی وجہ سے عذاب مسلط ہے، کیونکہ میں نے خرید کر گھر میں رکھا تھا وہ لوگ اس بے حیائی سے مزے لے رہے ہیں اور میں عذاب میں گرفتار ہوں۔"

جدہ والا دوست جہاز کے ذریعہ ریاض پہنچا اور اس کے گھر والوں کو خواب سنایا اور یہ بھی بتایا کہ میں نے تین مرتبہ ایسا دیکھا ہے۔ گھر والے سُن کر رونے لگے، اس کا بڑا بیٹا اٹھا اور غصہ میں ٹی وی کو اٹھا کر پٹخا، اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے، اٹھا کر کوڑے کے ڈبے میں پھینک دیا۔

جدہ والا دوست جب جدہ واپس پہنچا تو اس نے پھر دوست کو خواب میں دیکھا اس بار وہ اچھی حالت میں تھا، اس کے چہرے پر ایک رونق تھی، اس نے اپنے ہمدرد دوست کو دعا دی کہ اللہ جل جلالہ تجھے بھی مصیبتوں سے نجات دلائے جس طرح تو نے میری پریشانی دور کرائی (حوالہ بالا)

ٹی وی کو تباہ کر دو اس سے قبل کہ یہ تمہیں برباد کر دے:

شیخ عبداللہ حمید سابق جسٹس سپریم کورٹ آف سعودی عربیہ نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے:

"ایک جرمنی کے ماہر اجتماعیات نے مختلف درسگاہوں اور اداروں کے براہ راست بھرپور مطالعہ کے بعد سوسائٹی اور نئی نسل پر ٹی وی کے خطرات کا گہرائی سے جائزہ لے کر کہا کہ ٹی وی اور اس کے نظام کو تباہ کردو اس سے قبل کہ یہ تمہیں برباد کر ڈالے" (حوالہ بالا)

ٹیلیویژن بچوں پر تباہ کن اثرات مرتب کرتا ہے:

ٹیلیویژن پر تشدد اور جنس سے متعلق پروگرام بچوں پر تباہ کن اثرات مرتب کرتے ہیں،

بیانات برطانیہ کے وزیر صحت نے کہی ہے، ان کا کہنا ہے کہ حکومت کو ٹیلیویژن نشریات پر کنٹرول کرنا چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ والدین بھی بچوں پر پابندی لگائیں، اور ان کو ایک عملی نمونہ پیش جس سے آگے بچے قدم نہ اٹھائیں۔ انھوں نے کہا کہ والدین کو اپنی ذمہ داری محسوس کرنی چاہئے اور بچوں کو عزت کرنا اور شر سے بھلے کی تمیز کرنا سکھانا چاہئے۔ (حوالہ بالا بحوالہ روزنامہ نوائے وقت ۵ اپریل ۹۲ء)

ٹی وی سے کینسر:

ڈاکٹر ایڈی ویگور مشہور جرنلسٹ اور عیسائی مشن کی معروف رکن بھی اپنی کتاب (WHY SUFFER) میں لکھتی ہیں:

"سچائی تو یہ ہے کہ ٹی وی ایک طرح کی ایکسرے مشین ہے، ڈاکٹر جس ایکسرے مشین کا استعمال کرتے ہیں اس میں خطرات سے بچنے کا مناسب انتظام ہوتا ہے، جبکہ ٹی وی میں اب تک ایسا کوئی انتظام نہیں ہے، ایکسرے کی کرنیں بہت مہلک ہوتی ہیں، انسان کے نازک عضو وجوارح پر ان کے اثرات کیسے مرتب ہو رہے ہیں! اس خیال ہی سے کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔"

وہ مزید لکھتی ہیں:

"لڑکے اور لڑکیاں ٹی وی سیٹ کے سامنے بیٹھ کر پروگرام دیکھتے ہیں، امریکہ کے بوسٹن نامی شہر میں صرف ایک ہسپتال میں خونی کینسر کے شکار پانچ سو لڑکے لڑکیاں زیر علاج ہیں۔"

ڈاکٹر "تھروڈپے" لکھتے ہیں:

"سیاہ سفید ٹی وی سیٹ میں ۱۹ کلو والٹ، رنگین ٹی وی میں ۲۵ کلو والٹ تک کی ٹیوب ہوتی ہیں، شروع میں ۱۶، ۱۹ کلو والٹ والی ایکسرے مشین بھی ان کا استعمال کرنے والے ٹیکنیشن کے جسموں میں کینسر کا کیڑا پیدا کر دیتی تھی، اندازہ کیجئے کہ جب ۱۲ کلو والٹ کی ایکسرے مشین بھی کینسر پیدا کر دیتی تھی تو ٹی وی جو ۱۹ اور ۲۵ کلو والٹ کے ہوتے ہیں وہ کیا کچھ تباہی نہ کرتے ہوں گے۔"

عکسی تصویر کے مشہور ماہر ڈاکٹر "آنکروب" نے شیکاگو امریکہ کے ایک ہسپتال میں بیماری کے عالم میں نہایت تلخی کے ساتھ یہ تاکید کی:

"گھروں میں ٹی وی کا وجود ایک جان لیوا کینسر کی مانند ہے جو بچوں کے جسموں میں

رفتہ رفتہ سرایت کرتا ہے۔"

شیخ عبداللہ بن حمید سابق چیف جسٹس سعودیہ عربیہ نے سی ڈاکٹر آسکر ودیگے بارے میں لکھا ہے:

"یہ ڈاکٹر بھی ٹی وی کی شعاعوں سے پیدا شدہ مہلک مرض کینسر کا شکار تھا، اسکی وفات سے پیشتر کینسر کے جراثیم کے استیصال کے لئے چھ بار نو دفعہ اسکا سرجری آپریشن کیا گیا مگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا، کیونکہ یہ مرض اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا اور اس کا بازو نیز چہرہ کا کافی حصہ کٹ کر گر گیا تھا۔" (حوالہ بالا)

فالج اور اندھاپن:

اس کے علاوہ ٹی وی سے اور بھی جسمانی نقصانات ہوتے ہیں مثلاً بعض تجربات نے پتہ دیا ہے کہ اس سے فالج ہوتا ہے نیز اس کی شعاعوں سے آنکھوں کی بینائی پر نہایت مضر اثرات پڑتے ہیں۔

"ڈاکٹر ایچ پی شو بن" کا تجربہ ہے کہ ایک حاملہ کتیہ پر دو ماہ تک ٹی وی کی شعاعیں پڑنے دیں، اس کے بعد کتیا نے چار بچوں کو جنم دیا، یہ چاروں بچے فالج زدہ تھے، ان میں تین تو اندھے بھی تھے۔"

ایک اور شخص نے دو طوطے خریدے طوطے کا پنجرہ ٹی وی سیٹ کے سامنے رکھ دیا گیا، نتیجہ یہ نکلا کہ طوطوں کے پیر بیکار ہو گئے (حوالہ بالا)

بنک پر ڈکیتی:

دہلی میں ایک بنک پر ڈکیتی کا واقعہ ہوا جس میں چوروں کی ایک نوجوان ٹولی گرفتار ہوئی، ان میں سے اکثر نوجوان کسی نہ کسی کالج کے طالب علم تھے، ان کے نوجوان لیڈر (GANG LEADER) نے عدالت میں بیان دیا کہ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے فلم "بے ایمان" دیکھ کر یہ حرکت کی لیکن بدقسمتی سے پکڑے گئے (رسالہ سینما بینی اور اسکے مہلک اثرات)

ٹی وی اور امراض چشم:

حال ہی میں ماہر امراض چشم ڈاکٹر ایں ایت سود نے نئی دہلی کے راجندر پرشاد آپتھلک سینٹر میں لکچر دیتے ہوئے بتایا ہے کہ سینما اور ٹیلی ویژن دیکھنے سے آنکھوں کا مرض گلوکوما (GLUCOMA) ہو سکتا ہے (حوالہ بالا بحوالہ رہنمائے ذکی تعلیم اپریل: ۱۹۸۲ء)

ٹی وی کا زہر ———— ۳ جون

ٹی وی سے عذاب قبر:

فیصل آباد میں ایک شخص نے بچوں کے لئے ٹی وی خریدا، یہ شخص مرگیا تو اس نے خواب میں اپنے پڑوسی سے کہا:

"ہر روز ٹی وی کے پرزے آگ میں گرم کرکے ان سے مجھے عذاب دیا جارہا ہے"

خدا کے لئے میرے حال پر رحم کرو، اس ٹی وی کو گھر سے نکالو۔"

ٹی وی سے عذاب قبر کے قصے اوپر بھی لکھے جاچکے ہیں۔

بیٹیوں سے بدکاری:

وی سی آر دیکھتے ہوئے بیٹی سے بدکاری کا ایک قصہ پہلے لکھا جاچکا ہے، اب ٹی وی سے تعلیم پاکر دو بیٹیوں سے بدکاری کا مشغلہ مسلسل جاری رکھنے کا قصہ سنیئے:

"ابھی چند ماہ پیشتر یہ خبر اخباروں میں شائع ہوئی اور لاکھوں لوگوں کی نظر سے گزری کہ کراچی میں ایک درندہ صفت انسان اپنی دو جوان بیٹیوں سے منہ کالا کرتا رہا۔ پکڑے جانے کے بعد اس نے برملا اعتراف کیا:

"اس نے فلاں فلمی پروگرام دیکھ کر اس گناہ کی جرأت کی۔"

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ:

وَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ۝

"تمہیں دنیوی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے اور تمہیں اللہ کے بارے میں شیطان ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے۔"

محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد:

اَكْثِرُوْا مِنْ ذِكْرِ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ۔

"موت کو کثرت سے یاد کیا کرو جو تمام لذتوں کا یکسر خاتمہ کرنے والی ہے"

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو بانداز بہار آتی ہے

وما توفیقی إلا باللہ علیہ توکلت وإلیہ أنیب
حلال وحرام سے
مخلوط مال
کا
حکم
حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات مختلفہ کی تنقیح وتوجیہ
عبارات متعارضہ میں تطبیق وترجیح
مسئلہ کے ہر پہلو کی تفصیل اور تحریر دلائل میں منفرد تحقیق

حلال وحرام مال سے
مخلوط مال کا حکم

اس مسئلہ میں عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے، اس لئے اکابر علماء کرام و ارباب فتویٰ کے اقوال وفتاویٰ بھی باہم مختلف ہیں۔

اس رسالہ میں

استیعاب جزئیات وتحریر دلائل کے ساتھ مندرجہ ذیل صورتوں کا حکم لکھا گیا ہے:

(۱) خلط متیقن ہو، خواہ حلال غالب ہو یا حرام۔

(۲) خلط مشتبہ ہو، حلال غالب ہو۔

(۳) خلط مشتبہ ہو، حرام غالب ہو یا دونوں برابر ہوں۔

(۴) حلال وحرام میں سے کسی کے غلبہ کا علم نہ ہو۔

(۵) حلال وحرام میں امتیاز ہو مگر یہ معلوم نہ ہو کہ مال حلال سے ہے یا حرام سے۔

(۶) حرام کو مصرف میں لانے کی تدبیر۔

حلال وحرام سے مخلوط مال

سوال: حلال وحرام سے مخلوط مال کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟ اردو فتاویٰ میں اس کے حکم میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، لہٰذا گزارش ہے کہ مفصل تحریر فرما کر تشفی فرمائیں۔

بندہ کی ایک تحریر برائے اصلاح پیش خدمت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

① مغصوب غیر مخلوط مال حرام ہے، وتستقل حرمته من ذمة الى ذمة وان تداولته الايدي وتبدلت الاملاك بشروط العقد، والخبث فيه لعدم الملك، البتہ جب مالک معلوم ہو تو فقیر کے لئے حلال طیب ہے۔

قال في الدر:

واما الخبث لعدم الملك كالغصب فيعم فيهما (شامية ص ۱۰۷ ج ۵)

وكذا في منحة الخالق بهامش البحر (ص ۱۰۹ ج ۶)

وفي الخانية: وان كان غير مختلط لا يجوز للفقراء ان يأخذوا اذا علموا انه مال الغير (خانية بهامش الهندية ص ۳۵۲ ج ۳)

وفي الخلاصة: لكن من غصب غصبا ان كان لم يخلطه بدراهم اخرى۔

(خلاصة ص ۳۴۵ ج ۱)

وفي حاشية الطحطاوي على الدر: ان علم ان العين التي يغلب على الظن انهم اخذوها من الغير بالظلم فاخذوها وباعوها في الاسواق فانه لا ينبغي شراؤها منهم وان تداولته الايدي (طحطاوي على الدر ص ۱۹۲ ج ۴)

قلت: لا ينبغي بمعنى لا يحل كما هو الظاهر۔

وفي الشامية عن الحموي: وما نقل عن بعض الحنفية من ان الحرام لا يتعدى الى ذمتين سألت عنه الشهاب ابن الشلبي فقال هو محمول على ما اذا لم يعلم بذلك اما لو رأى المكاس مثلا يأخذ من احد شيئا من المكس ثم يعطيه آخر ثم يأخذ من ذلك الآخر

باخذہ فہو حرام اھ (شامیۃ ص ۱۹۹ ج ۵)

وفی الہندیۃ: وان دفع عین المغصوب من غیر خلط لم یجز (ہندیۃ ص ۳۴۲ ج ۵)

ونحوہ لاحد من العبارات الآتیۃ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

② مال مغصوب خلط سے قبل قطعی حرام تھا لیکن غاصب اپنے مال میں یا غیر کے مال میں خلط کر دیا (بحیث لا یمکن التمییز) تو خالط اس کا مالک بن گیا اور وہ اس کے لئے قطعی حرام نہ رہا لیکن اس سے انتفاع قبل اختیار الضمان حرام ہے۔

③ مال مخلوط پر خالط کی ملک خبیث شراء فاسد کی طرح ہے۔

④ مال مخلوط کا شراء وغیرہ مکروہ ہے۔

⑤ اس کے باوجود مشتری وموہوب لہ کے لئے وہ حلال طیب ہے، چونکہ نمبر ۵ کے دلائل میں اوپر کے نمبروں کے دلائل بھی آ جاتے ہیں اس لئے طوالت کے خوف سے الگ نہیں لکھے گئے۔

نمبر ۵ کے دلائل:

① فی الہندیۃ: قیل لہ (ای لابی نصیر) لو ان فقیرا یأخذ جائزۃ السلطان مع علمہ ان السلطان یأخذہا غصبا ایحل لہ قال ان خلط ذلک بدراہم اخری فانہ لا بأس بہ وان دفع عین المغصوب من غیر خلط لم یجز (ہندیۃ ص ۳۴۲ ج ۵)

② قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ: ہذا الجواب خرج علی قیاس قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ لان من اصلہ ان الدراہم المغصوبۃ من اناس متی خلط البعض بالبعض فقد ملکہا الغاصب ووجب علیہ مثل ما غصب وقالا لا یملک تلک الدراہم وہی علی ملک صاحبہا فلا یحل لہ الاخذ کذا فی الحاوی للفتاوی (ہندیۃ ص ۳۴۲ ج ۵)

جب صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں لا یحل لہ الاخذ ہے تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یحل لہ الاخذ ہوگا۔

③ وفی الخلاصۃ: من لا تحل لہ الصدقۃ فالافضل ان لا یأخذ جائزۃ السلطان لکن ہذا اذا کان یؤدی من بیت المال فان کان یؤدی من موروثہ فہو جائز وان لم یکن من موروثہ لکن من غصب غصبہ ان کان لم یخلطہ بدراہم اخری لا یحل وان خلط لا بأس بہ لانہ صار ملکا لہ بالخلط عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ
(شامیۃ بحث ... ج ۱)

حلال وحرام مخلوط ——— ۴

④ وفیہا ایضا: وقولہ ارفق للناس اذ قلما لا یخلوا عن الغصب (حوالہ بالا)

وفی الدر: لو خلط السلطان المال المغصوب بمالہ ملکہ (الی) لان الخلط استهلاک اذا لم یمکن تمییزہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی وقولہ ارفق للناس اذ قلما یخلو مال عن غصب (شامیۃ ص ۱۹۰ ج ۲)

یہ قول ارفق بھی ہو سکتا ہے کہ دوسروں کے لئے بصورت تملیک حلال ہو، مگر بوجہ التحرز عن المختار بین الناس کی شرط للفقراء سے کی بھی یہ صحیح نہیں، ویدل علیہ ما نقلنا عن العلامۃ۔

⑤ وفی الشامیۃ عن المجتبی: مات وکسبہ حرام فالمیراث حلال ثم رمز وقال لا نأخذ بهذہ الروایۃ وهو حرام مطلقا علی الورثۃ فتنبہ اھ ح ومفادہ الحرمۃ وان لم یعلم اربابہ وینبغی تقییدہ بما اذا کان عین الحرام لیوافق ما نقلناہ اذ لو اختلط بحیث لا یتمیز یملکہ ملکا خبیثا لکن لا یحل لہ التصرف فیہ ما لم یؤد بدلہ کما حققناہ قبیل باب الزکوٰۃ (شامیۃ ص ۹۹ ج ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر عین حرام نہ ہو اور مالک بھی معلوم نہ ہو تو ورثہ کے لئے حرام نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عین حرام کا مقابل مخلوط ہے۔

⑥ وفی الخانیۃ: واذا مات عامل من عمال السلطان واوصی ان یعطی الحنطۃ للفقراء قالوا ان کان ما اخذہ من الناس مختلطا بمالہ لا بأس بہ وان کان غیر مختلط لا یجوز للفقراء اذا علموا انہ مال الغیر فان کان ذلک الغیر معلوما یرد علیہ وان لم یعلم الآخذ انہ من مالہ او من مال الغیر فهو حلال حتی یتبین انہ حرام (خانیۃ بهامش الهندیۃ ص ۲۰۰ ج ۳)

⑦ وفیہا ایضا: قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالی: ان کان مختلطا بمالہ علی قول ابی یوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالی هو علی ملک صاحبہ لا یجوز اخذہ الا لیردہ علی صاحبہ وعلی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی یملک المال بالخلط ویکون للآخذ ان یأخذ اذا کان فی بقیۃ مال المیت وفاء بمقدار ما یؤدی بہ حق الخصماء (حوالہ بالا)

⑧ وفی الطحطاوی علی الدر: سئل عما یبیعہ الاتراک فی الاسواق وغالب مالهم الحرام ویجری بینهم الربا والعقود الفاسدۃ فاجیب بانہ علی ثلاثۃ اوجہ الاول

دلالت حال تعامل سے خلط پر محمول کیا جائے گا۔

نیز علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "ملکہ بالخلط" کے بعد تفصیل ذکر فرمائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بھی یہ خلط کی صورت ہے۔

ثالثاً اگر اسے اموال متمیزہ پر محمول کیا جائے تو اس پر دو اشکال ہوں گے:

① غلبہ کی قید نہیں۔ حرمت کے معاملہ میں اتنی اہم قید چھوڑنا بعید از قیاس ہے۔

② دیانت اور حکم کا فرق مخلوط ہی میں جاری ہوتا ہے، اموال متمیزہ میں اگر غلبہ حرام کا ہو تو پورا حرام ہے دیانۃً و قضاءً، اور اگر غالب حلال ہے تو دیانۃً و حکماً بھی پورا حلال ہے، البتہ اگر اسے اس پر محمول کیا جائے کہ نہ تو خلط متیقن ہے اور نہ ہی غالب کا علم ہے تو یہ کسی درجہ میں محمل بن سکتا ہے، اگرچہ خلاف ظاہر ہے۔

⑫ وفیہا ایضاً بعد الجواب المذکور: ای ان لم یکن عین الغصب او الرشوۃ لانہ لو یملکہ فہو نفس الحرام فلا یحل لہ ولا لغیرہ (شامیہ ص ٢٩٢ ج ٢)

معلوم ہوا کہ اگر عین غصب نہ ہو بلکہ مخلوط ہو تو غاصب اس کا مالک ہوگیا، اور یہ اس کے لئے نفس حرام نہیں۔ بلکہ بالاصل حلال ہے عارض یعنی عدم ادا ضمان کی وجہ سے انتفاع و تصرف حرام ہے، اور جب ایک چیز اول کے لئے بالاصل حلال ہو تو دوسرے کی ملک میں جانے سے وہ حلال طیب ہوگی اور حرمت عارضہ ختم ہو جائے گی۔

⑬ قال العلامۃ الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ: ان المراد لیس ہو نفس الحرام لانہ ملکہ بالخلط وانما الحرام التصرف فیہ قبل اداء بدلہ فیجوز بعد ذلک کما یذکرہ ما یاخذہ من اموال الناس ویضمن مالہ او بدل مظالمہ آخر یصیر ملکا لہ و یتعلق بہ حق الاول فلا یکون اخذہ حراما محضا نعم لا یباح الانتفاع بہ قبل اداء البدل فی الصحیح من المذہب (شامیۃ ص ٢٩٢ ج ٢)

اس میں بھی الفاظ مقبوض بعقد فاسد میں ذکر کئے جاتے ہیں معلوم ہوا وہاں دوسرے کی ملک میں جانے سے وہ طیب ہو جاتا ہے تو یہاں بھی یہی حکم ہوگا۔

⑭ وفی الشامیۃ عن البزازیۃ: اخذ مورثہ رشوۃ او ظلما ان علم ذلک بعینہ لا یحل لہ اخذہ والا فلہ اخذہ حکما اما فی الدیانۃ فیتصدق بہ بنیۃ ارضاء الخصماء اھ (رد المحتار ص ٩٩ ج ٥)

حلال حرام مخلوط ———————

(۱۵) فی الشامیۃ: والحاصل انہ ان علم ارباب الاموال وجب ردہ علیہم والا فان علم عین الحرام لا یحل ویتصدق بہ بنیۃ صاحبہ وان کان مالا مختلطا مجتمعا من الحرام ولا یعلم اربابہ ولا شیئا منہ بعینہ حل لہ حکما والاحسن دیانۃ التنزہ عنہ (حوالہ بالا)

(۱۶) وفیہا ایضا: وفی الخانیۃ: امرأۃ زوجہا فی ارض الجور ان اکلت من طعامہ ولم یکن عینہ ذلک الطعام غصبا فہی فی سعۃ من اکلہ وکذا لو اشتری طعاما او کسوۃ من مال اصلہ لیس بطیب فہی فی سعۃ من تناولہ والاثم علی الزوج اھ (حوالہ بالا)

(۱۷) وفی البدائع: واما صفۃ الملک الثابت للغاصب فی المضمون فلا خلاف بین اصحابنا فی ان الملک الثابت لہ یظہر فی حق نفاذ التصرفات حتی لو باعہ او وہبہ او تصدق بہ قبل اداء الضمان ینفذ کما تنفذ ہذہ التصرفات فی المشتری شراء فاسدا واختلفوا فی انہ ہل یباح لہ الانتفاع بہ بان یاکلہ بنفسہ او یطعمہ غیرہ قبل اداء الضمان واذا حصل فیہ فضل ہل یتصدق بالفضل؟ قال ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالی عنہ ومحمد رحمہ اللہ تعالی لا یحل لہ الانتفاع حتی یرضی صاحبہ وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی یحل لہ الانتفاع ولا یلزمہ التصدق وہو قول الحسن وزفر رحمہما اللہ تعالی وہو القیاس وقول ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالی استحسان وجہ القیاس ان المغصوب مضمون لا شک فیہ وہو مملوک للغاصب من وقت الغصب علی اصل اصحابنا فلا معنی للمنع من الانتفاع وتوقیف الحل علی رضا غیر المالک کما فی سائر املاکہ ویطیب لہ الربح لانہ ربح ما ہو مضمون ومملوک والربح فیما ہو مضمون مملوک یطیب لہ عندنا - وجہ الاستحسان ما روی ان علیہ الصلوۃ والسلام اضافہ قوم من الانصار فقدموا الیہ شاۃ مصلیۃ فجعل علیہ الصلوۃ والسلام یمضغہ ولا یسیغہ فقال علیہ الصلوۃ والسلام ان ہذہ الشاۃ لتخبرنی انہا ذبحت بغیر حق فقالوا ہذہ الشاۃ لجارنا ذبحناہا لنرضیہ بثمنہا فقال علیہ الصلوۃ والسلام اطعموہا الاساری امر علیہ الصلوۃ والسلام بان یطعموہا الاساری ولم ینتفع بہ ولا اطلق لاصحابہ

الانتفاع بها ولو کان حلالا لاطلقها لاطلاق مع خصاصتهم وشدة حاجتهم الی الاکل (بدائع ص[illegible] ج ۵)

اس میں مغصوب مضمون کو شراء فاسد کی طرح قرار دیا گیا ہے نیز روایت مذکورہ سے تصدق پر استدلال واضح دلیل ہے کہ دوسرے کے لئے بصورت تملیک حلال طیب ہے، اگر یہ شاۃ مصلیہ نفس حرام ہوتی اور اس میں حرمت متعدی ہوتی تو اساری کے لئے کیسے حلال ہوتی؟ فقیر کے لئے مال حرام جب حلال ہے کہ اس کا مالک معلوم نہ ہو اور یہاں مالک معلوم تھا۔

وفی العنایة: فقال علیه الصلاة والسلام اطعموها الاساری قال محمد رحمه الله تعالیٰ یعنی المحبوسین فامره بالتصدق مع کون المالک معلوما بیان ان المالک قد ملکها لان مال الغیر مضمونا علیه بعینه اذا هلک وثمنه بعد البیع اذا تعذر علیه حفظ عینه ولما امر بالتصدق بها دل علی انه ملکها وعلی حرمة الانتفاع للغاصب قبل الارضاء (عنایة بهامش نتائج الافکار ص ۲۰۰ ج ۶)

(۱۸) وفی الهدایة: اطعموها الاساری افاد الامر بالتصدق زوال ملک المالک وحرمة الانتفاع للغاصب (الی) وینفذ بیعه وهبته مع الحرمة لقیام الملک کما فی الملک الفاسد (هدایة ص[illegible] ج ۴)

(۱۹) وفی البنایة: قال محمد بن الحسن فی الآثار اخبرنا ابوحنیفة عن عاصم ابن کلیب عن ابیه به ثم قال ولو کان هذا اللحم باقیا علی ملک مالکه الاول لما امر به النبی صلی الله علیه وسلم ان یطعم للاساری ولکنه رآه خرج عن ملک الاول وصار مضمونا علی الذی اخذه فامر باطعامه لان من ضمن شیئا فصار له عن وجه غصب فان الاولی ان یتصدق به ولا یاکله وخرج الدارقطنی (الی) قلت لابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ من این اخذت قولک فی الرجل الذی یعمل فی مال الرجل بغیر اذنه انه یتصدق بالربح قال اخذته من حدیث عاصم بن کلیب هذا اه

فان قلت قال البیهقی وهذه الاشیاء یخشی علیها الفساد وصاحبها کان غائبا فرأی من المصلحة ان یطعمها الاساری ثم یضمن لصاحبها قلت الامام اذا خاف التلف علی مال غائب یبیعه ویحبس ثمنه علیه فلا یجوز ان یتصدق

بے (حوالہ بالا)

(۲۰) وفی المجمع : فلذا لایحل الانتفاع بہا ای المغصوب المغیر قبل اداء الضمان (الی) لکن جاز للغاصب بیعہ وھبتہ لانہ مملوک لہ بجہۃ محظورۃ کالمقبوض بالبیع الفاسد (مجمع الانہر ص ۴۶۰ ج ۲)

(۲۱) وفی النوازل : ولکن لاینبغی لہ ان ینتفع بہا حتی یؤدی استحسانا بقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اطعموھا الاساری وھذا یفید زوال ملک المالک وحرمۃ الانتفاع للغاصب ، وفی القیاس یحل (الی) کما یجوز تصرفہ کالبیع والھبۃ (فتاوی النوازل ص ۳۱۳)

(۲۲) وفی التبیین : ولنا انہ استھلک العین (الی) والمحظور لغیرہ لایمتنع ان یکون سببا لحکم شرعی الا تری ان الصلاۃ فی الارض المغصوبۃ تجوز ویکون سببا لحصول الثواب الجزیل فما ظنک بالملک (الی) لان العین تبدلت وتجدد لہا اسم آخر فصارت کعین اخری حصلت بکسبہ فیملکہا غیر انہ لایجوز لہ الانتفاع بہ قبل ان یؤدی الضمان کی لایلزم منہ فتح باب الغصب وفی منعہ حسم مادتہ ویدل علیہ قولہ علیہ الصلاۃ والسلام فی الشاۃ المذبوحۃ بغیر اذن مالکہا بعد الطبخ اطعموھا الاساری ولو جاز الانتفاع بہ ولم یملکہ لما قال ذلک والقیاس ان یجوز الانتفاع بہ وھو قول زفر والحسن و روایۃ عن ابی حنیفۃ رحمہم اللہ تعالی لوجود الملک المطلق للتصرف ولھذا ینفذ تصرفہ فیہ کالتملیک لغیرہ ووجہ الاستحسان ما بیناہ ونفاذ تصرفہ فیہ لوجود الملک وذلک لایدل علی الحل الا تری ان المشتری شراء فاسدا ینفذ تصرفہ فیہ مع انہ لایحل لہ الانتفاع بہ (تبیین الحقائق ص ۲۲۴ ج ۵)

وکذا فی تکملۃ البحر ص ۱۱۷ ج ۸

(۲۳) وفی الاشباہ : واما مسألۃ ما اذا اختلط الحلال بالحرام فی البلد فانہ یجوز الشراء والاخذ الا ان تقوم دلالۃ علی انہ من الحرام کذا فی الاصل (الاشباہ والنظائر ص ۱۲۳ ج ۱)

وفی الحاشیۃ للحموی : (قولہ واما مسألۃ ما اذا اختلط الحلال بالحرام الخ)

فی التمرتاشی فی باب مسائل متفرقۃ من کتاب الکراھیۃ ما نصہ لرجل مال حلال اختلط بہ مال من الربوا او الرشاء او الغلول او السحت او من مال الغصب او السرقۃ او الخیانۃ او من مال یتیم فصار مالہ کلہ شبھۃ لیس لاحد ان یشارکہ او یبایعہ او یستقرض منہ او یقبل ھدیتہ او یأکل فی بیتہ (حوالۂ بالا)

اس میں مال مخلوط کو مشتبہ فرمایا ہے، ایسے مال کا شراء اگرچہ مکروہ ہے معہذا مشتری کے لئے وہ حلال ہوگا اس کی تائید نمبر ۹ میں مرقاۃ وبذل المجہود کی عبارات سے گزر چکی ہے۔

بعض عبارات کے ظاہر سے مفہوم ہوتا ہے کہ مال مخلوط میں بھی حرمت متعدی ہوگی جو درج ذیل ہیں۔

① قال العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: الحرام ینتقل من ذمۃ الی ذمۃ دبہ یعلم حرمۃ شراء المغصوب وطعام الغصب ولو استھلکہ بالطبخ۔

(طحطاوی علی الدر ص۱۹۲ ج ۳)

جواب: حرمت شراء حرمت مشتری کو لازم نہیں، بیع فاسد میں شراء ناجائز ہے معہذا مشتری کو حلال طیب ہے۔

قال فی الشامیۃ: طاب (ای المشتری شراء فاسدا) للمشتری وھذا لاینافی ان نفس الشراء مکروہ لحصولہ للبائع بسبب حرام (شامیۃ ص۲۸۹ ج ۵)

گزشتہ عبارات کے نمبر ۸ میں علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مخلوط اور غیر مخلوط میں جو فرق کیا ہے کہ غیر مخلوط کا شراء ناجائز ہے وان تداولتہ الایدی اور مخلوط کا شراء مکروہ ہے، یہاں وان تداولتہ الایدی نہیں فرمایا۔

② وفی الدر: الحرام ینتقل فلو دخل بامان واخذ مال حربی بلا رضاہ واخرجہ الینا ملکہ وصح بیعہ لکن لایطیب لہ ولا للمشتری منہ بخلاف البیع الفاسد فانہ لایطیب لہ لفساد عقدہ ویطیب للمشتری منہ لصحۃ عقدہ۔

وفی الشامیۃ: (قولہ ولا للمشتری منہ) فیکون بشرائہ منہ مسیئا لانہ ملکہ بکسب خبیث وفی شرائہ تقریر للخبث ویؤمر بما یؤمر بہ البائع من ردہ علی الحربی لان وجوب الرد علی البائع انما کان لمراعاۃ ملک الحربی ولاجل غدر الامان وھذا المعنی قائم فی ملک المشتری کما فی ملک البائع الذی اخرجہ

قلت : لان الغالب فی مال السلاطین اذ ذاک حلال۔

وقال الامام الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ : ان السلاطین فی زماننا ھذا ظلمۃ قلما یأخذون شیئا علی وجھہ بحقہ فلا تحل معاملتھم ولا معاملۃ من یتعلق بھم الخ

(مرقاۃ ص ۳۷ ج ۶)

⑨ اگر خلط اور تمیز میں سے کسی کا علم نہیں لیکن یہ معلوم ہے کہ آمدن حلال وحرام دونوں سے مرکب ہے تو ایسے شخص سے شراء وغیرہ جائز ہے لاحتمال کونہ من الحلال والاصل الحل مگر بہتر یہ ہے کہ اجتناب کیا جائے۔

ففی الھندیۃ : قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ اختلف الناس فی اخذ الجائزۃ من السلطان قال بعضھم یجوز ما لم یعلم انہ یعطیہ من حرام قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ وبہ نأخذ ما لم نعرف شیئا حراما بعینہ وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ واصحابہ کذا فی الظھیریۃ (ھندیۃ ص ۳۴۲ ج ۵)

وفیھا ایضا : ولا ینبغی للناس ان یأکلوا من اطعمۃ الظلمۃ لتقبیح الامر علیھم وزجرھم عما یرتکبون وان کان یحل، وسئل ابو بکر عن الذی لا یحل لہ اخذ الصدقۃ فالافضل لہ ان یقبل جائزۃ السلطان ویفرقھا علی من یحل لہ او لا یقبل؟ قال لا یقبل لانہ یشبہ اخذ الصدقۃ (حوالۂ بالا)

وفی الخانیۃ : وان کان غیر مختلط لا یجوز للفقراء ان یأخذوا اذا علموا انہ مال الغیر فان کان الغیر معلوما ردوہ علیہ وان لم یعلم الآخذ انہ من مالہ او مال الغیر فھو حلال حتی یتبین انہ حرام (خانیۃ بھامش الھندیۃ ص ۳ ج ۳)

وفی الخلاصۃ : اذا قدم السلطان شیئا من المأکولات ان اشتراہ یحل وان لم یشترہ لکن الرجل لا یعلم ان فی الطعام شیئا مغصوبا بعینہ یباح اکلہ (خلاصۃ ص ۳۵۸ ج ۴) وکذا فی الھندیۃ (ص ۳۴۲ ج ۵)

وفی الشامیۃ : وکان العلامۃ بخوارزم لا یأکل من طعامھم ویأکل جوائزھم فقیل لہ فیہ فقال تقدیم الطعام یکون اباحۃ والمباح لہ یتلفہ علی ملک المبیح فیکون آکلا طعام

انقطاع حق البائع بالشراء فيتصرف في ملك نفسه (شامية ص۱۹۲ ج ۴)

اس جزئیہ کو خلط پر حمل کرنا درست نہیں کیونکہ مخلوط اگرچہ تملیک سے حلال ہو جاتا ہے معہذا اخذ و شراء ناجائز ہے، اسی طرح اسے علم بالغلبہ پر بھی حمل نہیں کیا جاسکتا، اس کا محمل صرف اور صرف یہ ہے کہ نہ غلبہ کا علم ہے اور نہ ہی خلط کا، چونکہ ایسے مال سے احتراز کرنا چاہئے اس لئے علامہ کا یہ قول احتیاط پر مبنی ہے، والاظہر حلالہ کما مر عن الخانیة

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جزئیہ بالا کے بعد یہ فرمایا ہے:

ويجب حمله على القول بأن الحرام لا يتعدى الى ذمتين

لیکن اسے عدم جواز کے قول کی بناء قرار دینا صحیح نہیں، اگر اس کی بناء یہ ہوتی تو "فیکون آکلا طعام غیرہ" کی بجائے "فیکون آکلا الحرام" ہوتا، "طعام الظالم" کو لفظ حرام سے تعبیر نہ کرنا بتا رہا ہے کہ یہ از قبیل ورع و تقویٰ ہے، ویدل علیه ما قدمنا عن الهندية من قوله ولا ينبغي للناس الخ۔

وفي المرقاة: والاثم ما حاك في النفس وتردد في الصدر وان افتاك الناس اي وان قالوا لك انه حق فلا تأخذ بقولهم فانه قد يوقع في الغلط واكل الشبهة كأن ترى من له مال حلال وحرام فلا تأخذ منه شيئا وان افتاك المفتي لئلا تقع في ان تأكل الحرام لان الفتوى غير التقوى (مرقاة ص ۵۴ ج ۶)

الجواب باسم ملهم الصواب

اصلاح الغلط في احكام الخلط بين الحلال والحرام:

ص (۲) مال مخلوط و مشتری فاسد میں بوجوہ ذیل فرق ہے:

(۱) شراء فاسد میں عقد صحیح ہے۔

(۲) بائع کی رضا سے ہے۔

(۳) بائع کو عوض مل چکا ہے، بخلاف خلط المغصوب في الوجوه الثلاثة۔

علاوہ ازیں کتب فقہ میں تصریح ہے کہ مغصوب مخلوط تبدل ملک سے حلال نہیں ہوتا۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت (قوله وهو حرام مطلقا على الورثة) ما تركه مورثنا فانه عين المال الحرام وان ملكه بالقبض والخلط عند الامام رحمه الله تعالى فانه لا يحل له التصرف فيه قبل اداء ضمانه وكذا لوارثه ثم الظاهر

ان حرمتہ علی الورثۃ فی الدیانۃ لا الحکم فلا یجوز لولی القاصر التصدق ولیضمنہ القاصر اذا بلغ فتأمل (رد المحتار ص ۲۸۹ ج ۶)

مزید متعدد دلائل آگے تنقید کے ضمن میں آرہے ہیں

ص۳ (۵) یہ نسبۃ پر متفرع ہے، ولم یثبت ھو بل ثبت خلافہ۔

ص۳ (۱) (۲) للتعبیر لا للنفی۔

ص۳ (۳) "لا بأس بہ" کی تعلیل "لانہ صار ملکا لہ" غیر تام ہے، جس سے بصورت خود غاصب کے لئے بھی حلت ثابت ہوگی، وھو باطل، لہٰذا اس کی توجیہ یوں ہوگی کہ اخذ حلال ہے، لان المعطی یعطی ملکہ، انتفاع حلال نہیں، للخبث۔ بخلاف المشتری فاسدا فانہ یکرہ شراؤہ لکونہ مانعا عن الرد الواجب علی المشتری الاول، ویحل الانتفاع لزوال الخبث العارض۔

یہ مطلب ہے کہ انتفاع حلال مع الکراھۃ ہے کما للغاصب لنفسہ۔

ص۴ (۲) ارتفاع حرمت کی یہ وجوہ ہوسکتی ہیں:

(۱) یہ مال اختیار ضمان سے حلال ہوجاتا ہے۔

(۲) حرمۃ لعدم الملک کی نسبت خبث لفساد الملک اہون ہے۔

(۳) عبارت شامیہ کو عبارت خلاصہ پر محمول کرنا ضروری نہیں، اسلئے علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی توجیہ میں کوئی اشکال نہیں، بالخصوص جبکہ خلاصہ کی تفاصیل معلوم ہے۔

ص۴ (۵) (۶) (۷) حق وصیت میں یہ فرق ہے کہ حق مالک غاصب پر واجب فی الذمۃ ہے اور مالک کا علم وعدم علم اور مال میں وفور وعدم وفور برابر ہے بخلاف میت کہ اس کے ذمہ وجوب نہیں ہوسکتا، حق مالک اس کے ترکہ میں ہے، اس لئے ترکہ میں وفور کی قید لگائی گئی۔

بنابریں دو صورتیں ہیں، بصورت علم مالک ادا رضمان ورنہ تصدق۔

دلیل خامس سے عدم علم مالک کا استنباط واضح نہیں، نیز اس صورت میں وارث کے لئے حلت خلاف اصول ہے، اور "اذا اختلط الخ" سے غاصب کے لئے حرمت اور اسکے وارث کے لئے حلت کا استخراج غیر معقول ہے، البتہ دلیل سادس وسابع میں معقول ہے لکون الموصی لہم فقراء۔

مبحث (۱۳) (۲) مال مخلوط کو مشتری فاسد کی طرح قرار دینے پر متفرع ہے، جو صحیح نہیں لبطلانہ۔

دلیل مسئلہ میں عبارت بزازیہ "فلا یکون اخذہ عندنا حراماً محضاً" میں اخذ من الغاصب مراد ہے، کیونکہ اخذ غاصب تو یہ مال حرام محض ہے خواہ وہ بعد میں خلط بھی کرے، اس سے ثابت ہوا کہ اس کے بعد "لا یباح الانتفاع بہ" الا بھی أخذ من الغاصب کے بارے میں ہے۔ لہٰذا یہ اس پر دلیل ہے کہ مال مخلوط تبدل ملک سے حلال نہیں ہوتا۔

مبحث (۴) مال مشتبہ سے متعلق ہے، خلط متحقق نہیں۔

مبحث (۵) اس میں امور ذیل توجہ طلب ہیں:

(۱) علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ در مختار کی اس عبارت کا حاصل ذکر فرمایا ہے جو بیان ہوا، اور علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود کتاب الحظر والاباحۃ میں اس کے خلاف مطلقاً حرمت کو ترجیح دی ہے۔

(۲) علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر منیۃ المفتی، بزازیہ، ذخیرہ، خانیہ سے چار جزئیات پیش فرمائے ہیں۔

جزئیہ اولیٰ مال مشتبہ کے بارے میں ہے اس لئے تصدق واجب نہیں۔

بزازیہ کے جزئیہ سے وجوب تصدق ثابت ہوتا ہے۔

ذخیرہ کے جزئیہ میں مال مشتبہ کا حکم ہے۔

خانیہ کے جزئیہ کا جزء اول مال مشتبہ کے بارے میں ہے، اور جزء ثانی "لو اشتری طعاما الخ" قول کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ پر مبنی ہے۔

اس کی تفصیل آئندہ نمبر ۷ میں آرہی ہے۔

(۳) خود علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الحظر والاباحۃ میں وارث پر حرمت تحریر فرمائی ہے۔

ونصہ: وان ملکہ بالقبض والخلط عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ فانہ لا یحل لہ التصرف فیہ ادی ضمانہ او لا وکذا لوارثہ ثم الظاہر ان حرمتہ علی الورثۃ فی الدیانۃ لا الحکم فلا یجوز لولی القاصر التصدق بہ ویضمنہ القاصر اذا بلغ تأمل۔

④ اس بحث کے آخر میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولو اختلط بحيث لا يتميز يملكه ملكا خبيثا لكن لا يحل له التصرف فيه ما لم يؤد بدله.

یہ تعلیل غاصب اور اس کے وارث دونوں کو شامل ہے۔
اس کی مزید تفصیل نمبر ۳ میں گزر چکی ہے۔

ف (۱۶) اس میں قبولِ ملک نہیں بلکہ ایسا غصب ہے جس میں حرمت پر اتفاق ہے، البتہ اسے مالِ مخلوط پر محمول کرنا صحیح نہیں، ویسے بھی اس میں خلط پر کوئی قرینہ نہیں، لہٰذا یہ مال مشتبہ کے بارے میں ہے، اور "لو اشتری طعاما او کسوۃ من مال اصلہ لیس بطیب الخ" قول کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ پر محمول ہے۔
اس تحریر کے بعد خود شامیہ میں بھی اس کی تصریح مل گئی۔

ونصہا: (قولہ وہو حرام مطلقا علی الورثۃ) ای سواء علموا اربابہ اولا فان علموا اربابہ ردوہ علیہم والا تصدقوا بہ کما قدمناہ آنفا عن الزیلعی، اقول ولا یشکل ذلک بما قدمناہ آنفا عن الذخیرۃ والخانیۃ لان الطعام او الکسوۃ لیس عین المال الحرام فانہ اذا اشتری بہ شیئا یحل الا علی تفصیل تقدم فی کتاب الغصب (رد المحتار ص۲۲۳ ج ۶)

ف (۱۷) مشتری فاسدا سے تشبیہ من کل الوجوہ مقصود نہیں، صرف نفاذ تصرفات میں تشبیہ مقصود ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ثم اعلم انہ ذکر فی شرح السیر الکبیر فی الباب الثانی والستین بعد المائۃ انہ لو عودہ یکون للمسلمین ثم ذکر ما حاصلہ ان الملک خبیث بمنزلۃ المشتری شراء فاسدا اذا اراد بیع المشتری بعد القبض یکرہ شراؤہ منہ وان نفذ بیعہ وعتقہ لانہ ملک حصل لہ بسبب حرام شرعا اھ فہذا محمل قول الفتح ویطیب للمشتری وقد یجاب بان ما اخرجہ من دار الحرب ما وجب علیہ ردہ علی الحربی لبقاء المعنی الموجب علی البائع ردہ بتمکن الخبث فیہ فلم یطب للمشتری منہ کالبائع بخلاف البیع الفاسد فان ردہ واجب علی البائع قبل البیع لا علی المشتری لعدم بقاء المعنی الموجب للرد کما قدمناہ فلم یتمکن

الخبث فیہ فلا یطیب للمشتری وھذا لاینافی ان نفس الشراء مکروہ لحصول الثالم بسبب حرام ولان فیہ اعراضا عن الفسخ الواجب ھذا ما ظھر لی (رد المحتار ص ۱۵۴ ج ۵)

اس سے ثابت ہوا کہ مال مخلوط من کل الوجوہ مشتری شراء فاسد کی طرح نہیں، بلکہ مال حربی کی طرح ہے، جو صرف نفاذ تصرفات میں مشتری شراء فاسد کی طرح ہے، حکم حلت میں اس سے مختلف ہے۔

اسی نسخہ میں بدائع سے منقول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس پر نص صریح ہے کہ مال مخلوط تبدل ملک کے بعد بھی حرام رہتا ہے، اگر اس کی کوئی گنجائش ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت ذابح کو اپنے لئے تملیک کا حکم فرماتے، کما قال صلی اللہ علیہ وسلم لاحمد تصدق علی بریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

لھا صدقۃ ولنا ھدیۃ۔

اس وقت طعام کی سخت ضرورت بھی تھی اور تحلیل بھی بہت سہل تھی اس کے باوجود ایسا نہیں کیا گیا۔

علاوہ ازیں الطعام اساری میں بھی تملیک متیقن نہیں بلکہ احتمال اباحت غالب ہے۔ صورت تحلیل اختیار نہ فرمانے کی یہ توجیہ صحیح نہیں کہ یہ طعام عین حرام تھا، عین حرام نہ ہونے پر تین دلائل ہیں:

(۱) بوجہ ذبح ذبیح غاصب پر مضمون ہو کر اس کی ملک ہو گیا تھا۔
(۲) خلط قوابن کی وجہ سے مال مخلوط ہو گیا۔
(۳) اگر عین حرام ہوتا تو فقراء کے لئے بھی حلال نہ ہوتا۔

آپ کے خیال کے مطابق یہ جواب ہو سکتا ہے کہ اگرچہ فی الحال حلال تھا مگر اخذ مکروہ تھا اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور ہدیہ قبول نہ فرمایا۔

یہ جواب اس لئے صحیح نہیں کہ یہ شراء فاسد کی طرح ہونے پر متفرع ہے جس کا ابطال اوپر متعدد بار کیا جا چکا ہے۔

صـ۹ (۱۸) شراء فاسد سے تشبیہ من کل الوجوہ نہیں، کما حررنا مرارا۔
صـ۹ (۱۹) حکم تصدق سے ثابت ہوا کہ صورت ہبہ وبیع وغیرہ تبدل ملک سبب حلت نہیں۔
صـ۱۰ (۲۰) بحکم شراء فاسد صرف نفاذ تصرفات میں ہے، کما نقلنا مرارا۔

صـ (۲۱) وجہ استدلال ؟

صـ (۲۲) بحکم شراء فاسد من وجہ ہے، کما تقدم مرارا۔

صـ (۱۳) منع قبول ہدیہ سے حرمت اکل معلوم ہوتی ہے، اس میں نمبر ۱۲ کا حوالہ دیا ہے، اس کا جواب وہیں نمبر ۱۲ میں لکھ دیا ہے۔

صـ (۱) یہ نص صریح ہے کہ مال مخلوط تبدل ملک سے حلال نہیں ہوتا، اس کے جواب میں شراء فاسد پر قیاس باطل ہے۔

صـ (۲) مال مخلوط مال حربی کی طرح ہے مشتری فاسدا کی طرح نہیں، مال مخلوط و مشتری فاسدا میں وجوہ فرق اوپر بیان کی جا چکی ہیں۔

اسی نمبر ۲ کے آخر میں شرح السیر الکبیر کی جو عبارت ہے اس میں مال حربی کو بمنزلة المشتری فاسدا کہا ہے، حالانکہ یہ تشبیہ بالاتفاق صرف نفاذ تصرفات میں ہے، حلت میں نہیں، فکذا المال المخلوط۔

مال مخلوط کو مشتری فاسدا سے جہاں بھی تشبیہ دی گئی ہے وہاں وجہ شبہ صرف نفاذ تصرفات بیان کی گئی ہے، حلت کا ذکر کہیں بھی نہیں، اس سے وجہ شبہ میں حصر ثابت ہوتا ہے، لان مفهوم الفقهاء رحمهم الله تعالى حجة۔

صـ (۳) جزئیہ تاتارخانیہ سے استدلال تام نہیں، اور جزئیہ جامع الجوامع و تاتارخانیہ کا جواب لکھا جا چکا ہے کہ یہ قول کرخی رحمہ اللہ تعالی پر مبنی ہے۔

صـ (۴) یہ حرمت بیع و شراء پر صریح دلیل ہے، شراء فاسد پر قیاس کر کے حلت مشتری کا خیال باطل ہے، کما حررنا۔

صـ (۷) اما مسألة ما اذا اختلط الحلال والحرام في البلد الخ،

یہ مال مخلوط بالیقین سے متعلق نہیں بلکہ مال مشتبہ سے متعلق ہے، یہاں اختلاط سے مراد یہ ہے کہ بازار میں حلال و حرام دونوں قسم کا مال ہے مگر مشتری کو متعین طور پر کسی چیز کے بارے میں حلت یا حرمت کا علم نہیں۔

جس مال کے مخلوط ہونے کا یقین ہو اس کا شراء اور مشتری کے لئے اس سے انتفاع حرام ہے، کما حررنا۔

صـ (۸) عن الخلاصة: ما اشتراه يحل،

مبني على قول الكرخي رحمه الله تعالى۔

صـ۱۶ سطر ۲۲ قولك : مخلوط اگرچہ تملیک سے حلال ہوجاتا ہے۔

قلت : حلال نہیں ہوتا۔

خلاصہ :

① خلط متیقن ہو تو مخلوط غاصب و آخذ من الغاصب دونوں کے لئے قبل اختیار الضمان حرام ہے، خواہ حلال غالب ہو یا مغلوب۔

② اموال متمیزہ میں غلبہ کا اعتبار ہے جب یہ معلوم نہ ہوسکے کہ کس میں سے ہے۔

③ خلط مشتبہ ہو تو بھی اموال متمیزہ کی طرح غلبہ کا اعتبار ہے۔

④ صورت ثانیہ وثالثہ میں غلبہ کا علم نہ ہوسکے تو اجتناب اولیٰ ہے۔

⑤ صور جواز میں جہاں بھی "اشتریٰ" آیا ہے وہ قول کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ پر مبنی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مشتریٰ حرام نہیں، اداء الثمن من الحرام کا گناہ ہوگا۔

⑥ کتاب الآثار وغیرہ کی سب روایات اشتباہ پر محمول ہیں۔

⑦ جواز کی دوسری سب روایات قول مرجوح پر مبنی ہیں۔

میں اس تحریر کے وقت عبارت ۱۵ کے سوا دوسری عبارات کی تحقیق کے لئے ان کے مواضع کا مراجعہ اور ان کے سیاق و سباق کا ملاحظہ نہیں کرسکا۔

ثم بعد الفراغ من هذا التحرير رأيت في الهندية ما يخالفه الا ان يحمل على المرجوح، ونصها :
عن محمد رحمه الله تعالى غصب عشرة دنانير فالقى فيها دينارا ثم اعطى منه رجلا دينارا جاز ثم دينارا آخر لا كذا في التاتارخانية ناقلا عن جامع الجوامع۔

(عالمگیریۃ ص ۳۶۱ ج ۵)

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ شعبان ۱۴۰۹ھ

بسم الله الرحمن الرحيم
وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب

ڈاکٹری
تعلیم
کے
لئے
انسانی ڈھانچے
ڈاکٹری مشق کے لئے انسان کی نعش پر عمل جراحی
کرنا اور چیر پھاڑ کر کے بے حرمتی کرنا جائز نہیں۔

ڈاکٹری تعلیم

کے لیے

انسانی ڈھانچے

اس دور ترقی میں علاج اور علم العلاج کو اتنی اہمیت دے دی گئی ہے کہ اس پر مذہب اور حرمت انسان کو بھینٹ چڑھا دینا چاہیے۔ معمولی سی بات ہے شریعت میں معالجہ اور علم العلاج کی اتنی اہمیت نہیں کہ اس کے لئے انسانی نعش کو تختۂ مشق بنایا جائے اور اس کو چیر پھاڑ کر اس کی بے حرمتی کی جائے۔

بالخصوص جبکہ یہ ضرورت مصنوعی ڈھانچوں سے بخوبی پوری ہو چکی ہے جس کی تفصیل اس رسالہ کے آخر میں ہے۔

ڈاکٹری تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچوں کا استعمال جائز نہیں

سوال: ماہنامہ الفتاویٰ ... میں کالج میں ڈاکٹری کی تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچے پر مشتمل کچھ روداد شائع ہوئی ہے جس کی فوٹو کاپی ارسال ہے۔ اس بارے میں اپنی تحقیق بالتفصیل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

مسلم نعش پر عمل جراحی کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہسپتال وغیرہ سے لاوارث مسلم نعش عمل جراحی کے لئے میڈیکل کالج میں بھیجی جاتی ہے۔ اب اس کے متعلق سوال یہ ہے:

① مسلم نعش پر کیا کسی حالت میں عمل جراحی جائز ہے یا نہیں؟

② اور اگر کسی خاص صورت میں جائز بھی ہو تو میڈیکل کالج میں تعلیمی ضرورت کے تحت مسلم نعش پر عمل جراحی جائز ہوگا؟

الجواب

① مسلم نعش پر عمل جراحی بعض حالات میں شرعاً جائز ہے۔ مثلاً کوئی عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ اور متحرک ہو تو کتب فتاویٰ میں یہ تصریح ہے کہ اس کے پیٹ کو بائیں جانب سے چیر کر بچہ کو نکال لیا جائے۔ درمختار میں ہے:

"حامل ماتت وولدها حی یضطرب شق بطنها من الایسر ویخرج ولدها"

(رد المحتار ص ۶۰۲ ج ۱)

نیز ایسی صورت میں بھی عمل جراحی جائز ہے جبکہ مرنے والی کے پیٹ میں کوئی چیز متحرک معلوم ہو اور لوگوں کی رائے یہ ہو کہ یہ متحرک بچہ ہے۔ جیسا کہ فتح القدیر میں ہے

وفی التجنیس من علامة النوازل امرأة حامل ماتت واضطرب فی بطنها شیء وکان رأیهم انه ولد حی شق بطنها (ص ۱۰۲ ج ۲ فصل باب التیمم)

مطلب یہ ہے کہ ہر دو صورت میں بچہ زندہ ہونے کا یقین ہو یا بچے کے زندہ ہونے کا ظن ہو، مردہ لاش کو چاک کرنا جائز ہے۔ نیز ایسی صورت میں بھی مردہ نعش پر عمل جراحی کرنا جائز ہے کہ کوئی شخص کسی کا مال نگل جائے اور مرجائے۔ درمختار میں ہے:

لو بلع مال غیره ومات هل یشق قولان والاولی نعم

(قوله والاولی نعم) لانه وان کان حرمة الآدمی اعلی من صیانة المال لکنه ازال احترامه بتعدیه کما فی الفتح ومفاده انه لو سقط فی جوفه بلا تعد لا یشق

اتفاقاً اھ (رد المحتار ص ۶۶۲ ج ۵)

وفی البیری عن تلخیص الکبری لو بلغ عشرة دراھم ومات یشق وان والبیری عن جامع الفتاوی فی ذیل الاصل ولا تأثیر (رد المحتار ص ۲۳۲)

ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مردہ نعش پر بحالت ضرورت عمل جراحی جائز ہے۔

(۲) میڈیکل کالج میں تعلیمی ضرورت کے لئے نعش پر عمل جراحی کرنا شرعاً جائز ہوگا اسلئے کہ آئین اسلام کا ضابطہ یہ ہے کہ دو ضرروں میں سے ایک ضرر اگر دوسرے ضرر سے اعظم ہو تو اشد ضرر کا اخف ضرر کے ذریعہ ازالہ کیا جائے گا جس کی ایک مثال مردہ عورت کے پیٹ کا بچہ نکالنے کے لئے چیرا جانا ہے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے:

لو کان احدھما اعظم ضرراً من الآخر فان الاشد یزال بالاخف

(ص ۱۲۳ ج ۱ تحت القاعدة الخامسة)

اس کے بعد اس کی مثالوں میں بہت سی مثالوں کے ساتھ مذکورہ بالا مثال کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

"ومنها جواز شق بطن المیتة لاخراج الولد اذا کانت ترجی حیاته وقد امر به ابو حنیفة رحمه الله تعالی فعاش الولد کما فی الملتقط۔ (الاشباه والنظائر ص ۱۲۳ مع الحموی)

میڈیکل کالج میں چند مردوں کی نعش پر عمل جراحی کے باعث چونکہ سیکڑوں زندہ مریضوں کی جان بچتی ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ایک بچہ کی جان بچانے کے لئے ایک نعش پر عمل جراحی بلا اختلاف جائز ہو اور سیکڑوں جانیں بچانے کے لئے چند نعشوں پر عمل جراحی جائز نہ ہو۔ هذا ما عندی فان اصبت فمن الله وان اخطأت فمنی ومن الشیطان۔

علماء کرام کے لئے قابل غور بات یہی ہے کہ عدم تعلیم سیکڑوں جانوں کی ہلاکت کا موجب ہوگا یا نہیں؟ اور اگر موجب ہوگا تو یہ ضرر بمقابلہ چند نعشوں کے اعظم اور اشد ضرر ہے یا نہیں؟

میرا خیال ہے کہ بمقابلہ چند نعشوں کے سیکڑوں جانوں کی ہلاکت اعظم اور اشد ضرر ہے لہٰذا الاشباہ کی تصریح کی بنا پر آئین اسلام کی رو سے اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا ہے کہ میڈیکل کالج میں نعش پر جو عمل جراحی کیا جاتا ہے وہ شرعاً حد جواز کے اندر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

منت اللہ رحمانی خانقاہ رحمانی مونگیر

ڈاکٹری تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچے ـــــــــ ۲

الجواب صحیح

علم جراحی مسلمانوں کے لئے حاصل کرنا لازمی اور ضروری ہے، اور ادھر یہ قاعدہ بھی ہے،
الضرر یزال اور الضرورات تبیح المحظورات ۔
پس ضرورت اور مجبوریوں کی وجہ سے یہ عمل جراحی جائز ہے، چنانچہ مجیب لبیب نے توضیح
کی ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ السید مہدی حسن مفتی دار العلوم دیوبند

۲۹/۱/۹۹ھ

الجواب صحیح والمجیب نجیح

خط کشیدہ عبارت تو بہت ہی مضبوط دلیل ہے اور آیت کریمہ :
ولکم فی القصاص حیٰوۃ یا اولی الالباب ۝
اور آیت قتل کے اخذ سے بھی اسی طرف ہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

احقر نظام الدین دار العلوم دیوبند

الجواب باسم ملہم الصواب

نظام الفتاوی کا جواب صحیح نہیں، تعلیمی ضرورت کو اخراج ولد پر قیاس کرنا بوجوہ ذیل
باطل ہے :

① شق بطن ولادت کا ایک متبادل طریق ہے جو اس زمانہ میں عام ہے اس میں
انسان کی بے حرمتی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا،

② اخراج ولد کے لئے شق بطن امر عارضی ہے، اس کے بعد میت کو احترام کے ساتھ
دفن کر دیا جاتا ہے اور میڈیکل کالج میں ہمیشہ کے لئے تختۂ مشق بنایا جاتا ہے ۔

③ اخراج ولد میں جان بچانے کا عمل ہوتا ہے اور کالج میں جان بچانے کے طریقوں
کی تعلیم ہوتی ہے، فی الحال جان بچانے کا عمل نہیں ہوتا ۔
جان بچانے کے عمل اور اس کی تعلیم میں فرق ہے، مثلاً جان بچانے کے لئے حملہ آور کو
قتل کرنا جائز ہے مگر جان بچانے کا طریقہ سیکھنے کی غرض سے جائز نہیں ۔

④ اسباب کی دو قسمیں ہیں :
ایک یہ کہ اس پر مسبب و ثمرہ کا ترتب عادۃً متیقن ہے اور ترک اسباب سے ہلاکت کا

ڈاکٹری تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچہ ——— ۵

یقینی ہے، جیسے کسی کو آگ یا سیلاب یا کنویں وغیرہ سے نکالنا یا کسی درندہ کی گرفت سے بچانا۔

ان صورتوں میں جان بچانے کے اسباب اختیار کرنا فرض ہے اور ان کا ترک حرام ہے، اخراج ولد بھی اسی قسم کا سبب ہے۔

اسباب کی دوسری قسم یہ ہے کہ اس پر نتیجہ کا ترتب ضروری نہیں اور ان کے ترک سے موت متیقن نہیں۔

ایسے اسباب کو اختیار کرنا لازم نہیں اور ان کے ترک پر کوئی گناہ نہیں، علاج الامراض اسی قسم میں داخل ہے، سینکڑوں واقعات کا مشاہدہ ہے کہ علاج سے مرض مزید بڑھ گیا یا مریض ہلاک ہوگیا اور کئی مریض بدون علاج ہی تندرست ہوگئے، اسی لئے اس پر اتفاق ہے کہ علاج کرانا فرض نہیں ہے، اگر کوئی ترک علاج کے نتیجہ میں مر جائے تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں، اگر علاج کرانا فرض ہوتا تو جہاں مرض کا صرف ایک ہی اسپیشلسٹ ہو اس کے لئے علاج کی اجرت لینا حرام ہوتا، پھر مسئلہ زیر بحث میں تو علاج بھی نہیں، علاج کی تعلیم ہے [illegible]۔

⑤ بچہ کی جان بچانے کے لئے میت کے شق البطن کی صورت متعین ہے، دوسری کوئی صورت ممکن نہیں، اس کے برعکس تعلیم کے لئے دوسری کئی صورتیں بسہولت اختیار کی جاسکتی ہیں، مثلاً:

① اسکریننگ مشین کے ذریعہ زندہ انسان کے اندرونی اعضاء کا تفصیلی معاینہ کیا جاسکتا ہے۔

② حیوانی ڈھانچوں سے کام لیا جاسکتا ہے، بالخصوص خنزیر، ان کے نظریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خنزیر اور انسان کے اعضاء میں یکسانیت ہے۔

③ پلاسٹک کے انسانی ڈھانچے مع اندرونی اعضاء کے بیرونی ممالک میں بنتے ہیں، ان کو استعمال کیا جاسکتا ہے، اور مجسمہ رکھنے کے گناہ سے بچنے کی یہ تدبیر ہوسکتی ہے کہ ڈھانچے کے اعضاء علیحدہ کرکے رکھے جائیں، بوقت ضرورت بقدر ضرورت ایک عضو کو دوسرے سے ملایا جاسکتا ہے۔

روزنامہ "مشرق" ۲۵ دسمبر ۱۹۷۶ء مطابق ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ میں یہ خبر شائع ہوئی ہے:

"برطانوی نرسوں میں مصنوعی مسالے سے تیار کیا ہوا انسانی ڈھانچا بنالیا گیا ہے، اس ڈھانچے کو برطانوی نرسوں نے "سام" کا نام دیا ہے، ڈھانچا اب بھی کئی تعلیمی ادارے منگواتے ہیں، لیکن دنیا بھر میں مصنوعی "سام" استعمال ہوتا ہے، پورے انسانی مصنوعی قد کا "سام" ۵ فٹ ۸ انچ کا ہوتا ہے اور اس کی قیمت ۳۸ پونڈ ۹ شلنگ ہے"

ڈاکٹری تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچے ——— ۹

جسم کے اندرونی اعضاء بھی "مسرے کی سائنٹیفک پلاسٹکس لمیٹڈ" تیار کرتی ہے۔

مصنوعی دل کی قیمت ۱۳ پونڈ ۳ شلنگ

مصنوعی دماغ کی قیمت ۱۱ پونڈ ۱۰ شلنگ مقرر ہے۔

یہ کمپنی کان بھی تیار کرتی ہے جن کی قیمت ۱۰ پونڈ ہے، اس مصنوعی کان کے پردوں میں آواز ٹکرانے کے بعد اسی طرح لہریں نمودار ہوتی ہیں جس طرح اصلی کان میں ہوتی ہے

انسان کے سانس لینے کا نظام بھی قلب کے استفادہ کے لئے مصنوعی بنایا جاتا ہے جس کی قیمت ۱۸ پونڈ ۱۰ شلنگ ہے، اس مصنوعی سانس لینے والے انسان پیدا ہونے کے طریقے کی مشق آسانی سے کی جا سکتی ہے کیونکہ اس کے مصنوعی پھیپھڑے اسی طرح کام کرتے ہیں جس طرح انسانی پھیپھڑے کرتے ہیں۔

مجیب نے دوسرا قیاس اخراج مال کے لئے جواز شق بطن پر کیا ہے، حالانکہ اس کا بطلان خود جزئیہ مذکورہ میں تعلیل جواز:

"لأن الآدمي وإن كان حرمة الآدمي أعلى من صيانة المال لكنه أزال الاحترام بتعديه"

سے ظاہر ہے۔

اشباہ کے کلیہ سے بھی استدلال صحیح نہیں۔ حفظ احترام کے مقابلہ میں حفظ جان اگرچہ مقدم ہے مگر یہاں احترام کے مقابلہ میں حفظ جان کا عمل نہیں، بلکہ اس کے طریقہ کی تعلیم ہے، خود علاج بھی سببیت کی قسم ثانی ہے، اور یہاں تو علاج بھی نہیں ہو رہا۔ بلکہ علاج کی تعلیم دی جا رہی ہے، اس پر حرمت انسان کو بھینٹ چڑھانا جائز نہیں۔

اگر مجیب کے نظریہ کے مطابق صورت زیر بحث میں حفظ احترام وحفظ جان کا تقابل تسلیم کر لیا جائے تو کالجوں میں لاوارث ڈھانچوں کی کمی کی صورت میں وارثوں پر فرض ہوگا کہ اپنے رشتہ داروں کی لاشیں دفن کرنے کی بجائے کالجوں میں پہنچا دیں، بصورت انکار حکومت پر فرض ہوگا کہ رشتہ داروں سے لاشیں جبراً چھین کر کالجوں میں مہیا کرے، اور اگر بوقت ضرورت کوئی لاش دستیاب نہ ہو تو قبرستان سے مردے اکھاڑ کر کالج کی ضرورت پوری کرے۔

تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ کالجوں میں لاوارث لاشوں کی بہت کمی ہے، لہٰذا بہ زعم مجیب جان بچانے کا فرض ادا کرنے کی صرف یہی صورت ہو سکتی ہے کہ وارثوں سے جبراً مردے وصول کئے جائیں۔

ڈاکٹری تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچے ـــــــ

یہ ظلم صرف لاوارث لاشوں کے ساتھ مخصوص کیوں ہے جبکہ درحقیقت کوئی لاش بھی لاوارث نہیں۔ اس لئے کہ کسی کے نسبی وارث نہیں تو اس کا کفن دفن حکومت یا عامۃ المسلمین پر فرض ہے اور یہی اس کے ولی ہیں۔

حکومت کا کوئی فرد اپنے رشتہ دار کی لاش دینے کو تیار نہیں تو دوسری لاش جس کی سرپرستی ولایت اور دفن کا فریضہ حکومت کے ذمہ ہے اسکی بےحرمتی کی اجازت کیوں دیتا ہے؟

کالجوں میں زیر تعلیم طلبہ کی بنسبت لاشوں کی غیر معمولی کمی کے ثبوت سے یہ ثابت ہو گیا کہ لاش کے بغیر بھی ڈاکٹری کی تعلیم مکمل ہو سکتی ہے۔

تعلیمی اداروں میں انسانی لاشوں کی بڑھتی ہوئی مانگ اور لاشوں کی منڈی میں غیر معمولی تیزی دیکھ کر انسانی درندے اور جرائم پیشہ لوگ انسانوں کو قتل کر کے انکی لاشیں منڈی میں فروخت کرنے کا کاروبار شروع کر دیں گے۔ ان کے لئے یہ بہت ہی نفع بخش تجارت ہوگی۔ کوئی اور شکار نہ ہاتھ لگا تو انہی اداروں کا عملہ، طلبہ، اساتذہ اور سربراہ کام لائے جا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ترقی کے نعروں کے فتنوں سے حفاظت فرمائیں۔ وهو العاصم ولا ملجأ ولا منجأ الا اليه۔
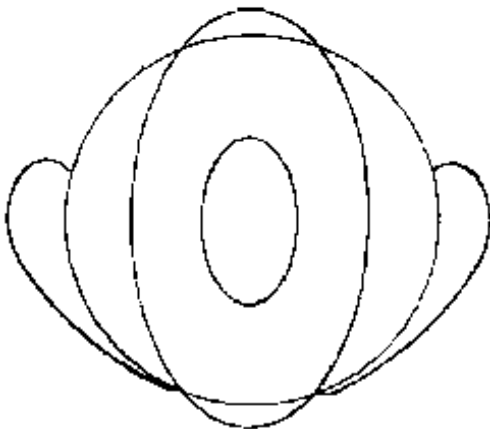
۲۶ شعبان ۱۴۰۲ ہجری

ڈاکٹری تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچے ــــــ ۸

ضبطِ تولید
اسقاطِ حمل
قوّتِ تولید ختم کرنا۔
مانعِ حمل تدابیر اختیار کرنا۔
حمل ٹھہر جانے کے بعد ساقط کرنا۔
مکتبہ فاروقی

ضبطِ تولید
و
اسقاطِ حمل
آیاتِ قرآنیہ
احادیثِ نبویہ
نصوصِ فقہا
عملِ مسلم

ضبط تولید واسقاطِ حمل

سوال: ضبط تولید اور اسقاط حمل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ مفصل جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ضبط تولید اور اسقاط حمل دونوں کی مجموعی طور پر چار صورتیں بنتی ہیں:

① قطع نسل یعنی کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس کی وجہ سے دائمی طور پر قوت تولید ختم ہو جائے۔

② منع حمل یعنی ایسی صورت اختیار کرنا کہ قوت تولید باقی رہتے ہوئے حمل قرار نہ پائے۔

③ حمل ٹھہر جانے کے بعد چار ماہ پورے ہونے سے پہلے کسی ذریعہ سے اس کو ساقط کرنا۔

④ چار ماہ گزرنے کے بعد حمل گرانا۔

احکام:

پہلی صورت بالاتفاق حرام ہے، خواہ اس میں کتنے ہی فوائد نظر آئیں اور خواہ اس کے دواعی بظاہر کتنے ہی قوی ہوں۔

دوسری صورت کے حکم میں یہ تفصیل ہے کہ بلا عذر یہ صورت اختیار کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور درج ذیل اعذار کی صورت میں بلا کراہت جائز ہے:

① عورت اتنی کمزور ہے کہ بارِ حمل کا تحمل نہیں کر سکتی۔

② عورت اپنے وطن سے دور کسی ایسے مقام میں ہے جہاں اس کا مستقل قیام وقرار کا ارادہ نہیں، اور سفر کسی ایسے ذریعہ سے ہے کہ اس میں مہینوں لگ جاتے ہوں۔

③ زوجین کے باہمی تعلقات ہموار نہ ہونے کی وجہ سے علیحدگی کا قصد ہے۔

④ پہلے سے موجود بچہ کی صحت خراب ہونے کا شدید خطرہ ہے۔

⑤ یہ خطرہ ہو کہ فساد زمان کی وجہ سے بچہ بد اخلاق اور والدین کی رسوائی کا سبب ہوگا۔

اگر کوئی ایسی غرض کے تحت حمل روکے جو اسلامی اصول کے خلاف ہے تو اس کا عمل بالکل ناجائز ہوگا، مثلاً کثرتِ اولاد سے تنگی رزق کا خیال ہو یا یہ وہم ہو کہ بچی پیدا ہوگئی تو عار ہوگی۔

تیسری صورت بلا عذر ناجائز اور حرام ہے، البتہ بعض اعذار کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے، مثلاً:

① حمل کی وجہ سے عورت کا دودھ خشک ہوگیا اور دوسرے ذرائع سے پہلے بچے کی پرورش کا انتظام ناممکن یا متعذر ہو۔

② کوئی دیندار، حاذق طبیب عورت کا معاینہ کرکے یہ کہہ دے کہ اگر حمل باقی رہا تو عورت کی جان یا کوئی عضو ضائع ہونے کا شدید خطرہ ہے۔

چوتھی صورت مطلقاً حرام ہے، کسی بھی عذر سے اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

تنبیہ:

ضبطِ تولید اور اسقاطِ حمل کی ناجائز صورتوں میں عدمِ جواز کے علاوہ دینی و دنیوی لحاظ سے مفاسد کثیرہ پائے جاتے ہیں، مثلاً:

① زنا اور امراضِ خبیثہ کی کثرت، عورتوں کو اللہ تعالیٰ کے خوف کے علاوہ دو چیزیں فطرۃً عفت کا معیار قائم رکھتی ہیں اور زنا کی برائی سے بچائے رکھتی ہیں۔ ایک فطری حیا، دوسری یہ خوف کہ حرامی بچہ کی پیدائش اس کو معاشرہ میں ذلیل و رسوا کر دے گی۔

ان میں سے پہلے مانع کو تو جدید مغربی تہذیب نے بڑی حد تک دور کر دیا۔ بازاروں، دفتروں، کالجوں، یونیورسٹیوں، مختلف تقریبات اور محفلوں میں بے پردہ عورتوں کی مردوں کے ساتھ بے محابا شرکت کے بعد حیا کہاں باقی رہ سکتی ہے۔

ضبطِ تولید کے رواجِ عام نے دوسرے مانع یعنی حرامی اولاد کی پیدائش کے خوف کو باقی نہ رکھا، عورتوں اور مردوں کو زنا کی عام رخصت مل گئی ہے۔

اور کثرتِ زنا کی وجہ سے طرح طرح کے امراضِ خبیثہ کا پیدا ہونا لازمی امر ہے۔

② طلاق کی کثرت اور اس کے نتیجے میں خاندانوں کے درمیان لڑائی جھگڑے اور فسادات کا ہونا، عورت اور مرد کے درمیان ازدواجی تعلق کو مضبوط کرنے میں اولاد کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ جب اولاد نہ ہوگی تو زوجین کے لئے ایک دوسرے کو چھوڑ دینا بہت آسان ہوگا۔

③ بعض اخلاقی خصائص کا فقدان، والدین میں بعض اخلاقی خصائص صرف تربیتِ اولاد ہی سے پیدا ہوتے ہیں، ضبطِ تولید کے باعث دونوں ان خصائص سے محروم رہتے ہیں۔

ضبطِ تولید ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ م

جس طرح والدین اولاد کی تربیت کرتے ہیں اسی طرح بچے بھی والدین کی تربیت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ بچوں کی تربیت سے والدین میں محبت، ایثار اور قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ عاقبت اندیشی، صبر و تحمل اور ضبط نفس کی مشق ہوتی ہے، سادہ معاشرہ وقناعت اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

ضبط تولید سے ان تمام اخلاقی فوائد کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

(۴) بچوں کے اخلاق کا نقصان: بچوں کی تربیت صرف ماں باپ ہی نہیں کرتے بلکہ وہ خود بھی ایک دوسرے کی تربیت کرتے ہیں۔ ان کا آپس میں رہنا ان کے اندر محبت، ایثار، تعاون اور دوسرے عظیم اوصاف پیدا کرتا ہے، وہ ایک دوسرے پر نکتہ چینی کرکے اپنے اندر سے بہت سے اخلاقی عیوب دور کر دیتے ہیں۔

جس بچے کو چھوٹے اور بڑے بھائی بہنوں کے ساتھ رہنے بیٹھنے، کھیلنے کودنے اور معاملات کرنے کا موقع نہیں ملتا وہ بہت سے اعلی اخلاقی خصائص سے محروم رہ جاتا ہے۔

جو لوگ ضبط تولید پر عمل کرکے اپنی اولاد کو صرف ایک ہی بچے تک محدود کر لیتے ہیں یا دو بچوں کے درمیان اتنا وقفہ کرتے ہیں کہ ان میں عمر کا بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے وہ دراصل اپنی اولاد کو بہت سی اخلاقی تربیت سے محروم کر دیتے ہیں۔

(۵) صحت کی خرابی: ضبط تولید کی وجہ سے زوجین کی صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے، مرد کی نسبت عورت کی صحت پر زیادہ اثر پڑتا ہے، ضبط تولید کی خاطر جو تدابیر اختیار کی جاتی ہیں بالخصوص جو گولیاں اور دوائیں استعمال کی جاتی ہیں وہ عورت کی صحت کے لئے انتہائی نقصان دہ ہیں، عمر گزرنے سے ان کے مضر اثرات آہستہ آہستہ رونما ہوتے ہیں۔ مثلاً عصبی نظام میں ہیجان، بدمزاجی اور چڑچڑا پن، حافظہ کی خرابی، جنون، سرطان اگر کبھی حمل ہو جائے تو وضع حمل کے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے۔

یہ چند نقصان بطور نمونہ لکھ دیئے ہیں جو صاحب بصیرت و دانش کے لئے کافی ہیں۔

قال اللہ تبارک وتعالی:

وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا (۱۱-۶)

ولا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم وایاھم (۶-۱۵۱)

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطأ کبیرا (۱۷-۳۱)

وامر اھلک بالصلوۃ واصطبر علیھا لا نسئلک رزقا نحن نرزقک (۲۰-۱۳۲)

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ یقول رد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالی عنہ التبتل ولو اذن لہ لاختصینا (صحیح بخاری ص۷۵۹ ج۲)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قلت یا رسول اللہ انی رجل شاب وانا اخاف علی نفسی العنت ولا اجد ما اتزوج بہ النساء فسکت عنی ثم قلت مثل ذلک فسکت عنی ثم قلت مثل ذلک فسکت عنی ثم قلت مثل ذلک فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا ہریرۃ جف القلم بما انت لاق فاختص علی ذلک او ذر (ایضا)

قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالی تحت ھذا الحدیث: ان الاختصاء فی الآدمی حرام مطلقا (عمدۃ القاری ص۷۲ ج۲۰)

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالی عنہ انہ اخبرہ قال اصبنا سبایا فکنا نعزل ثم سألنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک فقال لنا وانکم لتفعلون وانکم لتفعلون وانکم لتفعلون ما من نسمۃ کائنۃ الی یوم القیمۃ الا ھی کائنۃ

قال العلامۃ النووی رحمہ اللہ تعالی تحت ھذا الحدیث: ثم ھذہ الاحادیث مع غیرھا یجمع بینھما بأن ما ورد فی النھی محمول علی کراھۃ التنزیہ وما ورد فی الاذن فی ذلک محمول علی انہ لیس بحرام ولیس معناہ نفی الکراھۃ۔

(صحیح مسلم ص۴۶۴ ج۱)

عن جدامۃ بنت وھب اخت عکاشۃ رضی اللہ تعالی عنھا قالت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اناس وھو یقول لقد ھممت ان انھی عن الغیلۃ فنظرت فی الروم وفارس فاذا ھم یغیلون اولادھم فلا یضر اولادھم ذلک شیئا ثم سألوہ عن العزل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذلک الوأد الخفی زاد عبید اللہ فی حدیثہ عن المقری واذا الموؤدۃ سئلت۔

قال العلامۃ النووی رحمہ اللہ تعالی تحت ھذا الحدیث: الوأد والموؤدۃ بالھمز والوأد دفن البنت وھی حیۃ وکانت العرب تفعلہ خشیۃ الاملاق وربما فعلوہ خوف العار والموؤدۃ البنت المدفونۃ حیۃ ویقال وأدت المرأۃ ولدھا وأدا قیل

سميت موؤدة لأنها تنقل بالتراب وقد سبق في باب العزل وجه تسمية هذا وأدا وهو مشابهة الوأد في تفويت الحيوة (صحيح مسلم ص[illegible] ج۱)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: (ويعزل عن الحرة) وكذا المكاتبة (بإذنها) لكن في الخانية أنه يباح في زماننا لفساده قال الكمال فليعتبر عذرا مسقطا لإذنها، وقالوا يباح إسقاط الولد قبل أربعة أشهر ولو بلا إذن الزوج.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله لكن في الخانية) عبارتها على ما في البحر وذكر في الكتاب أنه لا يباح بغير إذنها وقالوا في زماننا يباح لسوء الزمان اهـ.

(قوله قال الكمال) عبارته وفي الفتاوى إن خاف من الولد السوء في الحرة يسعه العزل بغير رضاها لفساد الزمان فليعتبر مثله من الأعذار مسقطا لإذنها اهـ فقد علم مما في الخانية أن منقول المذهب عدم الإباحة وأن هذا تقييد من مشايخ المذهب لتغير بعض الأحكام بتغير الزمان وأقره في الفتح وبه جزم القهستاني أيضا حيث قال وهذا إذا لم يخف على الولد السوء لفساد الزمان وإلا فيجوز بلا إذنها اهـ لكن قول الفتح فليعتبر مثله الخ يحتمل أن يريد بالمثل ذلك العذر كقولهم مثلك لا يبخل ويحتمل أنه أراد إلحاق مثل هذا العذر به كأن يكون في سفر بعيد أو في دار الحرب فخاف على الولد أو كانت الزوجة سيئة الخلق ويريد فراقها فخاف أن تحبل وكذا ما يأتي في إسقاط الحمل عن ابن وهبان فافهم۔

(قوله وقالوا الخ) قال في النهر بقي هل يباح الإسقاط بعد الحمل نعم يباح ما لم يتخلق منه شيء ولن يكون ذلك إلا بعد مائة وعشرين يوما وهذا يقتضي أنهم أرادوا بالتخليق نفخ الروح وإلا فهو غلط لأن التخليق يتحقق بالمشاهدة قبل هذه المدة كذا في الفتح وإطلاقهم يفيد عدم توقف جواز إسقاطها قبل المدة المذكورة على إذن الزوج وفي كراهة الخانية ولا أقول بالحل إذ المحرم لو كسر بيض الصيد ضمنه لأنه أصل الصيد فلما كان يؤاخذ بالجزاء فلا أقل من أن يلحقها إثم هنا إذا أسقطت من غير عذر اهـ قال ابن وهبان ومن الأعذار أن ينقطع لبنها بعد ظهور الحمل وليس لأبي الصبي ما يستأجر به

الظئر ويخاف هلاكه ونقل عن الذخيرة لو ارادت الالقاء قبل مضي زمن ينفخ فيه الروح هل يباح لها ذلك ام لا اختلفوا فيه وكان الفقيه علي بن موسى يقول انه يكره فان الماء بعد ما وقع في الرحم ماله الحياة فيكون له حكم الحياة كما في بيضة صيد الحرم ونحوه في الظهيرية قال ابن وهبان فاباحة الاسقاط محمولة على حالة العذر او انها لا تأثم اثم القتل اهـ وبما في الذخيرة تبين انهم ما ارادوا بالتخليق الا نفخ الروح وان قاضيخان مسبوق بما مر من التفقه والله تعالى الموفق اهـ كلام النهر (تنبيه) اخذ في النهر من هذا ومما قدمه الشارح عن الخانية والكمال انه يجوز لها سد فم رحمها كما تفعله النساء مخالفا لما بحثه في البحر من انه ينبغي ان يكون حراما بغير اذن الزوج قياسا على عزله بغير اذنها قلت لكن في البزازية ان له منع امرأته عن العزل اهـ نعم النظر الى فساد الزمان يفيد الجواز من الجانبين فما في البحر مبني على ما هو اصل المذهب وما في النهر على ما قاله المشايخ والله الموفق (رد المحتار ص۳۸۰ ج۲)

قال في الهندية: رجل عزل عن امرأته بغير اذنها لما يخاف من الولد السوء في هذا الزمان فظاهر جواب الكتاب ان لا يسعه وذكر هنا يسعه لسوء هذا الزمان كذا في الكبرى۔ وله منع امرأته من العزل كذا في الوجيز للكردري، وان اسقطت بعد ما استبان خلقه وجبت الغرة كذا في فتاوى قاضيخان، العلاج لاسقاط الولد اذا استبان خلقه كالشعر والظفر ونحوهما لا يجوز وان كان غير مستبين الخلق يجوز واما في زماننا يجوز على كل حال وعليه الفتوى كذا في جواهر الاخلاطي۔ وفي اليتيمة سألت علي بن احمد عن اسقاط الولد قبل ان يصور فقال اما في الحرة فلا يجوز قولا واحدا واما في الامة فقد اختلفوا فيه والصحيح هو المنع كذا في التتارخانية، ولا يجوز للمرضعة دفع لبنها للتداوي ان اضر بالصبي كذا في القنية۔ امرأة مرضعة ظهر بها حبل وانقطع لبنها وتخاف على ولدها الهلاك وليس لابي هذا الولد سعة حتى يستأجر الظئر يباح لها ان تعالج في استنزال الدم ما دام نطفة او مضغة او علقة لم يخلق له

عضو وخلق لا یستبین الا بعد مائۃ وعشرین یوما اربعون نطفۃ واربعون علقۃ واربعون مضغۃ کذا فی خزانۃ المفتین وھکذا فی فتاوی قاضیخان واللہ اعلم (عالمگیریۃ ص۳۵۶ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۰ محرم ۱۳۱۵ھ

ضبط تولید ــــــــــــــ ۹

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ
اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ
(۴۲—۴۹،۵۰)

"قوم یخضبون بالسواد آخر الزمان کحواصل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ"، رواہ النسائی وابوداؤد

طریق السداد لمحل الخضاب بالسواد

ایک استفتاء میں ایک قلمی رسالہ بھیجا گیا تھا، جسمیں نصوص حدیث وفقہ میں تحریف کر کے خضاب بالسواد کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی،

اِس رسالہ میں

اس کا جواب ہے، قاعدہ تو یہ ہے کہ جواب کے ساتھ اصل رسالہ پورا یا اسکا خلاصہ لکھا جاتا مگر عدیم الفرصتی کی وجہ سے وہ رسالہ نقل کئے بغیر واپس بھیج دیا گیا تھا۔

خضاب بالسواد سے متعلق ایک سوال کا جواب

قال: ان اباحنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ الخ (ص)

وقال الامام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ الخ (ص)

وقال الامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ الخ (ص)

قال فی البحر الرائق لاباس الخ (ص)

ومن ھھنا ان الصبغ الخ (ص)

وقال فی الشامیۃ قولہ جاز الخ (ص)

عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ الخ (ص)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ الخ (ص)

پس مراد خضاب بمجموع حنا وکتم باشد (ص)

اقول: جواب ھذہ العبارات باسرھا بان المراد منھا غیر السواد الحالک من غیر التفات الی تحقیق معنی الکتم بانہ یکون سوادا حالکا اولا. والواو لا او للجمع ام بمعنی او. وان الجمع بین الحناء والکتم یورث سوادا خالصا اولا. والدلیل علی ما ادعیت من سبعۃ اوجہ۔

(۱) رفع التعارض بین الادلۃ فالممنوع منہ ما یکون سوادا خالصا والمجاز غیر ذلک لتحصل معانی الاثار ولا تتضاد۔

(۲) نقل المفتی عن ص ۸ عن فتح الباری فکان اکثرھم یخضب بالصفرۃ منھم ابن عمر وابوھریرۃ واخرون رضی اللہ تعالیٰ عنھم وروی مالک رحمہ اللہ تعالیٰ عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وخضب بعضھم بالحناء والکتم وبعضھم بالزعفران وخضب جماعۃ بالسواد۔

فعلم من ھذہ المقابلۃ صراحۃ بان المراد من الحناء والکتم غیر السواد۔

(۳) اختضب لاجل التزین للنساء والجواری جاز فی الاصح ویکرہ بالسواد (رد المحتار)

(۴) اما الخضاب بالسواد فمن فعل ذلک من الغزاۃ لیکون اھیب فی عین العدو فھو محمود منہ اتفق علیہ المشایخ ومن فعل ذلک لیزین نفسہ للنساء ولیحبب نفسہ الیھن فذلک مکروہ وعلیہ عامۃ المشایخ الی ان قال وعن الامام

رحمہ اللہ تعالی ان الخضاب حسن لکن بالحناء والکتم والوسمۃ (عالمگیریۃ)

⑤ روی الامام البخاری رحمہ اللہ تعالی فی باب ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان اسن اصحابہ ابوبکر فغلفھا بالحناء والکتم حتی قنا لونھا (بخاری ج ۱ ص ۵۵۸)

فعلم ان الجمع بین الحناء والکتم لا یستلزم السواد کما زعم المفتی ۔

⑥ فی الموطا للامام محمد رحمہ اللہ تعالی قال محمد رحمہ اللہ تعالی لا نری بالخضاب بالوسمۃ والحناء والصفرۃ بأسا وان ترکہ ابیض فلا بأس بذلک کل ذلک حسن اھ وفی التعلیق الممجد علی الموطا (قولہ بالوسمۃ) والخضاب بہ صرفا لا یکون سوادا خالصا بل مائلا الی الخضرۃ وکذا اذا خلط بالحناء وخضب بہ نعم لو خضب الشعر اولا بالحناء صرفا ثم بالوسمۃ علیہ یحصل السواد الخالص فیکون ممنوعا کما سیأتی ذکرہ (وبعد اسطر علی قولہ لا نری) واما الخضاب بالسواد الخالص فغیر جائز لما اخرجہ ابوداؤد والنسائی وابن حبان والحاکم وقال صحیح الاسناد عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما مرفوعا یکون قوم یخضبون فی آخر الزمان بالسواد کحواصل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ وجنح ابن الجوزی فی العلل المتناھیۃ الی تضعیفہ مستندا بما روی ان سعدا والحسین بن علی رضی اللہ تعالی عنھم کانا یخضبان بالسواد ولیس بجید فلعلہ لم یبلغھما الحدیث والکلام فی بعض رواتہ لیس بحیث یخرجہ عن حیز الاحتجاج ومن ثم عد ابن حجر المکی فی الزواجر الخضاب بالسواد من الکبائر ویؤیدہ ما اخرجہ الطبرانی عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالی عنہ مرفوعا من خضب بالسواد سود اللہ وجھہ یوم القیامۃ وعند احمد رحمہ اللہ تعالی غیروا الشیب ولا تقربوا السواد واما ما فی سنن ابن ماجۃ مرفوعا ان ما اختضبتم بہ ھذا السواد ارغب لنسائکم واھیب لکم فی صدور اعدائکم ففی سندہ ضعفاء فلا یعارض الروایات الصحیحۃ و اخذ منہ بعض الفقہاء جوازہ فی الجھاد اھ ۔

⑦ روی الامام البخاری رحمہ اللہ تعالی فی مناقب الحسن والحسین رضی اللہ تعالی عنھما عن انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ وکان الحسین رضی اللہ تعالی عنہ مخضوبا بالوسمۃ ۔ قال المحدث السھارنفوری رحمہ اللہ تعالی فی الحاشیۃ ظاھرہ وان

فكان معارضا لقوله عليه السلام جنبوه السواد لكن المعنى كان مخصوصا بالوجهة الخاصة والخصيصة وجدها لا يسود الشعر فاندفع التعارض بينهما لان المنهي عنه هو السواد البحت او كون السواد غالبا لا بالعكس وصنيع الشريعة بتغيير الشيب كيلا يلتبس الشيب بالشباب والشيخ بالشاب عند ابن الحسين رضي الله تعالى عنه كان شيئا فاختضب بالسواد وهذا ارفق بجوازه (حاشية البخاري ج ۱ ص …)

فافادت عبارة التعليق الممجد وحاشية صحيح البخاري امورا -

① ما روي من فعل الحسين رضي الله تعالى عنه فليس في رواية البخاري التصريح بالسواد -

② فالرواية المصرحة بالسواد ان ثبتت فهي مؤولة بالشبيه بالسواد - عزاه الى اللمعات في حاشية ابي داؤد باب الخضاب (ص ۲۲۶ ج ۲)

③ لم يبلغ الحسين رضي الله تعالى عنه حديث النهي عن السواد -

④ كان الحسين رضي الله تعالى عنه نادرا -

تلك سبع شداد تدل على ان المراد من الحناء والكتم الذي ثبت استعماله غير السواد -

قال: والممنوع من الخضاب هو ما يكون لونه كحواصل الحمام الخ (ص ۳)

اقول: ان المراد من الحديث هو السواد الخالص لا لون الحواصل بعينه لانه لا وجه لكونه منهيا عنه - ووجه النهي عن السواد الخالص معقول -

قال: لان الوعيد صادق على قوم يظهرون في آخر الزمان (ص ۵)

اقول: في زماننا الذي هو آخر الزمان يختضبون بالسواد الخالص فعلم ان مراده صلى الله عليه وسلم هو السواد لا لون الحواصل بعينه -

قول الصحابة رضي الله تعالى عنهم (ص ۶)

اقول: لا يقتدى باقوالهم في مقابلة الاحاديث الصحيحة كما لا يقتدى باقوال جماعة من الصحابة رضي الله تعالى عنهم التي تقول بوجوب قراءة الفاتحة خلف الامام والحال انكم قائلون بتحريمها على ان ذهبت شرذمة قليلة الى الاباحة فقد ذهب الى التحريم جم غفير - وهذا بعد تسليم صحة نقل معنى ما في الكتب المنقول عنها -

قال: علی اولوا الالباب (ص ۱۰)

اقول: الصحیح علی اولی الالباب۔

قال: قد ورد فی الحدیث الخ (ص ۱۰)

اقول: قال ابو الحجاج کل ما تفرد به ابن ماجة فهو ضعیف لا یراد طائفة من الاحادیث الموضوعة ولذا اخرجه الشاه ولی الله رحمه الله تعالی من فهرس الصحیح۔ والحدیث ضعیف جداً لان دفاعا السدوسی ضعیف (تقریب) و والضافی اسناده عبد الحمید الصیفی وهو لین الحدیث (انجاح)

قال: علی النهی .... فلما اصله النهی الخ (ص ۱۱)

اقول: فیا للعجب لعلم المفتی والادب بان وضع لفظ النهی موضع الاباحة فلعلهما مترادفان عنده۔

قال: لا یدل علی الکراهة التحریمیة الخ (ص ۱۳)

اقول: ان المتبادر من الکراهة هی التحریمیة الا عند القرائن الدالة علی التنزیه فالمستثنی منه الکراهة التحریمیة والمستثنی عدم الکراهة التحریمیة ولذا ابدکو حد الکراهة التحریمیة فی تعریف مطلق الکراهة کما قال فی الهدایة تکلموا فی معنی المکروه والمروی عن محمد رحمه الله تعالی نصا ان کل مکروه حرام الا انه لما لم یجد فیه نصا قاطعا لم یطلق علیه اسم الحرام وعن ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله تعالی انه الی الحرام اقرب۔ وفی الشامیة احدهما کره تحریما وهو المحمل عند اطلاقهم الکراهة الخ

علی ان الاحادیث الصحیحة وعبارات الفقه مصرحة بالمنع والتحریم بدون ذکر لفظ الکراهة کما ورد فی الحدیث الصحیح عن جابر رضی الله تعالی عنه قال جیئ بابی قحافة یوم الفتح الی النبی صلی الله علیه وسلم وکان رأسه ثغامة فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذهبوا به الی بعض نسائه فلتغیره وجنبوه السواد (رواه ابن ماجة) و هذا الحدیث صحیح (رواه مسلم) ومذهب الجمهور المنع (انجاح) واخرابن عابدین عبارات التحریم لیدل علی اختیاره ایاه کما قال فی الشامیة فی بحث التثویب تحت (قوله وابو یوسف خصهم) اخره کوجه ابی یوسف رحمه الله تعالی لافادة اختیاره الخ (رد المحتار)۔ فالظاهر ان المفتی جار عن الحق الباهر تعسفا و

ضمیمہ

از حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

سیاہ خضاب لگانے والا جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان العبد اذا اذنب ذنبا کانت نکتۃ سوداء فی قلبہ فان تاب منہا صقل قلبہ وان زاد زادت فذلک قول اللہ تعالیٰ: کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون (احمد، ترمذی، نسائی)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب بندہ کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے، اس کے بعد اگر توبہ کرے تو سیاہی دھل جاتی ہے اور دل صاف و شفاف ہو جاتا ہے لیکن توبہ کی بجائے اگر گناہوں میں اور آگے بڑھتا رہے تو یہ دھبہ بھی بڑھتا جاتا ہے (حتی کہ پورے دل پر سیاہی چھا جاتی ہے) اور یہی وہ زنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا: کلا بل ران ....."

اس ارشاد نبوت کے تناظر میں ہم اپنے گرد وپیش کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت عیاں ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ ہمارے معاشرے میں جن معاصی کا ہر طرف دور دورہ ہے ان میں ایک بڑی تعداد ان گناہوں کی ہے جنہیں شیوع عام کی بنا پر نہ صرف گناہوں کی فہرست سے نکال دیا گیا ہے بلکہ وہ فیشن اور ترقی کا نشان قرار پاگئے ہیں۔

ذرا سوچئے کتنے مسلمان ہیں جو تصویر سازی، ساز و موسیقی، سینمابینی، ڈاڑھی منڈانے کٹانے کی لعنت، بے پردگی، نسوانی قیادت، غیر شرعی لباس اور اغیار کے طور طریقوں کو گناہ باور کرتے ہیں!

خضاب بالسواد یعنی سیاہ خضاب کے ذریعہ بڑھاپے کو چھپانا ان گناہوں میں سر فہرست ہے اور اس پہلو سے سنگین تر کہ عام معاصی میں مبتلا لوگوں کی اکثریت تو آخرت بیزار بے دین قسم کے لوگوں کی ہوتی ہے، لیکن اس گناہ کا شکار صرف بے دین

تو انہیں دیندار جیسے باریش بزرگ اور حیران پارسا بھی ہیں جو مسلمانان شعار اسلام اور نشانِ مردی کو بھی ترک، من سے الگ رکھتے انھیں خضاب مہندی سے کیا واسطہ؟ وہ تو مردانہ صورت سے بھی عار کھائے بیٹھے ہیں۔

سیاہ خضاب پر وعیدیں:

سیاہ خضاب کا استعمال خواہ ڈاڑھی میں ہو یا سر میں حرام ہے۔ چنانچہ صحیح احادیث میں سفید بالوں کے تبدیلی کے لئے حنا (مہندی) اور کتم (وسمہ) استعمال کرنے کی ترغیب اور خالص سیاہ رنگ استعمال کرنے پر بہت شدید وعیدیں آئی ہیں۔ احادیث ملاحظہ ہوں:

(۱) عن ابی ذر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان احسن ما غیرتم به هذا الشیب الحناء والکتم (سنن اربعہ)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہترین رنگ جن سے سفید بالوں کی سفیدی تبدیل کی جائے مہندی اور وسمہ ہیں۔"

(۲) عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یکون قوم فی آخر الزمان یخضبون بهذا السواد کحواصل الحمام لا یریحون رائحة الجنة (ابو داؤد، نسائی، احمد، ابن حبان)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آخر زمانہ میں کچھ لوگ آئیں گے جو کبوتروں کے پوٹوں کی طرح سیاہ رنگ کا خضاب کریں گے، یہ جنت سے اتنے دور رکھے جائیں گے کہ اس کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گے۔"

(۳) عن جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما قال اُتی بابی قحافة رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ یوم فتح مکة وراسه ولحیته کالثغامة بیاضا فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم غیروا هذا بشیء واجتنبوا السواد (مسلم، ابو داؤد، نسائی، احمد، ابن ماجة)

"حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابو قحافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فتح مکہ کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال ثغامہ گھاس کی طرح سفید تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان کی سفیدی کسی چیز سے تبدیل کردو لیکن سیاہ رنگ سے اجتناب کرو۔"

وضوح مطلب کے لئے یہ ارشادات کافی و وافی ہیں، تاہم چند مزید روایات پیش کی

جاتی ہیں جو سند کے لحاظ سے گو اس درجہ قوی نہیں مگر تائید و تقویت کی غرض سے پیش کی جارہی ہیں :

① عن عامر رحمہ اللہ تعالیٰ مرسلاً ان اللہ لا ینظر الی من یخضب بالسواد یوم القیامۃ (کنز العمال ص [illegible] ج ۶)

"سیاہ خضاب کرنے والے کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے روز (نظر رحمت سے) نہ دیکھیں گے"

② عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً من خضب بالسواد سود اللہ وجہہ یوم القیامۃ۔ رواہ الطبرانی و ابن ابی عاصم (کنز العمال ص [illegible] ج ۶، جمع الوسائل ص [illegible] ج ۱، الزجر المسائل ص [illegible] ج ۶)

"جو سیاہ خضاب کرے گا اللہ تعالیٰ روز قیامت اسکا چہرہ سیاہ کر دیں گے"

③ من مثل بالشعر لیس لہ عند اللہ خلاق (طبرانی)

قال فی النہایۃ مثلۃ الشعر حلقہ من الخدود وقیل نتفہ او تغییرہ بالسواد۔ (ص [illegible] ج ۴)

"جس نے بالوں کو بگاڑا اللہ تعالیٰ کے ہاں (رحمت سے) اسکا کوئی حصہ نہیں، نہایہ ابن اثیر میں ہے کہ بگاڑنے سے مراد ہے رخساروں سے بال مونڈنا اور بعض علماء کا قول ہے کہ اس سے مراد سفید بالوں کا اکھاڑنا یا انہیں سیاہ رنگ سے تبدیل کرنا ہے"

④ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول من اختضب بالحناء والکتم ابراہیم خلیل الرحمٰن واول من اختضب بالسواد فرعون (فردوس دیلمی، السراج المنیر، کنز العمال، الزجر المسائل، کشف الخفاء للعجلونی)

"سب سے پہلے مہندی اور وسمہ سے خضاب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا اور سب سے پہلے سیاہ خضاب فرعون نے"

اجماع مذاہب اربعہ :

سیاہ خضاب کی حرمت پر مذاہب اربعہ کا اجماع ہے، بطور مثال ہر مذہب سے ایک عبارت پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حنفیہ :

علامہ علاء الدین حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

یستحب للرجل خضاب شعرہ ولحیتہ (الیٰ قولہ) ویکرہ بالسواد ۔

"مرد کے لئے سر اور ڈاڑھی پر خضاب کرنا مستحب ہے مگر سیاہ رنگ کا خضاب مکروہ تحریمی ہے ۔"

اور علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے ذیل میں فرماتے ہیں :

(قولہ ویکرہ بالسواد) ای لغیر الحرب قال فی الذخیرۃ : اما الخضاب بالسواد للغزو لیکون اھیب فی عین العدو فھو محمود بالاتفاق وان لیزین نفسہ للنساء فمکروہ وعلیہ عامۃ المشائخ (رد المحتار ص ۲۹۳ ج ۵)

"جہاد کے سوا کسی بھی مقصد کے لئے سیاہ خضاب کا استعمال مکروہ ہے ، ذخیرہ میں لکھا ہے کہ دشمن پر رعب ڈالنے کی غرض سے جہاد کے موقع پر سیاہ خضاب کا استعمال بالاتفاق محمود و مستحسن ہے ، شوہر کا بیوی کی خاطر خضاب لگانا مکروہ ہے عام مشائخ کا یہی مذہب ہے ۔"

مزید فتاویٰ عالمگیریہ ص ۳۵۹ ج ۵ ، اس کے حاشیہ پر قاضیخان ص ۴۱۱ ج ۳ ، بزازیہ ص ۳۶۸ ج ۶ ، الجوہرۃ النیرۃ ص ۲۸۵ ج ۲ اور دیگر فتاویٰ میں بھی یہ مسئلہ اسی تفصیل کے ساتھ موجود ہے ۔

تنبیہ :

کتب فقہ میں جہاں لفظ "مکروہ" مطلق ہوتا ہے اس سے "مکروہ تحریمی" مراد ہوتا ہے جو حرام ہی کی ایک قسم ہے گناہ اور عذاب میں حرام کے برابر ہے تفصیل آگے آرہی ہے ۔

مالکیہ :

کتب مالکیہ میں سر سری تلاش سے کوئی تصریح نہیں ملی ، البتہ شیخ مولانا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں :

وفی المحلی : یکرہ عند مالک صبغ الشعر بالسواد من غیر تحریم ۔

(اوجز المسالک ص ۲۹۵ ج ۱۵)

"محلی میں ہے : امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بالوں کو سیاہ رنگ کرنا مکروہ ہے حرام نہیں ۔"

یہ وضاحت اوپر گزر چکی ہے کہ اس سے مکروہ تحریمی مراد ہے جس کا گناہ اور عذاب حرام سے کم نہیں۔

معروف اہل حدیث عالم علامہ محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کے تحت لکھتے ہیں:

والحدیث یدل علی مشروعیۃ تغییر الشیب وانہ غیر مختص باللحیۃ وعلی کراھۃ الخضاب بالسواد وقال بذلک جماعۃ من العلماء قال النووی: والصحیح بل الصواب انہ حرام یعنی الخضاب بالسواد وممن صرح بہ صاحب الحاوی انتھی (نیل الاوطار صفحہ ۱۲۳ ج ۱)

"حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ سفید بالوں کو تبدیل کرنا مشروع ہے اور یہ کہ یہ حکم ڈاڑھی کے ساتھ ہی خاص نہیں۔ نیز یہ حدیث سیاہ خضاب کی کراہت پر دال ہے علماء کی ایک جماعت نے یہ قول بیان کیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صحیح بلکہ سیدھی بات یہ ہے کہ سیاہ رنگ کا خضاب حرام ہے اور صاحب حاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔"

شافعیہ:

امام محی الدین ابو زکریا شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ومذھبنا استحباب خضاب الشیب للرجل والمرأۃ بصفرۃ او حمرۃ ویحرم خضابہ بالسواد علی الاصح وقیل یکرہ کراھۃ تنزیہ والمختار التحریم لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم واجتنبوا السواد (شرح مسلم صفحہ ج ۲)

"ہمارا (علماء شوافع کا) مذہب یہ ہے کہ مرد و عورت کو سفید بالوں پر زرد یا سرخ رنگ کا خضاب کرنا مستحب ہے اور صحیح ترین قول کے مطابق سیاہ رنگ کا خضاب حرام ہے، اور ایک ضعیف قول کراہت تنزیہیہ کا بھی ہے مگر قول مختار حرمت کا ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: واجتنبوا السواد۔"

حنابلہ:

امام موفق الدین ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ویکرہ الخضاب بالسواد قیل لابی عبد اللہ: تکرہ الخضاب بالسواد؟ قال: ای واللہ، قال: وجیء بابی بکر بابیہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورأسہ

ولحیتہ کالثغامۃ بیاضا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیروھما وجنبوہ السواد (المغنی ص۹۲ ج۱)

"سیاہ رنگ کا خضاب مکروہ ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا گیا آپ سیاہ رنگ کے خضاب کو مکروہ سمجھتے ہیں؟ فرمایا ہاں اللہ کی قسم! حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے درآنحالیکہ ان کا سر اور ان کی ڈاڑھی ثغامہ گھاس کی طرح سفید تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کے سر اور ڈاڑھی کی سفیدی تبدیل کردو مگر سیاہ رنگ سے دور رکھو۔"

فتاویٰ اکابر:

اب ہم اس سلسلہ میں متأخرین اکابر کے فتاویٰ قدرے تفصیل سے ذکر کرتے ہیں:

① علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

خضاب کردن برنگ سیاہ خالص ممنوع وگناہ کبیرہ است، ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ در زواجر این را در کبائر شمار کردہ است، ازیں وجہ کہ در حدیث وارد است یکون فی آخر الزمان قوم یخضبون بالسواد کحواصل الحمام لا یجدون رائحۃ الجنۃ رواہ ابوداؤد والنسائی (الی قولہ) وطبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کردہ است من خضب بالسواد سود اللہ وجھہ یوم القیامۃ (الی قولہ) وملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ در شرح شمائل ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ می نویسد ذھب اکثر العلماء الی کراھۃ الخضاب بالسواد وجنح النووی الی انھا کراھۃ تحریم وان من العلماء من رخص فیہ للجھاد ولم یرخص فیہ لغیرہ۔ انتھی (مجموعۃ الفتاویٰ علی ھامش خلاصۃ الفتاویٰ ص۳۴۰ ج۲)

"خالص سیاہ رنگ کا خضاب ممنوع اور گناہ کبیرہ ہے، امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے زواجر میں اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے اسلئے کہ حدیث میں آیا ہے:

"آخر زمانہ میں کچھ لوگ آئیں گے جو کبوتروں کے پوٹوں کی مانند سیاہ رنگ کا خضاب کریں گے، وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھیں گے" (ابوداؤد، نسائی)

اور امام طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کی ہے:

"جس نے سیاہ خضاب کیا اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ قیامت کے روز سیاہ کریں گے۔"

اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ شرح شمائل میں فرماتے ہیں:
"اکثر علماء نے سیاہ خضاب کو مکروہ قرار دیا ہے۔
امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کا میلان اس طرف ہے کہ مکروہ تحریمی ہے۔
بعض علماء نے صرف جہاد کے موقع پر سیاہ خضاب کی اجازت دی ہے اور
اس کے سوا کسی دوسرے مقصد کے لئے اجازت نہیں دی۔"

(۲) فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ رقمطراز ہیں:
بالوں کو خضاب کرنا کسی چیز سے سوائے سیاہ کے سب قسم درست ہے (فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ ادارۂ اسلامیات لاہور ص ۴۸۲)
سیاہ خضاب مرد کو درست نہیں ہے کسی وجہ سے بھی (فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۸۹)

(۳) حضرت حکیم الامۃ تھانوی قدس سرہ کا فتویٰ:
سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ مردوں کو سر اور ڈاڑھی میں سیاہ خضاب لگانا ازروئے شرع شریف جائز ہے یا مکروہ یا حرام؟
الجواب: حرام، کیونکہ کلیاً وجزئیاً وعید آئی ہے، کما روی مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بابی قحافۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوم فتح مکۃ وراسہ ولحیتہ کالثغامۃ بیاضا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیروا ھذا بشیء واجتنبوا السواد۔

والامر للوجوب وترک الواجب یوجب الوعید (امداد الفتاویٰ ص ۲۱۹ ج ۴)
نیز حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے اس کے عدم جواز پر ایک مستقل رسالہ بنام "القول السداد فی الخضاب بالسواد" تحریر فرمایا، ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ ص ۲۱۹ ج ۴)

(۴) حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں:
وفی الحدیث النھی الشدید عن الخضاب الاسود الذی لا یتمیز بہ بین الشیخ والشاب (الی قولہ) والوسمۃ اذا لم تکن اسود اشد السواد ویتمیز بین الشیخ والشاب فجائزۃ کما فی موطا محمد رحمہ اللہ تعالیٰ (العرف الشذی علی الترمذی ص ۱۲۱)
"اور حدیث میں ایسے سیاہ خضاب کی سخت ممانعت ہے جس کے استعمال سے بوڑھے اور جوان میں امتیاز نہ ہو سکے، وسمہ جبکہ بہت گہرا سیاہ نہ ہو اور اس

سے بوڑھے جوان کے مابین امتیاز ہوسکے تو اس کا استعمال جائز ہے جیسا کہ موطأ محمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے۔"

(۵) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ فرماتے ہیں:

وفی الحدیث تهدید شدید فی خضاب الشعر بالسواد وهو مکروه کراهة تحریم

(بذل المجهود صفحہ ۸۲ ج ۵)

"اس حدیث میں سیاہ خضاب پر سخت وعید ہے اور اسکا استعمال مکروہ تحریمی ہے"

(۶) مفتی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہ کا فتویٰ:

سوال: جو شخص خضاب لگا دے اور سیاہ بال رکھے اسکے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: مکروہ ہے (فتاویٰ دار العلوم دیوبند صفحہ ۱۳۱ ج ۳)

(۷) مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ:

سیاہ رنگ کے خضاب کو مجاہدین کے لئے محمود اور مستحسن فرمایا ہے مگر زینت کے قصد سے خالص سیاہ رنگ کے خضاب کو مکروہ بتایا ہے (کفایۃ المفتی صفحہ ۱۶۴ ج ۹)

(۸) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ نے اوجز المسالک صفحہ ۳۲۲ ج ۶ پر خضاب بالسواد کی کراہت مفصل دلائل کے ساتھ تحریر فرمائی ہے، فلیراجع۔

(۹) سیدی و مرشدی قبلہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ دامت برکاتہم کا فتویٰ:

سوال: جو حافظ صاحب داڑھی کو خضاب لگاتے ہوں کیا وہ تراویح کی نماز پڑھا سکتے ہیں؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب: سیاہ خضاب لگانے والا فاسق ہے لہٰذا ایسے امام کی اقتداء میں تراویح پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، صالح امام نہ ملے تو تراویح تنہا پڑھیں (احسن الفتاویٰ صفحہ ۲۹۵ ج ۳)

(۱۰) حضرت مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری دامت مجدہم کا فتویٰ:

سوال: سر کے بال جوانی میں سفید ہو جائیں تو سیاہ خضاب لگانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: سیاہ خضاب لگانا سخت گناہ ہے احادیث میں اس پر وعید آئی ہے

(فتاویٰ رحیمیہ صفحہ ۲۹۴ ج ۶)

اب ہم مجوزین کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں:

مجوزین کے دلائل:

① سیاہ خضاب کو جائز کہنے والوں کے دلائل میں سرفہرست سنن ابن ماجہ کی یہ روایت ہے:

ان احسن ما اختضبتم به لهذا السواد ارغب لنسائكم فيكم واهيب لكم في صدور عدوكم۔

جواب:

یہ روایت سند کے لحاظ سے ضعیف ہے، اس کے بالمقابل خضاب بالسواد کی حرمت پر جو احادیث پیش کی گئی ہیں وہ صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، نسائی وغیرہم کی روایات ہیں جو روایۃً ودرایۃً ہر پہلو سے قوی وراجح ہیں۔

محشی ابن ماجہ حضرت شیخ عبد الغنی مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ان احسن ما اختضبتم به لهذا السواد هذا اعني الامر بالسواد يعارض الرواية السابقة وهو صحيح اخرجه مسلم (الى قوله) وهذا الحديث ضعيف لان دفاع السند وهو ضعيف كما في التقريب وعبد الحميد بن صيفي لين الحديث ومن ذهب الجمهور المنع۔

(حاشیہ سنن ابن ماجہ ص۲۵۸)

حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں:

ففي سنده ضعف فلا يعارض الروايات الصحيحة (التعليق الممجد ص۳۹۲)

② بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل ہے کہ وہ سیاہ خضاب استعمال فرماتے تھے۔

جواب:

حرمت وممانعت کی احادیث قولی ہیں جو اصول حدیث کی رو سے فعلی روایات پر ترجیح رکھتی ہیں۔

نیز یہ قولی احادیث مرفوع ہیں اور فعلی روایات موقوف۔

پھر سند کے لحاظ سے بھی روایات نہی قوی ہیں اور روایات اباحت بالکل ضعیف یا موقوف۔

پس ہر پہلو سے نہی وحرمت کی روایات قوی وراجح ہیں۔

جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے خضاب بالسواد منقول ہے ممکن ہے ان حضرات تک یہ روایات نہی نہ پہنچی ہوں، اس لئے انہیں معذور گردانا جائے گا۔

یا ان حضرات نے سیاہ خضاب ضرورت جہاد سے کیا ہو اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے

کہ یہ حضرات ہمہ وقت دشمن سے برسرپیکار رہتے تھے۔

نیز یہ احتمال بھی ہے کہ سیاہ خضاب سے مراد صرف سیاہی مائل ہو جس سے شیخ و شاب کا امتیاز دشوار نہ ہو، سیاہی مائل کو بھی عموماً سیاہ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

(التعلیق الممجد ص ۳۹۲، امداد الفتاویٰ ص ۲۱۵ ج ۴)

(۳) فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے سیاہ خضاب کو صرف مکروہ لکھا ہے، اور مکروہ کا ارتکاب کوئی ایسا جرم نہیں کہ اس پر ایسی نکیر کی جائے۔

جواب:

احادیث میں اس کی صاف صاف ممانعت آئی ہے اور اس کے مرتکب پر سخت وعید آئی ہے کما اسلفنا، حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی حرام گناہ کبیرہ یا اسی قسم کے کلمات استعمال فرمائے ہیں، البتہ بعض حضرات نے فقط مکروہ لکھا ہے جس سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔

قال فی البحر:

والمکروہ فی هذا الباب نوعان احدهما ما یکرہ تحریما وهو المحمل عند اطلاقهم کما فی زکوٰۃ الفتح (رد المحتار ص ۸۳ ج ۱)

اور مکروہ تحریمی کا درجہ حرام یا اس کے قریب ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے:

تکلموا فی معنی المکروہ والمروی عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نصا ان کل مکروہ حرام الا انہ لما لم یجد فیہ نصا قاطعا لم یطلق علیہ لفظ الحرام وعن ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ انہ الی الحرام اقرب (ہدایہ ص ۴۵۲ ج ۴)

"مکروہ کی حقیقت میں فقہاء نے کلام فرمایا ہے، حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے، لیکن چونکہ اس کی حرمت پر انہیں نص قطعی دستیاب نہ ہوئی اس لئے اس پر حرام کا اطلاق نہ فرمایا۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ و ابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ مکروہ حرام سے قریب تر ہے۔"

عوام مکروہ کو کسی درجہ میں نہیں لاتے اور اسے معمولی سا جرم تصور کرتے ہیں، حالانکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ حرام و ناجائز کام پر بھی عموماً مکروہ کا اطلاق کر دیتے ہیں، اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو، امام مرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ویکرہ اکل الضبع والضب والسلحفاۃ والزنبور والحشرات کلہا (ہدایہ ص ۴۲۲ ج ۴)

"بجو، گوہ، کچھوے، بھڑ اور تمام کیڑے مکوڑوں کا کھانا مکروہ ہے"

کیا کوئی سلیم الطبع مسلمان بھڑ، سانپ، بچھو اور کیڑے مکوڑوں کو صرف مکروہ سمجھ کر کھانے کا سوچ سکتا ہے؟

مختصر یہ کہ لفظ مکروہ کی آڑ میں کسی حرام کا ارتکاب اور اس پر مسلسل اصرار کسی علمی دلیل سے ناشی نہیں بلکہ اصطلاحات علمیہ سے بے خبری کا ثبوت پیش کرنا ہے اور اپنے جرم کی سنگینی میں دوچند اضافہ۔

(۴) حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے جوان بیوی کی دلجوئی کے لئے سیاہ خضاب کو جائز قرار دیا ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ اور شامیہ وغیرہ میں ان سے منسوب یہ قول لکھا ہے:

کما یعجبنی ان تتزین لی یعجبها ان اتزین لها۔

جواب:

اس کے متعلق حضرت تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

"بعض لوگ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت کو پیش کیا کرتے ہیں، سو بشرط ثبوت اس روایت کے اور ان کے رجوع نہ کرنے کے جواب یہ ہے کہ رسم المفتی میں یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ میں اگر اختلاف ہو تو جس کے ساتھ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ ہوں گے اس قول پر فتویٰ ہوگا، خصوصاً جبکہ وہ قول دلیل صریح صحیح سے مؤید بھی ہو۔

اس لئے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر عمل کرنا خلاف اصول مقررۂ مذہب حنفی ہے اور بوجہ موجود ہونے دلیل صحیح صریح کے خلاف دیانت بھی ہے۔"

(اصلاح الرسوم ص۱۲۲)

خلاصہ یہ کہ اولاً تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کا ثبوت یقینی نہیں، پھر احتمال رجوع بھی قوی ہے، ان دونوں سے صرف نظر کر لیا جائے تو یہ ایک غیر مفتی بہ اور مرجوح قول ہے، چنانچہ عالمگیریہ اور شامیہ ہی میں مذکور الصدر قول کے ساتھ ہی یہ لکھا ہے:

ومن فعل ذلک لیزین نفسه للنساء ولیحبب نفسه الیهن فذلک مکروه

وعنہ عامۃ المشائخ (عالمگیریۃ ص۳۵۹ ج ۵، شامیۃ ص۲۲۲ ج ۶)

راجح و مستند مسائل کو نظر انداز کرکے متروک اقوال کے سہارے اپنا مقصد نکالنا اتباعِ شریعت نہیں اتباعِ ہویٰ ہے، کتبِ فقہ میں حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے منسوب کتنے ہی اقوال ہیں جو مرجوح و غیر مفتیٰ بہ ہیں، مجوزین خضاب کو ان اقوال میں سے کسی قول پر عمل کرنے کا شاید عمر بھر خیال بھی دل میں نہ گزرا ہو، آخر اس ایک قول پر ہی کا درجہ اصرار کیوں ہے؟ کسی جویائے حق مسلمان کے لئے ایک ہی راہ متعین ہے جسے جمہور علماء نے راجح و مفتیٰ قرار دیا، ورنہ ہر شخص اگر کتابوں سے اپنے من پسند اقوال چھانٹ چھانٹ کر عمل شروع کردے تو دین کا اللہ ہی حافظ ہے۔

خلاصہ یہ کہ صریح احادیث اور جمہور فقہاء و محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کے واضح ارشادات کی روشنی میں سیاہ خضاب کا استعمال ناجائز ہے اور اس پر اصرار سنگین گناہ۔ حدیث کی رو سے مؤمن کے سر اور ڈاڑھی کا ہر سفید بال نور ہے:

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تنتفوا الشیب ما من مسلم یشیب شیبۃ فی الاسلام قال عن سفیان الا کانت لہ نوراً یوم القیامۃ وقال فی حدیث یحیی الا کتب اللہ لہ بھا حسنۃ وحط عنہ بھا خطیئۃ (سنن ابی داؤد ص۲۲۳ ج ۲)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سفید بالوں کو مت اکھاڑو، حالتِ اسلام میں جس شخص کے بال سفید ہوں اس کے لئے قیامت کے روز نور ہوں گے اور ہر سفید بال کے بدلے ایک نیکی لکھی جائے گی اور ایک خطا معاف کی جائے گی۔"

اس ارشادِ نبوت کو سامنے رکھ کر یہ لوگ خود فیصلہ کریں کہ نور کے بدلے ظلمت اختیار کرکے وہ کیا کھو رہے ہیں اور کیا پا رہے ہیں؟ بڑھاپا کسی کے چھپانے چھپ نہیں سکتا۔

روی ابو القاسم القشیری رحمہ اللہ تعالیٰ فی الرسالۃ قال حکی ابو عبداللہ الحسین بن عبداللہ بن سعید قال کان القاضی یحیی بن اکثم صدیقاً لی وکان یودنی واودہ فمات فکنت اشتھی ان اراہ فی المنام واقول لہ ما فعل اللہ بک؟ فرأیتہ لیلۃ فی المنام فقلت ما فعل اللہ بک؟ فقال غفر لی الا انہ وبخنی ثم قال لی یا یحیی خلطت علی نفسک فی دار الدنیا فقلت یا رب اتکلت علی حدیث حدثنی بہ ابو معاویۃ الضریر عن الاعمش عن ابی صالح

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انک قلت انی لاستحیی ان اعذب شیبۃ بالنار فقال انا قد عفوت عنک یا یحیی وصدق نبیی الا انک خلطت علی نفسک فی دار الدنیا (منقول مرآۃ الذھب صہ ج ۲)

"امام ابو قاسم قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ میں روایت کی کہ ابو عبد اللہ حسین ابن عبد اللہ بن سعید رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ قاضی یحییٰ بن اکثم میرے دوست تھے وہ مجھ سے محبت کرتے تھے میں ان سے محبت کرتا تھا، جب انکی وفات ہوئی تو میری خواہش رہی کہ انھیں خواب میں دیکھوں اور دریافت کروں کہ اللہ تعالیٰ نے آپکے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ آخر ایک رات انھیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟ بولے اللہ تعالیٰ نے میری بخشش فرمادی مگر اتنا ضرور ہوا کہ انکی بارگاہ سے مجھے ڈانٹ پڑی اور فرمایا: "یحییٰ! تو نے دنیا میں کچھ کوتاہیاں کی ہیں"

تو میں نے عرض کیا میرے پروردگار! (میری غفلت کی وجہ یہ ہوئی کہ) میں نے ایک حدیث پر بھروسہ کیا جو مجھے ابو معاویہ نے اعمش سے اعمش نے ابو صالح سے ابو صالح نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"مجھے سفید بالوں (بوڑھے مسلمان) کو جہنم کا عذاب دیتے شرم آتی ہے" اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یحییٰ! میں نے تمھیں معاف کردیا اور میرے نبی نے سچ فرمایا مگر تو نے دنیا میں کچھ کوتاہیاں کی ہیں۔"

رحمت حق بہانہ می جوید رحمت حق بہانہ می جوید

سفید بال گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت و مغفرت بہم پہنچانے کا ایک غیبی سامان ہے مگر نادان بندہ بالوں کی سفیدی چھپا کر دراصل اس عطیۂ خداوندی سے اعراض و روگردانی کر رہا ہے۔ کیا کہیے اس حرمان نصیبی کے

مضی زمن والشیب حل مفرقی والعمر فنی وان یبرد شبابی

اذا مر عمر المرء لیس براجع وان حل شیب لم یفد خضاب

مسائل متفرقہ:

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں سفید بالوں کو تبدیل کرنے کی ترغیب

تحریر فرمائیں، مہندی اور وسمہ استعمال کرنے کی فضیلت ارشاد فرمائیں، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ دیگر صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت سے بھی خضاب ثابت ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس خضاب استعمال فرمایا یا نہیں؟

اس بارے میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دونوں قسم کی روایات منقول ہیں، اس لئے ہمارے علماء کی آراء بھی اس میں مختلف ہیں، علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ استعمال نہیں فرمایا، حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے:
فمنعه الأكثرون لحديث أنس رضي الله تعالى عنه وهو مذهب مالك رضي الله تعالى عنه (شرح مسلم ص۲۵۹ ج۲)

علماء احناف کی رائے بھی یہی ہے کما صرح به في الشامية ص۲۲۲ ج۵
لیکن علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ قول فیصل یہ فرماتے ہیں:
والمختار انه صلى الله عليه وسلم صبغ في وقت وتركه في معظم الأوقات فأخبر كل بما رأى وهو صادق وهذا التأويل كالمتعين (شرح مسلم ص۲۵۹ ج۲)
"قول مختار یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات (مہندی اور وسمہ کا) خضاب فرمایا اور اکثر اوقات نہیں فرمایا، اس لئے ہر صحابی نے جو حالت مشاہدہ کی وہ بیان کردی اور وہ اپنے قول میں سچا ہے، تطبیق کی گویا یہی صورت متعین ہے۔"

② سر اور ڈاڑھی میں سرخ خضاب مستحب اور مسلمانوں کا خاص شعار ہے، ہاں مردوں کے لئے ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا جائز نہیں کہ اس میں عورتوں سے مشابہت ہے۔
(عالمگیریہ ص۳۵۹ ج۵، ردالمحتار ص۲۲۲ ج۵)

③ بلا ضرورت چھوٹے لڑکوں کے ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا بھی جائز نہیں۔
(عالمگیریہ ص۳۵۹ ج۵، خلاصۃ الفتاویٰ ص۳۷۳ ج۴)

④ عورتوں کے لئے ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا مستحب ہے۔ (مرقاۃ ص۲۶۲ ج۸)

⑤ مجاہد اگر دشمن پر رعب ڈالنے کے لئے سیاہ خضاب کرے تو جائز بلکہ مستحسن ہے۔
(ردالمحتار ص۲۲۲ ج۵ وغیرہ)

طریق السداد —————— ۲۰

⑥ سیاہ خضاب تیار کرنا اور فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ ایک محل اس کے جواز کا بھی موجود ہے یعنی دشمن پر ہیبت بٹھانے کے لئے۔ لہٰذا بنانا اور بیچنا خلاف اولیٰ ہے۔ مگر ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں جس کے متعلق یقین ہو کہ ناجائز طور پر استعمال کرے گا، کما فی رد المحتار وغیرہ۔

⑦ اگر کسی نے ناپاک مہندی کا خضاب لگایا پھر تین بار دھو کر صاف کر دی تو پاک ہو جائے گی گو کہ اس کا رنگ باقی رہ جائے (رد المحتار ص۳۲۹ ج۱)

⑧ سر یا ڈاڑھی کے سفید بالوں کو اکھاڑنا جائز نہیں، لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تنتفوا الشیب فانہ نور المسلم الحدیث (رواہ الاربعۃ)

محمد ابراہیم

نائب مفتی دار الافتاء والارشاد

۳ رجب ۱۴۱۳ھ

رواه النسائی و ابو داؤد

مصابیح الغراء
للوقایة
عن عذاب الغناء

گانے بجانے کی حرمت کا ثبوت

قرآن، حدیث اور اجماع ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے

افاضہ

حضرت فقیہ العصر دامت برکاتہم

تحریر

حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

مکتبہ فاروقی

المصابیح الغراء
للوقایة
عن عذاب الغناء

گانے بجانے پر

اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت

زلزلہ، خسف، مسخ

اور

طرح طرح کے عذابوں کی وعیدیں

○ — آیاتِ قرآنیہ

○ — احادیثِ مبارکہ

○ — ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ

گانا باجا سننا حرام ہے اور ہر برائی کی جڑ

سوال: ہمارے کالج میں اسلامیات کے پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ موسیقی کے آلات کے ساتھ اچھے گیت، گانے اور قوالیاں سننا شرعاً جائز ہے، اسے ناجائز اور حرام بتلانا مولویوں کی باتیں ہیں، دلیل یہ دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دف بجایا گیا، بچیاں گاتی رہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہ فرمایا، موسیقی کے جدید آلات بھی دف کی ترقی یافتہ شکل ہیں، موسیقی سننے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ روح کی غذا ہے اور صوفیۂ کرام سماع کا مستقل شغل رکھتے تھے۔

قرآن و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالئے اور پروفیسر صاحب کے دلائل کا بھی جائزہ لیجئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ماتم کا مقام ہے کہ جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے راگ باجوں کا مٹانا اپنی بعثت کا مقصد بتایا اسی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا آج اس گناہ پر دل و جان سے فدا ہیں، بلکہ اس بےحیائی کو سند جواز مہیا کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا رہے ہیں، ان ظلمت پسندوں کو یہ موٹی سی حقیقت کون سمجھائے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت چودہ سو سال سے مکمل ہے اس کا ہر ہر مسئلہ اٹل لازوال اور قیامت تک کے لئے محفوظ ہے، زمانہ کی موافقت یا مخالفت سے کسی مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، جو چیز شرعاً حلال ہے وہ تا قیامت حلال رہے گی اور جو چیز از روئے شرع حرام ہے وہ بھی رہتی دنیا تک حرام ہی رہے گی گو کہ دنیا بھر کے لوگ اس کے خلاف پڑ جائیں۔

شریعت مطہرہ میں موسیقی کی حرمت کا مسئلہ بھی ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے جس پر دلیل پیش کرنے کی چنداں حاجت نہیں، اس قسم کے قطعی حرام کو مباح و جائز قرار دینے کی جسارت بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی سر پھرا یہ کہنے لگے کہ شریعت کی رو سے زنا، شراب نوشی، سودخوری اور رشوت جائز ہے۔ ظاہر ہے اس قسم کی بیہودہ گوئی کسی درجہ میں بھی لائق اعتنا نہیں اسی

یہ اس قابل ہے کہ اس کی تردید میں وقت ضائع کیا جائے، سحر کیا کیا جائے؟ اس دور میں جو چیز بھی علم و تحقیق کے عنوان سے جو خس و خاشاک بھی پیش کیا جاتا ہے اسے سادہ لوح دین سے ناآشنا جدید طبقے میں "جدید تحقیق" کے عنوان سے جلد پذیرائی حاصل ہو جاتی ہے، اس طبقے پر کفر و الحاد [illegible] میں بآسانی کھپ جاتا ہے۔

اکبر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

انھوں نے دین کب سیکھا ہے رہ کر شیخ کے گھر میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

ان تمہیدی سطور کے بعد ہم موسیقی کی حرمت کے دلائل پیش کرتے ہیں۔

دلائل حرمت

آیات قرآنیہ :

(۱) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ (۳۱ : ۶)

”اور بعض آدمی ایسا ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو غافل کرنے والی ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے گمراہ کرے اور اس کی ہنسی اڑاوے، ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔“

امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

عن ابی الصهباء البکری انه سمع عبد الله بن مسعود رضی الله تعالی عنه وهو یسأل عن هذه الآیة (ومن الناس من یشتری لهو الحدیث لیضل عن سبیل الله) فقال عبد الله بن مسعود رضی الله تعالی عنه الغناء والله الذی لا اله الا هو یرددها ثلاث مرات.

وکذا قال ابن عباس وجابر رضی الله تعالی عنهم وعکرمة وسعید بن جبیر ومجاهد ومکحول وعمرو بن شعیب وعلی بن بذیمة رحمهم الله تعالی -

وقال الحسن البصری رحمه الله تعالی نزلت هذه الآیة (ومن الناس من یشتری لهو الحدیث لیضل عن سبیل الله بغیر علم) فی الغناء والمزامیر - (تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۲ ج ۳)

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین بار قسم اٹھا کر فرمایا کہ لہو الحدیث سے مراد گانا بجانا ہے۔“

حضرت ابن عباس و جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد، مکحول، عمرو بن شعیب اور علی بن بذیمہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے۔ اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ آیت گانے اور راگ باجوں کے متعلق اتری ہے۔ یہی تفسیر قرطبی صفحہ ۵۱ ج ۱۴، بغوی صفحہ ۴۹۲ ج ۳، خازن صفحہ ۴۶۱ ج ۳، مدارک بہامش خازن صفحہ ۴۶۱ ج ۳، مظہری صفحہ ۲۴۲ ج ۷ وغیرہا میں مفصل مذکور ہے۔

(۲) واستفزز من استطعت منہم بصوتک الآیۃ (۱۷: ۶۴)

"اور پھسلائے ان میں سے جس کو تو پھسلا سکے اپنی آواز سے"

امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وقولہ تعالیٰ (واستفزز من استطعت منہم بصوتک) قیل ہو الغناء قال مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ باللہو والغناء ای استخفہم بذلک وقال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی قولہ (واستفزز من استطعت منہم بصوتک) قال کل داع دعا الی معصیۃ اللہ عز وجل وقالہ قتادۃ رحمہ اللہ تعالیٰ واختارہ ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۴۸ ج ۳)

"اس آیت میں شیطانی آواز سے گانا بجانا مراد ہے۔ امام مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ (اے ابلیس!) تو انہیں کھیل تماشوں اور گانے بجانے کے ساتھ مغلوب کر۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس آیت میں ہر وہ آواز مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دے، یہی قول حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور اسی کو ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا ہے۔"

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ اسی کے ذیل میں فرماتے ہیں:

ومن المعلوم ان الغناء من اعظم الدواعی الی المعصیۃ ولہذا فسر صوت الشیطان بہ (اغاثۃ اللہفان صفحہ ۲۵۵ ج ۱)

"اور سب کو معلوم ہے کہ معصیت کی طرف دعوت دینے والوں میں گانا بجانا سب سے بڑھ کر ہے اسی وجہ سے شیطان کی "آواز" کی تفسیر اسی کے ساتھ کی گئی ہے۔"

(۳) افمن ہذا الحدیث تعجبون ○ وتضحکون ولا تبکون ○ وانتم سامدون ○ (۵۳ : ۵۹)

"سو کیا تم لوگ اس کلام سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو اور

تم تکبر کرتے ہوئے۔

لفظ "سامدون" کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال الغناء ھی یمانیۃ اسمد لنا غن لنا وکذا قال عکرمۃ رحمہ اللہ تعالیٰ (تفسیر ابن کثیر ص ج ۴)

"ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس کے معنی ہیں "گانا" اور یہی قول عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔"

تفسیر ابن جریر ص ج ۲۷، قرطبی ص ج ۱۷، روح المعانی ص ج ۲۷ وغیرہا میں بھی یہی مذکور ہے۔

(۴) والذین لا یشھدون الزور واذا مروا باللغو مروا کراما

"اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے۔ اور اگر بیہودہ مشغلوں کے پاس کو ہو کر گزریں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔"

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ الزور الغناء (احکام القرآن ص ج ۳)

"امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زور کے معنی ہیں گانا بجانا۔"

علامہ حسین بن مسعود بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وقال محمد بن الحنفیۃ رحمہ اللہ تعالیٰ لا یشھدون اللھو والغناء۔

(معالم التنزیل ص ج ۳)

"حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ بیہودہ باتوں اور گانے بجانے کی مجلس میں شامل نہیں ہوتے۔"

امام ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ مختلف اقوال کو جمع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فاولی الاقوال بالصواب فی تاویلہ ان یقال الذین لا یشھدون الزور شیئا من الباطل لا شرکا ولا غناء ولا کذبا ولا غیرہ وکل ما لزمہ اسم الزور۔

(تفسیر ابن جریر ص ج ۱۹)

"سب سے صحیح قول یہ ہے کہ یوں کہا جائے: وہ (رحمن کے بندے) کسی قسم کے باطل میں شریک نہیں ہوتے نہ شرک میں، نہ گانے بجانے میں اور نہ جھوٹ میں

اور نہ اس کے علاوہ کسی ایسے عمل میں جس پر "زور" کا اطلاق ہو۔"

احادیث مبارکہ:

① لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف۔
(صحیح بخاری)

"میری امت میں کچھ لوگ پیدا ہونگے جو زنا، ریشم، شراب اور راگ باجوں کو حلال قرار دیں گے۔"

② لیشربن ناس من امتی الخمر یسمونھا بغیر اسمھا یعزف علی رؤسھم بالمعازف والمغنیات یخسف اللہ بھم الارض ویجعل منھم القردۃ والخنازیر۔
(ابوداؤد، ابن ماجۃ، ابن حبان)

"میری امت کے کچھ لوگ شراب پییں گے مگر اس کا نام بدل کر، انکی مجلسیں راگ باجوں اور گانے والی عورتوں سے گرم ہونگی، اللہ انھیں زمین میں دھنسا دیگا اور ان میں سے بعض کو بندر وخنزیر بنا دیگا۔"

③ عن نافع رحمہ اللہ تعالیٰ ان ابن عمر رضی اللہ عنھما سمع صوت زمارۃ راع فوضع اصبعیہ فی اذنیہ وعدل راحلتہ عن الطریق وھو یقول یا نافع! یا نافع! اتسمع؟ فاقول نعم! فمضی حتی قلت لا! فرفع یدیہ وعدل راحلتہ الی الطریق وقال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع زمارۃ راع فصنع مثل ھذا (احمد، ابوداؤد، ابن ماجۃ)

"نافع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو راہ چلتے ایک گڈریے کی بانسری کی آواز سنائی دی تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور راستہ سے ایک طرف ہٹ کر چلنے لگے اور مجھ سے بار بار پوچھتے: "کیا بانسری کی آواز تمھیں سنائی دے رہی ہے؟" میں جواب دیتا جی ہاں! اسی طرح انگلیاں کانوں میں دیئے چلتے رہے، حتی کہ میں نے کہا: "اب آواز نہیں آرہی" تب انگلیاں کانوں سے ہٹائیں اور راستہ چلنے لگے، پھر فرمایا، ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی بعینہ یہی واقعہ پیش آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کانوں میں انگلیاں دے لیں اور یہی عمل فرمایا۔"

سوچنے کا مقام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شیطانی آواز کو لمحہ بھر سننا

گویا فرمایا آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا اس پر اس درجہ فریفتہ ہیں کہ انھیں لمحہ بھر اس کی جدائی گوارا نہیں، اور چوبیس گھنٹے انہی فضاؤں کی گرم بازاری اس لعنت پر ہو تو فرشتے وہاں کی دیوار تک نفرت سے ہے کہ کوئی شریف آدمی کسی کوچہ و بازار سے کانوں میں انگلیاں دیئے بغیر گزر نہیں سکتا۔

(۴) في هذه الامة خسف ومسخ وقذف فقال رجل من المسلمين يا رسول الله! ومتى ذلك؟ قال اذا ظهرت القيان والمعازف وشربت الخمور. (جامع ترمذی)

"اس امت پر یہ آفتیں آئیں گی: زمین میں دھنسنا، شکلوں کا مسخ ہونا، اور پتھروں کی بارش۔ ایک صحابی نے دریافت کیا، یا رسول اللہ! یہ کب ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب گانے والی عورتوں اور راگ باجوں کا دور دورہ ہوگا اور سر عام شراب نوشی ہوگی۔"

(۵) ان الله عز وجل بعثني هدى ورحمة للمؤمنين وامرني بمحق المزامير والكفارات والاوثان والصليب وامر الجاهلية. (احمد، ابوداؤد الطیالسی)

"مجھے اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لئے ہدایت و رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور باجے، مشرکیہ تعویذ گنڈے، صلیب اور زمانۂ جاہلیت کے غلط کاموں کو مٹانے کا حکم فرمایا ہے۔"

(۶) الكوبة حرام والدف حرام والمعازف حرام والمزمار حرام (مسدد، بیہقی، بزار)

"طبلہ، سارنگی حرام ہیں، اور شراب کے برتن حرام ہیں، اور باجے بانسری حرام ہیں۔"
شراب کے برتنوں کی حرمت کا حکم ابتداء میں تھا جو بعد میں منسوخ ہو گیا۔

(۷) الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء البقل. (ابوداؤد، بیہقی، ابن ابی الدنیا)

"گانا بجانا دل میں نفاق اگاتا ہے جیسا کہ پانی سبزے کو اگاتا ہے۔"

(۸) وظهرت القينات والمعازف وشربت الخمور ولعن آخر هذه الامة اولها فارتقبوا عند ذلك ريحا حمراء وزلزلة وخسفا ومسخا وقذفا وآيات تتابع كنظام بال قطع سلكه. (جامع ترمذی)

"جب گانے والی عورتوں اور راگ باجوں کا ظہور ہوا اور شرابیں کثرت سے پی جائیں

اور اس امت کے آخری لوگ پہلے زمانہ کے لوگوں پر طعن و تشنیع کرنے لگیں تو ایسے وقت ان عذابوں کا انتظار کرو: سرخ آندھیاں، زلزلے، زمین میں دھنسنا، شکلوں کا بگڑنا، پتھروں کی بارش، اور ایسی نشانیاں جو پے در پے اس طرح آئیں جیسے پرانا بوسیدہ ہار جس کی لڑی ٹوٹ جائے اور دانے ایک ایک کرکے بکھر جائیں۔"

(۹) اذا فعلت امتی خمس عشرۃ خصلۃ حل بھا البلاء فذکر منھا واتخذت القینات والمعازف (جامع ترمذی)

"جب میری امت یہ پندرہ کام بکثرت کرنے لگے تو ان پر مصیبت اترے گی منجملہ ان کے ایک یہ کہ گانے والی عورتیں اور باجے بانسریاں عام ہو جائیں۔"

(۱۰) صوتان ملعونان فی الدنیا والآخرۃ مزمار عند نعمۃ ورنۃ عند مصیبۃ۔ (البزار، بیہقی، ابن مردویہ)

"دو آوازیں دنیا و آخرت میں ملعون ہیں، ایک گانے کے ساتھ راگ باجوں کی آواز، دوسری مصیبت کے وقت چیخنے چلانے کی آواز۔"

(۱۱) نھیت عن صوتین احمقین فاجرین صوت عند نغمۃ لھو ولعب ومزامیر الشیطان وصوت عند مصیبۃ لطم وجوہ وشق جیوب۔

(مستدرک حاکم ص۴۰ ج۴، مصنف ابن ابی شیبۃ ص۳۹۳ ج۳ وغیرہما)

"میں دو احمقانہ اور فسق و فجور سے بھری آوازوں سے روکتا ہوں، ایک لہو و لعب اور شیطانی باجوں کے ساتھ گانے کی آواز، دوسری مصیبت کے وقت چہرے پیٹنے اور گریبانوں کو چاک کرکے نوحہ کی آواز۔"

(۱۲) الجرس مزامیر الشیطان (صحیح مسلم، سنن ابی داؤد)

"گھنٹی شیطان کے باجے ہیں۔"

(۱۳) یمسخ قوم من ھذہ الامۃ فی آخر الزمان قردۃ وخنازیر قالوا یا رسول اللہ الیس یشھدون ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ قال بلی ویصومون ویحجون ویصلون قیل فما بالھم؟ قال اتخذوا المعازف والقینات (مسند ابن ابی الدنیا)

"آخر زمانہ میں اس امت کے کچھ لوگ بندروں خنزیروں کی صورت میں مسخ

کئے جائیں گے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا وہ اس بات کی گواہی نہ دیں گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ روزے رکھیں گے، حج کریں گے اور نماز پڑھیں گے۔ عرض کیا گیا پھر کس سبب سے یہ عذاب ہوگا؟ فرمایا: راگ، باجوں اور گانے والی لونڈیوں کا شغل اختیار کرنے کے سبب۔"

اختصار کے پیش نظر ہم انہی چند روایات پر اکتفاء کرتے ہیں، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی کتاب "کشف العناء عن وصف الغناء" سب رسائل احکام القرآن ص[illegible] ج ۳ اس موضوع پر جامع ترین کتاب ہے جس میں مزید کئی روایات ہیں، مولانا عبد المعز صاحب نے اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے بنام "اسلام اور موسیقی" اس میں اور بھی بہت زیادہ روایات جمع کردی ہیں۔

اجماع ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ:

گانے بجانے کی حرمت پر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع منعقد ہے اور ان کے مذاہب کی مستند کتب سے اس پر بیسیوں عبارات پیش کی جا سکتی ہیں مگر ہم صرف ایک ایک عبارت پر اکتفاء کرتے ہیں:

① امام زین الدین ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

(قوله او یغنی للناس) لانه یجمع الناس علی ارتکاب کبیرة کذا فی الهدایة وظاهره ان الغناء کبیرة وان لم یکن للناس بل لاسماع نفسه دفعا للوحشة وهو قول شیخ الاسلام رحمه الله تعالی فانه قال بعمومه المنع

وفی المعراج الملاهی نوعان محرم وهو الآلات المطربة من غیر الغناء کالمزمار سواء کان من عود او قصب کالشبابة او غیره کالعود والطنبور لما روی ابو امامة رضی الله تعالی عنه انه علیه الصلوة والسلام قال ان الله بعثنی رحمة للعالمین وامرنی بمحق المعازف والمزامیر ولانه مطرب مصد عن ذکر الله تعالی والنوع الثانی مباح وهو الدف فی النکاح فی معناه۔

(البحر الرائق ص[illegible] ج ۷)

"لوگوں کے سامنے گانے والے کی شہادت قبول نہیں اس لئے کہ وہ لوگوں کو ایک

کبیرہ گناہ کے ارتکاب پر جمع کر رہا ہے، ہدایہ میں یونہی ہے، اس کا ظاہر مطلب
یہ ہے کہ گانا ایک کبیرہ گناہ ہے جو کہ لوگوں کے لئے گایا جائے بلکہ وحشت و تنہائی
دور کرنے کے لئے صرف اپنے لئے گایا جائے، اور یہی شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمہ اللہ
تعالیٰ کا قول ہے کہ انھوں نے گانے کو مطلقاً منع لکھا ہے۔

اور معراج الدرایۃ میں ہے کہ کھیل تماشے دو قسم کے ہیں ایک تو حرام ہے،
اور وہ ہے گانے بغیر صرف ہیجان و مستی پیدا کرنے والے آلات کی آواز جیسے
بانسری خواہ لکڑی کی ہو یا نرکل کی جیسے شبابہ، یا بانسری کے سوا کوئی اور آلہ
ہو جیسے عود و طنبور۔

حرمت کی وجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
مجھے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے کھیل تماشے اور بانسریاں مٹانے
کا حکم فرمایا ہے۔

حرمت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مستی آور اور ذکر الٰہی سے مانع ہے۔
اور تفریح کی دوسری قسم جائز ہے اور وہ ہے نکاح کے موقع پر دف بجانا،
اکثر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے بھی ناجائز قرار دیا ہے، تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۲) علامہ محمد بن محمد حطاب مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال فی التوضیح الغناء ان کان بغیر آلة فهو مكروه.

واما الغناء بآلة فان كانت ذات اوتار كالعود والطنبور فممنوع وكذلك المزمار
والظاهر عند بعض العلماء ان ذلك يلحق بالمحرمات وان كان محمد اطلق في
سماع العود انه مكروه، وقد يريد بذلك التحريم. ونص محمد بن الحكم على ان
سماع العود ترد به الشهادة قال وان كان ذلك مكروها على كل حال وقد يريد بالكراهة
التحريم كما قال ابن رشد. (مواهب الجليل ص۷ ج۲)

"توضیح میں ہے کہ گانا اگر بغیر آلات موسیقی کے ہو تو وہ مکروہ ہے، یہاں مکروہ سے
مراد حرام ہے۔

اور آلات کے ساتھ گانا اگر ایسے آلہ کے ساتھ ہو جو تاروں والا ہے جیسے عود
اور طنبور تو یہ گانا ممنوع ہے اور اسی طرح بانسری بھی ممنوع ہے۔

محمد بن حکیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ عود سننے والے کی گواہی رد کی جائیگی، اس کا سننا ہر حال میں مکروہ ہے، یہاں مکروہ سے حرام مراد ہے جیسے گزر چکا۔"

③ امام ابوحامد غزالی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ حرمت غناء کے متعلق حضرت امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، مالک بن انس و دیگر علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وقال الشافعی رحمہ اللّٰہ فی کتاب آداب القضاء : ان الغناء لھو مکروہ یشبہ الباطل ومن استکثر منہ فھو سفیہ ترد شھادتہ۔

قال الشافعی رضی اللّٰہ عنہ صاحب الجاریۃ اذا جمع الناس لسماعھا فھو سفیہ ترد شھادتہ۔

وحکی عن الشافعی رحمہ اللّٰہ انہ کان یکرہ الطقطقۃ بالقضیب ویقول وضعتہ الزنادقۃ لیشتغلوا بہ عن القرآن (احیاء علوم الدین صـ۲۲۱ جـ۲)

"امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب آداب القضاء میں لکھتے ہیں کہ گانا بجانا ایک مکروہ اور باطل مشغلہ ہے، جو اس میں زیادہ انہماک رکھے وہ احمق ہے، اس کی گواہی رد کر دی جائے گی۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گانے والی لونڈی کا مالک اگر گانا سنانے کے لئے لوگوں کو جمع کرے تو وہ بھی احمق اور مردود الشہادۃ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ چھڑی بجانے سے جو ٹک ٹک کی آواز پیدا ہو وہ بھی مکروہ و ناپسندیدہ ہے، یہ فتنہ زندیق لوگوں کی ایجاد ہے تاکہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو قرآن مجید سے غافل کر دیں"

④ علامہ علی بن سلیمان مرداوی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال فی الرعایۃ یکرہ سماع الغناء والنوح بلا آلۃ لھو ویحرم معھا وقیل وبدونھا من رجل وامرأۃ (الانصاف صـ۵۱ جـ۱۲)

"الرعایۃ میں ہے کہ گانا اور نوحہ آلات موسیقی کے بغیر مکروہ ہے اور ان آلات کے ساتھ حرام ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان آلات کے بغیر بھی حرام ہے،

خواہ مرد کی آواز ہو یا عورت کی ۔"

آگے لکھتے ہیں :

قال فی الفروع یکرہ غناء وقال جماعۃ یحرم وقال فی الترغیب اختارہ الاکثر۔ (حوالہ بالا)

"فروع میں لکھا ہے کہ گانا مکروہ ہے اور علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ حرام ہے، اور ترغیب میں لکھا ہے کہ اکثر حضرات نے اس قول حرمت کو اختیار کیا ہے ۔"

نتیجہ میں کوئی اختلاف نہیں اس لئے کہ مکروہ بھی بحکم حرام ہی ہے ۔

عذر گناہ :

موسیقی کے جواز پر عموماً دو دلائل پیش کئے جاتے ہیں :

(۱) شادی کے موقع پر دف بجانا حدیث سے ثابت ہے اور موسیقی بھی دف ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے ۔

جواب : احادیث میں جس دف کا ذکر ہے وہ صرف نکاح کے موقع پر کچھ دیر کے لئے بجایا جاتا تھا، شادی کے علاوہ بلا ضرورت دف بجانے والوں کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دُرّوں کی سزا دیتے تھے ۔

ان الفاروق رضی اللہ عنہ اذا سمع صوت الدف بعث ینظر فان کان فی الولیمۃ سکت وان کان فی غیرہ عمل بالدرۃ (تکملۃ [illegible] ، البحر الرائق ص [illegible] ج ۷)

پھر دف بجانے والی عموماً بچیاں ہوتی تھیں، مردوں کا دف بجانا کہیں ثابت نہیں ۔

پھر یہ دف بھی اہل عرب کی عادت کے مطابق بالکل سادگی سے بجایا جاتا تھا، اس میں جھانجھ ہوتی تھی نہ رقص و سرود یا طرب و مستی کا کوئی اور نشان، فی زماننا ایسے دف کا وجود کہیں نظر نہیں آتا ۔

مجموعہ مذکورہ بالا شرائط کی رعایت سے دف بجانے کی گنجائش بھی حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے، احناف میں سے اکثر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اسے بھی ناجائز قرار دیتے ہیں ۔

قال الموفق [illegible] رحمہ اللہ تعالیٰ [illegible] علی قول اکثر المشایخ [illegible] ضرب

الدف فی العرف کنایۃ عن الاعلان (امداد الفتاویٰ ص۲۶۳ ج ۲)

"امام تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دف اکثر مشایخ کے قول کے مطابق حرام ہے اور شادی کے موقع پر جو دف بجانا ثابت ہے اس سے اعلان وتشہیر مراد ہے۔"

امداد الفتاویٰ میں تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول بحوالہ شرح نقایہ، اصحاب الاحتساب و بستان ابو اللیث منقول ہے۔ آخری دو کتابیں موجود نہیں، شرح نقایہ میں سرسری تلاش سے دستیاب نہیں ہوا، بہرحال نصوص محرمہ کے پیش نظر یہ توجیہ کرنا لازم ہے، اور یہ کوئی تاویل بعید نہیں عام محاورات کے مطابق ہے۔

اعلان وتشہیر کے معنے کنایہ عرف عام میں بہت مشہور اور زبان زد ہے، مثلاً:

"ببانگ دہل کہہ رہے ہیں۔"

"ڈھول بجا رہے ہیں۔"

"ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔"

"نقارہ پیٹ رہے ہیں۔"

ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ یہ اختلاف سادہ دف کے متعلق ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

المراد بہ الدف الذی کان فی زمن المتقدمین واما ما علیہ الجلاجل فینبغی ان یکون مکروھا بالاتفاق (مرقاۃ المفاتیح ص۲۱۲ ج ۶)

"اس سے مراد وہ دف ہے جو متقدمین کے دور میں استعمال ہوتا تھا، جھانجھ دار دف بالاتفاق مکروہ ہے۔"

مکروہ کا اطلاق حرام پر کیا گیا، جیسے اوپر گزرا۔

(۲) بعض صوفیہ سے منقول ہے کہ وہ ساز بجا کر سماع کرتے تھے۔

جواب: اول تو مسائل شرعیہ میں کسی صوفی کے قول وعمل سے استناد خلاف اصول ہے۔ اس موقع پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ جو خود بہت بڑے صوفی ہو گزرے ہیں ان کا یہ ارشاد یاد رکھنے کے قابل ہے:

عمل صوفیہ در حل وحرمت سند نیست، ہمیں بس نیست کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نکنیم و امر ایشاں را بحق سبحانہ وتعالیٰ مفوض داریم، اینجا قول ابی حنیفہ وامام ابی یوسف

و امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ معتبر است نہ عمل ابوبکر شبلی و ابوالحسن نوری رحمہما اللہ تعالیٰ۔
(مکتوبات صفحہ ۳۳۵ دفتر اول)

"حلت و حرمت میں صوفیہ کا عمل حجت نہیں، بس اتنا ہی کافی ہے کہ ہم انہیں معذور گردانیں اور ان پر ملامت نہ کریں، اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں، یہاں امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلی و ابوالحسن نوری رحمہما اللہ تعالیٰ کا عمل۔"

دوسرے ان صوفیہ کا سماع مخصوص احوال میں بطور دوا، وعلاج ہوتا تھا اور اس میں وہ حضرات بہت سی شرائط ملحوظ رکھتے تھے جن کی تفصیل یہ ہے:

قال الخیر الرملی رحمہ اللہ تعالیٰ:

ومن اباحہ من المشایخ الصوفیۃ فلمن تخلی عن الھوی وتحلی بالتقوی واحتاج الی ذلک احتیاج المریض الی الدواء ولہ شرائط:

احدھا: ان لا یکون فیھم امرد۔

والثانی: ان لا یکون جمیعھم الا من جنسھم لیس فیھم فاسق ولا اھل الدنیا ولا امرأۃ۔

والثالث: ان تکون نیۃ القوال الاخلاص لا اخذ الاجر والطعام۔

والرابع: وان لا یجتمعوا لاجل طعام او فتوح۔

والخامس: لا یقومون الا مغلوبین۔

والسادس: لا یظھرون وجدا الا صادقین۔ (الفتاوی الخیریۃ صفحہ ۱۸۲ ج ۲)

"اور مشایخ صوفیہ میں سے جس نے سماع کو جائز کہا ہے تو ان شرطوں سے کہ صاحب سماع خواہش نفس سے پاک اور زہد و تقویٰ سے مزین ہو، اور سماع کے لئے اسے ایسی حقیقی مجبوری ہو جیسے مریض کو دوا کے لئے ہوتی ہے، اور اس کے جواز کے لئے کئی شرائط ہیں:

پہلی شرط: سماع کرنے والوں میں کوئی بے ریش نہ ہو۔

دوسری شرط: سب عارفین کاملین ہوں، ان میں کوئی فاسق و طالب دنیا اور عورت نہ ہو۔

تیسری شرط: قوال کی نیت اخلاص پر مبنی ہو مزدوری، معاوضہ اور کھانا مدنظر نہ ہو۔
چوتھی شرط: مجمع کھانے یا دیگر دنیوی اغراض کے لئے اکٹھا نہ ہوا ہو۔
پانچویں شرط: اس دوران قیام نہ کریں الا یہ کہ مغلوب اور بے خود ہو جائیں۔
چھٹی شرط: وجد و مستی کا اظہار نہ کریں الا یہ کہ سچے ہوں، ریا و تصنع نہ ہو۔"
پھر ان شرائط کی پابندی کے ساتھ بھی سماع صرف کامل درجہ کے منتہی عارفین کرتے تھے۔ مبتدی سالک کو سختی سے منع فرماتے تھے۔

امام الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر سماع سے توبہ کی کہ اب ان شرطوں کی پابندی ممکن نہیں رہی۔

قال الشیخ السہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ:

وقیل ان الجنید ترک السماع فقیل له کنت تستمع؟ فقال مع من؟ فقیل له تسمع لنفسک؟ فقال ممن؟ لانهم کانوا لا یسمعون الا من اهل مع اهل فلما فقد الاخوان ترک فما اختاروا السماع حیث اختاروه الا بشروط وقیود وآداب
(عوارف المعارف ص ۱۰۲)

"حضرت جنید رحمہ اللہ تعالیٰ نے سماع چھوڑ دیا تھا، آپ سے دریافت کیا گیا: آپ سنتے تھے؟ فرمایا: کس کے ساتھ؟ عرض کیا گیا: آپ تنہائی میں سنتے ہیں؟ فرمایا: کس سے؟ یہ حضرات قیود و شروط سے سنتے تھے جب وہ مفقود ہو گئیں تو سماع چھوڑ دیا۔"

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

ان ہذہ الشرائط لا تکاد توجد فی زماننا فلا رخصة فی السماع فی عصرنا اصلا کیف؟ وقد تاب سید الطائفة جنید قدس سرہ عن السماع لما لم یجتمع الشرائط فی عصرہ۔
(احکام القرآن ص۲۲۳ ج۳)

"یہ شرائط ہمارے زمانہ میں قطعاً نہیں پائی جاتیں، لہذا اس دور میں سماع کی قطعاً اجازت نہیں اور اجازت ہو بھی کیونکر! جبکہ سید الطائفہ حضرت جنید قدس سرہ نے بایں سبب سماع سے توبہ کی تھی کہ ان کے زمانہ میں تمام شرائط کی پابندی نہ رہی تھی۔"
کوئی انصاف سے کہے کہ آج کل کی قوالی کو صوفیہ کے سماع سے کوئی دور کی نسبت بھی ہے؟

صوفیہ کا مقصد وحید اصلاح قلب تھا جبکہ یہاں حظِ نفس اور لذت کوشی کے سوا کوئی دوسرا مقصد ہی نہیں۔

باقی یہ دلیل کہ موسیقی روح کی غذا ہے لاجواب ہے، واقعی! جو خبیث روحیں قرآن و حدیث کی شیریں آواز سے چین نہ پاتی ہوں، اور ذکر اللہ کی شراب صافی سے بھی انہیں حظ نہ ملتا ہو تو ان کی غذا غناء و مزامیر اور موسیقی ہی ہو سکتی ہے۔ نصیب اپنا اپنا۔

خلاصہ:

راگ باجوں، ساز و موسیقی اور مروج قسم کی قوالیوں کا سننا شریعت کی رو سے حرام ہے، ان منکرات کو جائز کہنا الحاد و بے دینی کے سوا کچھ نہیں، انہیں جائز ثابت کرنے کی ناپاک کوششیں درحقیقت وہی الحاد ہے جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے کہ اس امت کے کچھ لوگ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کریں گے مگر جائز و حلال سمجھ کر۔ واللہ العاصم من جمیع الفتن وهو الهادی الی سبیل الرشاد۔

محمد ابراہیم

نائب مفتی دارالافتاء والارشاد

۲۹ جمادی الآخرہ ۱۴۱۱ ہجری

المصابیح لغراء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا

هُزُوًا أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ (٣١:٦)

مصافحہ و معانقہ
(۱) دو ہاتھوں سے مصافحہ مستحب ہے۔
(۲) بوقت وداع بھی مصافحہ مستحب ہے۔
(۳) معانقہ میں سینہ ملانا
(۴) معانقہ کا حکم۔
(۵) پاکستان و ہندوستان میں معانقہ کے مروجہ طریقہ کے مفاسد۔

مُصافحہ
و
مُعانقہ
احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔
تعامل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔
اقوال المحدثین رحمہم اللہ تعالیٰ۔
تعامل المحدثین رحمہم اللہ تعالیٰ۔
اقوال الائمۃ رحمہم اللہ تعالیٰ۔
نصوص الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ۔
روایات مختلفہ واقوال متباینہ میں صورِ ترجیح وتوفیق۔
تعامل الامۃ الغراء والملۃ البیضاء۔

مصافحہ و معانقہ کے چار مسائل

① دونوں ہاتھوں سے مصافحہ مستحب ہے:

سوال: مصافحہ کا صحیح طریقہ شریعت اسلامیہ میں کیا ہے؟ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ پر ایک صاحب نے اعتراض کیا اور کہا کہ یہ طریقہ کسی حدیث سے ثابت نہیں، دلیل شرعی درکار ہے۔ معترض صاحب کی تحریر ارسال ہے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مصافحہ میں دونوں ہاتھ ملانا مستحب ہے۔

روایات الحدیث:

قال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم التشہد وکفی بین کفیہ (صحیح بخاری ص۹۲۶ ج ۲، صحیح مسلم ص۱۷۳ ج ۱، سنن نسائی ص۱۷۴ ج ۱)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو باب المصافحہ میں ذکر کر کے ثبوت مصافحہ پر استدلال کیا ہے، اس میں مصافحہ بالیدین کا ذکر ہے، اس لئے یہ مطلق مصافحہ کے ثبوت کے ساتھ ساتھ دو ہاتھوں سے مصافحہ کے ثبوت کی بھی دلیل ہے، اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "باب الاخذ بالیدین" میں بھی اس کو ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجر، عینی، کرمانی اور قسطلانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے باب المصافحہ اور باب الاخذ بالیدین میں اس روایت سے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے استدلال پر کوئی اشکال نہیں فرمایا، یہ اس کی واضح دلیل ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی یہ استدلال صحیح ہے۔

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفین کا ذکر صراحۃً ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کفین کا ذکر دلالۃً، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تبرک حاصل کرنے کے لئے اپنے جسم کا زیادہ سے زیادہ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک سے ملانے کی کوشش کرتے تھے، اس کے پیش نظر یہ ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو دونوں ہاتھوں سے مصافحہ فرما رہے ہوں اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ہاتھ سے۔ ایسے جانباز عشاق سے ایسی شرمناک گستاخی کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا

اس حدیث میں مصافحۃ التعلیم کا ذکر ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے مصافحہ مطلقہ ثابت کیا ہے جو مصافحۃ الملاقاۃ کو بھی شامل ہے، اور اسی مقصد کے لئے امام نے حماد بن زید و عبد اللہ ابن المبارک کے مصافحۃ ملاقاۃ کا ذکر کیا ہے۔

امام کا مصافحۃ التعلیم سے مصافحۃ الملاقاۃ پر استدلال بالکل واضح ہے، اس لئے کہ جس طرح تعلیم موقع مسرت و محبت ہے اسی طرح ملاقات بھی۔ مدعیان فرق کا دعویٰ بالکل بلا دلیل ہے، ان کے پاس نہ کوئی روایۃً دلیل ہے نہ درایۃً۔

(۲) اخرج الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ تعلیقا: وصافح حماد بن زید ابن المبارک بیدیہ (صحیح بخاری ص۹۲۶ ج۲)

قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ: وصلہ غنجار فی تاریخ بخاری من طریق اسحاق بن احمد بن خلف قال سمعت محمد بن اسماعیل البخاری یقول سمع ابی من مالک ورأی حماد بن زید یصافح ابن المبارک بکلتا یدیہ، وذکر البخاری فی التاریخ فی ترجمۃ ابیہ نحوہ وقال فی ترجمۃ عبد اللہ بن سلمۃ المرادی حدثنی اصحابنا یحیی وغیرہ عن ابی اسماعیل بن ابراہیم قال رأیت حماد بن زید وجاءہ ابن المبارک بمکۃ فصافحہ بکلتا یدیہ (فتح الباری ص۴۷ ج۱۱)

حماد بن زید اور عبد اللہ بن المبارک رحمہما اللہ تعالیٰ اپنے زمانے کے رجال الحدیث اور کبار ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔

قال عبد الرحمن بن مہدی رحمہ اللہ تعالیٰ: الائمۃ اربعۃ مالک وسفیان الثوری وحماد بن زید وابن المبارک (تذکرۃ الحفاظ ص۲۳۰ ج۱)

(۳) قال عروۃ قالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فمن اقر بہذا الشرط من المؤمنات قال لہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد بایعتک کلاما ولا واللہ ما مست یدہ ید امرأۃ قط فی المبایعۃ ما یبایعہن الا بقولہ قد بایعتک۔

قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ قال لہا) ای للمبایعۃ منہن قد بایعتک کلاما وھو منصوب بنزع الخافض وھو من قول عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والتقدیر کان یبایع بالکلام ولا یبایع بالید کالمبایعۃ مع الرجال بالمصافحۃ بالیدین (عمدۃ القاری ص۲۷۲ ج۲۴)

وقال القسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ: ای بالکلام لا بالید کما کان یبایع الرجال بالمصافحۃ بالیدین (ارشاد الساری ص۲۹۵ ج۷)

اس حدیث میں اگرچہ مصافحۃ المبایعۃ کا بیان ہے مگر اس سے مصافحۃ الملاقاۃ کا بھی یہی طریق ثابت ہوتا ہے، لما قدمنا تحت الحدیث الاول۔

دلائل مانعین کا تجزیہ:

اس سلسلہ میں تحریر مرسل میں مندرجہ دلائل کے مآخذ کے مراجعہ کی ضرورت نہیں، اس لئے محرر کی عبارات بعینہا پیش کی جاتی ہیں:

دلیل اول:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

فیأخذ بیدہ ویصافحہ؟ قال نعم (سنن ترمذی ص۱۰۹ ج ۲)

دلیل ثانی:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما اذا ودع رجلا اخذ بیدہ (ابوداود ص۳۵۱ مصری ج ۲)

دلیل ثالث:

قاموس وغیرہ کتب لغت میں ہے:

ان المصافحۃ ھو الاخذ بالید وبأنھا وضع صفح الکف فی صفح الکف۔

وفی شرح المشکوۃ: ان المصافحۃ ھی الافضاء بصفحۃ الید الی صفحۃ الید۔

جوابات ادلہ ثلاثہ مذکورہ:

① انسان کے جسم میں جو اعضاء دو دو ہیں ان میں صیغہ مفرد بطور جنس بولا جاتا ہے، مراد دونوں اعضاء ہوتے ہیں، مثلاً:

ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک۔

من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ

ان نصوص میں ید بصیغہ مفرد ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس سے صرف ایک ہاتھ اور وہ بھی دایاں مراد نہیں، بلکہ جنس مراد ہے جو دونوں ہاتھوں کو شامل ہے۔

اسی لئے عام اصطلاح میں بیعت کو "ہاتھ میں ہاتھ دینا" کہا جاتا ہے، حالانکہ بیعت دونوں ہاتھوں سے ہوتی ہے۔ کما مر فی حدیث عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا۔

② اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ید سے ید واحد ہی مراد ہے تو یہ یدین کے عدم ثبوت کو مستلزم نہیں۔

دلیل رابع :

روی ابن عبد البر فی التمہید بسند صحیح عن عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ترون یدی ہذہ صافحت بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تحفۃ الاحوذی ص۴۳۹ ج ۳)

جواب :

اس سے استدلال بوجوہ ذیل تام نہیں :

① اس میں دوسرے ہاتھ کی نفی نہیں۔

② جب دو شخص دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتے ہیں تو دونوں کا ایک ہاتھ دوسرے کے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہوتا ہے، ممکن ہے حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ ہاتھ دکھانا ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا اور اس ہاتھ کی یہی خصوصیت بتانا مقصود ہو۔

③ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی حالت میں بھی درحقیقت مصافحہ ایک ہی ہاتھ سے ہوتا ہے کیونکہ ہر شخص کے ایک ہی ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے کی ہتھیلی سے ملتی ہے اور مصافحہ کے معنی ہیں ہتھیلی کو ہتھیلی کے ساتھ ملانا۔

④ ثبوت "ید" عدم ثبوت "یدین" کو مستلزم نہیں۔

دلیل خامس :

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

تمام التحیۃ الاخذ بالید والمصافحۃ بالیمنی رواہ الحاکم فی الکنی۔ (فتاویٰ نذیریہ ص۲۳۲ ج ۳)

جواب :

اس سے استدلال بھی بوجوہ ذیل صحیح نہیں :

① یہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی دلیل ہے، اس لئے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی صورت میں ہی جانبین کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے ملتی ہے اور بائیں ہاتھ سے دوسرے کے دائیں ہاتھ کو پکڑا جاتا ہے، بائیں ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے کے ہاتھ کی ہتھیلی سے نہیں ملتی۔

والاصل فی العطف المغایرۃ۔

② عدم ثبوت "یدین" کو مستلزم نہیں۔

بعض شبہات کے جوابات :

شبہ اولیٰ :

حافظ عسقلانی اور حافظ قسطلانی رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں نے حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عدم

ثبوت مصافحہ عند الملاقاۃ کی تصریح کی ہے، حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ومن ثم افردھا بترجمۃ تلی ھذہ لجواز وقوع الاخذ بالیدین من غیر حصول المصافحۃ (فتح الباری ص۵۱ ج ۱۱)

نیز حاشیہ صحیح بخاری ص۹۲۶ ج ۲ میں عسقلانی وقسطلانی رحمہما اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

ولما کان الاخذ بالید یجوز ان یقع من غیر مصافحۃ افردہ بھذا الباب۔

جواب:

حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تحت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ کی پوری عبارت یوں ہے:

وجہ ادخال ھذا الحدیث فی المصافحۃ ان الاخذ بالید یستلزم التقاء صفحۃ الید بصفحۃ الید غالبا ومن ثم افردھا بترجمۃ تلی ھذہ لجواز وقوع الاخذ بالید من غیر حصول المصافحۃ (فتح الباری ص۴۷ ج ۱۱)

اس پوری عبارت اور اس کے محل وقوع کو سامنے رکھنے سے ثابت ہوا کہ اس موقع پر محرر سے تین لغزشیں ہوئی ہیں یا دانستہ کی ہیں:

① یہ عبارت حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں ہے مگر محرر نے اس کا جوڑ حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ لگا دیا ہے۔

② عبارت کا پہلا حصہ حذف کر دیا ہے۔

③ اصل عبارت میں "لجواز وقوع الاخذ بالید" ہے جس کو محرر نے "بالیدین" کر دیا ہے۔

چونکہ حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نہ تو ذکر "کف" ہے اور نہ ذکر "مصافحہ" بلکہ صرف "اخذ بالید" مذکور ہے، اس لئے اس کی "باب المصافحہ" سے مناسبت ظاہر نہیں، لہٰذا حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ وجہ مناسبت یوں بیان فرما رہے ہیں کہ "اخذ بالید" غالباً مصافحہ کو مستلزم ہے۔

سو حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ تو حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے استدلال کو صحیح قرار دے رہے ہیں اور اس سے مصافحہ کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔

آگے یہ بحث رہ جاتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "باب المصافحہ" کے بعد "باب الاخذ بالیدین" کیوں رکھا؟ سو حافظ عسقلانی وقسطلانی رحمہما اللہ تعالیٰ اس کی حکمت یہ بیان فرماتے ہیں کہ چونکہ حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اخذ بالید بدون المصافحہ کا بھی احتمال ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ دوسرے باب میں حماد بن زید وعبد اللہ بن المبارک رحمہما اللہ تعالیٰ کے عمل اور حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ ثابت کرنا

چاہتے ہیں کہ اخذ بالید میں اصل اور غالب یہی ہے کہ وہ مصافحہ کے لئے ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی باب میں حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال ابن بطال رحمہ اللّٰہ تعالیٰ الاخذ بالید هو مبالغة المصافحة وذلك مستحب عند العلماء (فتح الباری ص ۔ ج ۱۱)

مگر حسب زعم منکر امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا "باب الاخذ بالید" سے اخذ بالید بدون المصافحہ کا بیان مقصود ہوتا تو وہ اس باب کے تحت دلائل مصافحہ کیوں لاتے؟

صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں "باب الاخذ بالیدین" ہے اس کے پیش نظر اس سے طریق مصافحہ کا بیان مقصود ہے کہ دو ہاتھوں سے ہونا چاہئے اور پہلے باب سے نفس مصافحہ کا اثبات مقصود ہے۔

شبہہ ثانیہ:

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روایت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جس مصافحہ کا ذکر ہے وہ مصافحہ متوارثہ عند الملاقاۃ نہیں تھا بلکہ ایک طریقہ تعلیمیہ تھا۔

جواب:

اس کی تفصیل اثبات المصافحۃ بالیدین کی دلیل اول کے تحت گزر چکی ہے۔

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا فیصلہ:

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی مذکورہ روایات حدیث کے مطابق مصافحہ میں دونوں ہاتھ ملانے کو سنت قرار دیا ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: وفي القنية السنة في المصافحة بكلتا يديه وتمامه في علاقته على الملتقى۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله وتمامه الخ) ونصه وفي الصاق صفحة الكف بالكف واقبال الوجه بالوجه فاخذ الاصابع ليس بمصافحة خلافاً للروافض والسنة ان تكون بكلتا يديه وبغير حائل من ثوب او غيره وعند اللقاء بعد السلام الخ

(رد المحتار ص ۔ ج ۵)

الحاصل:

ایک ہاتھ سے مصافحہ جائز اور دو ہاتھوں سے مستحب ہے۔

مصافحہ ومعانقہ ——— ۸

دلائل الاستحباب:

① احادیث یدین ناقابل تاویل ہیں اور روایاتِ ید محتمل التاویلات۔

② حماد بن زید و عبد اللہ بن المبارک رحمہما اللہ تعالیٰ جیسے جلیل القدر ائمہ کا عمل۔

③ ان کے عمل پر حاضرین و سامعین میں سے کسی کا نکیر نہ کرنا، بلکہ مشہور ائمہ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس سے استدلال کرنا۔

④ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ۔

⑤ چار مسلّم جبال الحدیث حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ بدر الدین عینی، علامہ کرمانی اور حافظ قسطلانی رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کی تائید و تقریر۔

⑥ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا فیصلہ۔

⑦ ادب کا مدار عرف پر ہے اور صافحین کے عرف میں ایک ہاتھ سے مصافحہ کو خلاف ادب سمجھا جاتا ہے، کسی بڑے کو کوئی چیز پکڑاتے وقت ادباً دونوں ہاتھ استعمال کئے جاتے ہیں تو مصافحہ میں دونوں ہاتھوں کو بڑھانا بطریق اولیٰ مقتضائے ادب ہوگا۔

⑧ سلف و خلف امت کا تعامل و توارث۔

⑨ ایک ہاتھ سے مصافحہ کفار و فجار کا شعار ہے۔

⑩ محدثین و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۰ شوال سنہ ۹۵ھ

② ثبوت مصافحہ بوقت وداع:

سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ رخصت ہوتے وقت صرف سلام مسنون ہے، مصافحہ ثابت نہیں، حالانکہ یہ تمام اکابر علماء کا معمول ہے، اس بارے میں تشفی فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بوقت وداع مصافحہ متعدد احادیث کے علاوہ درایۃً بھی ثابت ہے۔

① عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من تمام التحیۃ الاخذ بالید وھذا حدیث غریب ولا نعرفہ الا من حدیث یحیی بن سلیم عن سفیان وسألت محمد بن اسمٰعیل عن ھذا الحدیث فلم یعدہ محفوظا (جامع الترمذی ص ۹۷ ج ۲)

اس حدیث ضعیف کو بطور تائید نقل کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں حدیث ثانی کے تحت مندرجہ وجوہ سے بھی اس کو تقویت ملتی ہے۔

(۲) اخرج الامام احمد رحمہ اللہ تعالی: عن علی بن یزید عن القاسم عن ابی امامة رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وتمام تحیاتکم بینکم المصافحة۔ (مسند احمد ص [illegible] ج ۵)

وکذا اخرجہ الامام الترمذی رحمہ اللہ تعالی ایضا وقال: هذا اسناد لیس بالقوی قال محمد علی بن یزید ضعیف (جامع الترمذی ص [illegible] ج ۲)

وقال العلامة احمد البنا المعروف بالساعاتی رحمہ اللہ تعالی معزیا الی الترمذی رحمہ اللہ تعالی: وقال اسنادہ لیس بالقوی ونقل عن البخاری ان عبید اللہ بن زحر وکذا القاسم ثقتان لکن علی بن یزید ضعیف اھ وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالی حدیث الترمذی سندہ لین اھ وقال الحافظ السیوطی رحمہ اللہ تعالی لہ شواهد تعضدہ (منها) عن ابی رهم السمعی عند الطبرانی (ومنها) عن ابی هریرة رضی اللہ تعالی عنہ عند البیهقی (ومنها) عن عائشة رضی اللہ تعالی عنها عند ابن السنی وغیرهما. واللہ اعلم (بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی ص [illegible] ج ۱۹)

یہ حدیث وجوہ ذیل قابل قبول ہے۔

(۱) ضعف حدیث فضائل میں مضر نہیں۔

(۲) متعضد بشواہد ہے۔

(۳) دوسری احادیث قولیہ وفعلیہ اور حکم درایہ سے مؤید ہے۔

(۳) عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنهما قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا ودع رجلا اخذ بیدہ فلا یدعها حتی یکون الرجل هو یدع ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویقول استودع اللہ دینک وامانتک وآخر عملک وفی روایة وخواتیم عملک رواہ الترمذی وابوداود وابن ماجہ وفی روایتهما لم یذکر وآخر عملک۔ (مشکوة ص ۲۱۳ ج ۱)

(۴) عن قزعة قال کنت عند عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنهما فاردت الانصراف فقال: کما انت حتی اودعک کما ودعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخذ بیدی فصافحنی ثم قال استودع اللہ دینک وامانتک وخواتم عملک۔

(عمل الیوم واللیلة للنسائی حدیث نمبر [illegible])

مصافحہ ومعانقہ ـ ـــ ۱

تأویلات المانعین:

تأویل اول: تحیہ سلام قدوم کے ساتھ مخصوص ہے۔

یہ خیال بوجوہ ذیل باطل ہے:

① بلادلیل اور خلاف ظاہر ہے۔ لفظ تحیہ مطلق ہے جو سلام قدوم و وداع دونوں کو شامل ہے۔

② قولہ تعالیٰ "واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا او ردوھا" کے تحت حضرات مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ سلام وداع بھی تحریر فرماتے ہیں، اس سے بھی ثابت ہوا کہ سلام وداع بھی تحیہ میں داخل ہے۔

③ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا انتھی احدکم الی مجلس فلیسلم فان بدا لہ ان یجلس فلیجلس ثم اذا قام فلیسلم فلیست الاولی باحق من الآخرۃ (جامع الترمذی ص ۲ ج ۲)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سلام قدوم کو سلام وداع پر کوئی فضیلت نہیں، اس لئے اتمام بالمصافحہ میں بھی دونوں مساوی ہیں۔

تأویل ثانی: اخذ ید بلا قصد مصافحہ ہوتا تھا۔

یہ خیال بھی بوجوہ ذیل باطل ہے:

① بلا دلیل اور خلاف ظاہر ہے۔

② مصافحہ کی حقیقت ہی اخذ ید ہے۔

وقد ورد فی الحدیث الاول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من تمام التحیۃ الاخذ بالید۔

ولذا احتج بہ البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فی باب المصافحۃ۔

وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ: قال ابن بطال رحمہ اللہ تعالیٰ: الاخذ بالید ھو مبالغۃ المصافحۃ وذلک مستحب عند العلماء (فتح الباری ص ۴۶ ج ۱۱)

وقال الافریقی: المصافحۃ الاخذ بالید والتصافح مثلہ (لسان العرب)

وکذا قال الجوھری (الصحاح)

③ الفاظ حدیث "ھو یدع ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم" تو واضح دلیل ہے کہ عمل اخذ ید جانبین سے ہوتا تھا۔

حکم درایۃ:

مصافحہ کی مشروعیت اظہار محبت کے لئے ہے اور اظہار محبت کا موقع جیسا اول لقاء ہے ایسے

یہی وقت وداع بھی ہے چنانچہ سلام وداع بھی اسی لئے ہے اور اسی لئے پوری دنیا میں اس کا دستور ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۹ رشعبان ۱۴۰۰ھ

معانقہ میں سینہ ملانا:

سوال: عرب آپس میں ملاقات کے وقت ایک دوسرے سے گردن ملاتے ہیں۔ لفظ معانقہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں جو سینہ ملانے کا دستور ہے کیا اس کا کوئی ثبوت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

معانقہ کے معنی تو یہی ہیں، "گردن سے گردن ملانا" البتہ دو روایات میں "التزام" کا ذکر ہے۔

قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ: اخرج احمد و ابوداود رحمہما اللہ تعالیٰ من طریق رجل من عنزۃ لم یسم انہ قال قلت لابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ هل کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصافحکم اذا لقیتموہ قال ما لقیتہ قط الا صافحنی وبعث الی ذات یوم ولم اکن فی اهلی فلما جئت اخبرت ان ارسل الی فاتیتہ وهو علی سریرہ فالتزمنی فکانت اجود واجود ورجالہ ثقات الا هذا الرجل المبهم (فتح الباری ص ۵۶ ج ۱۱)

واخرج الامام ابوداود رحمہ اللہ تعالیٰ عن الشعبی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلقی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فالتزمہ وقبل ما بین عینیہ۔

قال العلامۃ السہارنفوری رحمہ اللہ تعالیٰ: قال المنذری هذا مرسل واجلح قد تکلم فیہ (بذل المجہود ص ۳۲۲ ج ۴)

سرسری تلاش سے بذل المجہود میں "اجلح" پر کلام نہیں مل سکا، اس عبارت سے یہ بات محقق ہوگئی کہ یہ متکلم فیہ ہیں۔

ان روایات سے استدلال میں بوجوہ ذیل کلام ہے۔

(۱) روایت اولیٰ کی سند میں ایک راوی مبہم ہے اور روایت ثانیہ مرسل ہے، علاوہ ازیں اس کی سند میں "اجلح" متکلم فیہ ہیں۔

(۲) التزام بمعنی اعتناق بھی ہو سکتا ہے، ای الصاق العنق بالعنق وهذا هو الموافق لروایات المعانقۃ۔

(۳) یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، کما نقل الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ

عن الامام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فی المعانقۃ۔

جب اعتناق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی تو التزام کو بطریق اولیٰ خصوصیت قرار دیا جائے گا۔

④ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل صرف اصاغر کے ساتھ اظہار محبت کے لئے مختص تھا۔

⑤ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ حدیث وفقہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

⑥ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل خاص سے ظاہر ہے کہ یہاں "التزام" سے الصاق بالحق مراد ہے یا زیادہ سے زیادہ الصاق بالصدر، الصاق بالبطن مراد نہیں۔

پاکستان اور ہندوستان کے عوام میں معانقہ کا مروجہ طریقہ کہ سینہ کے علاوہ پیٹ بھی ملا دیتے ہیں اس کا بطریق خصوصیت نبویہ بھی کوئی ثبوت نہیں، علاوہ ازیں اس میں اور بھی کئی مفاسد ہیں، لہٰذا یہ رسم قبیح واجب الترک ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ

۴ معانقہ کا حکم:

سوال: بوقت ملاقات معانقہ کی مروج رسم کا شرعاً کوئی ثبوت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

معانقہ کے معنی ہیں "گردن سے گردن ملانا" عرب میں متوارث یہی ہے کہ پورا جسم الگ رکھ کر صرف گردن سے گردن ملاتے ہیں۔

کتب لغت میں اس کے معنی میں ضم والتزام بھی مرقوم ہے جو محتمل بالحق بھی ہو سکتا ہے، البتہ منجد میں ضم الی الصدر کی تصریح ہے۔

قال الافریقی: عانقہ معانقۃ وعناقا التزمہ فادنی عنقہ الی عنقہ (لسان العرب)

وقال الجوھری: المعانقۃ والعناق وقد عانقہ اذا جعل یدیہ علی عنقہ وضمہ الی نفسہ (الصحاح)

وقال الفیومی: عانقت المرأۃ عناقا وھو الضم والالتزام (المصباح المنیر)

وفی المنجد: عانقہ معانقۃ اذا جعل یدیہ علی عنقہ وضمہ الی صدرہ (المنجد)

اگر ضم الی الصدر تسلیم بھی کر لیا جائے تو ان عبارات کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لغات کبیرین سے متعلق نہیں، بلکہ اصاغر یا ازواج سے اظہار محبت کے بارے میں ہیں اگرچہ علت فرط محبت میں اشتراک کی وجہ سے

کبھی کبھار مواقع مخصوصہ میں معانقۃ الکبیرین بھی جائز ہے، کما سیجیئ۔

اس پر چند قرائن ہیں:

① ان میں جانب واحد کے عمل کا ذکر ہے جبکہ لقاء کبیرین میں عمل جانبین سے ہوتا ہے۔

② اپنے دونوں ہاتھ کسی کی گردن میں ڈال کر اپنی طرف کھینچنا۔

ظاہر ہے کہ یہ معاملہ اصاغر و ازواج کے ساتھ فرط محبت میں ہوتا ہے۔

③ فیومی کی عبارت "عانقت المرأۃ" تو اس بارے میں نص صریح ہے۔

روایات حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

① عن ابی ہریرۃ الدوسی رضی اللہ تعالی عنہ قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی طائفۃ النہار لا یکلمنی ولا اکلمہ حتی اتی سوق بنی قینقاع فجلس بفناء بیت فاطمۃ فقال اثم لکع اثم لکع فحبستہ شیئا فظننت انھا تلبسہ سخابا او تغسلہ فجاء یشتد حتی عانقہ وقبلہ وقال اللہم احببہ واحب من یحبہ (صحیح بخاری ص[illegible] ج ۱)

② عن یعلی رضی اللہ تعالی عنہ قال ان حسنا وحسینا رضی اللہ تعالی عنہما استبقا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضمہما الیہ رواہ احمد (مشکوۃ ص[illegible])

③ عن الشعبی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلقی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ فالتزمہ وقبل ما بین عینیہ (سنن ابی داود ص[illegible] ج ۲)

④ عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا قالت قدم زید بن حارثۃ المدینۃ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتی فاتاہ فقرع الباب فقام الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عریانا یجر ثوبہ واللہ ما رأیتہ عریانا قبلہ ولا بعدہ فاعتنقہ وقبلہ ہذا حدیث حسن غریب لا نعرفہ من حدیث الزہری الا من ہذا الوجہ (جامع الترمذی ص[illegible] ج ۲)

⑤ عن ایوب بن بشیر عن رجل من عنزۃ انہ قال قلت لابی ذر رضی اللہ تعالی عنہ ہل کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصافحکم اذا لقیتموہ قال ما لقیتہ قط الا صافحنی وبعث الی ذات یوم ولم اکن فی اہلی فلما جئت اخبرت انہ ارسل الی فاتیتہ وہو علی سریر فالتزمنی فکانت تلک اجود واجود (سنن ابی داود ص[illegible] ج ۲)

اخرجہ الامام احمد رحمہ اللہ تعالی ایضا (فتح الباری ص[illegible] ج ۱۱)

⑥ اخرج ابن سعد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل نعیم بن عبد اللہ النحام واعتنقہ لما قدم المدینۃ مہاجرا (اعلاء السنن ص[illegible] ج ۱۷)

مصافحہ و معانقہ ــــــــــــ ۱۴

(۷) عن اسید بن حضیر رضی اللہ تعالی عنہ رجل من الانصار قال بینما ھو یحدث القوم وکان فیہ مزاح بینا یضحکھم فطعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی خاصرتہ بعود فقال اصبرنی فقال اصطبر قال ان علیک قمیصا ولیس علی قمیص فرفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن قمیصہ فاحتضنہ وجعل یقبل کشحہ قال انما اردت ھذا یا رسول اللہ (ابوداود ص ج ۲)

(۸) اخرج الامام البخاری رحمہ اللہ تعالی فی الادب المفرد فی باب المعانقۃ حدیث جابر رضی اللہ تعالی عنہ انہ بلغہ حدیث عن رجل من الصحابۃ قال فابتعت بعیرا فشددت الیہ رحلی شھرا حتی قدمت الشام فاذا عبد اللہ بن انیس فبعثت الیہ فخرج فاعتنقنی واعتنقتہ (فتح الباری ص ج ۱۱)

(۹) اخرج الطبرانی فی الاوسط من حدیث انس رضی اللہ تعالی عنہ کانوا اذا تلاقوا تصافحوا واذا قدموا من سفر تعانقوا (فتح الباری ص ج ۱۱)

روایت ثامنہ وتاسعہ سے سفر سے آنے کی صورت میں جواز معلوم ہوتا ہے، وسیجیء البحث عنہ۔

ترمذی کی روایت ذیل میں مطلقاً ممانعت ہے:

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رجل یا رسول اللہ الرجل منا یلقی اخاہ او صدیقہ اینحنی لہ قال لا قال افیلتزمہ ویقبلہ قال لا قال فیاخذ بیدہ ویصافحہ قال نعم. ھذا حدیث حسن (جامع الترمذی ص ج ۲)

وجوہ الترجیح:

روایات منع میں ترجیح کی وجوہ ذیل پائی جاتی ہیں:

(۱) یہ روایات قویہ ہیں اور روایات اباحت ضعیفہ۔

(۲) یہ قاعدہ کلیہ ہے اور روایات اباحت جزئیات محتملہ تخصیص۔

(۳) حاظر کو اباحت پر ترجیح ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ معانقہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سے بھی ثابت ہے جو روایات اباحت کے تاخر اور روایات منع کے نسخ کی دلیل ہے، لہذا اباحت راجح ہے، ونصہ:

فھؤلاء اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد کانوا یتعانقون فدل ذلک ان ما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اباحۃ المعانقۃ متأخر عما روی عنہ من النھی عن ذلک فبذلک نأخذ وھو قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی (شرح معانی الآثار ص ج ۲)

وجہ التوفیق:

روایاتِ ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی قسم کے دوسرے مواقع مسرت وفرط محبت کے ساتھ مختص ہیں اور روایاتِ منع قیودِ مذکورہ سے قطع نظر معانقہ کی تعمیم پر۔

ولا شک ان التوفیق احسن وارجح من الترجیح۔

حضرت مولانا ظفر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے وجہ توفیق یوں بیان فرمائی کہ معانقہ بوقت ہیجان محبت مباح ہے اور تحیۃ اللقاء کے طور پر ممنوع، و نصہ:

وھذا لان حدیث المعانقۃ یدل بسیاقہ علی ان التقبیل والمعانقۃ الذین کرھھما ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ھما اللذان یکونان علی وجہ التحیۃ عند اللقاء لا مطلقا (الی قولہ) وقد یکونان لھیجان المحبۃ والشوق والاستحسان عند اللقاء وغیرہ من غیر شائبۃ الشھوۃ وھما مباحان باتفاق ائمتنا الثلاثۃ رحمھم اللہ تعالیٰ لثبوتھما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم، ولعدم مانع شرعی عنہ، ھذا ھو التحقیق وقد التبس الامر علی مشائخنا (اعلاء السنن ص۳۱۸ ج ۱۷)

شیخ عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس توجیہ میں چند وجوہ سے اشکال ہے:

(۱) معانقہ کا تحیہ سے بالکلیہ اخراج بوقت لقاء تمام التحیہ کے لئے سنیۃ المصافحۃ قبل المعانقۃ کو مستلزم ہے، حالانکہ روایاتِ معانقہ میں مصافحہ کا کوئی ذکر نہیں۔

(۲) احادیث مذکورہ میں تحیۃ اللقاء کے موقع پر معانقہ سے ہی ظاہر ہے کہ یہ تمام التحیہ میں داخل ہے۔

(۳) مصافحہ کو اظہار مسرت ومودت کی وجہ سے تمام التحیہ قرار دیا گیا ہے اور یہ علت معانقہ میں زیادہ پائی جاتی ہے تو وہ بطریق اولیٰ تمام التحیہ قرار پائے گا۔

وجوہ ثلاثہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ تمام التحیۃ عند اللقاء علی سبیل البدل دونوں چیزیں ہیں۔ عام حالات میں مصافحہ اور مواقع مخصوصہ میں معانقہ۔

حاصل یہ کہ اصل تحیۃ لقاء تو صرف سلام سے ادا ہو جاتا ہے اور تمام التحیہ سلام کے بعد مزید اظہار مسرت ومودت سے ہے جس کے دو طریقے علی سبیل البدل مشروع ہیں، عام حالات میں مصافحہ اور کسی تحریک خصوصی کے وقت معانقہ، اظہار محبت کے ان دو طریقوں میں سے کسی ایک کو تمام التحیہ بھی بنایا جا سکتا ہے اور موقع تحیہ سے الگ مستقلاً بھی، تحیہ میں دونوں کو جمع کرنے کا واضح ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے بلا ضرورت

سنت معلوم ہوتا ہے، البتہ مستقلاً یعنی غیر تحیہ کے موقع پر جمع کرنے میں کوئی اشکال نہیں، اس کے لئے ثبوت کی حاجت نہیں، والفرق ان الاول من الموارد الشرعیۃ دون الثانی۔

مزید ایک بحث سامنے آتی ہے کہ معانقہ میں تیامن افضل ہے یا تیاسر؟

اس بارے میں کوئی صراحت نظر سے نہیں گزری، عام اصول کے مطابق تو تیامن کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، مگر معانقہ کا منشأ چونکہ بیان المحبۃ ہے جس کا محل قلب ہے اور صورت تیاسر میں جانبین کے قلوب باہم زیادہ قریب ہوتے ہیں، اس لئے تیاسر راجح ہے اور اسی لئے تیاسر ہی کا معمول ہے۔

اقوال الائمۃ رحمہم اللہ تعالی:

طرفین وامام مالک رحمہم اللہ تعالی سے کراہت وتبدیع منقول ہے۔

قال العلامۃ العینی رحمہ اللہ تعالی معزیا الی الجامع الصغیر: محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ رحمہم اللہ تعالی ان قال: اکرہ ان یقبل الرجل من الرجل فمہ اوید اوشیئا منہ واکرہ المعانقۃ ولا اری بالمصافحۃ بأسا (البنایۃ ص۲۳۱ ج ۱۱)

وقال الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالی: فذھب قوم الی ھذا فکرھوا المعانقۃ منھم ابو حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالی (شرح معانی الآثار ص۲۸۱ ج ۲)

وکذا نقل عنہ الامام المرغینانی رحمہ اللہ تعالی (ھدایۃ ص۴۶۲ ج ۴)

وقال العلامۃ السہارنفوری رحمہ اللہ تعالی معزیا الی اللمعات: وعند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالی یکرہ ان یقبل الرجل ید الرجل اوفمہ اوشیئا منہ اویعانقہ لورود النھی عنہ فی حدیث انس رضی اللہ تعالی عنہ (بذل المجھود ص۳۴۶ ج ۶)

وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالی: قال ابن عبد البر روی ابن وھب عن مالک رحمہ اللہ تعالی انہ کرہ المصافحۃ والمعانقۃ وذھب الی ھذا سحنون وجماعۃ وقد جاء عن مالک رحمہ اللہ تعالی جواز المصافحۃ وھو الذی یدل علیہ صنیعہ فی الموطا وعلی جوازہ جماعۃ العلماء سلفا وخلفا واللہ اعلم (فتح الباری ص۴۵ ج ۱۱)

وقال ایضا: قال ابن بطال اختلف الناس فی المعانقۃ فکرھہا مالک الخ۔
(فتح الباری ص۴۹ ج ۱۱)

وقال ایضا: استأذن سفیان بن عیینۃ علی مالک رحمہما اللہ تعالی فاذن لہ فقال السلام علیکم فردوا علیہ ثم قال السلام خاص وعام السلام علیک یا ابا عبد اللہ

ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فقال وعلیک السلام یا ابا محمد ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ثم قال لولا انہا بدعۃ لعانقتک قال قد عانق من ہو خیر منک قال جعفر قال نعم قال ذاک خاص قال ما یعمنا یعمنا (حوالہ بالا)

فتح الباری سے امام مالک اور سفیان بن عیینہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے مابین جو مکالمہ اوپر نقل کیا گیا ہے اس کے آخر میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے سکوت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے قول تخصیص اور کراہت و تبدیل تعمیم سے رجوع فرمالیا تھا۔

مشائخ احناف نے اباحت کو ترجیح دی ہے اور قول طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کی مختلف توجیہات بیان فرمائی ہے، سب سے بہتر توجیہ وہی ہے جو اوپر وجہ التوفیق کے تحت لکھی گئی ہے کہ مواقع مخصوصہ کی رعایت کئے بغیر عام عادت بنا لینا مکروہ ہے، اس صورت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اباحت کے قائل نہیں، اس توجیہ کے تحت طرفین و ثانی رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

روایات و عبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ معانقہ خواہ صرف ضم عنق سے ہو یا ضم صدر سے بھی بہرحال مختص بالمواقع المخصوصہ ہے۔

پاکستان اور ہندوستان میں مروجہ معانقہ کہ سینہ سے سینہ ملا کر اور پورا جسم باہم پیوست کر کے خوب بھینچتے ہیں بلا شبہ بالاتفاق بدعت اور واجب الترک ہے، عدم ثبوت کے علاوہ اس میں مندرجہ ذیل مفاسد بھی ہیں:

① اس طریقہ مخترعہ کو سنت کہا جاتا ہے اور غیر سنت کو سنت کہنا بدعت ہے۔

② مختلف احوال اشخاص کی بو اور پسینوں سے تلوث جو موجب تأذی ہونے کے علاوہ مورث امراض بھی ہے، اسی لئے اس کو عرب کے علاوہ دنیا کے دوسرے بیشتر ممالک میں بھی نہایت مستہجن اور بہت قبیح سمجھا جاتا ہے۔

③ ایسے امر مستہجن و قبیح کو سنت سمجھنا سنت کی توہین و تحقیر ہے۔

④ خواہشات نفسانیہ کی تکمیل کا پیش خیمہ ہے، بے دین اور گمراہ لوگ سنت کے نام پر شہوت رانی کرتے ہیں اور دوسرے کبائر کے لئے اس کو وسیلہ بناتے ہیں۔

⑤ کسی کو قتل کرنے کی بہت آسان تدبیر ہے، حال ہی میں ایک حادثہ ہو چکا ہے کہ دوستانہ انداز میں ایک شخص نے دوسرے کو سینے سے لگا کر ایسا بھینچا کہ اس کے دل پر شدید دباؤ پڑنے سے اس کی موت واقع ہوگئی۔

سخت ایذاء رسانی تو بہت معمولی بات ہے، ایک شخص نے دوسرے کو اتنے زور سے دبایا کہ وہ

سے توڑ دیا گیا، کئی روز تک سانس لینے میں بہت تکلیف رہی۔

ایک شخص نے دوسرے کو ایسا دبایا کہ اس کی پسلی ٹوٹ گئی۔

پھر حماقت پر حماقت یہ کہ اس ظلم عظیم کو حق محبت کہا جانے لگا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

یوم عرفہ سنہ ۱۴۱۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

وَتَمَامُ تَحِيَّاتِكُمْ بَيْنَكُمُ الْمُصَافَحَةُ (احمد و ترمذی)

وقال انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

كَانُوْا إِذَا تَلَاقَوْا تَصَافَحُوْا وَإِذَا قَدِمُوْا مِنْ سَفَرٍ تَعَانَقُوْا (طبرانی اوسط)

باسمہ تعالیٰ

إن أشد الناس عذابا عند الله المصورون (بخاری)

"سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر سازوں کو ہوگا"

النذیر العریان

عن

عذاب صورة الحیوان

جاندار کی تصویر بنانے اور رکھنے پر لعنت

اور

سخت عذاب کی وعیدیں

از تحفہ

حضرت فقیہ العصر دامت برکاتہم

تحریر

حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

مکتبہ فاروقی

عن

جس گھر میں تصویر ہو اس میں ملائکہ داخل نہیں ہوتے۔

سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر سازوں کو ہوگا۔

تصویر سازی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک قسم کا شرک ہے۔

مختلف قسم کی تصویروں کے احکام کی تفصیل۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات۔

ائمہ اربعہ اور فقہاء امت رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین متین دریں مسئلہ کہ بندہ ایک اسکول میں ملازم ہے۔ اس میں یہ دستور ہے کہ اختتام سال پر جماعت ہفتم کے لڑکے جماعت ہشتم والے لڑکوں کی اور جماعت نہم والے دہم والوں کی الوداعی دعوت کرتے ہیں۔ اس مجلس میں اہتمام سے کیمرے لائے جاتے ہیں اور تمام شرکاءِ مجلس کی تصویریں اتاری جاتی ہیں۔ میں نے روکنے کی کوشش کی مگر وہ باز نہ آئے۔ میں اپنی حد تک بچاؤ کے لئے رومال سے منہ چھپا لیتا ہوں، کیا اس طریقے سے میرے لئے مجلس میں شریک ہونا جائز ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ عوام اسے گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ تصویر کی حرمت پر مفصل روشنی ڈالئے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ معصیت کی مجلس ہے جس میں شرکت قطعاً جائز نہیں، بلکہ دورانِ مجلس اس قسم کی حرکت شروع ہو تب بھی روکنے کی قدرت نہ رکھنے والے ہر شخص پر اٹھ جانا واجب ہے، الا یہ کہ ایسی مجلس میں کسی سے کوئی حق متعلق ہو کجماعۃ الصلاۃ وضیافۃ الدین۔

چنانچہ قرآن مجید کی واضح ہدایت ہے:

وقد نزّل علیکم فی الکتٰب ان اذا سمعتم اٰیٰت اللہ یکفر بہا ویستہزأ بہا فلا تقعدوا معہم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلہم، الآیۃ (۴-۱۴۰)

"اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس یہ فرمان بھیج چکا ہے کہ جب احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزاء اور کفر ہوتا ہوا سنو تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جب تک کہ وہ کوئی اور بات شروع نہ کردیں کہ اس حالت میں تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔"

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وفی ھذہ الآیۃ دلالۃ علی وجوب انکار المنکر علی فاعلہ وان من انکارہ اظہار الکراھۃ اذا لم یمکنہ ازالتہ وترک مجالسۃ فاعلہ والقیام عنہ حتی ینتھی ویصیر

الیٰ منافی غیرها (احکام القرآن ص ۴۶۸ ج ۲)

"یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص گناہ کا ارتکاب کرے اس پر زور نکیر واجب ہے، اگر گناہ کا ازالہ ممکن نہ ہو تو یہ بھی نکیر ہی کی صورت ہے کہ گناہ پر نفرت و کراہت کا اظہار کیا جائے اور مرتکب گناہ کی ہمنشینی چھوڑ دی جائے اور اس کے پاس سے اٹھ جایا جائے حتیٰ کہ وہ گناہ کو چھوڑ کر دوسرے کام میں لگ جائے"

اس سے انکار نہیں کہ تصویر کی لعنت اس زمانہ میں وبا عام کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ ایوان و محل سے لے کر کچی جھونپڑیوں تک ملک کے در و دیوار تصویروں سے اٹے ہوئے ہیں مگر یہ فلسفہ بھی تو خودکشی کے مترادف ہے کہ کوئی مرض جب وبائی صورت اختیار کر کے پوری آبادی کو لپیٹ میں لے لے تو مناسب تدبیر اختیار کرنے کی بجائے اسے مرض کہنا ہی چھوڑ دیا جائے۔

بہرحال کوئی گناہ کتنا ہی عام ہو جائے اس سے حکم شریعت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لسان نبوت سے نکلا ہوا ایک ایک حرف اپنی جگہ اٹل حقیقت اور رہتی دنیا تک کے لئے مشعل راہ ہے۔

اگر آج کا فاری مسلمان ہادی کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات کے خلاف عملاً بغاوت پر اتر آیا ہے تو یہ اس کی اپنی شقاوت و سیاہ بختی ہے نہ کہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نقص۔

تصویر سازی شریعت کی رو سے ایک کبیرہ گناہ ہے، اس کے ہولناک نتائج کسی ذی ہوش انسان پر مخفی نہیں، معذب اقوام کا عبرتناک انجام قرآن مجید نے مفصل بیان کیا ہے، ان میں کفر و شرک کی گمراہی تصویر کے راستہ ہی سے در آئی تھی، صحیحین کی حدیث ہے:

اولئک اذا مات فیهم الرجل الصالح بنوا علی قبره مسجدا ثم صوروا فیه تلک الصور، اولئک شرار الخلق عند اللہ (متفق علیه)

"ان اہل کتاب میں جب کوئی نیک آدمی دنیا سے رخصت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے پھر اس میں یہ تصویریں رکھتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بدترین لوگ ہیں۔"

شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وکان غالب کفر الامم من جھۃ الصور (فتح الباری ص[illegible] ج ۱۰)

"اکثر امتوں میں کفر و شرک کی بیماری تصویروں کے راستہ سے آئی ہے۔"

اس دور میں بھی جبکہ بے پردگی، فحاشی اور عریانی کا سیلاب تمام بند توڑ چکا ہے ہر شخص جانتا ہے کہ یہ فتنۂ تصویر کا شاخسانہ ہے اور یہ پورا سیلاب ٹی وی، وی سی آر اور فحش اخبارات کے دہانہ سے اُبل رہا ہے۔

دلائل حرمت:

تصویر کی حرمت پر احادیث بہت کثرت سے آئی ہیں جو معنوی طور پر حد تواتر تک پہنچ جاتی ہیں، صرف صحیح بخاری میں اس پر دس ابواب مذکور ہیں۔ ہم اختصار کے پیش نظر صرف صحیح بخاری کے ان ابواب سے ہی ایک ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

(۱) عن ابی طلحۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تدخل الملئکۃ بیتا فیہ کلب ولا تصاویر (بخاری ص۸۸۰ ج ۲ باب التصاویر)

"جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔"

(۲) قال عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اشد الناس عذابا عند اللہ المصورون (ایضا باب عذاب المصورین یوم القیمۃ)

"قیامت کے روز سب سے زیادہ سخت ترین عذاب تصویر سازوں کو ہوگا۔"

(۳) قال ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ومن اظلم ممن ذھب یخلق کخلقی فلیخلقوا حبۃ ولیخلقوا ذرۃ الحدیث۔

(ایضا باب نقض الصور)

"اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو عمل خالقیت میں میرا مقابلہ کرنے لگا، یہ لوگ ایک دانہ یا ایک ذرہ تو پیدا کرکے دکھائیں۔"

(۴) قالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سفر وقد سترت بقرام لی علی سھوۃ لی فیھا تماثیل فلما رآہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھتکہ وقال اشد الناس عذابا یوم القیمۃ الذین یضاھون بخلق اللہ۔

(ایضا باب ما وطئ من التصاویر)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے، میں نے طاق پر تصویر دار پردہ لٹکایا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سے دیکھا تو پھاڑ دیا اور فرمایا روز قیامت سخت ترین عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو صنعت تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی نقل اتارتے ہیں۔"

(۵) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا اشترت نمرقۃ فیہا تصاویر فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالباب فلم یدخل فقلت اتوب الی اللہ مما اذنبت۔ قال ما ھذہ النمرقۃ؟ قلت لتجلس علیہا وتوسدہا، فقال ان اصحاب ھذہ الصور یعذبون یوم القیامۃ یقال لہم احیوا ما خلقتم وان الملئکۃ لا تدخل بیتا فیہ الصور (ص[illegible] ج ۲ باب من کرہ القعود علی الصور)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے تصویر دار تکیہ خریدا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ پر رک گئے، اندر تشریف نہ لائے، میں نے عرض کیا: مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی؟ میں اپنے گناہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تکیہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا: اس مقصد سے لیا ہے کہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس سے تکیہ لگائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روز قیامت ان تصویر سازوں کو عذاب ہوگا اور ان سے کہا جائے گا کہ اپنی تخلیق تصاویر کو زندہ کر دکھاؤ، اور بلاشبہ فرشتے ایسے مکان میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں۔"

(۶) کان قرام لعائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سترت بہ جانب بیتہا فقال لہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم امیطی عنی فانہ لا تزال تصاویرہ تعرض لی فی صلوتی (ایضا باب کراھیۃ الصلوۃ فی التصاویر)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گھر پر تصویر دار پردہ لٹکایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے ہٹادو، اس کی تصویریں بار بار میری نماز میں مخل ہوتی ہیں۔" (اس حدیث پر اشکال کے جوابات ص[illegible] پر دیکھیں)

(۷) عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال وعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم جبریل فراث علیہ حتی اشتد علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

خلفه، فنظر الیه ما وجد، فقال له انا لا ندخل بیتا فیه صورة ولا کلب۔

(ایضا باب لا تدخل الملئکة بیتا فیه صورة)

"حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا وعدہ کیا مگر وقت پر نہ آسکے، یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزری، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دولتکدہ سے باہر تشریف لائے تو جبریل علیہ السلام مل گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اپنے رنج و حزن آشفتگی کا شکوہ فرمایا، اس پر جبریل علیہ السلام نے فرمایا ہم گھر میں کتا یا تصویر ہو ہم اس میں داخل نہیں ہوتے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولتکدہ پر اس وقت یہ دونوں چیزیں موجود تھیں جن کی وجہ کا آپ کو علم نہ تھا، جبریل علیہ السلام نے بتایا تو آپ نے ان کو ہٹوادیا۔

(۸) عن عائشة رضی الله تعالی عنها زوج النبی صلی الله تعالی علیه وآله وسلم انها اشترت نمرقة فیها تصاویر فلما رأها رسول الله صلی الله علیه وسلم قام علی الباب فلم یدخله فعرفت فی وجهه الکراهیة فقالت یا رسول الله اتوب الی الله والی رسوله ماذا اذنبت، قال ما بال هذه النمرقة قالت اشتریتها لتقعد علیها وتوسدها فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان اصحاب هذه الصور یعذبون یوم القیمة ویقال لهم احیوا ما خلقتم وقال ان البیت الذی فیه الصور لا تدخله الملئکة (ایضا باب من لم یدخل بیتا فیه صورة)

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں: انھوں نے ایک تصویر دار تکیہ خریدا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر نظر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ پر رک گئے، اندر تشریف نہ لائے، میں نے چہرۂ انور پر ناراضی کے آثار دیکھے تو عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں مجھ سے کیا گناہ سرزد ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تصویر دار تکیہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے اس لیے خریدا ہے کہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس سے تکیہ لگائیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تصویر والوں کو روز قیامت عذاب ہوگا اور کہا جائے گا اپنی مخلوق تصاویر کو زندہ کر دکھاؤ۔ اور فرمایا جس گھر میں تصاویر ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔"

(۹) عن وهب السوائی رضی الله تعالی عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم نعت ا کلب

الربو وموکلہ والواشمۃ والمستوشمۃ والمصور (ایضاً باب من لعن المصور)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، جسم گودنے والی پر، گدوانے والی پر اور تصویر ساز پر لعنت فرمائی۔"

(۱۰) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال سمعت محمداً صلی اللہ علیہ وسلم یقول من صور صورۃ فی الدنیا کلف یوم القیامۃ ان ینفخ فیہا الروح ولیس بنافخ (ایضاً باب من صور صورۃ کلف ان ینفخ)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے دنیا میں تصویر بنائی اسے روز قیامت مجبور کیا جائے گا کہ اس میں روح پھونکے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے گا۔"

نہ روح پھونک سکے گا نہ ہی عذاب میں تخفیف ہوگی۔

یہ وعیدیں ہر قسم کی تصویر سے متعلق ہیں خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی، کپڑے کاغذ پر بنائی جائے یا در و دیوار پر، سکے پر نقش کی جائے یا نوٹوں پر چھاپی جائے، بہرکیف یہ مذکورہ بالا وعیدوں کا مصداق اور حرام ہے، اس بارہ میں اکابر علماء امت کی تصریحات آگے آرہی ہیں۔

پھر ان وعیدوں کا مصداق فقط تصویر سازی نہیں بلکہ امام ابن الحاج رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح کے مطابق اس کی تحسین و تصویب کرنے والا، اس کا ہمنشین، اس کے اس فعل پر دل سے راضی ہونے والا، اس فعل کو دیکھ کر قدرت کے باوجود نکیر نہ کرنے والا سب شریک گناہ ہیں (المدخل ص ۲۷۲ ج ۱)

البتہ بے جان اشیاء کی تصاویر ان وعیدوں سے مستثنیٰ ہیں، ان کے بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ موجود ہے:

ان ابیت الا ان تصنع فعلیک بہذا الشجر کل شیء لیس فیہ روح۔

(صحیح بخاری ص ۲۹۶ ج ۱، صحیح مسلم ص ۲۰۲ ج ۲)

"اگر بنانا ہی ہے تو درخت اور دوسری بے جان اشیاء کی تصویر بنا لو۔"

اجماع امت:

جاندار کی تصویر سازی باجماع امت حرام ہے، اس مسئلہ میں علماء امت کی عبارات اس کثرت سے موجود ہیں کہ ان کا استقصاء ایک ضخیم کتاب کا متقاضی ہے، ہم بطور نمونہ ہر فقہی مکتب فکر کی ایک ایک عبارت نقل کئے دیتے ہیں:

① شارح صحیح بخاری علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وفی التوضیح قال اصحابنا وغیرھم تصویر صورۃ الحیوان حرام اشد التحریم وھو من الکبائر وسواء صنعہ لما یمتھن او لغیرہ فحرام بکل حال لان فیہ مضاھاۃ لخلق اللہ وسواء کان فی ثوب او بساط او دینار او درھم او فلس او اناء او حائط واما ما لیس فیہ صورۃ حیوان کالشجر ونحوہ فلیس بحرام وسواء فی ھذا کلہ ما لہ ظل وما لا ظل لہ وبمعناہ قال جماعۃ العلماء مالک والثوری وابو حنیفۃ وغیرھم انتھی۔

(عمدۃ القاری صفحہ ج ۲۲)

"توضیح میں ہے کہ ہمارے فقہاء (حنفیہ) اور دوسرے حضرات نے بھی فرمایا کہ جاندار کی تصویر بنانا سخت حرام اور کبائر میں سے ہے، خواہ پامال اور ذلیل کرنے کیلئے بنائی جائے یا کسی اور مقصد سے، بہرکیف حرام ہے، اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کا مقابلہ ہے۔ اور خواہ تصویر کپڑے پر ہو یا بچھونے، دینار، درہم، پیسے، برتن یا دیوار پر۔ ہاں! جس میں جاندار کی تصویر نہ ہو جیسے درخت وغیرہ تو یہ حرام نہیں۔ اور اس حکم حرمت میں سایہ دار (جسم دار مورت) اور بے سایہ (بے جسم صرف نقش) تصویر برابر ہیں۔ اور یہی حکم فرمایا جماعت علماء امام مالک، ثوری اور ابو حنیفہ وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے۔"

احناف کی دیگر کتب میں بھی یہی مسلک مفصل مذکور ہے، ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع ج ۱ صفحہ ۱۱۶، ہندیہ صفحہ ۳۵۹ ج ۵، رد المحتار صفحہ ۴۳۵ ج ۱، المنار صفحہ ۴۳۴ وغیرہا۔

② شیخ الاسلام محی الدین نووی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال اصحابنا وغیرھم من العلماء تصویر صورۃ الحیوان حرام شدید التحریم وھو من الکبائر لانہ متوعد علیہ بھذا الوعید الشدید المذکور فی الاحادیث وسواء صنعہ بما یمتھن او بغیرہ فصنعتہ حرام بکل حال لان فیہ مضاھاۃ لخلق اللہ تعالیٰ وسواء ما کان فی ثوب او بساط او درھم او دینار او فلس او اناء او حائط او غیرھا۔ واما تصویر صورۃ الشجر ورحال الابل وغیر ذلک مما لیس فیہ صورۃ حیوان فلیس بحرام (وبعد سطور) ولا فرق فی ھذا کلہ بین ما لہ ظل وما لا ظل لہ ھذا تلخیص مذھبنا فی المسألۃ وبمعناہ قال جماھیر العلماء من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم والتابعین ومن بعدھم

ومن بعدهم رحمهم الله تعالى وهو مذهب الثوري ومالك وأبي حنيفة وغيرهم رحمهم الله تعالى۔ وقال بعض السلف انما ينهى عما كان له ظل ولا بأس بالصور التي ليس لها ظل، وهذا مذهب باطل، فان الستر الذي انكر النبي صلى الله عليه وسلم الصورة فيه لا يشك احد انه مذموم وليست لصورته ظل مع باقي الاحاديث المطلقة في كل صورة۔

(شرح النووی علی صحیح مسلم ص۱۹۹ ج۲)

"ہمارے علماء (شافعیہ) اور دوسرے علماء نے فرمایا کہ جاندار کی تصویر بنانا سخت حرام اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اس لئے کہ اس پر سخت وعید آئی ہے جو احادیث میں مذکور ہے۔ خواہ تصویر پامال و ذلیل کرنے کے لئے بنائی گئی ہو یا کسی دوسرے مقصد کے لئے، اس کا بنانا بہرحال حرام ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کا مقابلہ ہے۔ اور خواہ کپڑے پر بنائی جائے یا بچھونے، درہم، دینار، پیسے، برتن، دیوار یا کسی اور چیز پر۔ البتہ درخت اور دوسری بے جان چیزوں کی تصویر بنانا جائز ہے۔

ان تمام احکام میں سایہ دار (مورت) اور بے سایہ (صرف نقش) تصویر کے مابین کوئی فرق نہیں (دونوں قسمیں یکساں طور پر حرام ہیں) یہ اس مسئلہ میں ہمارے مذہب کا خلاصہ ہے۔ اور یہی قول ہے جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین اور مابعد کے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اور یہی مذہب ہے امام سفیان ثوری، مالک اور ابوحنیفہ وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کا۔

اسلاف میں سے بعض کا قول ہے کہ سایہ دار (ذی جسم) تصویر سے منع کیا جائے گا۔ اور ان تصویروں میں کوئی حرج نہیں جو بے سایہ ہیں۔

لیکن یہ مذہب باطل ہے اس لئے کہ جس پردہ کی تصویر پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر فرمائی بے شک وشبہ وہ تصویر مذموم تھی، حالانکہ اس تصویر کا کوئی سایہ نہ تھا۔ دوسری احادیث اس پر مستزاد ہیں جو ہر تصویر کے متعلق مطلق ہیں۔"

حضرات شوافع کی دوسری کتابوں میں بھی تصویر کی حرمت مصرح ہے۔ ملاحظہ ہو:
نهاية المحتاج الى شرح المنهاج ص۳۶۹ ج۶، تکملة المجموع شرح المهذب ص۲۴۴ ج۱۶، حواشی تحفة المحتاج ص۲۴۲ ج۷ وغیرہا۔

(۲) علامہ مرداوی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یحرم تصویر ما فیہ روح ولا یحرم تصویر الشجر ونحوہ والتمثال مما لا یشابہ ما فیہ روح علی الصحیح من المذہب (الانصاف ص۴۷۴ ج۱)

"جاندار چیز کی تصویر بنانا حرام ہے، درخت اور دوسری ایسی اشیاء کی تصویر بنانا جو جاندار کے مشابہ نہ ہوں صحیح مذہب کے مطابق حرام نہیں۔"

یہی تفصیل ان کتب میں بھی ہے:

المغنی لابن قدامۃ ص۲۸۳ ج۷، الاقناع ص۲۰۱ ج۳، کشاف القناع ص۱۷۰ ج۵۔

(۳) فقہ مالکی کی عام کتابوں میں تصویر کے متعلق یہ تفصیل مذکور ہے کہ سایہ دار تصویر ناجائز اور بے سایہ جائز ہے، چنانچہ دردیر علی مختصر الخلیل میں ہے:

والحاصل ان تصاویر الحیوانات تحرم اجماعاً ان کانت کاملۃ لہا ظل مما یطول استمرارہ، بخلاف ناقص عضو لا یعیش بہ لو کان حیواناً، وبخلاف ما لا ظل لہ کنقش فی ورق او جدار وفیما لا یطول استمرارہ خلاف والصحیح حرمتہ۔

(الشرح الصغیر علی الدردیر ص۵۰۱ ج۲)

"خلاصہ یہ کہ جانداروں کی تصاویر بالاجماع حرام ہیں بشرطیکہ مکمل ہوں، سایہ دار ہوں اور دیرپا ہوں، بخلاف ایسی تصویر کے جن میں ایسے عضو کی کمی ہو جس کے بغیر جاندار زندہ نہیں رہ سکتا، اور بخلاف بے سایہ تصویر کے، جیسے کاغذ یا دیوار پر بنے ہوئے نقش (کہ یہ دونوں قسمیں جائز ہیں) اور جو تصویر دیرپا نہ ہو اس میں اختلاف ہے، صحیح قول کے مطابق یہ بھی حرام ہے۔"

شرح منح الجلیل ص۱۶۶ ج۲ اور الخرشی ص۳۰۲ ج۳ وغیرہا میں بھی یہی مذکور ہے۔

صاحب مذہب حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس بارہ میں دو قول منقول ہیں، ایک تو سایہ دار اور بے سایہ تصویر میں تفصیل کا، کہ اول ناجائز اور ثانی جائز ہے، اور دوسرا قول علی الاطلاق حرمت کا، ملاحظہ ہو: التمہید لابن عبد البر ص۳۰۱ ج۱۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بے سایہ تصویر کے جواز کا قول مذہب جمہور کے خلاف اور دلائل کے لحاظ سے ضعیف ہے، صحیح بخاری کی مذکورہ احادیث پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی اس کا ضعف ظاہر ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے مذہب

الشذر العریان ______ ۱

باطل قرار دیا اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف اسکی نسبت نہیں کی، کما مر آنفاً۔

مذہب مالکیہ کے بعض اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اس موقف سے اختلاف کرتے ہوئے جمہور کا مذہب اختیار فرمایا ہے، چنانچہ قاضی ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مذہب جمہور کو اصح اور علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے اعدل الاقوال قرار دیا ہے۔ امام اجہوری مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے راجح قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو:

عارضۃ الاحوذی ص۲۵۳ ج۷، زرقانی علی الموطا ص۳۶۶ ج۴۔

⑤ معروف غیر مقلد عالم علامہ محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی نیل الاوطار ج۲ میں ص۱۱۱ سے ص۱۱۵ تک حرمت تصویر کی احادیث مفصل طور پر نقل کی ہیں اور ص۱۱۵ پر علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا پوری عبارت نقل کی ہے، صحیح بخاری و مسلم کی دو حدیثیں نقل کرکے ان کی شرح میں لکھتے ہیں:

والحدیثان یدلان علی ان التصویر من اشد المحرمات للتوعد علیہ بالتعذیب فی النار وبان کل مصور من اھل النار، ولورود لعن المصورین فی احادیث اخر، وذلک لا یکون الا علی محرم متبالغ فی القبح۔

وانما کان التصویر من اشد المحرمات الموجبۃ لما ذکر لان فیہ مضاھاۃ لفعل الخالق جل جلالہ، ولھذا سمی الشارع فعلھم خلقاً وسماھم خالقین۔ وظاھر قولہ "کل مصور" وقولہ "بکل صورۃ صورھا" انہ لا فرق بین المطبوع فی الثیاب وبین ما لہ جرم مستقل، ویؤید ذلک ما فی حدیث عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا المذکور من التعمیم۔ (نیل الاوطار ص۱۱۱ ج۲)

"دونوں حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ تصویر سخت ترین محرمات میں سے ہے، کیونکہ اس پر عذاب جہنم کی وعید سنائی گئی ہے اور یہ کہ ہر تصویر ساز اہل جہنم میں سے ہے، نیز اس سبب سے کہ دوسری احادیث میں تصویر سازوں پر لعنت آئی ہے، اور یہ شدید وعیدیں صرف ایسے گناہ پر ہی ہو سکتی ہیں جو قباحت میں انتہائی درجہ کا گناہ ہو۔ تصویر کا گناہ سخت ترین حرام اور مذکورہ بالا وعیدوں کا مصداق اس لئے ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے فعل تخلیق کا مقابلہ ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عمل تصویر سازی کو خلق اور انہیں خالقین

کے نام سے موسوم فرمایا، اور احادیث کے الفاظ "صلیب" "مصورۃ" اور "علیہ تصویر" "صورۃ" کے ظاہر الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کپڑے پر نقش شدہ تصویر اور مستقل جسم والی تصویر میں کوئی فرق نہیں اور اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکور حدیث سے بھی ہوتی ہے جو دونوں قسم کی تصویروں کے لئے عام ہے۔"

فوائد متفرقہ :

○۔ حدیث ۱ میں تصریح ہے کہ فرشتے تصویر والے مکان میں داخل نہیں ہوتے، جمہور علماء کے نزدیک اس سے مراد خاص ملائکہ رحمت و برکت ہیں، کراماً کاتبین یا وہ فرشتے جو جنات شیاطین اور ناگہانی مصائب سے انسان کی حفاظت پر مامور ہیں وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

○۔ حدیث ۲ میں تصویر سازوں کے لئے "اشد العذاب" (سب لوگوں سے سخت عذاب) کی وعید آئی ہے،

اس پر کسی کو اشکال ہوسکتا ہے کہ "اشد العذاب" کی وعید تو قرآن و حدیث میں اور بھی کئی قسم کے مجرموں کو سنائی گئی ہے، یہ نصوص متعارض معلوم ہوتی ہیں۔

جواب :

جن جن لوگوں کے لئے "اشد العذاب" کی وعید آئی ہے وہ تمام لوگ بیک وقت اس میں شریک ہونگے، کسی ایک فریق کا اس میں داخل ہونا دوسرے فریق کے خارج ہونے کو مستلزم نہیں۔

○۔ حدیث ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ تصویردار پردہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں موجود تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر نہ فرمائی بلکہ اسکی موجودگی میں نماز بھی ادا فرماتے رہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں :

وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الیہ

بظاہر یہ روایت حدیث ۳ اور ۴ سے متعارض ہے جن میں تصریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویردار پردہ کا وجود ایک لمحہ کو بھی گوارا نہ فرمایا بلکہ نظر پڑتے ہی فوراً ہٹانے کا حکم فرمایا۔

جواب :

① پہلی دونوں روایتیں جاندار وں کی تصاویر سے متعلق ہیں جنھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

سے تورا ہٹانے کا حکم فرمایا، اور روایت ۱۵ میں مذکورہ تصاویر چونکہ ذی روح کی نہ تھیں بلکہ بے جان اشیاء درختوں پھولوں وغیرہ کے نقوش تھے چونکہ یہ چیزیں جائز ہونے کے باوجود نماز سے توجہ ہٹانے کا سبب بن جاتی ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ احتیاط و تقویٰ انھیں ہٹانے کا حکم فرمایا، ھکذا اجاب البدر العینی رحمہ اللہ تعالیٰ فی عمدۃ القاری ص ۲۲ ج ۲۲۔

(۲) ممکن ہے یہ حدیث زمانۂ حرمت سے پہلے کی ہو (فتح الباری ص ۳۲۲ ج ۱۰)

(اس حدیث سے حرمت کی بجائے حلت ثابت ہو رہی ہے اس لئے جوابات کی ضرورت پڑی، لہٰذا اسے دلائل حرمت میں شمار کرنا صحیح نہیں۔ رشید احمد)

دلائل جواز کا تجزیہ:

جو لوگ تصویر کو جائز قرار دیتے ہیں ان کی طرف سے درج ذیل دلائل پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) یعملون لہ ما یشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیات (۳۴-۱۳)

"بناتے تھے اس کے لئے جو کچھ چاہتا قلعے اور تصویریں اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں چولہوں پر جمی ہوئی۔"

اس آیت میں صراحت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جنات سے تصویریں بنواتے تھے، معلوم ہوا کہ تصویر سازی جائز ہے، ورنہ ایک جلیل القدر نبی یہ کام کیوں کرواتے؟

(۲) نہی کی تمام احادیث کا مصداق مجسم دار تصاویر (جیسے مورتیاں) ہیں، کپڑے کاغذ وغیرہ پر منقش شدہ تصویر اس بحث سے خارج ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں جہاں تصویر پر سخت وعیدیں مذکور ہیں وہاں اس منقش تصویر کو الا رقما فی ثوب (مگر جو کپڑے پر منقش ہو) کے الفاظ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، ملاحظہ ہو: ص ۸۸۱ ج ۲ باب من کرہ القعود علی الصور۔

(۳) ان تمام احادیث کی اصل علت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قلوب سے بت پرستی کے آثار و نشان مٹانا تھے جو نئے نئے شرک سے اسلام میں آئے تھے، لہٰذا جب عقیدۂ توحید ان حضرات کے رگ و پے میں رچ بس گیا اور بتوں سے انھیں طبعی نفرت پیدا ہو گئی تو اس نوع کی تمام احادیث از خود منسوخ ہو گئیں، جیسے ابتداء اسلام میں خاص خاص مقاصد کے پیش نظر کتوں کو مارنے کا حکم صادر کیا گیا، شراب کے مخصوص برتن توڑنے کا حکم فرمایا گیا اور قبروں پر جانے کی ممانعت کی گئی، مگر رفتہ رفتہ جب یہ

مقاصد حاصل ہو گئے تو یہ تینوں حکم منسوخ قرار پائے۔

علی الترتیب ہم ان تینوں دلائل کا جواب ذکر کرتے ہیں:

① یہ درست ہے کہ تمثال بمعنی تصویر ہی ہے مگر اس دعوے کی کیا دلیل ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام خاص جاندار اشیاء ہی کی تصویریں بنوا تے تھے؟ جب درخت، پھل، پھول، پہاڑ، سمندر اور تمام قدرتی مناظر کی عکاسی بھی تماثیل کے تحت داخل بلکہ اس کا فرد حقیقی ہے تو کیوں کھینچ تان کر جاندار ہی کی تصاویر کے ساتھ اسے مخصوص ٹھہرایا جائے؟

یہ استدلال اس لحاظ سے بھی دور از کار ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام دیگر انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کی طرح تورات کے پیروکار تھے، اور تورات میں جاندار اشیاء کی تصویر سازی سے سختی سے منع کیا گیا ہے، ہزار تحریفات کے باوجود یہ ممانعت آج بھی تورات کے اوراق میں محفوظ ہے، ملاحظہ ہو: خروج ۲۰: ۴، استثناء ۴: ۱۶ تا ۱۸۔

اگر مان لیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جاندار اشیاء ہی کی تصویریں بنواتے تھے تب بھی یہ انہی کی شریعت کا مخصوص حکم ہوگا جس کا اتباع اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے کسی فرد کے لئے قطعاً جائز نہیں، اس لئے کہ اصول فقہ کا یہ معروف و مسلّم قاعدہ ہے کہ شرائع سابقہ کے صرف وہی احکام اس امت کے لئے واجب الاتباع ہیں جنہیں قرآن و حدیث نے برقرار رکھا ہے اور ان کے مخالف کوئی دوسرا حکم صادر نہیں فرمایا، یہاں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے صاف طور پر تصویر کی حرمت و ممانعت ثابت ہے تو یہ کیونکر روا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے اس صاف و صریح حکم سے روگردانی اختیار کر کے سلیمان علیہ السلام کی شریعت سے ایک منسوخ حکم لیا جائے؟ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح اعلان ہے:

والذی نفسی محمد بیدہ لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموہ و ترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیا وادرک نبوتی لاتبعنی (مشکوٰۃ بحوالہ دارمی)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے اگر موسیٰ تمہارے سامنے ظاہر ہوں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کا اتباع کرنے لگو تو راہ راست سے بھٹک جاؤ گے، اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ بھی میرا اتباع کرتے۔"

(۴) گزشتہ صفحات میں ہم صحیح بخاری کی دس احادیث نقل کر آئے ہیں یہ تمام احادیث مطلق ہیں، ان میں سے کسی ایک حدیث کے کسی ایک لفظ سے بھی اشارۃً تک نہیں ملتا کہ جسم دار تصاویر ناجائز اور بے جسم جائز ہیں، بلکہ حدیث ۴، ۵، ۶ اور ۸ تو ہیں ہی انہی تصاویر سے متعلق جو کپڑے پر منقش تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سختی سے نکیر فرمائی اور بنانے والوں کے لئے وعید ارشاد فرمائی۔

نیز کتب احادیث وسیر میں تصریح ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ اس میں بتوں کے علاوہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں بھی آویزاں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تصویریں مٹادیں اور مشرکین کے متعلق فرمایا:

قاتلهم الله (صحیح بخاری ص۲۱۹ ج ۱ وغیرہ)

"اللہ انہیں غارت کرے۔"

باقی رہے "الا رقما فی ثوب" کے الفاظ، تو رقم کے معنی لغت کی کسی کتاب میں بھی "جاندار کی تصویر" نہیں لکھے، اس کے اصل معنی نقش و نگار کے ہیں، چنانچہ صحیح بخاری اور سنن ابی داود میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازہ پر منقش پردہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا:

ما لنا وللدنیا وما لنا وللرقم المرقم (جمع الفوائد ص۲۹۰ ج ۱ بحوالہ بخاری وابی داود)

"ہمیں دنیا سے کیا واسطہ؟ ہمیں نقش و نگار سے کیا غرض؟"

حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وجوابنا وجواب الجمهور عنه انه محمول على رقم على صورة الشجر وغيره مما ليس بحيوان (نووی علی مسلم ص۲۰۰ ج ۲)

"ہمارا اور جمہور علماء کا جواب یہ ہے کہ یہ (الا رقما فی ثوب) درخت اور دوسری بےجان اشیاء کے نقوش کے بارے میں ہے۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ويحتمل ان يكون ذلك قبل النهي (فتح الباری ص۳۲۲ ج ۱۰)

"یہ بھی احتمال ہے کہ یہ واقعہ تصاویر کی حرمت سے پہلے کا ہو۔"

علامہ بدرالدین العینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وقال الطحاوی یحتمل قولہ الا رقما فی ثوب انہ اراد رقما یوطأ ویمتھن کالبسط والوسائد انتھی (عمدۃ القاری ص ج ۲۲)

"امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ الا رقما فی ثوب سے مراد ایسی تصویر ہو جو پامال اور ذلیل ہو جیسے بچھونے اور تکیے"

غرض: شراح حدیث میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ تصویر کی کوئی قسم ان وعیدوں سے خارج ہے۔

③ یہ استدلال بھی مغالطہ دہی سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا، جن تین اشیاء کی مثالیں پیش کی گئی ہیں ان میں ممانعت کے بعد ان کی اجازت بھی صراحۃً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، چنانچہ کتوں کے متعلق حدیث ہے:

عن ابن مغفل قال امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقتل الکلاب ثم قال ما بالھم وبال الکلاب، الحدیث (صحیح مسلم ص۲ ج ۲)

"حضرت ابن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا، پھر ارشاد فرمایا: لوگوں کو کتوں کی کیا پڑی ہے؟"

اب ان کا قتل کرنا چھوڑ دیں۔

اور زیارت قبور اور شراب کے برتنوں کے متعلق ارشاد گرامی ہے:

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا ونھیتکم عن لحوم الاضاحی فوق ثلاث فامسکوا ما بدا لکم ونھیتکم عن النبیذ الا فی سقاء فاشربوا فی الاسقیۃ کلھا ولا تشربوا مسکرا (صحیح مسلم ص۳۱۴ ج۱)

"میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا لیکن اب یہ منسوخ ہے، ان کی زیارت کر سکتے ہو، اور تمہیں قربانی کا گوشت تین دن سے زائد رکھنے سے منع کیا تھا لیکن اب یہ حکم بھی منسوخ ہے، جتنا عرصہ چاہو رکھ سکتے ہو، اور تمہیں مشکیزے کے سوا کسی برتن میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا، لیکن اب ہر برتن میں بنا سکتے ہو، اور نشہ آور چیز نہ پیو۔"

اس کے برعکس تصویر کے جواز کی کوئی روایت نہیں ملتی، اگر ہو تو مجوزین پیش کریں، ودونہ خرط القتاد - ہاں! اس کے شواہد ضرور ملتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت تک تصویر پر نکیر فرماتے رہے، صحیح بخاری ہی کی ایک روایت ملاحظہ ہو:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت لما اشتکی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکر بعض نسائہ کنیسۃ رأتھا بارض الحبشۃ یقال لہا ماریۃ وکانت ام سلمۃ وام حبیبۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اتتا ارض الحبشۃ فذکرتا من حسنہا وتصاویر فیہا فرفع رأسہ فقال اولئک اذا مات منہم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجدا ثم صوروا فیہ تلک الصورۃ اولئک شرار الخلق عند اللہ (صحیح بخاری ص ۱۷۹ ج ۱)

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں بعض ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے سرزمین حبشہ میں دیکھے ہوئے ایک گرجا کا ذکر کیا جس کا نام ماریہ تھا، حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حبشہ گئی تھیں، انھوں نے گرجا کے حسن وجمال اور اس میں موجود چند تصویروں کا ذکر کیا، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اوپر اٹھایا اور ارشاد فرمایا: (یہ اہل کتاب کا دستور رہا ہے کہ) جب ان میں کوئی مرد صالح انتقال کر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے پھر اس میں یہ تصویریں رکھ دیتے (آخر کار انہی تصویروں سے بتوں اور بتوں سے شرک کا دروازہ کھل گیا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بدترین خلائق ہیں"

نیز صحیح بخاری کی مذکورہ بالا احادیث میں سے حدیث ۳ میں جس سفر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کا ذکر ہے یہ سفر بھی حیات طیبہ کے آخری سالوں کا سفر تھا اس لئے کہ ایک روایت کے مطابق یہ سفر خیبر اور دوسری روایت کے مطابق سفر تبوک تھا، غزوہ خیبر ۷ھ میں اور غزوہ تبوک ۹ھ میں پیش آیا، کما صرح بہ اصحاب السیر۔

اور صحیح بخاری کی مذکورۃ الصدر احادیث میں بھی کہیں اس کا کوئی اشارہ نہیں کہ یہ ممانعت بت پرستی کی علت سے تھی، بالفرض محال اگر یہی علت قرار دی جائے تب بھی آگے یہ دعویٰ نرا دعویٰ ہی ہے کہ دنیا سے بت پرستی کا خاتمہ ہو گیا ہے لہٰذا تصویر سازی کی کھلی چھوٹ ہے۔ آج کی متمدن دنیا میں بھی ملکوں کے ملک بت پرستی کے گرداب میں پھنسے ہوئے ہیں، اور

کئی مشرک قومیں خاص طور سے اپنے بانیانِ مذاہب کو الوہیت کے اختیارات تفویض کرتی اور ان کی تصویریں پوجتی ہیں، عیاں را چہ بیاں ؟

اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ مفروضہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ بُت پرستی دنیا سے مٹ چکی ہے تب بھی اس دعوے کی کیا دلیل ہے کہ ممانعت کی علت صرف بت پرستی ہی میں منحصر تھی؟

مذکورہ بالا احادیث پر مکرر ایک نظر ڈال لی جائے جن میں حرمتِ تصویر کا ایک اہم سبب اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق کا مقابلہ بھی بیان کیا گیا ہے، نیز ایک وجہ ملائکہ رحمت کی آمد میں رکاوٹ بیان کی گئی ہے۔

الغرض اس قسم کے مفروضوں سے شریعت کے کسی قطعی مسئلہ کا انکار نہیں کیا جا سکتا، نہ ہی اس قسم کا اجتہاد سلف میں سے کسی کو سوجھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بڑھ کر کوئی شارح نہیں ہو سکتا، یہ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی رمز شناس اور ہر قول و فعل کے عینی شاہد ہیں، ان حضرات نے بھی تصویر سے متعلق تمام احادیث سے یہی مفہوم اخذ کیا کہ یہ ارشادات ہر قسم کی تصاویر سے متعلق ہیں اور ہمیشہ کے لئے ہیں۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نصاریٰ کی دعوت یہ فرما کر رد فرما دی کہ تمہارے ہاں تصویریں ہوتی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو الہیاج اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ شہر میں تمام تصاویر مٹا دیں اور فرمایا مجھے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کام پر بھیجا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مکان میں تصویر دیکھ کر دروازہ سے لوٹ آئے۔

یہ واقعات صحیح بخاری و مسلم میں مفصل مذکور ہیں۔

مسند احمد و سنن کبریٰ للبیہقی وغیرہ میں اور بھی کئی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واقعات مفصل مذکور ہیں جنہیں ہم اختصار کے پیش نظر ذکر نہیں کرتے۔

مذاہبِ اربعہ کی تصریحات بھی ہم اوپر مفصل ذکر کر آئے ہیں۔

ان کے علاوہ بھی کچھ دلائل پیش کئے جاتے ہیں، مثلاً:

(۱) ان وعیدوں کا مصداق صرف مشرکانہ نوعیت کی تصاویر ہیں جو پرستش کی غرض

سے بنائی گئی ہوں۔

اس دلیل کا ضعف اور بے بنیاد ہونا محتاج دلیل نہیں، کتب احادیث میں کم و بیش چالیس احادیث ملتی ہیں جن میں تصویر سازی پر شدید وعیدیں وارد ہیں، اس تمام ذخیرۂ احادیث میں کہیں اشارہ تک نہیں ملتا کہ حرمت کا حکم صرف مشرکانہ تصاویر کے ساتھ مخصوص ہے۔

صحیح بخاری کی جس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تصویر دار پردہ رکھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اظہار ناراضی کا ذکر ہے کیا ان میں بھی اس کا احتمال تھا کہ معاذ اللہ! حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پرستش کی غرض سے یہ تصویریں رکھی تھیں؟ حاشا! وکلا!

پھر جب احادیث میں حرمت کی دوسری وجوہ بھی صراحۃً مذکور ہیں، مثلاً مضاہاۃ بخلق اللہ، بمنع دخول ملائکہ، تو ان کو نظر انداز کر کے حکم حرمت کو صرف ایک سبب میں منحصر کرنے کی کیا تک باقی رہتی ہے؟

(۲) کیمرے کی تصویر درحقیقت تصویر ہی نہیں کہ اسے حرام کہا جائے، یہ تو ایک عکس اور سایہ ہے

(۳) مزید ایک انوکھی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ کیمرے میں فوٹوگرافر کسی بھی جاندار کی ظاہری صورت بناتا ہے، اس کے اعضاء و جوارح کی تخلیق و تکوین نہیں کرتا کہ اسے مضاھاۃ بخلق اللہ اور دوسری وعیدوں کا مصداق ٹھہرایا جائے۔

ان دلائل کی سطحیت اور کھوکھلا پن بھی بالکل ظاہر ہے، ہم ان کے جواب میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے، تاہم تصویر اور عکس میں واضح فرق اپنے رسالہ "ٹی وی کا زہر" میں واضح کر چکے ہیں، جسے شوق ہو دیکھ لے۔

سیاسی علماء کا کردار:

نہایت قلق سے لکھنا پڑتا ہے کہ تصویر کی لعنت عوام سے تجاوز کر کے خواص بلکہ علماء تک پہنچ گئی ہے جس کا یہ افسوسناک نتیجہ سامنے آرہا ہے کہ جہت سے لوگ ان حضرات کے اس طرز عمل کو دیکھ کر اس قطعی حرام کو حلال باور کرنے لگے، چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جب بھی عوام کو اس گناہ پر ٹوکا جاتا ہے تو وہ جھٹ سے کہہ دیتے ہیں:

"آپ لوگ دیکھتے نہیں؟ اب تو بڑے بڑے علماء بھی تصویریں کھنچواتے ہیں"

ان کا یہ کہنا کچھ جھوٹ بھی نہیں بلکہ آئے دن اخبارات میں ان حضرات کی تصویریں نمایاں ہوتی ہیں۔

قطع نظر اس سے کہ واقعۃً لوگ تصویر کو جائز سمجھنے لگے ہیں یا صرف ٹوکنے والوں سے گلو خلاصی کے لئے اس عذرِ لنگ کا سہارا لیتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ بعض علماء کے اس افسوسناک طرزِ عمل نے جہلاء کو جری بنا دیا بلکہ بے دین اور دریدہ دہن لوگوں کو زبان دیدی۔ بہانہ ساز لوگ خود سوچ کر فیصلہ کرلیں کہ ایک طرف صحیح بخاری کی احادیث، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح تنبیہات اور لعنت و "اشد عذابا" جیسی سخت وعیدیں، پھر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طرزِ عمل اور پوری امت کا اجماعی موقف ہے، دوسری جانب معدودے چند سیاسی علماء کا عمل (نہ کہ فتویٰ) کیا کل روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور آپ یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل کرلیں گے:

"ان علماء کی یہ بدعملی دیکھ کر شریعت کے ایک قطعی حکم کو ہم نے پس پشت ڈال دیا تھا"

خود تو منصف باش ......

علماء اپنے کئے کے خود ذمہ دار ہیں، ہم ان کی بیجا وکالت نہیں کرنا چاہتے، البتہ ایک خطرناک اور گمراہ کن مغالطہ کا جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں، وہ یہ کہ جب کبھی علماء بے عمل کی جانب سے ان پر تنقید کی جاتی ہے تو عموماً اس حلقہ کی طرف سے یہ جواب پیش کیا جاتا ہے:

"دینی مصلحت سے ہم یہ گناہ کرتے ہیں، اس لئے کہ اس دورِ فساد میں یہ ممکن ہی نہیں کہ اس قسم کے گناہوں سے بچتے ہوئے عوامی سطح پر کوئی بھی دینی خدمت انجام دی جاسکے"

گویا اپنے دین وایمان کا یہ نقصان دینی نفع کی خاطر گوارا کیا جاتا ہے، اگر یہ لچک بھی نہ اختیار کی جائے تو عوام سے رابطہ رکھنا ممکن نہیں۔

یہ ساری منطق بجا، مگر یہ فرمائیے کہ آج کے مسلم معاشرہ میں اگرچہ مسلم نام کی حد تک ہے، کیا رکاوٹیں اس معاشرہ سے کہیں زیادہ ہیں جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تن تنہا توحید کی آواز اٹھائی تھی؟ ان وقتی مشکلات کو اس دورِ خونچکاں سے کوئی دور کی نسبت بھی نہیں، پھر آخر کیا وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آزمائشوں کی یلغار

جنس کو ذرہ برابر لچک نہ اختیار فرمائی، مخالفین کی طرف سے مصالحت کی پیشکش یہ فرما کر ٹھکرادی:

"واللّٰہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترک ھذا الامر حتی یظھرہ اللّٰہ او اھلک فیہ ما ترکتہ" (البدایۃ ص۴۲ ج۳)

دشمنان اسلام جو مسلمانوں سے عناد و بغض میں سو گنا بڑھ کر تھے ان کی سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقصد سے دست بردار نہ ہوں صرف ذرا سی لچک اختیار کرلیں تو ہم مخالفت ترک کردیں گے۔

ودوا لو تدھن فیدھنون۔

مگر قرآن نے یہ دو ٹوک فیصلہ سنا کر ان کی یہ دیرینہ آرزو خاک میں ملادی:

ولا تطع کل حلاف مھین ....

یہ واشگاف الفاظ میں اعلان ہے کہ حق و باطل کے مابین سمجھوتہ کسی صورت ممکن نہیں، ایک طرف تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا یہ بے داغ اور چمکتا پہلو ہے مگر دوسری جانب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا بلکہ نائبین کا یہ شرمناک طرز عمل کہ معمولی سی منفعت کی خاطر اپنے دین کو داؤ پر لگا رہے ہیں۔ ؎

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

آجکل یہ اعتراض بھی زبان زد عوام و خواص ہے:

"طویل جد و جہد اور قربانیوں کے باوجود دینی جماعتیں کامیابی سے کیوں ہمکنار نہیں ہوتیں؟ ملک میں اسلامی نظام کیوں نافذ نہیں ہوتا؟"

اس کا جواب بھی یہی ہے کہ اسلام نافذ کرنے سے پہلے خود معیاری مسلمان بننا ضروری ہے۔

ادخلوا فی السلم کافۃ ....

اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی نصرت یا کامیابی کی امیدیں باندھنا خوش خیالی کے سوا کچھ نہیں، ان علماء کرام سے بڑھ کر کون جانتا ہے کہ معرکۂ احد و حنین میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ذرا سی لغزش (جسے لغزش کہتے بھی ڈر لگتا ہے) سے اللہ تعالیٰ کی آئی ہوئی مدد واپس ہوگئی، اس کے باوجود کہ ان کا خلاص، ان کی جاں نثاری اور جذبۂ جہاد کسی شک و شبہہ سے بالا تھے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کی رگ و پے میں پیوست تھی، سب سے بڑھ کر یہ کہ ان معرکوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود تھے، مگر بایں ہمہ

آسمانوں سے آنے والی مدد ہٹ گئی، گویا اللہ تعالیٰ رہتی دنیا تک کے لئے اپنا یہ اٹل قانون جتلا رہے تھے کہ اس کی ناراضی کے ساتھ دکو کر وہ وقتی ہو اور مساوات بھی ہو جائے کبھی اسکی نصرت نہیں آسکتی۔

ان حقائق کو سامنے رکھ کر یہ حضرات فیصلہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کیسے آسکتی ہے؟ جبکہ عین اس موقع پر جہاں نفاذ اسلام کے نعرے لگ رہے ہوتے ہیں، تصویر سازی کی لعنتیں برس رہی ہوتی ہیں، یوں بیک وقت آب و آتش کو جمع کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ تصویر کی حرمت قطعی ہے، اگر کسی عالم دین یا مقتدا کا عمل خلاف شرع ہو تو وہ اپنے کئے کا ذمہ دار ہے، حکم شریعت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

خلاصۂ احکام:

○ کسی بھی جاندار کی تصویر بنانا سخت حرام اور گناہ کبیرہ ہے، خواہ تصویر کسی بھی قسم کی ہو، بڑی ہو یا چھوٹی، کپڑے کاغذ پر بنائی جائے یا در و دیوار پر، قلم سے بنائی جائے یا کیمرے سے۔ اسی طرح تصویر کا پریس میں چھاپنا، مشین یا سانچے میں ڈھالنا بھی ناجائز ہے۔

○ تصویر ساز، فوٹوگرافر اور ان کے عمل میں کسی پہلو سے شرکت کرنے والے اشخاص فاسق ہیں، انکی اذان، اقامت، امامت ناجائز ہے، شہادت مردود ہے۔

○ تصویر کی خرید و فروخت حرام ہے، اس ذریعہ سے کمایا ہوا پیسہ حرام اور ناقابل استفادہ ہے۔

○ یہ جب ہے کہ تصویر کی خرید و فروخت ہی مقصود ہو، اگر مقصود کوئی اور چیز ہے مثلاً کپڑا، کاغذ وغیرہ اور تصویر اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے تو ایسی چیز کی تجارت جائز ہے مگر خریدار پر لازم ہے کہ چیز خریدتے ہی اس سے تصویر تلف کر دے۔

○ تصویر بنانے کی طرح اس کا بالقصد دیکھنا، دوسروں کو دکھانا اور پاس رکھنا بھی جائز نہیں۔ سینما، ٹی وی، وی سی آر کی فحش تصاویر دیکھنا دکھانا حرام بالائے حرام کا ارتکاب ہے۔

○ یہی حکم اخبار، رسائل اور اسکول کالج کی مطبوعہ کتب میں موجود تصاویر کا ہے، ان کے جائز مضامین کا پڑھنا جائز مگر تصاویر پر عمداً نظر ڈالنا ناجائز ہے۔

○ مصوّر گڑیوں، مصوّر کھلونوں اور مصوّر مٹھائیوں کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کا بنانا، بیچنا، خریدنا اور رکھنا جائز نہیں، بغیر خریدے بھی کھانا جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں تعاون علی المعصیۃ ہے۔

○ پاسپورٹ، شناختی کارڈ، ٹکٹ، سکّے اور تصویر دار نوٹ ضرورت کی اشیاء ہیں، ان کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں، بعض لوگ شوقیہ ٹکٹیں جمع کرتے ہیں، ان کے لئے تصویر دار ٹکٹ رکھنا جائز نہیں۔

○ تجارتی اداروں کے تصویر دار ڈرافٹ ان دا رکہ یا طلبہ کے شناختی کارڈ کی تصویر کسی شرعی ضرورت پر مبنی نہیں، اس لئے ناجائز ہیں۔

○ ایسا کپڑا پہن کر نماز پڑھنا جس میں جاندار کی تصویر ہو یا ایسی تصویر والی جگہ نماز پڑھنا جائز نہیں، اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی، ہاں اگر تصویر کا سر کٹا ہوا ہو یا چہرہ مٹا ہوا ہو یا تصویر بہت چھوٹی ہو جو کھڑے ہونے کی حالت میں واضح طور پر نظر نہ آئے تو نماز میں کراہت نہ ہوگی، اسی طرح بڑی تصویر اگر چھپی ہوئی ہو (مثلاً کرتے کے نیچے بنیان پر ہے) تب بھی نماز ہو جائے گی، مگر بلا ضرورت ایسا کپڑا استعمال کرنا گناہ ہے۔

○ جس مکان میں کسی جاندار کی تصویر ہو اس میں داخل ہونا جائز نہیں، ہاں! ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہیں، مثلاً قرض کی وصولی یا معاش و معاد سے وابستہ کوئی اور ضرورت۔

○ اگر تصویر ڈبے میں بند ہو یا کسی غلاف تھیلی وغیرہ میں مستور ہو تو یہ دخول ملائکہ رحمت میں رکاوٹ نہ ہوگی۔ ہاں! اس کے بھی بنانے، بیچنے، خریدنے اور بلا عذر رکھنے کا گناہ بدستور ہوگا۔

○ تصویر کسی شخص کے مکان یا دوکان وغیرہ میں موجود ہے، اور دوسرا مسلمان اس کے تلف کرنے پر قادر ہے تو تلف کر دینا اس پر واجب ہے، شرعاً اس پر کسی قسم کا ضمان بھی واجب نہیں، ہاں! جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو وہاں ایسا قدم نہ اٹھایا جائے۔

○ بعض حضرات ایسی جگہ جہاں تصویریں لی جا رہی ہوں شریک ہو جاتے ہیں اور تصویر سے بچنے کے لئے منہ پر کپڑا رکھ لیتے ہیں، گناہ سے بچنے کے لئے اتنا کافی نہیں، بلکہ ایسی مجلس سے اٹھ جانا واجب ہے خواہ یہ دینی اجتماع ہی ہو، بالخصوص یہ شخص مقتدا ہو تو

اس کا بیٹھنا اور بھی سخت اور دہرا گناہ ہے، ایک اپنی برائی کا اور دوسرا عوام کو گناہوں پر جری کرنے کا۔

۵۔ بعض لوگ بزرگوں کی تصویریں اہتمام سے سجا کر اپنے گھروں میں رکھتے ہیں، ان تصویروں کے احکام بھی بعینہ وہی ہیں جو عام تصویروں کے بیان کئے گئے کہ ان کا بنانا، بیچنا، خریدنا سب حرام ہے، اور انہیں متبرک سمجھنے میں تو کفر کا اندیشہ ہے، شرک اور گمراہی کا دروازہ اسی قسم کی تصویروں سے کھلتا ہے۔

۵۔ یہ تمام احکام جاندار کی تصویر کے تھے، بے جان اشیاء کی تصویر یا جاندار کی ایسی تصویر جس کا سر کٹا ہوا ہو یا چہرہ کے سوا الگ الگ اعضاء کی تصویر بنانا، بیچنا، خریدنا سب جائز ہے۔

محمد ابراہیم
نائب مفتی دار الافتاء والارشاد
۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ ہجری

ضمیمہ

از فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم العالی

تصاویر کی اقسام مختلفہ کے احکام:

سوال: سنہری زیور پر بعض اوقات کسی حیوان کی تصویر بنی ہوتی ہے کیا ایسا زیور پہننا جائز ہے؟ نیز ایسا زیور پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟

یہ وضاحت بھی فرمائیں کہ حیوان کی کیسی تصاویر جائز ہیں اور کیسی ناجائز، نیز کس قسم کی تصویر کی موجودگی میں نماز مکروہ ہے؟ بینوا بالتفصیل جزاکم اللہ الجلیل۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قال الشیخ ابو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ: واعلم ان ظاهر التقييد بلبسه يفيد ان بيع ثوب فيه تصاوير لا يكره وقيل يكره اي تحريما بدليل ما قيل ان رد شهادته اذ المكروه تحريما لا يوجب رد الشهادة وحيث كان بيعه موجبا رد شهادته فتسبحه بالاولى ووجه الاولوية ثبوت الخلاف في كراهة بيعه بخلاف نسجه لكونه تصويرا (فتح المعين ص ۵۲۲ ج ۳)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی مکروہات الصلوٰۃ: ولبس ثوب فيه تماثيل ذي روح وان يكون فوق رأسه او بين يديه او بحذائه يمنة او يسرة او محل سجوده تمثال ولو في وسادة منصوبة لا مفروشة واختلف فيما اذا كان التمثال خلفه والاظهر الكراهة ولا يكره لو كانت تحت قدميه او محل جلوسه لانها مهانة او في يده، عبارة الشمني بدنه لانها مستورة بثيابه او على خاتمه بنقش غير مستبين قال في البحر ومفاده كراهة المستبين لا المستتر بكيس او صرة او ثوب آخر واقره المصنف او كانت صغيرة لا تتبين تفاصيل اعضائها للناظر قائما وهي على الارض ذكره الحلبي او مقطوعة الرأس او الوجه او ممحوة عضو لا تعيش بدونه او لغير ذي روح لا يكره لانها لا تعبد وخبر جبريل مخصوص بغير المهانة كما بسطه ابن الكمال واختلف المحدثون في امتناع ملائكة الرحمة بما على النقدين فنفاه عياض واثبته النووي (رد المحتار ص [illegible] ج ۱)

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت قوله (ولبس ثوب فيه تماثيل) قال في البحر وفي الخلاصة وتكره التصاوير على الثوب صلى فيه او لا انتهى وهذه الكراهة تحريمية وظاهر كلام النووي في شرح مسلم الاجماع على تحريم تصوير الحيوان وقال وسواء صنعه لما يمتهن او لغيره فصنعته حرام بكل حال لان فيه مضاهاة لخلق الله تعالى وسواء كان في ثوب او بساط او درهم واناء وحائط وغيرها انتهى فينبغي ان يكون حراما لا مكروها ان ثبت الاجماع او قطعية الدليل بتواتره اه كلام البحر ملخصا وظاهر قوله فينبغي الاعتراض على الخلاصة في تسميته مكروها قلت لكن مراد الخلاصة اللبس المصرح به في المتون بدليل قوله في الخلاصة بعده اما اذا كان في يده وهو يصلي لا يكره وكلام النووي في فعل التصوير ولا يلزم من حرمته حرمة الصلاة فيه بدليل ان التصوير يحرم ولو كانت الصورة صغيرة كالتي على الدرهم او كانت في اليد او مستترة او مهانة مع ان الصلاة بذلك لا تكره لان علة حرمة التصوير المضاهاة لخلق الله تعالى وهي موجودة في كل ما ذكر وعلة كراهة الصلاة بها التشبه وهي مفقودة فيما ذكر كما يأتي فاغتنم هذا التحرير (رد المحتار ص [illegible] ج ۱)

وقال: (قوله وخبر جبريل الخ) هو قوله للنبي صلى الله عليه وسلم "انا لا ندخل بيتا فيه كلب ولا صورة" رواه مسلم وهذا اشارة الى الجواب عما يقال ان كانت علة الكراهة فيما مر كون المحل الذي تقع فيه الصلاة لا تدخله الملائكة لان شر البقاع بقعة لا تدخلها الملائكة ينبغي ان تكره ولو كانت الصورة مهانة لان قوله ولا صورة نكرة في سياق النفي فتعم وان كانت العلة التشبه بعبادتها فلا تكره الا اذا كانت امامه او فوق رأسه والجواب ان العلة هي الامر الاول واما الثاني فيفيد اشدية الكراهة غير ان عموم النص المذكور مخصوص بغير المهانة لما روى ابن حبان والنسائي "استأذن جبريل عليه السلام على النبي صلى الله عليه وسلم فقال ادخل. فقال: كيف ادخل وفي بيتك ستر فيه تصاوير؟ فان كنت لا بد فاعلا فاقطع رؤوسها او اقطعها وسائد او اجعلها بسطا" نعم يرد على هذا ما اذا كانت على بساط في موضع السجود فقد مر انه يكره مع انها لا تمنع دخول الملائكة وليس

فیه تشبه لان عبدة الاصنام لا یسجدون علیها بل ینصبونها ویتوجهون الیها الا ان یقال فیها صورة التشبه بعبادتها حال القیام والرکوع وتعظیم لها ان سجد علیها اهـ ملخصا من الحلیة والبحر۔

اقول: الذی یظهر من کلامهم ان العلة اما التعظیم او التشبه کما قدمناه والتعظیم اعم کما لو کانت عن یمینه او یساره او موضع سجوده فانه لا تشبه فیها بل فیها تعظیم وما کان فیه تعظیم وتشبه فهو اشد کراهة ولهذا تفاوتت رتبتها کما مر وخبر جبریل علیه السلام معلول بالتعظیم بدلیل الحدیث الآخر وغیره فعدم دخول الملائکة انما هو حیث کانت الصورة معظمة وتعلیل کراهة الصلاة بالتعظیم اولی من التعلیل بعدم الدخول لان التعظیم قد یکون عارضا لان الصورة اذا کانت علی بساط مفروش تکون مهانة لا تمتنع من الدخول ومع هذا لو صلی علی ذلک البساط وسجد علیها تکره لان فعله ذلک تعظیم لها والظاهر ان الملائکة لا تمتنع من الدخول بذلک الفعل العارض ولما مر فی الفتح عن شرح عتاب من انها لو کانت خلفه او تحت رجلیه لا تکره الصلاة ولکن تکره کراهة جعل الصورة فی البیت للحدیث فظاهره الامتناع عن الدخول ولو مهانة وکراهة جعلها فی بساط مفروش وهو خلاف الحدیث المخصص کما مر (رد المحتار ص ۴۳۹ ج ۱)

الاحکام المستفادة من النصوص المذکورة :

ایسا زیور بنانا، بیچنا، خریدنا، اپنے پاس رکھنا اور اس کو پہن کر نماز پڑھنا جائز نہیں، ایسی نماز کا اعادہ واجب ہے۔

اگر تصویر کپڑوں وغیرہ میں پوشیدہ ہو یا اتنی چھوٹی ہو کہ زمین پر رکھ کر اس کے پاس کھڑے ہو کر دیکھنے سے اعضاء کی تفاصیل نظر نہ آتی ہوں تو اس سے متعلق مندرجہ ذیل مسائل ہیں:

اتنی چھوٹی تصویر بنانا :

چھوٹی سے چھوٹی تصویر بنانا بھی بالاجماع حرام ہے لدخوله فی الحرمة المنصوصة لمضاهاته خلق الله۔

ایسی تصاویر کی خرید و فروخت :

اس میں کچھ اختلاف ہے مگر بدلائل ذیل عدم جواز راجح ہے :

① دلائل حرمت قویہ ہیں۔

② بوقت تعارض تساوی دلائل کی صورت میں بھی ترجیح حرمت مسلمہ ہے۔

③ اس کی اباحت سے اس کی صنعت کو تقویت ملتی ہے جو بالاجماع حرام ہے، لہٰذا یہ تعاون علی الاثم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

④ عوام کی ضلالت و ارتکاب کبائر کا ذریعہ ہے، اس لئے کہ وہ صغیرہ و کبیرہ اور پوشیدہ و ظاہر جیسی قیود و تفاصیل سے قطع نظر نفس عمل کو دیکھ کر مطلق جواز پر استدلال کریں گے۔

⑤ صورۃ صغیرہ کی تعریف مذکور میں اختلاف انظار و آراء کی وجہ سے عوام کو بہانہ سازی کے مواقع ملیں گے۔

وجوہ اختلاف انظار و آراء

① دیکھنے والوں کے قد میں اختلاف۔

② ان کی نظروں میں اختلاف۔

③ روشنی میں اختلاف۔

ایسی تصاویر رکھنا:

یہ بھی جائز نہیں۔ لما تقدم من الدلائل الخمسۃ

ایسی تصاویر اٹھا کر یا پاس رکھ کر نماز پڑھنا:

عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں نماز بلا کراہت جائز ہے، اس لئے کہ اس میں کراہت کی کوئی علت نہیں پائی جاتی، مگر اس میں کچھ کلام ہے کما سیأتی۔

علل کراہت:

① امتناع ملائکہ۔

② تعظیم غیر اللہ۔

③ تشبہ بعبدۃ الاصنام۔

پھر بعض حضرات نے علت اولیٰ کا مدار بھی علت ثانیہ ہی کو قرار دے دیا ہے۔

بندہ کے خیال میں علل مذکورہ نہ ہونے کی صورت میں بھی کراہۃ الصلوۃ کی یہ علت موجود ہے کہ اس مقام میں ایسی معصیت کی چیز ہے جس کے صانع پر لعنت ہے۔ چنانچہ بعض اصحاب فتاویٰ نے علت امتناع ملائکہ کی تشریح میں مذکور ہے کہ یہ بقعہ شر البقاع ہے اس لئے اس میں نماز مکروہ ہے۔

اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ صورۃ صغیرہ یا پوشیدہ کی موجودگی میں بھی نماز مکروہ اور واجب الاعادہ ہو، اس لئے کہ اولاً تو ایسے بقعہ میں قول عدم امتناع ملائکہ مختلف فیہ ہونے کے علاوہ فی نفسہ بھی محل تامل ہے۔ ثانیاً اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ بقعہ گرچہ عدم امتناع ملائکہ کی وجہ سے شر البقاع نہیں مگر اس میں وجود منکر کی وجہ سے بقعہ خبیثہ ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں،

وھو یکفی لثبوت الکراھۃ، فلیتأمل۔

بساط یا موضع جلوس میں تصویر:

اس میں بھی یہ قبائح ہیں:

(۱) تصاویر کی صنعت کو ترقی ملتی ہے جو بالاجماع حرام ہے۔

(۲) عوام کی نظر التفات و ارتکاب کبائر کا ذریعہ ہے کہ وہ اس سے مطلقاً اباحت پر استدلال کریں گے۔ عوام ممتہانہ وغیر ممتہانہ میں کوئی فرق نہیں جانتے۔

(۳) امتناع ملائکہ۔

اس صورت میں اگرچہ امتناع ملائکہ مختلف فیہ ہے مگر وجوہ مذکورہ کے پیش نظر امتناع راجح معلوم ہوتا ہے۔

ان سے بھی بڑی وجہ امتناع یہ کہ عمل مضمون کے معمول کا ابقاء بلکہ افتخار ہے، لوگ اس کو ممتہن نہیں رکھتے بلکہ منظر اشتیاق رکھتے ہیں۔

قبائح مذکورہ اس صورت میں بھی نماز کی کراہت و وجوب اعادہ کے مقتضی ہیں۔

وھذا لایخالف ما رجحہ الفقہاء رحمھم اللہ تعالیٰ لان الاحکام تتغیر بتغیر الزمان، فتفکر ولعل الحق لایعدوہ فتشکر۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

رشید احمد

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۳۹۵ھ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احفوا الشوارب واعفوا اللحی (متفق علیہ)

نیل المآرب بحلق الشوارب

تین فتاوی کا مجموعہ

(۱) لبوں کا دونوں طرف بڑھانا مکروہ ہے۔

(۲) زائد بالوں کی صفائی کی حد۔

(۳) حکم حلق الشارب۔

☆ ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

☆ نصوص فقہاء رحمہم اللہ تعالی۔

☆ عقل سلیم وطبع مستقیم۔

مکتبہ فاروقی

نیل المآرب بحلق الشوارب

اس رسالہ میں

نصوص حدیث و عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ

سے ثابت کیا گیا ہے

کہ

لبوں کا مونڈنا سنت ہے

دونوں جانب بڑھانا مکروہ ہے

علاوہ ازیں

بدن کے دوسرے جن بالوں کی
صفائی ضروری ہے ان کی صفائی
کی مدت بیان کی گئی ہے

فاروقی

احکام شوارب

مونچھیں دونوں طرف بڑھانا مکروہ ہے:

سوال: مونچھیں دونوں طرف بڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مکروہ ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: واما طرفا الشارب وهما السبالان فقیل هما منه وقیل من اللحیة وعلیه فقیل لا بأس بترکهما وقیل یکره لما فیه من التشبه بالاعاجم واهل الکتاب وهذا اولیٰ بالصواب وتمامه فی حاشیة نوح (رد المحتار ص[illegible] ج ۲)

وقال فی منحة الخالق علی البحر تحت قوله وهو المبالغة فی القطع، وقیل یکره ابقاء السبال لما فیه من التشبه بالاعاجم بل بالمجوس واهل الکتاب وهذا اولیٰ بالصواب لما رواه ابن حبان فی صحیحه من حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال ذکر لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المجوس فقال انهم یوفرون سبالهم ویحلقون لحاهم فخالفوهم فکان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما یجزه کما تجز الشاة والبعیر (منحة الخالق بهامش البحر الرائق ص[illegible] ج ۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۵ ربیع الاول [illegible]

زائد بالوں کی صفائی کی حد:

سوال: قطع شوارب، تقصیر اظفار، نتف ابط وحلق عانہ کی حد کیا ہے؟ کتنے دنوں کے بعد صفائی واجب ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

باتفاق امام وصاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ شوارب کا حلق یا قص کا حلق سنت ہے، شوارب واظفار

نیل المآرب ... ۲

بڑھانے کے بارے میں ظاہر حدیث سے چالیس روز تک رخصت معلوم ہوتی ہے، یہ تحدید کتب فقہ میں بھی مذکور ہے۔

مگر حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے علت حکم کے پیش نظر ضابطہ لطافت تحریر فرمایا ہے۔ جس کے تحت اختلاف اشخاص و احوال سے حکم وجوب بھی مختلف ہوگا۔

ضابطہ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ ذکر اربعین کا یہ مطلب نہیں کہ دواعی موجبہ کے باوجود رخصت ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعذار رخصت کے باوجود مدت مذکورہ کے بعد کوئی رخصت نہیں۔

قص شوارب کا حکم دیگر امور ثلاثہ کی بنسبت وجوہ ذیل کی بناء پر زیادہ مؤکد ہے:

① اکل و شرب میں نظافت نہ ہونے سے امراض میں ابتلاء کا خطرہ۔

② ناک کی رطوبت سے تلوث موجب تأذی و مورث امراض ہے۔

③ خارجی گرد و غبار کے اجتماع سے ناک اور منہ کے قریب تعفن جو موجب تأذی و مورث امراض ہے۔

④ تشویہ الوجہ۔

⑤ ایذاء الزوجۃ و تنفرہا۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (مرفوعا) قصوا شواربکم فان بنی اسرائیل لم یفعلوا ذلک فزنت نساؤہم، رواہ الدیلمی. ونقل عنہ الامام عبد الرؤف المناوی فی کنوز الحقائق والشیخ علی المتقی فی کنز العمال۔

ان دواعی مذکورہ کے تحت بالائی لب کا کنارہ کھلا رکھنے کا وجوب معلوم ہوتا ہے، البتہ کسی عذر کی وجہ سے اربعین تک رخصت ہے، مگر اس مدت میں نظافت کا اہتمام رکھنا لازم ہے۔

کتب فقہ میں بالائی لب کا کنارہ کھلا رکھنے کی سنیت تحریر ہے، اس کے ساتھ قول وجوب کی وجوہ تطبیق دو ہیں:

① سنت لعینہ واجب لغیرہ۔

② ادائے واجب کی دو صورتیں ہیں، حلق و قص، حلق کی سنیت میں بعض نے اختلاف کیا ہے اور ادائے واجب بطریق قص کی سنیت متفق علیہا ہے۔

سنیت حلق سے انکار امام و صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذہب منصوص کے خلاف ہونے کی وجہ سے بالکل غیر معتبر ہے، صحیح یہ ہے کہ حلق بھی سنت ہے بلکہ سنت کا اعلیٰ درجہ ہے۔

نیز اشارہ ـــــــ ۳

نص علیہ الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ ۔

قص شوارب کے بعد دواعی موجبہ کا وجود تقلیم اظفار میں ہے، اس کے بعد نتف ابط و حلق عانہ میں۔

معتدل حالات میں دواعی مذکورہ کے تحت امور اربعہ میں مناسب وقفہ حسب ذیل ہے:

قص شوارب ہفتہ میں دو بار، تقلیم اظفار ہفتہ میں ایک بار اور بقیہ دو ہفتہ میں ایک بار بہتر ورنہ دو ہفتہ بعد۔

قال العلامۃ النووی رحمہ اللہ تعالیٰ: واما وقت حلقہ فالمختار انہ یضبط بالحاجۃ وطولہ فاذا طال حلق وکذلک فی قص الشارب ونتف الابط وتقلیم الاظفار واما حدیث انس المذکور فی الکتاب وقت لنا فی قص الشارب وتقلیم الاظفار ونتف الابط وحلق العانۃ ان لا نترک اکثر من اربعین لیلۃ فمعناہ لا نترک ترکا نتجاوز بہ اربعین لا انہ وقت لہم الترک اربعین واللہ اعلم۔ (شرح النووی علی صحیح مسلم ص۱۲۹ ج۱)

وقال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ: المعنی فی مشروعیۃ ذلک مخالفۃ المجوس والامن من التشویش علی الاکل وبقاء زہومۃ المأکول فیہ (وبعد اسطر) وقد ابدی ابن العربی تخفیف شعر الشارب معنی لطیفا فقال ان الماء النازل من الانف یتلبد بہ الشعر لما فیہ من اللزوجۃ ویعسر تنقیتہ عند غسلہ وہو بازاء حاسۃ شریفۃ وہی الشم فشرع تخفیفہ لیتم الجمال والمنفعۃ بہ (فتح الباری ص۲۸۶ ج۱۰)

وقال ایضا: قال ابن دقیق العید لا اعلم احدا قال بوجوب قص الشارب من حیث ہو ہو واحترز بذلک عن وجوبہ لعارض حیث یتعین کما تقدمت الاشارۃ الیہ من کلام ابن العربی۔ (فتح الباری ص۲۸۷ ج۱۰)

ترک قص میں مفاسد مذکورہ کے علاوہ تشویہ الوجہ، کراہۃ المنظر، ایذاء زوجہ، اس کی تنفیر اور اس سے پیدا ہونے والی بدکاریوں کی قباحت و عذاب مزید ہے، کما قدمنا من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نساء بنی اسرائیل۔

وقال العلامۃ العثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ: قال القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فی المفہم ذکر الاربعین تحدید لاکثر المدۃ ولا یمنع تفقد ذلک من الجمعۃ الی الجمعۃ والضابط فی ذلک الاحتیاج اھ وقال النووی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح المہذب ینبغی ان یختلف ذلک باختلاف الاحوال والاشخاص والضابط الحاجۃ فی جمیع الخصال المذکورۃ (فتح الملہم ص۴۲۸ ج۱)

نیل المآرب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہ

وقال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: والمعنی ان لا نترک ترکا یتجاوز اربعین لا انہ وقت لھم الترک اربعین لان المختار ان یضبط الحلق والتقلیم والقص بالطول فاذا طال حلق وقص وقلم ذکرہ النووی (مرقاۃ صفحہ ۵۹ ج ۸) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۲ھ

حکم حلق الشارب!

سوال: استرے یا بلیڈ سے مونچھیں مونڈنا جائز ہے یا مکروہ؟

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ الباب "باب حلق الشارب" قائم فرمایا ہے، پھر بحث میں بھی احفاء بمقابلہ قص لائے ہیں، نیز وجہ النظر میں بھی افضلیت حلق محرم پر قیاس فرمایا ہے۔ ونصہ:

قص حسن والحلق احسن وافضل وھذا مذھب ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمہم اللہ تعالیٰ۔

وقال فی اٰخر البحث: ان قص الشارب من الفطرۃ وھو مما لا بد منہ وان ما بعد ذلک من الاحفاء ھو افضل وفیہ من اصابۃ الخیر ما لیس فی القص (شرح معانی الآثار صفحہ ۳۳۳ ج ۲)۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملھم الصواب

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ بالاتفاق اعلم بمذھب ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، آپ کی تحریر کے مطابق باتفاق ائمۃ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ حلق شوارب مسنون ہے، ترجمۃ الباب "حلق الشارب" کے تحت احادیث احفاء لانے سے مقصد یہ ہے کہ ان احادیث میں احفاء بمعنی حلق ہے، چنانچہ فتح الباری کی ایک روایت میں صراحۃً لفظ حلق مذکور ہے، وھٰذا نصہ۔

حافظ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب میں حلق سے احفاء یعنی استیصال کو حلق مرادیہ، جس کو تعبیر فی اظہار مبالغہ حلق سے تعبیر کیا ہے۔

ولا یخفی ان ھذا التحمل تمحل وتأویل القول بما لا یرضی بہ قائلہ وتفرد بہ الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ ثم نقل ھو نفسہ فی البنایۃ سنیۃ الحلق عن المختار والمحیط وسیجیئ نصہ۔

یہ تأویل بوجوہ ذیل ناقابل قبول ہے۔

صنیع مصنفین میں اصل مقصود ترجمۃ الباب ہوتا ہے، اس کے اثبات کے لئے اس کے تحت احادیث لائی جاتی ہیں، ترجمۃ الباب میں مصنف اپنا دعویٰ پیش کرتا ہے پھر اس کے تحت متعدد جہ

نیل المآرب ـــــ ۶

احادیث سے اپنے اس دعوی کو ثابت کرتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ احادیث احفاء سے صفت حلق ثابت کر رہے ہیں، اس کے برعکس حلق سے احفاء مراد لینا اصول تصنیف کے خلاف ہے اور قلب موضوع ۔

حلق کا استیصال کا حلق سے ابلغ فی المعنی و لیسر فی العمل ہونا ظاہر ہے، اس لئے حلق پر احفاء بمعنی الاستیصال بالقص کا حلق کو ترجیح دینا خلاف معقول ہے ۔

قال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ: وورد الخبر بلفظ الحلق وهی روایة النسائی عن محمد بن عبد الله بن یزید عن سفیان بن عیینة بسند هذا الباب ورواه جمهور اصحاب ابن عیینة بلفظ القص وکذا سائر الروایات عن شیخ الزهری ووقع عند النسائی من طریق سعید المقبری عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه بلفظ تقصیر الشارب ثم وقع الامر بما یشعر بأن روایة الحلق محفوظة لحدیث العلاء بن عبد الرحمن عن ابیه عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه عند مسلم بلفظ جزوا الشوارب وحدیث ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما المذکور فی الباب الذی یلیه بلفظ احفوا الشوارب وفی الباب الذی یلیه بلفظ انهکوا الشوارب فکل هذه الالفاظ تدل علی ان المطلوب المبالغة فی الازالة لان الجز وهو بالجیم والزای الثقیلة قص الشعر والصوف الی ان یبلغ الجلد والاحفاء بالمهملة والفاء الاستقصاء ومنه احفوه بالسؤال قال ابو عبید الهروی معناه الزقوا الجز بالبشرة وقال الخطابی هو بمعنی الاستقصاء والنهک بالنون والکاف المبالغة فی الازالة ومنه ما تقدم فی الکلام علی الختان قوله صلی الله علیه وسلم للخافضة اشمی ولا تنهکی ای لا تبالغی فی ختان المرأة وجری علی ذلک اهل اللغة وقال ابن بطال: النهک التأثیر فی الشیء وهو غیر الاستئصال (فتح الباری ص ۲۹۵ ج ۱۰)

وقال: قال الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: الحلق هو مذهب ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد رحمهم الله تعالیٰ اه (فتح الباری ص ۲۹۶ ج ۱۰)

وقال: وقد رجح الطحاوی الحلق علی القص بتفضیله صلی الله علیه وسلم الحلق علی التقصیر فی النسک (حوالہ بالا)

وقال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ: قوله یحفی من الاحفاء بالحاء المهملة والفاء یقال احفی شعره اذا استأصله حتی یصیر کالحلق ویکون احفاء الشارب افضل من قصه عند الطحاوی بقوله باب حلق الشارب (عمدۃ القاری ص ۲۳ ج ۲۲)

قص الشارب ـــــــــــــــ ۷

وقال: وقال الکاکی وذکر الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح الآثار ان حلقہ سنۃ ونسب ذلک الی العلماء الثلاثۃ انتہی۔ قلت لم یذکر الطحاوی کذلک وانما قال بعد روایاتہ الاحادیث المذکورۃ والتوفیق بینہا ان الاحفاء افضل من القص ثم قال باب حلق الشارب وانما اراد بذلک الاحفاء حتی یصیر کالحلق وفی المختار حلقہ سنۃ وقصہ حسن وفی المحیط الحلق احسن من القص وھو قول ابی حنیفۃ وصاحبیہ رحمہم اللہ تعالیٰ (بنایۃ صـ۴۵۶ ج ۴)

وقال عبداللہ بن محمود رحمہ اللہ تعالیٰ فی متن المختار: والسنۃ تقلیم الاظفار ونتف الابط وحلق العانۃ والشارب وقصہ احسن۔

نقل فی شرحہ عن الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: والحلق سنۃ وھو احسن من القص وھو قول اصحابنا رحمہم اللہ تعالیٰ، قال علیہ الصلوۃ والسلام: احفوا الشوارب واعفوا اللحی، والاحفاء الاستئصال (الاختیار لتعلیل المختار صـ۱۶۷ ج ۴)

متن میں قصہ احسن کتابت کی غلطی ہے، صحیح لفظ حسن ہے، اس پر دو دلائل ہیں:

عینی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مختار سے منقولہ عبارت مذکورہ میں وقصہ حسن ہے۔

مصنف نے شرح میں خود امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے حلق کا احسن ہونا نقل کیا ہے۔

عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حلق کے احسن من القص ہونے کے بارے میں مختار اور محیط کا حوالہ دیا ہے، عبارت مختار کی تحقیق اوپر گذر چکی۔ محیط سے بظاہر محیط سرخسی مراد ہے، اس لئے کہ حاشیۃ طحطاوی علی الدر میں اس کی تصریح ہے: وسیعی بنصہ۔ ممکن ہے کہ محیط برہانی میں بھی اسی طرح ہو عنقریب اس کی طباعت متوقع ہے۔ فلیراجع بعدہ۔

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وکرہ ترکہ وراء الاربعین مجتبی وفیہ حلق الشارب بدعۃ وقیل سنۃ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وقیل سنۃ) ومشی علیہ فی الملتقی وعبارۃ المجتبی بعد مارمز للطحاوی حلقہ سنۃ ونسبہ الی ابی حنیفۃ وصاحبیہ رحمہم اللہ تعالیٰ والقص منہ حتی یوازی الحرف الاعلی من الشفۃ العلیا سنۃ بالاجماع (رد المحتار صـ۲۶۱ ج ۵)

وقال العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ حلق الشارب بدعۃ) وقع فی بعض التعبیر بالقص وفی بعضہا التعبیر بالحلق وفی الہندیۃ ذکر الطحاوی فی شرح الآثار ان قص الشارب حسن وتفسیرہ ان یوخذ منہ حتی ینقص من الاطار وھو الطرف الاعلی من الشفۃ

العلیا قال والحلق سنۃ وھو احسن من القص ھذا قولہ وصاحبیہ رحمہم اللہ تعالی کذا فی المحیط السرخسی اھ وعبارۃ المجتبی وحلق الشارب بدعۃ والسنۃ فیہ القص مع حلقہ سنۃ نسبہ الی ابی حنیفۃ وصاحبیہ رحمہم اللہ تعالی والقص سنۃ حتی یوازی الحرف الاعلی من الشفۃ العلیا سنۃ بالاجماع (طحطاوی علی الدر ص ۲۲۳ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۸ جمادی الاولی سنہ ۱۳۸۱ھ

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰی

(متفق علیہ)

کتاب احیاء الموات

قدرتی قناۃ کا حریم نہیں :

سوال : در ولایت ما وادیہائے ہستند کہ آب دارند و بعضی از آنہا چشمہ معین دارد و بعضی ندارد و در زیر آن آب آبادی میکنند و ہمین آب را بذریعہ قناۃ بردہ آب می دہند ، بعد مدتے چند نفر بالاتر از آبادی اول آبادی کنند و آب را می گیرند و این آب جاری ست ، گاہ در موقع قحط خشک می شود و شخص اول مانع می گردد ، خلاصہ اینکہ دریں صورت صاحب آبادی اول می تواند آن را منع کردن یا نہ ؟ و این آب حریم دارد یا حکم آب او دریا عظام دارد ؟ و آبادی قدیم و جدید فرق دارند یا نہ دریں مورد در منع ؟ اگر ہست در وقت ضرورت است یا ہر وقت ؟ و آب اگر بالا گرفتہ شود آب زیر خشک می ماند ، چہ حکم ست ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملہم الصواب

این چنین وادی را حریم نیست ، لہذا شخص اول را حق منع نمی رسد ۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم ۔

غرہ ربیع الاول سنہ ۹۱ ھ

کنویں کا حریم :

سوال : مشین والے کنویں کا حریم کتنا ہے ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ارض مباحہ میں ارض کی صلابت و رخاوت کے لحاظ سے حریم کی مقدار مختلف ہوگی ، اہل تجربہ اتنا حریم مقرر کریں گے کہ کنویں کا پانی دوسری طرف نہ جانے پائے ، ارض متوسط میں چاروں طرف چالیس ہاتھ ہے ۔

ارض مملوکہ میں حریم کی کوئی مقدار متعین نہیں ، مالک جہاں چاہے کنواں کھود سکتا ہے ۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وحریم بئر الناضح وھی التی ینزح الماء منھا بالبعیر کبئر العطن وھی التی ینزح الماء منھا بالید والعطن مناخ الابل حول البئر اربعون ذراعا من کل جانب وقالا ان للناضح فستون وفی الشرنبلالیۃ عن شرح المجمع لو عمق البئر فوق اربعین یزاد علیھا اھ۔

لکن نسبہ القہستانی لمحمد رحمہ اللہ تعالیٰ ثم قال ویفتی بقول الامام رحمہ اللہ تعالیٰ وعزاہ للتتمۃ ثم قال: وقیل التقدیر فی بئر و عین بما ذکر فی اراضیھم لصلابتھا وفی اراضینا رخاوۃ فیزاد لئلا ینتقل الماء الی الثانی وعزاہ للھدایۃ وعزاہ البرجندی للکافی فلیحفظ۔

وعبارۃ القہستانی: وفیہ رمز الی انہ لو حفر فی ملک الغیر لا یستحق الحریم فلو حفر فی حدہ تنزہ من الحریم ما شاء۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ فوق الاربعین) وفی التتارخانیۃ عن الینابیع ولا حاجۃ الی الزیادۃ ومن احتاج الی اکثر من ذلک یزید علیہ وکان الاعتبار للحاجۃ لا للتقدیر ولا یکون فی المسألۃ خلاف فی المعنی اھ ونقل العلامۃ قاسم فی تصحیحہ عن مختارات النوازل ان الصحیح اعتبار قدر الحاجۃ فی البئر من کل جانب (رد المحتار ص ۲۸۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۷ رمضان سنہ ۹۲ھ

ارض مملوکہ میں حریم کی کوئی مقدار متعین نہیں:

سوال: ایک آدمی نے ارض موات میں کاریز کھودا ہے اور اس کاریز سے کچھ دور دوسرے آدمی نے اپنی مملوکہ زمین میں کنواں کھودا تو کیا از روئے شریعت کاریز والے کو یہ حق ہے کہ کنویں والے کو یہ کہے کہ یہ کنواں بند کرو، اس کے کھودنے سے کاریز کا پانی کم ہو جاتا ہے۔

اس مسئلہ میں یہاں کے علماء کا بہت اختلاف ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر

کنواں کاریز سے دس ذراع دور ہے تو کاریز والے کو کنواں بند کرنے کے مطالبہ کا حق نہیں، بعض علماء بئر بالوعہ پر قیاس کرکے کہتے ہیں کہ قرب و بعد کا اعتبار نہیں ہے بلکہ پانی کھینچنے کو دیکھا جائے گا، اگر پانی نہیں کھینچتا تو کاریز سے ایک ذراع کے فاصلے پر بھی کھودا تو کوئی حرج نہیں اور کنواں کاریز کا پانی کھینچتا ہے تو کنواں جتنا بھی دور ہو، بند کرنا لازم ہوگا۔ قول اول صاحب شرح وقایہ نے لیا ہے مگر البحر الرائق میں اس پر رد کیا ہے، قول ثانی قاضیخان اور شامی وغیرہ نے لیا ہے۔ اب اگر قرب و بعد کو نہ دیکھا جائے بلکہ پانی کھینچنے کو دیکھا جائے تو کنویں کا کاریز سے پانی کھینچنے کا علم کس طرح ہوگا، براہ کرم پانی کھینچنے کا طریقہ کتابوں کے حوالہ سے تحریر فرماکر ممنون فرمائیں۔

اور اگر بعینہٖ یہی صورت ایک کاریز اور ایک کنویں کی بجائے ایک کنویں اور دوسرے کنویں کے درمیان پیدا ہوجائے تو کیا حکم ہے؟ کیا پانی کھینچنے میں ارض موات و مملوکہ میں کوئی فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

حریم وغیرہ کے مسائل ارض موات کے بارے میں ہیں، اپنی مملوکہ زمین میں کنواں کھودنا بہر صورت جائز ہے، خواہ اس سے دوسرے کی کاریز یا کنویں کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۳۰ ذی القعدہ [illegible]

چشمہ کا حریم:

سوال: ایک وادی میں دو چشمے ہیں اور دونوں کے درمیان کم از کم دو سو ذراع کا فاصلہ ہے، آیا یہ دو سو ذراع صرف ایک چشمے کے لئے ہوں گے یا دونوں کے لئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر یہ چشمے قدرتی ہیں تو ان کا کوئی حریم نہیں اور اگر لوگوں نے خود کھودے ہیں تو جو چشمہ پہلے نکالا گیا ہو اس کا حریم جوانب اربعہ میں پانچ سو ذراع ہوگا اور دوسرے کا جوانب ثلاثہ میں پانچ سو ذراع، پہلے چشمے کی طرف اس کا حریم نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وحریم العین خمس مائۃ

ذراع من کل جانب کما فی الحدیث (رد المحتار ص۲۸۲ ج ۵)

وقال ایضا: والمعافی التانی الحریم من الجوانب الثلاثة دون جانب الاول لسبق ملك الاول فیه (رد المحتار ص۲۸۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۹ جمادی الاولی سنہ ۹۱ھ

پتھر رکھنا مثبت احیاء نہیں:

سوال: بنجر زمین میں حکومت کی طرف سے اذن عام ہے، چنانچہ ایک شخص نے ایک قطعۂ ارض صاف کرکے چاروں طرف بطور علامت پتھر رکھ دیئے، پھر اسے یقین پر دو تین سال چھوڑ دیتا ہے کہ یہ ہماری ملک ہے، جب چاہوں گا مکان بناؤں گا۔ کیا یہ شخص اس کا مالک بن گیا یا نہیں؟ دوسروں کو تصرف سے منع کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صرف پتھر رکھنے سے مالک نہیں ہوتا، مکان بنائے یا زراعت کرے تو مالک ہوگا۔ البتہ پتھر رکھنے کی وجہ سے تین سال تک اس کا حق دوسروں سے مقدم ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ومن حجر الارض ای منع غیرہ منہا بوضع علامۃ من حجر او غیرہ ثم اھملہا ثلاث سنین دفعت الی غیرہ وقبلہا ھو احق بھا وان لم یملکہا لانہ انما یملکہا بالاحیاء والتعمیر لا بمجرد التحجیر۔ (رد المحتار ص۲۸۳ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۵ ربیع الثانی سنہ ۸ھ

چٹائی کی جھونپڑی مثبت ملک نہیں:

سوال: اگر یک شخص منزل نقلی مثلا حصیر ازمانند چٹائی وغیرہ درست کردہ درجنب منزل دیگر شخص دو وسہ سال قیام کردہ بعدا منتقل شدہ در دیگر قریہ رفت، علامات این منزل نقلی کہ حصیر وغیرہ باشند ختم شدہ اند، بعد از چہار یا پنج سال دو مرتبہ آمد، دعوی کردکہ این زمین مال بندہ است کہ یک وقت درین جا قیام کردہ بودم، آیا این شخص حق ادعا دارد یا کہ نہ؟ مالک زمین می شود ہر وقت کہ دل آن خواہد تصرف می کند و دیگران را از تصرف باز می دارد، بشخص مذکور این حق حاصل است؟

یا کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ثبوت ملک کے لئے بناء یا زراعت کرنا ضروری ہے، چٹائی وغیرہ کا گھیرا لگانے سے ملک ثابت نہیں ہوتی۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۵ ربیع الثانی سنہ ۹۰ھ

مختلف حکام کی طرف سے اذن احیاء کا حکم:

سوال: کسی غیر آباد زمین کو تین اشخاص نے علیحدہ علیحدہ آباد کیا، ایک کو تحصیل دار نے آباد کرنے کی اجازت دی، دوسرے کو نائب تحصیلدار نے اور تیسرے کو پٹواری نے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ ان میں سے کس کی اجازت معتبر ہوگی، کس کو نائب سلطان تصور کر کے اس کی اجازت سے ہونے والے احیاء کو قبول کیا جائے، کیونکہ متفق علیہ قول یہ ہے کہ احیاء موات کے لئے امام یا نائب امام کی اجازت ضروری ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر تینوں نے مل کر ایک ہی قطعہ زمین کو آباد کیا تو وہ تینوں اس کے مالک ہوں گے بشرطیکہ پٹواری کو قانوناً احیاء موات کی اجازت دینے کا اختیار ہو، اور اگر تینوں نے مختلف اوقات میں آباد کیا ہے، مل کر نہیں کیا تو جس نے پہلے آباد کیا مالک ہوگا اور اگر تینوں نے الگ الگ قطعہ زمین کو آباد کیا تو ہر ایک اپنے حصے کا مالک ہوگا، بشرطیکہ پٹواری کو اس اجازت کا اختیار ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۵ رجب سنہ ۹۸ھ

ارض موات کی تعریف:

سوال: ارض موات کسے کہتے ہیں؟ جامع تعریف تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ارض موات وہ ہے جو شہر سے باہر ہو اور کسی کی ملک نہ ہو اور کسی کا مخصوص حق بھی نہ ہو، مرافق بلد سے نہ ہو۔

قال ملک العلماء الکاسانی رحمہ اللہ تعالی: فالارض الموات هی ارض خارج البلد لم تکن ملکا لاحد ولا حقا له خاصا فلا یکون داخل البلد

موات اصلاً لوجود السبب، وهل يشترط ان يكون بعيدا من العمران؟ شرطه الطحاوي رحمه الله تعالى فانه قال وما قرب من العامر فليس بموات، وكذا روي عن ابي يوسف رحمه الله تعالى ان ارض الموات بقعة لو وقف على ادناها من العامر رجل فنادى باعلى صوته لم يسمعه من العامر وفي ظاهر الرواية ليس بشرط حتى ان بحرا من البلدة جزيرة او اجمة عظيمة لم تكن ملكا لاحد تكون ارض موات في ظاهر الرواية وعلى قياس رواية ابي يوسف رحمه الله تعالى وقول الطحاوي رحمه الله تعالى لا تكون والصحيح جواب ظاهر الرواية لان الموات اسم لما لا ينتفع به فاذا لم يكن ملكا لاحد ولا حقا خاصا لم يكن منتفعا به فكان بعيدا عن البلدة او قريبا منها (بدائع ص ۱۹۴ ج ۶)

وقال في الهندية: فالارض الموات هي ارض خارج البلد لم تكن ملكا لاحد ولا حقا له خاصا فلا يكون داخل البلد موات اصلا وكذا ما كان خارج البلدة من مرافقها محتطبا لاهلها او مرعى لهم لا يكون مواتا حتى لا يملك الامام اقطاعها وكذا ارض الملح والقار ونحوهما مما لا يستغني عنها المسلمون ارض موات حتى لا يجوز للامام ان يقطعها لاحد (عالمگیریہ ص ۳۸۶ ج ۵)

والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۱۰ رشوال ۹۸ھ

مباح الاصل زمین میں تعمیر کرنا:

سوال: ہمارے گھروں کے آگے پیچھے کافی زمین خالی ہوتی ہے، جس کے گھر کے آگے پیچھے ہوتی ہے وہی اس میں تعمیر وغیرہ کرتا ہے، عرف بھی یہی ہے کہ اس میں اسی کا حق ہے، سوال یہ ہے کہ کیا اس زمین میں سب قریہ والوں کا حق ہے یا اسی شخص کا جس کے گھر کے اردگرد وہ زمین ہے؟

آپ نے فتوی دیا ہے کہ حکومت کی اجازت سے تعمیر کی جا سکتی ہے، گزارش یہ ہے کہ یہ حکم تو ارض موات کا ہے اور ارض موات غالباً وہ ہوتی ہے جو شہر سے باہر ہو جبکہ یہ زمین تو وسط قریہ میں مکانوں کے اردگرد ہے، یا قریہ کے قریب قریب اطراف میں ہے تو یہ زمین ارض موات کے حکم میں کیسے ہوگی؟ براہ کرم مدلل با حوالہ جواب

عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ زمین اگرچہ موات نہیں مگر اس میں تصرف خلاف قانون ہونے کی وجہ سے حکومت کی اجازت پر موقوف ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳ ربیع الثانی سنہ ۹۹ھ

ذمی کا احیاء مثبت ملک ہے:

سوال: اگر ذمی حکومت کی اجازت سے بنجر زمین آباد کردے تو مالک بن جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مالک بن جائے گا۔

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ: اذا احیی مسلم او ذمی ارضا غیر منتفع بہا ولیست بمملوکۃ لمسلم ولا ذمی (الی قولہ) ملکہا ان اذن لہ الامام فی ذلک وقالا یملکہا بلا اذنہ وہذا لو مسلما فلو ذمیا شرط الاذن اتفاقا (رد المحتار ص ۲۷۸ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ رمضان سنہ ۱۴۰۲ھ

سرکاری بنجر زمین کا اجارہ مثبت ملک نہیں:

سوال: ایک مسلمان یا ذمی کو حکومت پاکستان نے سنہ ۱۹۶۸ء میں ایک بنجر قطعۂ ارض اس شرط پر دیا کہ وہ پانی وغیرہ کا انتظام خود کرکے اسے آباد کرے گا۔ دس سال تک اراضی کو کاشت کرتا رہے گا، اور اس مدت میں مقررہ لگان بھی حکومت کو ادا کرتا رہے گا، دس سال کے بعد حکومت کو واپس کردے گا۔ شخص مذکور نے زرکثیر خرچ کرکے ٹیوب ویل لگائے اور زمین کو آباد کیا۔ کیا یہ شخص ارض موات کو آباد کرنے کی وجہ سے اس کا مالک قرار پائے گا یا نہیں؟ نیز دس سال کے بعد اراضی واپس کرنے کی شرط شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ کیا شرعاً حکومت کو یہ حق ہے کہ اس نے آباد شدہ اراضی یا اس کا کچھ حصہ واپس لے۔

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ اجارہ کی صورت ہے، بنجر آباد کنندہ زمین کا مالک نہ ہوگا، مگر غیر آباد زمین کو آباد کرنے کی شروط سے ٹھیکہ پر دینا اجارہ فاسدہ ہے جس کا حکم یہ ہے کہ حکومت صرف کاشتکار سے زمین کے اجر مثل اور اجر مقرر میں سے اقل لے سکتی ہے۔

قال الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: تفسد الاجارۃ بالشروط المخالفۃ لمقتضی العقد (الی قولہ) وکشرط طعام عبد وعلف دابۃ ومرمۃ الدار الخ (رد المحتار ص۳۳ ج ۵)

وقال: او ارضا بشرط ان یثنیہا ای یحرثہا او یکری انہارہا العظام او یسرقنہا لبقاء اثر ہذہ الافعال لرب الارض فلو لم تبق لم تفسد۔

ونقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن المنح تحت (قولہ بشرط ان یثنیہا) فان کان اثرہ یبقی بعد انتہاء العقد یفسد لان فیہ منفعۃ لرب الارض والا فلا اھ (رد المحتار ص۳۹ ج ۵)

وقال الحصکفی: واعلم ان الاجر لا یلزم بالعقد فلا یجب تسلیمہ بہ (الی قولہ) او الاستیفاء للمنفعۃ او تمکنہ منہ (الی قولہ) فیجب الاجر لدار قبضت ولم تسکن لوجود تمکنہ من الانتفاع وہذا اذا کانت الاجارۃ صحیحۃ اما فی الفاسدۃ فلا یجب الاجر الا بحقیقۃ الانتفاع الخ (رد المحتار ص۸ ج ۵)

وقال ایضا: وتفسد بجہالۃ المسمی کلہ او بعضہ کتسمیۃ ثوب او دابۃ او مائۃ درہم علی ان یرمہا المستأجر لصیرورۃ المرمۃ من الاجرۃ فیصیر الاجر مجہولا وتفسد بعدم التسمیۃ (الی قولہ) فان فسدت بالاخیرین بجہالۃ المسمی وعدم التسمیۃ وجب اجر المثل (الی قولہ) لا بالتمکین بل باستیفاء المنفعۃ حقیقۃ کما مر بالغا ما بلغ لعدم ما یرجع الیہ (الی ان قال) وان فسدت بغیرہما بل بالشروط او الشیوع مع العلم بالمسمی لم یزد اجر المثل علی المسمی لرضاہما بہ وینقص عنہ لفساد التسمیۃ الخ (رد المحتار ص۳۳ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۶ رمضان سنہ ۱۴۰۰ھ

فصل فی الشرب

چشمہ میں سب لوگ شریک ہیں:

سوال: ایک قدرتی چشمہ ہے جس سے تمام لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ اب گاؤں کے ایک شخص نے چشمہ کے پاس ٹنکی بنائی ہے جس میں اس چشمہ کا پانی جمع ہوتا ہے، وہ اس سے صرف اپنی زمین سیراب کرتا ہے، دوسرے تمام لوگ محروم رہتے ہیں، اس کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

یہ قدرتی چشمہ باپ دادا سے مشترک چلا آرہا ہے، اس میں کسی کا کوئی خاص حق نہیں سمجھا جاتا، سب لوگ بلا تخصیص استفادہ کرتے چلے آئے ہیں، اب اس شخص نے دوسروں کی رضا کے بغیر اس چشمہ کے پورے پانی پر قبضہ کر لیا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قدرتی چشمہ میں سب لوگوں کا حق ہے، اپنے فائدہ کے لئے ٹنکی بنا کر دوسروں کو محروم کرنا جائز نہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المسلمون شركاء في ثلاث في الماء والكلأ والنار۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله في كل ماء لم يحرز) اعلم ان المياه اربعة انواع الاول ماء البحار ولكل احد فيها حق الشفة وسقي الاراضي فلا يمنع من الانتفاع على اي وجه شاء والثاني ماء الاودية العظام كسيحون وللناس فيه حق الشفة مطلقا وحق سقي الاراضي ان لم يضر بالعامة (رد المحتار ص۲۸۲ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۱۰ر صفر ۹۱ھ

پائپ لائن میں پانی آنے سے ملک ثابت ہو جاتی ہے:

سوال: ایک شخص نے قدرتی چشمہ سے پائپ لائن کھینچ کر پانی حاصل کیا، اس سے مسجد کو بھی پانی دیتا رہا، پھر کچھ نمازیوں سے اختلاف ہو گیا تو اس نے مسجد کا پانی بند

کر دیا اور کہا کہ یہ فسادی لوگ میرے بعد میرے بچوں کو تنگ کریں گے کیا یہ جائز ہے؟
بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اسماعیل کی پائپ لائن میں پانی آنے سے وہ شخص اس کا مالک ہو گیا، لہذا اسے پانی بند کرنے کا اختیار ہے مگر مسجد سے پانی روکنا مروت کے خلاف ہے۔ البتہ بلاواسطہ چشمہ سے پانی پینے کا ہر شخص کو حق ہے۔ اس سے روکنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲ ربیع الاول سنہ ۹۱ھ

چراگاہ میں سب کا حق ہے:

متفرقات الحظر والاباحۃ میں گزر چکا ہے۔

بیع الشرب:

سوال۲: بوقت ضرورت شدیدہ بیع الشرب جائز ہے یا نہیں؟ نیز شرب کو اجارہ پر دینا، ہبہ کرنا، عاریت پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ان سب معاملات میں ظاہر الروایۃ عدم جواز کی ہے، بعض مشایخ جواز کے قائل ہیں، بوقت ضرورت شدیدہ ان کا قول اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: وكذا بيع الشرب وظاهر الرواية فساده إلا تبعاً خانية وشرح وهبانية وسنحققه في إحياء الموات.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله وكذا بيع الشرب) أي فإنه يجوز تبعاً للأرض بالإجماع ووحده في رواية وهو اختيار مشايخ بلخ لأنه نصيب من الماء درر وفي محل الاتفاق ما إذا كان شرب تلك الأرض فلو شرب غيرها ففيه اختلاف المشايخ كما في الفتح والبحر.

(قوله وسنحققه في إحياء الموات) حيث قال هو والمصنف هناك ولا يباع الشرب ولا يوهب ولا يؤجر ولا يتصدق به لأنه ليس بمال متقوم في ظاهر الرواية وعليه الفتوى ثم نقل عن شرح الوهبانية أن بعضهم

حتی بیعہ فیوقال و ینفذ الحکم بصحتہ بیعھا اھ (رد المحتار ص ۲۰۴ ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۱ ربیع الاول [illegible]

حصۂ شرب دوسری زمین کی طرف منتقل کرنا:

سوال: چہ میفرمایند علماء دین متین درین مسئلہ ذیل تنائی زمین دہ الی پانزدہ نفر است کہ سہم ہر یک شخص ثابت حق کرپس ساعات تقسیم شدہ است دارائی آنکہ کاریز کردہ شدہ است ہر کس کہ صاحب نصف ساعت بودہ است پول نصف ساعت دادہ است وکسی کہ صاحب یک ساعت بودہ است پول دو ساعت دادہ است، حالا یکی کہ صاحب دو ساعت است زمین کم دارد و آب زیادہ دارد، این شخص زمین دیگر دارد کہ آبش ازین قنات نیست و آن زمین ہم از دیگر جا آب ندارد، آیا این شخص میتواند کہ آب زیادہ را برہمین زمین صرف کند یا نہ؟ و آن شرکاء مانع اند کہ آب زائد را بمنزلہ ای کہ شما بآن زمین ببرید پس آیا این حق منع دارند یا نہ؟ در فتاوی قاضیخان در باب شرب عالمگیریہ ص ۳۹۰ ج ۵ می نویسد:

ولو کان نہر بین قوم لکل واحد منہم شرب معلوم فاراد رجل ان یاخذ نصیبہ من ذلک النہر کان لہ ان یسوق نصیبہ الی حیث شاء من الارضین لان ذلک لیس بشرب لاحد معین انتہی۔

و در ہدایہ ج ۴ کتاب الشرب و در دیگر کتب نوشتہ است:

ولیس لاحد من الشرکاء فی النہر ان یسوق شربہ الی ارض لہ اخری لیس لہا فی ذلک شرب لانہ اذا تقادم العہد یستدل بہ علی انہ حقہ انتہی۔

و در نکرا حقر بظاہر از عبارت قاضیخان فہمیدہ می شود کہ شرکاء حق منع ندارند و از عبارات دیگر کتب معلوم می شود کہ حق منع دارند، پس آیا توضیح این چہ گونہ است؟ و آیا محمل این عبارات یکی است یا فرق می کنند، عبارت ہدایہ دیگر محمل دارد و عبارت قاضیخان دیگر محمل؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہاں جواز و عدم جواز کا مدار شرکاء کا حال یا مآل ضرر ہے، جس پر وہ راضی نہ ہوں۔ اگر تقسیم آب میں زمین کو کسی درجہ میں بھی ملحوظ رکھا گیا ہو جبکہ عرف عام بھی یہی ہے تو خارجی زمین کو پانی لے جانا جائز نہیں ولو کان الماء مقسما بالایام، کیونکہ اگر خارجی زمین نہر سے بہت نشیب میں ہو تو زیادہ پانی کھینچنے کی وجہ سے شرکاء کا ضرر متحقق ہے۔

علاوہ ازیں تقادم عہد کی صورت میں دعوائے شرکت کا احتمال بھی ہے کما فی العلائیۃ۔

اگر یہی صورت حال کسی داخلی زمین کی ہو تو اذن شرکاء کی وجہ سے کوئی اشکال نہیں، اور غیر شریک کے دعوائے شرکت کا بھی کوئی احتمال نہیں۔

اور اگر تقسیم کے وقت زمین کو قطعی نظر انداز کر دیا گیا ہو تو ہر شریک اپنے حصہ متعینہ کو جہاں چاہے صرف کر سکتا ہے، جزئیہ مذکورہ کا یہی محمل ہے، فافہم رضوا بالقسم المذکور۔

پاکستان کے سرکاری و غیر سرکاری عرف میں شق ثانی کا کوئی وجود نہیں، بہرحال یہی پانی میں زمینوں کو ملحوظ بلکہ مخصوص کیا جاتا ہے، البتہ غیر سرکاری عرف میں کوئی شریک اپنا حصہ احیانا خارجی زمین میں لے جائے اور شرکاء کو ضرر نہ ہو تو اس کا تحمل کر لیا جاتا ہے سرکاری قانون میں یہ بہرحال جرم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۹ شعبان سنہ [illegible] ھ

حریم قناۃ
حریم قناۃ کے مقام و مقدار کی تحقیق
حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات مختلفہ میں تطبیق

حریم قناۃ
حریم قناۃ کا مقام
حریم قناۃ کی مقدار
جواب اوّل
جواب ثانی
جواب ثالث
جواب ثالث کی تصویب
التحقیق المزید

حریم قناۃ کی ابتداء

سوال: قناۃ کے حریم کی حد کہاں سے شروع ہوتی ہے؟ آیا جہاں سے پانی نکلتا ہے یا جہاں سے پانی چل پڑتا ہے؟

اس بارہ میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال مختلفہ میں تطبیق یا ترجیح کی کیا صورت ہے؟ مفصل جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں، شکراً۔

اس استفتاء کے بارہ میں دار العلوم کراچی کی طرف تین بار مراجعہ کیا گیا لیکن تشفی نہیں ہوئی، لہٰذا تینوں جوابات حضور اقدس کی خدمت عالیہ میں پیش ہیں، ان پر غور فرما کر فیصلہ فرمائیں، بڑی عنایت ہوگی۔

جواب اول:

الجواب ومنہ الصدق والصواب

فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریح کے مطابق قناۃ کے تین حصے معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) قناۃ کا وہ بالائی مقام جس میں پانی ہوتا ہے۔

(۲) قناۃ کا وہ زیر زمین مقام جس میں سے پانی گزرتا ہے۔

(۳) قناۃ کا وہ مقام جہاں پانی نکل کر سطح زمین پر آجاتا ہے۔

پہلے حصے کے بارے میں عالمگیریہ ص ۳۸۸ ج ۵ کی عبارت یہ ہے:

قال محمد فی الکتاب القناۃ بمنزلۃ البئر فلها من الحریم ما للبئر۔

یعنی قناۃ بمنزلہ کنویں کے ہے لہٰذا قناۃ کا حریم وہی ہوگا جو کنویں کا ہوتا ہے، یعنی بیس تا چالیس شرعی گز۔

اور دوسرے حصے کے متعلق عالمگیریہ کی عبارت یہ ہے:

اما فی الموضع الذی لا یظهر الماء علی الارض القناۃ بمنزلۃ النهر لانه یجری تحت الارض۔

یعنی وہ مقام جہاں پانی زمین کے اندر ہو کر گزرتا ہے وہ بمنزلہ نہر ہے اور اس کا حریم نہر کے حریم کی طرح ہے۔

اور تیسرے حصے کے متعلق عالمگیریہ کی عبارت یہ ہے:

القناة فی الموضع الذی یظهر الماء منه علی وجه الارض بمنزلة العین الفوارة فیکون لها من الحریم حینئذٍ مثل ما للعین خمسمائة ذراع بالاجماع۔

یعنی قناۃ کا وہ حصہ جہاں سے پانی نکل کر سطح زمین پر آتا ہے وہ چشمہ کے حکم میں ہے اور چشمہ کا حریم پانچسو شرعی گز کی مقدار کا ہوتا ہے۔

ومثلہ فی العنایۃ علی ھامش الھندیۃ ص ۲۲۲ ج ۳ والبحر ص ۲۳۲ ج ۸۔

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں قناۃ کے بارے میں فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب مذکور پر مستفتی کے اشکالات:

جواب استفتاء موضوع قناۃ آمد و رسید ولے تا حال در نظر احقر مسئلہ تشنۂ طلب و قابل تحقیق و توضیح مزید است۔ درصورتیکہ جنابعالی حریم قناۃ را از جای بیرون آمدن آب از کاریز اثبات کردہ اید و از منبع و بنگاہش قرار ندادہ اید چند اشکال وارد می گردد کہ حل آنہا بر ذمۂ شما لازم است۔

اول اینکہ مسئلۂ قناۃ باتفاق ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ منصوص شرعی نیست قیاسی است۔ کما قال فی البنایۃ شرح الھدایۃ وقال فی الشامل القناۃ لہا حریم مفوض الی رأی الامام لانہ لا نص فی الشرع (ص ۳۰۲ ج ۴)

پس وقتیکہ این مسئلہ قیاسی شمار شود حال خالی نمی گردد یا بر چاہ قیاس کردہ شود یا بر چشمہ کہ منصوص اند۔

اگر بر چاہ قیاس کردہ شود علت مشترکہ کہ شرط قیاس است بین این دو مسئلہ دیدہ نمی شود، چرا کہ چاہ یکجا حفر عمیق کردہ می شود و آبش ایستادہ است و قطرہ قطرہ می آید مثل فوارہ حرکت نمی کند و در آن نمی شود و جوی ندارد، بخلاف قناۃ کہ اگر زیر بریدہ شود یا سر بریدہ شود در ہر دو حال آب جاری دارد و مثل فوارہ از منبع حرکت میکند تا از جای بیرون رفتن بہ مزارع، و جوی وغیرہ تشریفات دارد۔

البتہ اگر آنرا بچشمہ قیاس کنیم چنانچہ مشایخ کردہ اند علت مشترکہ دیدہ می شود ولی درین صورت مقتضای قیاس مشایخ باید این بشود کہ حریم قناۃ از منبع و بنگاہ قرار گیرد نہ از جای بیرون رفتن بہ مزارع، چرا کہ باتفاق ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ حریم چشمہ از بنگاہ است

شد از حوض و انتهای مجری آن و اگر چنین کرده نشود قیاس مع الفارق میگردد کما فی الصورة الاولی ۔

دوم اگر ما قناة را بسه حصه تقسیم کنیم در حصه دوم این اشکال می آید که آب چاه بسته وایستاده و مثل فواره نیست بخلاف آب قناة ۔

و در حصه سوم این اشکال می آید که آنجا آب در حقیقت از زیر زمین بیرون نمی آید بلکه از زیر سرپوش قناة بیرون می آید و مثل فواره هم و در اینجا موصوف نمی گردد بخلاف آب چشمه که از زمین حقیقةً بیرون می آید و مثل فواره هست و علت اینوقت هم مفقود میگردد ۔

سوم حریم باید یک حد معین باشد اگر حریم قناة جای بیرون آمدن آب از سرپوش قرار گیرد معین نمی گردد چراکه وقت کم شدن آب چون قناة زیاده حفر کرده می شود کاریز آن سرپوش کرده پائین تر میرود پس یک قرار نمی ماند پس باید در هر سال جای دیگر حریم داده شود ۔

چهارم قناة چون کشیده می شود مبادی از زمینش که جای بیرون آمدن آبست به مزارع شروع می شود و غایتش رفته به منبع میرسد و تمام میگردد و بین این سرپوش چاهها که برای کشادن مجری قناة مهیا ساخته شده اند ذکر کرده می شوند و قول امام محمد رحمه الله تعالی محمول بهمین چاهها هست که به منبع نرسیده اند که هر یکی از اینها حکم چاه دارد و چون بغایت و منبع رسید مشایخ رحمهم الله تعالی بر قول امام محمد رحمه الله تعالی زیاد کردند که در آن وقت حکم چشمه دارد و ظاهر هست که در پائین و مبادی نیست بلکه در غایت ست و منبع ۔ و امام بزرگ رحمه الله تعالی هم همین طور فرموده است چنانچه در عبارت قاضیخان تصریح ست :

واما عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی اذا فعل ذلك باذن الامام يستحق الموضع للموضع الذی يقع الماء فيه على وجه الارض (الى ان قال) والقناة هي التي يقع الماء على وجه الارض بمنزلة النهر لان الماء في القناة يجري الماء تحت الارض فاذا وقع الماء على وجه الارض يصير ذلك الموضع بمنزلة العين لان في العين يخرج الماء من الارض ويسيل على وجه الارض (منحة حاشية هندية بيروتي)

پنجم الفاظیکه فقهاء رحمهم الله تعالی دریں مورد استعمال فرموده اند این اند ۔

یظهر علی وجه الارض ۔

حریم قناة ——— ۵

یبقی الماء علی وجہ الارض۔

ینبع الماء فیسیل علی وجہ الارض۔

یبسط علی وجہ الارض۔

فیسیح علی وجہ الارض۔

این وجہ الارض در نقل احقر ہماں ارض ست کہ در منبع و نبکاہ آب ست نہ این ارض کہ جای بیرون شدن آب بمزرعہ ست۔ بہ این قرائن۔

قناۃ مجرای آب را می گویند کہ زیر سرپوش ست و آن مختلف فیہا ست بین امام و محمد یا صاحبین رحمہم اللہ تعالی کہ امام آنرا بمنزلہ نہر قرار دادہ و حریم بقدر دوست مگر پشش نہرہ و امام محمد یا صاحبین آنرا یعنی دہن چاہہای آنرا بمنزلہ چاہ قرار دادہ اند و اگر در جائیکہ آب از منبع بیرون می آید نزد امام بمنزلہ عین ست (کما فی الہندیۃ ص۳ ج۵) و نیز در ہندیہ: القناۃ فی الموضع الذی یظہر الماء منہ علی وجہ الارض بمنزلۃ العین الفوارۃ۔

درین موضع مراد ہمان نبکاہ و منبع ست بظاہر نہ غیر۔

ونیز از دلیل قاضیخان بالا روشن ست کہ فرمودند:

لان فی العین یخرج الماء من الارض ویسیل علی وجہ الارض۔

پس معلوم شد کہ حریم قناۃ ہم آنجا ست کہ آب از زیر زمین بر سر زمین می آید نہ آنکہ از سرپوش بیرون می رود۔

ونیز از عبارت کتاب الخراج واضح ست:

قال ابو یوسف رحمہ اللہ واجعل للقناۃ من الحریم ما لم یسح علی وجہ الارض مثل ما اجعل للآبار فاذا ظہر الماء وسقی علی وجہ الارض جعلت حریمہ کحریم النہر بمنابہ (ص۔۔ ج ۴)

یعنی تا وقتیکہ آب قناۃ در منبعش ایستادہ است و جریان نمیکند حکم آنرا مثل حریم چاہ میکنم و چون آبش بسیل قناۃ روان میگردد تا آخرش حکم آنرا مثل جو میگویم۔ معلوم شد کہ مسئلہ مختلف فیہا بین امام و صاحبین ہمین مسیل ست در جوی قناۃ تا آخر۔

ششم: خلاصہ علتی کہ از نصوص در مورد حریم معلوم می شود دو چیز ست یکی دفع مضرت۔

دوم جلب منفعت۔

علت اولیٰ در مالک و آب مشترک ہست و دوم فقط برای مالک محدود ہست۔ یعنی از نصوص معلوم ہست کہ علت حریم اینست کہ از عا فرادل ضرر نقص یا تمامی آب دور کردہ شود و از منع تصرف از حریم ہم جلوگیری کردہ شود۔ حالا ظاہر ہست کہ اگر حریم از جای بیرون شدن آب از سرپوش قناۃ قرار دادہ شود در نتیجہ گز بہ در برای ملک او قرار گیرد فقط با رفع ملک تا حد و دفع ضرر از آب کہ اصل علت ہست دور نمی شود چونکہ اینجا اگر کسی در پا نزدیک اگر قناتی حفر کنند چونکہ منبع آب خیلی دور ہست ہیچ اثری ندارد۔

واگر حریم از منبع قرار دادہ شود ضرر از آب قناۃ و صاحب قناۃ ہر دو دوری گردد و انتفاع ملک و زمین حدود ہم ہمانک کی مانند بوسیلۂ آب قناۃ باشد یا بوسیلۂ دلو یا تلمبہ از زمین جا صاحب قناۃ نمی تواند کہ در حدود یہ نصف گز ملک استفادہ کنند و دفع الضرر اہم از جلب منفعت ہست پس مقتضای این علل و قواعد ہم ہمین ہست کہ حریم از منبع و جایگاہ باشد نہ از جای بیرون آمدن آب از سرپوش قناۃ۔

خلاصہ: لطفاً این اشکالات را بندہ بہ تمام نظر فرمودہ از جواب شافی مستفید فرمایند و از دیگر مفتیان آنجا نیز در این مورد مشورہ گیرند۔

جواب ثانی:

الجواب ومنہ الصدق والصواب

منبع اور بنگاہ کے متعلق آپ نے جو یہ کہا ہے کہ

"اس کو کنویں پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔"

ٹھیک ہے اس لئے کہ عالمگیریہ کی عبارت:

قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی الکتاب القناۃ بمنزلۃ البیر فلھا من الحریم ما للبیر

قناۃ کے اس زیرین حصہ سے متعلق ہے جس میں سے پانی گزرتا ہے منبع کے متعلق نہیں جیسا کہ صاحب درمختار نے اس مسئلہ میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف بھی نقل کیا ہے، ظاہر ہے کہ امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان اختلاف قناۃ کے اس زیرین مقام کے متعلق ہے جس میں سے پانی گزرتا ہے۔ کما قال فی الدر المختار

حریم قناۃ ——————

(والقناة) هى مجرى الماء تحت الارض (حريمها بقدر ما يصلحه) لالقاء الطين ونحوه (وعن محمد رحمه الله تعالى كالبئر).

وفى الشامية تحت (قوله وعن محمد رحمه الله تعالى كالبئر) قال الاتقانى ذكر المشايخ الكرام فى الاصل اى محمد ان القناة كالبئر فى حريمها وسنده لاحق بالبئر لانها بمنزلة البئر ما لم يظهر ماؤها على وجه الارض ولا حريم للنهر عنده فان ظهر كالعين الفوارة فحريمها خمسمائة ذراع (ص ۴۹۰ ج ۵)

جس دارالعلوم کے سابقہ فتویٰ میں قناۃ کے متعلق جو لکھا گیا ہے کہ اس کا حریم کنویں کے حریم کے برابر ہے، اس سے رجوع کیا جاتا ہے، البتہ آپ نے جو یہ کہا ہے کہ

"تیسرے حصے کو (یعنی جہاں سے پانی سطح زمین پر ظاہر ہو جاتا ہے) چشمہ پر قیاس کرنے کی صورت میں علت مشترکہ نہیں پائی جاتی ہے"

یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ چشمہ میں دو چیزیں پائی جاتی ہیں۔

① خروج الماء من الارض۔

② سیلان الماء علی وجه الارض۔

جیسا کہ فتاویٰ خانیہ کی عبارت سے ظاہر ہے:

والقناة الى ان يظهر الماء على وجه الارض بمنزلة النهر الا ان فى القناة يجرى الماء تحت الارض فاذا وقع على وجه الارض يصير ذلك الموضع بمنزلة العين لان فى العين يخرج الماء من الارض ويسيل على وجه الارض.

(الخانية على الهندية ص ۲۳۶ ج ۳)

تیسرے حصے کو چشمہ پر قیاس کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اسی جگہ زمین کے اندر سے پانی نکل پڑے، بذریعہ قناۃ یہاں تک آیا ہو اس لئے کہ اس صورت میں وہ تو عین چشمہ ہو گیا پھر تو اس کو چشمہ پر قیاس کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چشمہ کا حریم بالاتفاق ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ منبع سے شمار کیا جاتا ہے حوض سے شمار نہیں کیا جاتا، اور یہ تفصیل کرکے کما قال فی الهداية:

وان كانت عينا فحريمها خمس مائة ذراع لما روينا وهو قوله عليه السلام حريم العين خمس مائة ذراع (الى ان قال) والتقدير بخمس مائة بالتوقيف (حنيف)

حریم قناۃ ــــــــــــــــــ

مگر یہاں بحث چشمہ کی نہیں ، بلکہ قناۃ کے تیسرے حصہ سے متعلق ہے اس تیسرے حصہ کو چشمہ پر قیاس کیا گیا ہے ، حریم قناۃ تیسرے حصہ سے قرار دینے کی صورت میں اگر حریم ہر سال بدلتا رہے تو اس میں کیا حرج ہے ؟ جس طرح چشمہ اگر ایک جگہ سے بند ہو کر دوسری جگہ سے نکل پڑے تو باتفاق ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ دوسری جگہ سے چشمہ کا حریم شمار کیا جاتا ہے ۔ وہ الفاظ جن کو فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کے لئے استعمال کرتے ہیں جیسے :

یظہر علی وجہ الارض .

یقع الماء علی وجہ الارض .

یقع الماء فیہ علی وجہ الارض -

یسیح علی وجہ الارض -

سیح علی وجہ الارض -

ان سے مراد وہ مقام ہے جہاں جاکر پانی سطح ارض پر نمودار ہو جاتا ہے یعنی قناۃ کا تیسرا حصہ اور آخری حصہ منبع اور نکاس مراد نہیں ہے جیسا کہ کتب فقہ کی عبارتیں اس پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں کما فی الخانیۃ :

والقناۃ التی لم یظہر ماؤہا علی وجہ الارض بمنزلۃ النہر الا ان فی القناۃ یجری الماء تحت الارض فاذا وقع علی وجہ الارض یصیر ذلک الموضع بمنزلۃ العین (الخانیۃ علی الہندیۃ ص ۲۱۹ ج ۳)

تو خانیہ کی عبارت میں تیسرے حصے سے پہلے والے حصے پر نہر کا اطلاق کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ "وقع الماء علی وجہ الارض" سے پہلا حصہ (یعنی قناۃ کا وہ بالائی مقام جہاں پانی ہوتا ہے) مراد نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اس سے پہلے کوئی نہر نہیں ہوتی ۔

صاحب "غایۃ الاوطار" نے درمختار کی عبارت "ولو ظہر الماء ففی العین" کا جو ترجمہ کیا ہے یعنی کاریز کا پانی اوپر کی زمین پھوٹ کر ظاہر ہو گیا تو اس کا حکم چشمہ کے مانند ہے یعنی پانچسو گز اس کا حریم ہوگا (ص ۲۰۴ ج ۴)

اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ "ظہر الماء علی وجہ الارض" سے تیسرا حصہ مراد ہے منبع اور نکاس مراد نہیں ۔

صاحب "عین الہدایہ" نے ہدایہ کی عبارت :

حریم قناۃ ———— ۵

"قال ولو حفر قناة فظهر الماء فهو بمنزلة عين فوارة" کا جو ترجمہ کیا ہے وہ یہ ہے:
"مشائخ نے فرمایا کہ جب اس کا پانی زمین پر ظاہر ہو تو وہ بمنزلہ جوش مارنے والے
چشمہ کے ہے۔ یعنی پانچ سو گز حریم مقرر کیا جائے گا (ص ۳۴۳ ج ۴)
اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ظہور ماء علیٰ وجہ الارض سے وہ مقام
مراد ہے جہاں پانی سطح ارض پر ظاہر ہوجاتا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

جواب ثانی پر مستفتی کا اشکال:

جواب دوم قناۃ کے موضوع میں وصول ہوا، کچھ تشفی حاصل ہوئی تاہم ایک سوال
حل طلب ہے وہ یہ کہ آپ حضرت نے قناۃ کے حریم کو جس جگہ سے کہ پانی سطح زمین پر نکل
پڑے کر دیا اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات کو اس پر چسپاں کر دیا۔
اس پر اشکال یہ ہے کہ قناۃ کو منبع اور بنگاہ سے بھی ایک (قدر) حریم دیتے ہیں یا نہیں؟
اگر دیتے ہیں تو کتنا دیتے ہیں جتنا کنویں کا ہوتا ہے یا جتنا چشمہ کا؟ اور اگر نہیں دیتے ہیں
تو آپکی اس عبارت کے کیا معنی ہوں گے:
"اس صورت میں وہ تو عین چشمہ ہوگیا تو اس کو چشمہ پر قیاس کرنے کا سوال ہی پیدا
نہیں ہوتا"
اور نصوص جو حریم چشمہ اور کنویں کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں کس وجہ سے ان قناۃ
کو ان سے اور ان کے مصداق عام سے نکالا جاسکتا ہے؟ باوجود یکہ مناط استحقاق حریم باتفاق
فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ حاجت ہے دو طریق سے:
ایک دفع حاجت صاحب چشمہ اور کنویں سے
دوسری دفع ضرر صاحب حریم کے پانی سے۔
اس دوسری حاجت کو فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اصل علت قرار دیا ہے اور
قیاس بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ تمام استفادات صاحب چشمہ یا کنواں پانی کے وجود پر
موقوف ہیں، اگر پانی نہ ہو تو کیسے استفادہ کر سکتا ہے۔
اور یہ بھی بالکل مشاہد ہے کہ اگر کوئی دوسرا اس جگہ کے اردگرد جہاں پانی سطح
زمین پر نکل پڑتا ہے پانچ سو سے کم بلکہ بیس تیس گز کے اندر اندر دوسرا کنواں یا چشمہ
کھودے تو پہلی قناۃ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، یہ تو بالکل مشاہدہ ہے، میں

خود بھی دو قناتوں کے اندر دار ای شرکت و صاحب حال و صاحب البیت ہوں۔ اور صاحب زمین کو بھی کوئی ضرر عائد نہیں ہوگا، کیونکہ پانی جب قناۃ سے سطح زمین پر نکل پڑتا ہے اکثر و اغلب پانچسو گز کے اندر اندر زمین کے نشیب فراز کی وجہ سے قابل استفادہ نہ رہے گا، بلکہ اکثر و اغلب جو قناتیں ہمارے ملک میں ہیں ایک ہزار گز یا کم از کم سات سو گز سے اوپر قابل استفادہ ہوتی ہیں تو پانچسو کا حریم دینے سے صاحب زمین کی حاجت کو یا دفع ضرر کو اس سے کیا فائدہ پہنچا، اور نص اور قیاس کا کیا نتیجہ نکلا؟

البتہ یہ بالکل مشاہدہ و ثابت ہے کہ اگر بنگاہ قناۃ کے ارد گرد کہ فوارہ وار زمین سے اُبل رہا ہے اگر دوسرا شخص پانچسو گز کے اندر یا کمتر کوئی دوسری قناۃ یا کنواں کھودے یا مکینہ لگائے تو قناۃ اول کے پانی کو ضرر پہنچتا ہے، بلکہ بسا اوقات وہ قناۃ بالکل خشک ہو کر ناقابل استفادہ ہو جاتی ہے اور صاحب اول کے تمام استفادات اور سرمایہ معلق و بیکار ہو جاتا ہے بلکہ آجکل آلات جدیدہ اور مشینوں کے دور میں سات سو گز یا ہزار گز کے فاصلہ پر ایک مکینہ نصب کی جاتی ہے تو قناۃ اول خشک ہو جاتی ہے لہٰذا احقر کی نظر میں قناۃ کو دونوں جگہ سے حریم دینا لازم ہوگا ورنہ پھر لازم ہے کہ بنگاہ سے دیا جائے تاکہ جامع عین و قناۃ قیاس میں موافق ہو جائیں و اصل علت کہ حاجت و دفع ضرر ما ہے بحال رہے و مصداق عامہ نصوص بحال رہے۔ اب آپ حضرات کی تحقیق کا انتظار ہے۔

جواب ثالث:

الجواب حامداً ومصلیاً

قناۃ کے متعلق فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارتیں ان کے مآخذ میں دیکھنے اور غور کرنے کے بعد جو بات ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ قناۃ کے بالائی مقام (جہاں سے پانی نکلنا شروع ہوتا ہے جس کو استفتاء میں منبع اور بنگاہ سے تعبیر کیا گیا ہے) کے متعلق ہدایہ کے حاشیہ میں شارح المواقف سے نقل کیا گیا ہے کہ قناۃ کے بالائی مقام سے جب تک مسیل یعنی نہر نہیں نکالی جاتی اس وقت تک وہ کنواں ہوتا ہے، جب اس سے نہر نکال لی جاتی ہے تو وہ خود بالائی مقام نہر میں شامل

ہو جاتا ہے، لہٰذا قناۃ کا بالائی مقام اور قناۃ کا وہ زیریں حصہ جہاں سے پانی گزرتا ہے ان دونوں کا حریم شرعاً مقدر اور متعین نہیں، زمین کی سختی اور نرمی کے اعتبار سے جتنی مقدار حریم کی ضرورت پڑے گی اتنا ہی اس کا حریم ہوگا۔

چنانچہ قاضی خان رحمہ اللہ تعالیٰ نے قناۃ (کاریز) اور مخرج ماء یعنی منبع کے لیے بقدر ما یصلحہ کو اس کا حریم قرار دیا ہے۔

نیز فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی اکثر کتابوں میں قناۃ کے دو ہی حصوں کے حریم کا ذکر صراحۃً ملتا ہے:

① قناۃ کا وہ حصہ جہاں سے پانی سطح ارض پر ظاہر ہو جاتا ہے، جس کا حریم فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے چشمہ کے حریم کے برابر قرار دیا۔

② قناۃ کا وہ حصہ جس میں پانی بر سر زمین ظاہر ہوا ہو۔ اسکا حریم فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے نہر کے حریم کی طرح قرار دیا، یعنی زمین کی سختی اور نرمی کے اعتبار سے جتنی مقدار کی ضرورت پڑیگی اتنا ہی اسکا حریم ہوگا۔

فی حاشیۃ الهدایۃ:

(قولہ والقناۃ) قال شارح المواقف ان لم یجعل مسیل فهو السرب وان جعل فهو القناۃ ونسبته الی الآبار کنسبۃ العیون السیالۃ الی الراکدۃ (ص ۲۸۲ ج ۴)

وفی الخانیۃ علی هامش الهندیۃ:

ولو حفر رجل قناۃ بغیر اذن الامام فی مفازۃ وساق الماء حتی اتی به ارضا واحیاها فانه یجعل لقناته ولمخرج مائه حریما بقدر ما یصلحه (ص ۲۲۰ ج ۳)

فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے قناۃ کے تیسرے حصے کا حریم چشمہ کے حریم کے برابر جو قرار دیا وہ صرف اس مقصد کے لئے نہیں کہ اگر کوئی آدمی اسکے حریم کے اندر دوسری قناۃ کھودے تو اسکے پانی کو نقصان ہو بلکہ جس مقصد مثلاً کاشتکاری وغیرہ کے لئے قناۃ کھودی گئی ہے اس کا بھی اعتبار کر کے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے قناۃ کا حریم چشمہ کے حریم کے برابر قرار دیا ہے۔

فی الهدایۃ: وان کانت عینا فحریمها خمسمائۃ ذراع لما روینا

ولان الحاجة فيه الى زيادة مسافة لان العين تستخرج للزراعة فلابد من موضع يجري فيه الماء ومن موضع يجمع فيه الماء ومن موضع يجري فيه الى الزراعة (هدايه ص ۴۲۰ ج ۴)
والله سبحانه وتعالى اعلم

الجواب باسم ملهم الصواب

جواب ثالث صحیح ہے۔

التحقیق المزید:

① قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى قال الاتقانى قال المشايخ الذى فى الاصل انه من ان القناة كالبئر قولهما وعنده لاحريم لها الا انها بمنزلة النهر ما لم يظهر ماؤها على وجه الارض ولاحريم للنهر عنده فان ظهر كالعين الفوارة حريمها خمسمائة ذراع (ردالمحتار ص ۳۰۹ ج ۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ قناۃ کے زیر زمین حصہ کا حریم نہیں اور عند الصاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ اسکا حریم کنویں کی طرح چالیس ذراع ہے۔

مگر تحقیق یہ ہے کہ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی نہر کا حریم ہے، اس میں امام اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان اختلاف نہیں، بالاتفاق حریم ہے۔

کما حرر الامام الحصکفی رحمه الله تعالى فى بحث حريم النهر وقرره العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى۔ فقياس الامام رحمه الله تعالى القناة على النهر مثبت لحريمها كحريمه عنده ولذا قال صاحب التنوير وشارحه العلائى رحمهما الله تعالى وللقناة هى مجرى الماء تحت الارض حريم بقدر ما يصلحه لالقاء الطين ونحوه وعن محمد رحمه الله تعالى كالبئر (ردالمحتار ص ۳۰۹ ج ۵)

② بئر، عین فوارہ اور نہر کے حریم کی تحدید سے متعلق حدیث وفقہ کی نصوص حالات متوسطہ پر مبنی ہیں، لہٰذا اختلاف احوال سے حدود حریم مختلف ہونگی۔

قال فى العلائية معزيا للقهستانى لو قيل والتقدير فى بئر وعين بما ذكر فى اراضيهم لصلابتها وفى اراضينا رخاوة فيزاد لئلا ينتقل الماء الى الثانى وعزاه للهداية وعزاه البرجندى للكافى فليحفظ۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى وفى التاتارخانية عن الينابيع ومن

محتاجا الی اکثر من ذلک یترتب علیہ ولکان الاعتبار للحاجۃ لا للتقدیر ولا یکون فی المسألۃ خلاف فی المعنی اھ ونقل العلامۃ قاسم فی تصحیحہ عن مختارات النوازل ان الصحیح اعتبار قدر الحاجۃ فی البئر من کل جانب،

وفی التنویر وللقناۃ حریم بقدر ما یصلحہ،

وفی الشرح لالقاء الطین ونحوہ (الی قولہ) وفی الاختیار مفوض لرأی الامام ای لو باذنہ والا فلا شیء لہ ذکرہ البرجندی (رد المحتار ص۳۳۹ ج ۵)

وفی الخانیۃ ولو حفر رجل قناۃ لغیرہ باذن الامام فی مفازۃ وساق الماء حتی اتی بہ ارضا فاحیاھا فانہ یجعل لقناتہ ولمخرج مائہ حریما بقدر ما یصلحہ۔ (خانیۃ علی ھامش الھندیۃ ص۲۲۲ ج ۳)

(۳) علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے برجندی سے اذن امام کی شرط نقل کی ہے قناۃ بلا اذن امام کے لئے حریم نہیں، اور امام قاضی خان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قناۃ بلا اذن امام کے لئے بھی حریم ہے۔

یہ اختلاف اس اختلاف پر مبنی ہے کہ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں احیاء الموات میں اذن امام شرط ہے، صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں شرط نہیں، قول برجندی قول امام رحمہ اللہ تعالیٰ پر مبنی ہے اور قول قاضیخان قول صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ پر،
یہ وجہ توفیق بالکل ظاہر ہے مع ہذا علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسکی تصریح بھی فرمادی ہے۔

ونصہ: (قولہ ای لو باذنہ) ای لو کان الاحیاء باذن الامام لانہ شرط عند الامام والا فلا یملک ما احیا ولا یستحق الحریم (رد المحتار ص۳۳۹ ج ۵)

واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

۲۳ جمادی الآخرۃ ۱۳۹۹ھ

کتاب الاشربۃ

حقہ پینے کا حکم:

سوال: حقہ پینے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے حقہ کی اباحت ثابت کی ہے اور کراہت کے قول کو رد کیا ہے۔ شامیہ کے چند جملے نقل کئے جاتے ہیں، مزید تفصیل اباحت پر دلائل اور فریق مخالف پر تردید شامیہ کتاب الاشربہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

وللعلامة الشيخ علي الاجهوري المالكي رسالة في حله نقل فيها انه افتى بحله من يعتمد عليه من ائمة المذاهب الاربعة، قلت والف في حله ايضا سيدنا العارف عبد الغني النابلسي رسالة سماها الصلح بين الاخوان في اباحة شرب الدخان وتعرض له في كثير من تأليفه الحسان واقام الطامة الكبرى على القائل بالحرمة او بالكراهة فانهما حكمان شرعيان لا بد لهما من دليل ولا دليل على ذلك فانه لم يثبت اسكاره ولا تفتيره ولا اضراره بل ثبت له منافع فهو داخل تحت قاعدة الاصل في الاشياء الاباحة وان فرض اضراره للبعض لا يلزم منه تحريمه على كل احد فان العسل يضر باصحاب الصفراء الغالبة وربما امرضهم مع انه شفاء بالنص القطعي وليس الاحتياط في الافتراء على الله تعالى باثبات الحرمة او الكراهة اللذين لا بد لهما من دليل بل في القول بالاباحة التي هي الاصل. (رد المحتار ص۲۹۵ ج ۵)

مگر چونکہ یہ آوارہ و اوباش قسم کے لوگوں کا شیوہ ہے اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

اور اس طرح استعمال کرنا کہ منہ میں بدبو پیدا ہو جائے حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۷۲ھ

بھنگ حرام ہے:

سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ درمختار میں بھنگ کی اباحت مذکور ہے کیا یہ مسئلہ واقعی درمختار میں ہے، اگر ہے تو کس طرح پر مباح ہے؟ بینوا بیانا شافیا توجروا اجرا وافیا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

عن ام سلمة رضی الله تعالی عنها قالت نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن کل مسکر ومفتر (ابو داود)

عن جابر رضی الله تعالی عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کل مسکر حرام ان علی الله عهدا لمن یشرب المسکرات (مسلم)

عن ابن عمر رضی الله تعالی عنهما انه قال صلی الله علیه وسلم ما اسکر کثیره فقلیله حرام (احمد وابن ماجه والدارقطنی)

قال الحافظ العینی رحمه الله تعالی فی شرح الکنز: قال محمد والائمة الثلاثة رحمهم الله تعالی کل ما اسکر کثیره فقلیله حرام من ای نوع کان۔

جو شخص کہتا ہے کہ درمختار میں بھنگ کو مباح لکھا ہے وہ مفتری اور کذاب ہے، درمختار میں بھی بھنگ کی حرمت صراحۃً مذکور ہے، البتہ بھنگ پینے پر شرب والی حد نہیں بلکہ تعزیر ہے، جیسا کہ پیشاب اور پاخانہ کھانے اور پینے پر حد نہیں بلکہ تعزیر ہے، بھنگ کا بھی بعینہ یہی حکم ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالی: ویحرم اکل البنج والحشیشة وهی ورق القنب والافیون لانه مفسد للعقل ویصد عن ذکر الله تعالی وعن الصلوة لکن دون حرمة الخمر فان اکل شیئا من ذلك لاحد علیه وان سکر منه بل یعزر بما دون الحد کذا فی الجوهرة (رد المحتار ص۲۹۵ ج ۵)

درمختار میں حلت کا قول تو کیا بلکہ اس میں تو حلال سمجھنے والے پر کفر کا فتوی نقل کیا ہے۔

ونصه: ونقل عن الجامع وغیره ان من قال بحل البنج والحشیش فهو زندیق مبتدع بل قال نجم الدین الزاهدی انه یکفر ویباح قتله۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی تحت (قوله وهی

ورق القنب): نقل ابن حجر عن بعض العلماء ان فی اکل الحشیش مائۃ وعشرین مضرۃ دینیۃ ودنیویۃ ونقل عن ابن تیمیۃ ان من قال بحلها کفر قال واقرہ اهل مذهبه اه وسیأتی مثله عندنا اه

وقال ایضا تحت (قوله بل قال نجم الدین الزاهدی) لکن رأیت فی الزواجر لابن حجر ما نصه وحکی القرافی وابن تیمیۃ الاجماع علی تحریم الحشیشۃ قال ومن استحلها فقد کفر قال وانما لم یتکلم فیها الائمۃ الاربعۃ لانها لم تکن فی زمنهم وانما ظهرت فی آخر المائۃ السادسۃ واول المائۃ السابعۃ حین ظهرت دولۃ التتار اه بحروفه فلیتأمل (رد المحتار)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۴ ربیع الآخر سنہ ۸۳ھ

بھنگ اور الکحل وغیرہ کے احکام کی تفصیل:

سوال: بھنگ کا استعمال اکلاً یا شرباً جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے شارب پر حد ہے یا نہیں؟ اور اسپرٹ کا استعمال کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مسکرات کی دو قسمیں ہیں:

سیال اور جامد۔

سیال کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جن کی نجاست اور حرمت پر اتفاق ہے۔ اس کی چار قسمیں ہیں:

(۱) انگور کی کچی شراب۔

(۲) انگور کی پختہ شراب۔

(۳) رطب کی شراب۔

(۴) زبیب کی شراب۔

ان کا ایک قطرہ بھی حرام ہے، اگرچہ اس سے نشہ نہ ہوتا ہو، اس کا دوا میں استعمال کرنا بھی اکلاً وشرباً بہر حال ممنوع ہے۔ خواہ اپنی اصلی حالت پر رہیں یا کسی قسم کے تعرف سے دوسری ہیئت میں ہو جائیں۔

(۲) وہ اشربہ جن میں اختلاف ہے، یعنی اشربہ اربعہ مذکورہ کے سوا باقی تمام اشربہ۔

یہ شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں طاہر ہیں، اور مقدار مسکر سے کم بلا لہو بغرض تداوی وغیرہ حلال ہیں؛ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نجس اور حرام ہیں اگرچہ قلیل ہوں۔

بلا غرض تداوی وغیرہ محض لہو کے لئے بالاتفاق حرام ہیں اور قدر مسکر پر بالاتفاق حد ہے۔

ادویہ و دیگر مصنوعات میں استعمال ہونے والا الکحل انگور یا کھجور سے نہیں بنایا جاتا، اس لئے مذہب شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے مطابق اس کا استعمال جائز ہے۔

اصول فتویٰ کے لحاظ سے قول شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کو ترجیح ہوتی ہے الا لعارض۔

اگرچہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فساد زمان کی حکمت کی بناء پر امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے، مگر اب عموم بلویٰ اور ضرورت تداوی کے پیش نظر اصل مذہب کے مطابق جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

مسکرات جامدہ کا حکم:

جامد مسکرات جیسے افیون وغیرہ کی اتنی مقدار جو بالفعل نشہ کرے یا اس میں فتور پیدا کرے حرام ہے، اسی طرح مقدار نشہ سے کم صرف لہو کے طور پر استعمال کرنا بھی حرام ہے، البتہ مقدار قلیل جو حد نشہ سے کم ہو دواءً استعمال کرنا جائز ہے اور ضماد لگانا بھی درست ہے۔

حد کے متعلق یہ تفصیل ہے:

انگور کی کچی شراب پر مطلقاً حد ہے مسکر ہو یا نہ ہو۔

اس کے سوا دوسری سیال مسکرات میں سے مقدار مسکر پر حد ہے، قلیل پر نہیں۔

جامد مسکرات میں سے مقدار مسکر پر بھی حد نہیں، تعزیر ہے۔

قال فی الدر المنتقی: ویکرہ ای یحرم کما عن محمد فی النھایۃ شرب دردی الخمر ای عکرہ والامتشاط بہ لان فیہ اجزاء الخمر وقلیلہ ککثیرہ کما مر ولکن لا یحد شاربہ عندنا لغلبۃ الثفل ولنفرۃ الطبع عنہ واعتبر الکرخی رحمہ اللہ تعالیٰ الطعم بلا سکر ویحد باجماع العلماء

ولا یجوز الانتفاع بالخمر من کل وجه کما فی المنیة وغیرها لان الانتفاع بالمحرم حرام ولا یداوی بها جراح ولا دبر دابة ولا تسقی آدمیا ولو صبیا للتداوی (الدر المنتقی بهامش مجمع الانهر ص۵۶۸ ج۲)

وقال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالی: (وحد شاربها وان لم یسکر منها ویحد شارب غیرها (ای من المائعات المحرمة) ان سکر.
(رد المحتار ص۲۸۹ ج۵)

وقال ایضا فی بیان المسکرات الجامدات من البنج والحشیشة والافیون:
فان اکل شیئا من ذلک لاحد علیه وان سکر بل یعزر بما دون الحد۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: (قوله وان سکر) لان الشرع اوجب الحد بالسکر من المشروب لا المأکول اتقانی (رد المحتار ص۲۹۰ ج۵)

وقال ایضا: قوله (ویحرم اکل البنج) هو بالفتح نبات یسمی فی العربیة شیکران یصدع ویسبت ویخلط العقل کما فی التذکرة للشیخ داود زاد فی القاموس واخبثه الاحمر ثم الاسود واسلمه الابیض وفیه السبت یوم من الاسبوع والرجل الکثیر النوم والمسبت الذی لا یتحرک وفی القهستانی هو احد نوعی شجر القنب حرام لانه یزیل العقل وعلیه الفتوی بخلاف نوع آخر منه فانه مباح کالافیون لانه وان اختل العقل به لا یزول وعلیه یحمل ما فی الهدایة وغیرها من اباحة البنج کما فی شرح اللباب اھ
اقول هذا غیر ظاهر لان ما یخل العقل لا یجوز ایضا بلا شبهة فکیف یقال انه مباح بل الصواب ان مراد صاحب الهدایة وغیره اباحة قلیله للتداوی ونحوه ومن صرح بحرمته اراد به القدر المسکر منه یدل علیه ما فی غایة البیان عن شرح شیخ الاسلام اکل قلیل السقمونیا والبنج مباح للتداوی وما زاد علی ذلک اذا کان یقتل او یذهب العقل حرام اھ فهذا صریح فیما قلناه مؤید لما سبق بحثناه سابقا من تخصیص ما مر من ان ما اسکر کثیره حرام قلیله بالمائعات وهکذا یقال فی غیره من الاشیاء الجامدة المضرة فی العقل او غیره یحرم تناول القدر المضر منها دون القلیل النافع لان

حرمتها ليست لعينها بل لضررها وفي اول طلاق البحر من غاب عقله بالبنج والافيون يقع طلاقه اذا استعمله للهو وادخال الآفات قصدا لكونه معصية وان كان للتداوي فلا لعدمها كذا في فتح القدير وهو صريح في حرمة البنج والافيون لا للدواء وفي البزازية والتعليل ينادي بحرمته لا للدواء اهـ كلام البحر وجعل في النهر هذا التفصيل هو الحق والحاصل ان استعمال الكثير المسكر منه حرام مطلقا كما يدل عليه كلام الغاية واما القليل فان كان للهو حرم وان سكر منه يقع طلاقه لان مبدأ استعماله كان محظورا وان كان للتداوي وحصل منه الاسكار فلا فاغتنم هذا التحرير المفرد وبقي هنا شيء لم ار من نبه عليه عندنا وهو انه اذا اعتاد اكل شيء من الجامدات التي لا يحرم قليلها ويسكر كثيرها حتى صار ياكل منها القدر المسكر ولا يسكره سواء اسكره في ابتداء الامر او لا فهل يحرم عليه استعماله نظرا الى انه يسكر غيره او الى انه قد اسكره قبل اعتياده ام لا يحرم نظرا الى انه طاهر مباح والعلة في تحريمه الاسكار ولم يوجد بعد الاعتياد وان كان فعله الذي اسكره قبله حراما كمن اعتاد اكل شيء مسموم حتى صار ياكل ما هو قاتل عادة ولا يضره كما بلغنا عن بعضهم فليتأمل نعم صرح الشافعية بان العبرة لما يغيب العقل بالنظر لغالب الناس بلا عادة (رد المحتار ص۲۹۶ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۵ شوال ۸۳ھ

الکحل والے مشروبات وماکولات کا حکم:

سوال: ہمارے ملک میں کوکا کولا، فانٹا اور ان کی مانند دیگر مشروبات شائع و ذائع ہیں اور کثرت سے مستعمل ہیں، بنانے والے کارخانوں سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ ان مشروبات وغیرہا میں الکحل ڈالا جاتا ہے، اس الکحل کے بعض اقسام عصیر العنب سے تیار ہوتے ہیں اور بعض اقسام آلو، گنا اور گیہوں وغیرہ اشیاء سے بنتے ہیں، ایک بوتل میں تقریباً ایک آدھ قطرہ الکحل موجود ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی مشروبات [illegible]

تخمیر وتلذذ کے طور پر پی جاتی ہیں۔

بہشتی زیور حصہ نہم کے ضمیمہ ثانیہ کی عبارت حسب ذیل ہے:

فالقسم الاول منہ حرام ونجس غلیظا والثلاثۃ الاخیرۃ حرام ونجس خفیفا (وفی روایۃ نجس غلیظ کما فی الھدایۃ) وما عدا ذلک من الاشربۃ فھی فی حکم الثلاثۃ الاخیرۃ عند محمد رحمہ اللہ فی الحرمۃ والنجاسۃ وعند ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمھما اللہ تعالی یحرم منھا القدر المسکر وما دون القدر الغیر المسکر فحلال الا للھو۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عند الشیخین رحمہما اللہ تعالی غیر خمر کی قلیل مقدار حلال ہے، لہذا اگر غیر خمر کی قلیل مقدار کسی کھانے یا پینے کی چیز مثلا بسکٹ، کیک، [illegible] کوکاکولا وغیرہ میں استعمال کی جائے تو ان چیزوں کا کھانا پینا حلال ہوگا۔

زید کہتا ہے کہ بر بنا مذہب شیخین رحمہما اللہ تعالی اگر کسی کھانے یا پینے کی چیز میں غیر خمر کا الکحل ڈالا جائے تو وہ طعام یا شراب جائز بلکہ حلال ہے۔

لیکن عمرو کہتا ہے کہ شیخین نے جو قول کیا ہے وہ عدم لہو کی قید کے ساتھ مقید ہے اور بسکٹ، کیک، کوکاکولا وغیرہ اشیاء غیر ضروریات میں سے ہیں اور محض تنعم وتلذذ کے لئے استعمال کی جاتی ہیں، لہذا یہ لہو میں داخل ہو کر حرام ہو جائیں گی۔ دونوں میں سے کس کا قول معتبر و برحق ہے؟

زید یوں بھی کہتا ہے کہ کوکاکولا وغیرہ اتنی کثرت سے مستعمل ہیں کہ اب ابتلاء عام ہو گیا ہے، تو ابتلاء عام کا حکم لگایا جا سکتا ہے، اس بنا پر تو حرمت ثابت ہوگی مگر منتفی ہو جائے گی۔

عمرو یہ کہتا ہے کہ اس معاملہ میں ابتلاء عام کا حکم لگانا ناقابل قبول ہے کیونکہ یہ اشیاء لذت تنعم وتلذذ کے درجہ میں مستعمل ہیں، ضروریات عامہ سے نہیں، نیز دوسرے شربت مثلا سیب کا رس وغیرہ اس کے قائم مقام بن سکتے ہیں، لہذا عدم ضرورۃ وحاجۃ کے سبب ابتلاء عام نہیں کہا جا سکتا۔ دونوں میں سے کس کا جواب برحق ہے، زید یا عمرو؟

کتب فقہ میں غیر خمر سے متعلق کسی قدر اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک قلیل مقدار کا کھانا جائز و خواہ استعمال حلال ہے اور بعض کے نزدیک دونوں طرح استعمال کرنا

حرام ہے البتہ حاشیہ مذکورہ از بہشتی زیور میں فرمایا گیا:

فالاولیٰ ان لا یشرعن للمبتلی بہ بشیئ ونحوہ من قبل وعلی الاحتراز منہ فلیحترز ما استطاع۔

اسی بناء پر زید کہتا ہے کہ قدر قلیل از غیر خمر شراب جائز الاستعمال ہے خواہ دوا ہو یا واقعۃً البتہ اجتناب از روئے تقویٰ اولیٰ و افضل ہے۔

عمرو اس کے خلاف کا قائل ہے کہ بہشتی زیور متن و حاشیہ کی عبارت واضح ہے کہ دواءً حلال ہوگا نہ کہ تفنناً و تلذذاً۔

اور بہشتی زیور کی دوسری عبارت استدلال میں پیش کرتا ہے:

"اور دواءً بقدر غیر مسکر خارجاً بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔"

زید دواءً کی قید کو اتفاقی کہتا ہے اور استدلال میں بہشتی زیور کی یہ عبارت پیش کرتا ہے:

"جو سپرٹ اشربہ اربعہ میں سے نہیں ہے، ایسی اسپرٹ کا شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک استعمال جائز ہے۔"

یہاں دواءً کی قید مفقود ہے، معلوم ہوا کہ وہاں قید اتفاقی تھی۔

جبکہ عمرو کہتا ہے کہ دونوں جگہ الگ الگ مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ جناب فیصلہ فرمائیں کہ کون صائب الرائے ہے؟

نیز آج کل دواؤں میں الکحل ڈالا جاتا ہے، خصوصاً ہومیو پیتھک کی کوئی دوا ہی شاید اس سے خالی ہو۔ ان دواؤں کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تحقیق سے ثابت ہوا کہ اشربہ وادویہ میں عصیر العنب یا عصیر الرطب نہیں ڈالا جاتا، دوسرے اشربہ کے حکم کی تفصیل یہ ہے:

قال العلامۃ الشلبی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ فیما اذا قصد بہ التقوی) علی طاعۃ اللہ او استمراء الطعام او التداوی فاما المسکر منہ حرام بالاجماع اھ تعالیٰ (حاشیۃ الشلبی علی التبیین ص ۴۷ ج ۶)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ بلا لہو وطرب) قال

فی المختار الطرب خفۃ تصیب الانسان لشدۃ حزن وسرور اھ قال فی الدر ر وھذا التقیید غیر مختص بھذہ الاشربۃ بل اذا شرب الماء وغیرہ من المباحات للھو وطرب علی ھیئۃ الفسقۃ حرم اھ (رد المحتار ص۲۹۵ ج ۵)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: والرابع المثلث العنبی وان اشتد وھو ما طبخ من ماء العنب حتی یذھب ثلثاہ ویبقی ثلثہ اذا قصد بہ استمراء الطعام والتداوی والتقوی علی طاعۃ اللہ تعالیٰ ولو للھو لا یحل اجماعا حقائق (رد المحتار ص۲۹۲ ج ۵)

وقال فی الھندیۃ: (واما ما ھو حلال عند عامۃ العلماء) فھو الطلاء وھو المثلث ونبیذ التمر والزبیب فھو حلال شربہ ما دون السکر لاستمراء الطعام والتداوی وللتقوی علی طاعۃ اللہ تعالیٰ لا للتلھی والمسکر منہ حرام وھو القدر الذی یسکر وھو قول العامۃ (عالمگیریہ ص۴۱۲ ج ۵)

وقال العلامۃ اللکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ: قلت اللھو والطرب نوعان نوع منھما مباح اذا کان خالیا عن معنی المعصیۃ ومقدماتھا ونوع منھما مکروہ ھو اذا اختلط بالمعصیۃ او مقدماتھا او تکون وسیلۃ الیھا وھذا ھو المراد بقولہ اللھو والطرب دون الاول (عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح الوقایۃ ص۳۶۰ ج ۴)

عبارات بالا سے امور ذیل ثابت ہوئے:

(۱) غیر خمر کا اندرونی استعمال حد سکر سے کم تقوی واستمراء طعام کے لئے جائز ہے، زمان حاضر میں معدہ کی خرابی اور سوء ہضم کا مرض عام ہے، اس لئے مصلح معدہ وہاضم طعام اشیاء لوازم طعام میں داخل ہوگئی ہیں۔

(۲) نشاط وطرب کے لئے اکل وشرب مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ علی طریق الفساق ہے ممانعت ہے، اور اس میں کسی خاص ماکول ومشروب کی تخصیص نہیں، بلکہ سب ماکولات ومشروبات کا یہی حکم ہے۔

(۳) ہر لہو وطرب حرام نہیں، بلکہ اس میں کسی حرام فعل کا ارتکاب ہو یا مفضی الی الحرام ہو تو ناجائز ہے۔ نمبر۲ اور نمبر۳ کا حاصل تقریباً ایک ہی ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ سوال میں مذکورہ اشیاء کا کھانا پینا حلال ہے۔

علاوہ ازیں عموماً ایسے ماکولات ومشروبات میں اکمل تعفن سے حفاظت کی غرض سے ڈالا

جاتا ہے اس لئے یہ استعمال بوجہ ضرورت میں داخل ہے، کلیۃً ممنوع نہیں۔

زید کا ابتلاء عام سے استدلال صحیح نہیں، ابتلاء عام سے حرام چیز حلال نہیں ہوجاتی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ ربیع الثانی سنہ ۹۲ھ

کان میں شراب ڈالنا:

سوال: بچے کے کان سے پیپ جاری رہتی ہے، علاج سے فائدہ نہیں ہوا، ایک شخص کہتا ہے کہ اگر کان میں شراب کا قطرہ یا سانڈے کا تیل ڈالا جائے تو پیپ رک جائے گی، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر شراب انگور یا کھجور سے بنائی گئی ہو تو جائز نہیں، اور اگر کسی دوسری چیز سے ہو تو اجتناب بہتر ہے۔

قال الامام قاضیخان رحمہ اللہ تعالیٰ: وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ لا یتداوی بالخمر ویکرہ الاحتقان والاکتحال بالخمر وکذا الاقطار فی الاحلیل وان یجعل فی السعوط والحاصل ان لا ینتفع بالخمر الا انها اذا تخللت فینتفع به سواء صار خلا بالمعالجة او بغیر معالجة خلافا للشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (خانیة بهامش الهندیة ص ۴۰۲ ج ۳) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۹ محرم سنہ ۹۶ھ

شراب سرکہ بن گئی:

سوال: شراب میں نمک ڈالنے سے سرکہ بن جاتی ہے یا نہیں؟ اور پاک ہوجاتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوجاتی ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مشہور تو یہی ہے، اگر واقعۃً سرکہ بن گیا تو تبدیل ماہیت کی وجہ سے پاک ہوگا، جیسے گوبر وغیرہ کی راکھ پاک ہے۔ قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ یجوز تخلیلها ولو بطرح شیء فیها: واذا صار الخمر خلا یطهر ما یوازیها من الاناء واما اعلاه فقیل یطهر تبعا وقیل لا یطهر لانه خمر یابس الا اذا غسل بالخل فتخلل من ساعته فیطهر حذاءه والفتوى على الاول خانیة (رد المحتار ص ۲۹۰ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ شعبان سنہ ۹۶ھ

کتاب الرّھن

رہن بایں شرط کہ اگر تا مدت معینہ قرض ندہد مرتہن مالک مرہون خواہد شد:

سوال: چہ می فرمایند علماء دین متین دریں مسئلہ کہ عمرو زمین خود را گرو نزد زید بمقابل یک ہزار روپیہ دادہ است بایں شرط کہ اگر بہ سہ قسط مبلغات مذکورہ بہ شش سال کل خواہ بعض اگر بمیعاد معلوم ادا نکردم پس زمین مرہون زید است، اکنون دہ سال گزشتہ است کہ راہن مرتہن را مبلغات معہود تمام ندادہ است۔ آیا اکنون زمین زید را میسر باشد؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

زید را بر زمین مرہون حق ملک نیست کہ بیع بوجہ تعلیق بالشرط باطل است۔

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ: ما یبطل بالشرط الفاسد ولا یصح تعلیقہ بہ الخ

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: کل ما کان من التملیکات او التقییدات کبیع یبطل تعلیقہ بالشرط۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ من التملیکات) کبیع واجارۃ (رد المحتار ص ۲۳۲ ج ۴)

ونیز در بیع مذکور ثمن ہم مجہول است چراکہ بعد گزشتن مدت معینہ ہر چہ از قرض بذمۂ مدیون باقی خواہد ماند آنرا عوض مبیع مقرر کردہ اند و جہالت آں ظاہر است وجہالت ثمن سبب فساد بیع است، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۵ / صفر سنہ ۸۷ ھ

سوال مثل بالا:

سوال: ایک شخص نے اس شرط پر کوئی چیز رہن رکھی کہ اگر مدت معینہ تک فک رہن

نہ ہوسکا تو اس مرہون کی بیع بعوض قرض متصور ہوگی، کیا اس صورت میں بیع صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یہ بیع صحیح نہیں اور رہن بھی فاسد ہے۔

قال الامام ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ: لا یجوز تعلیق البیع کان یقول اذا دخلت الدار فقد بعتک کذا بما ئۃ فقبل الأخر لا یثبت البیع عند الدخول (فتح القدیر)

وقال العلامۃ الخوارزمی رحمہ اللہ تعالیٰ: عن الزھری: ان اھل الجاھلیۃ کانوا یرتھنون ویشترطون علی الراھن انہ ان لم یقض الدین الی وقت کذا فالرھن مملوک للمرتھن فابطل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذلک بقول لا یغلق الرھن، وقیل لسعید بن المسیب اھو قول الرجل ان لم یأت بالدین الی وقت کذا فالرھن بیع بالدین؟ فقال نعم۔ (کفایۃ مع فتح القدیر ص ۸۱ ج ۹)

وقال الامام ابن رشد المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ: واما الشرط المحرم الممنوع بالنص فھو ان یرھن الرجل رھنا علی انہ ان جاء بحقہ عند أجلہ والا فالرھن لہ فاتفقوا علی ان ھذا الشرط یوجب الفسخ وانہ معنی قولہ علیہ الصلوۃ والسلام لا یغلق الرھن (بدایۃ المجتہد ص ۲۷۴ ج ۲)

وقال الامام المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ: الکتابۃ والاجارۃ والرھن بمنزلۃ البیع تبطل بالشروط الفاسدۃ (ھدایۃ ص ۶۵ ج ۳)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: کل حکم فی الرھن الصحیح فھو الحکم فی الرھن الفاسد کما فی العمادیۃ قال وذکر الکرخی رحمہ اللہ تعالیٰ ان المقبوض بحکم الرھن الفاسد یتعلق بہ الضمان وفیھا ایضا وفی کل موضع کان الرھن مالا والمقابل بہ مضمونا الا انہ فقد بعض شرائط الجواز کرھن المشاع ینعقد الرھن لوجود شرط الانعقاد ولکن بصفۃ الفساد کالفاسد من البیوع وفی کل موضع لم یکن الرھن کذلک ای مالا اولم یکن المقابل

به مضمونا لاینعقد الرهن اصلا وحینئذ فاذا هلك هلك بغیر شیء بخلاف الفاسد فانه یهلك بالاقل من قیمته ومن الدین.

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: (قوله فهو الحکم فی الرهن الفاسد) ای فی حال الحیوة والممات فلو نقض الراهن العقد بحکم الفساد و اراد استرداد المرهون کان للمرتهن حبسه حتی یؤدی الیه الراهن ما قبض واذا مات الراهن وعلیه دیون کثیرة فالمرتهن اولیٰ من سائر الغرماء وهذا کله اذا کان الرهن الفاسد سابقا علی الدین فلو کان بدین علی الراهن قبل ذلك لم یکن له حبسه لانه ما استفاد تلك الید بمقابلة هذا المال ویکون بعد الموت اسوة للغرماء لانه لیس علی المحل ید مستحق بخلاف الرهن الصحیح تقدم او تأخر وتمامه فی العمادیة والذخیرة والبزازیة (قوله یتعلق به الضمان) صوابه لایتعلق لان المنقول عن الکرخی رحمه الله تعالیٰ فی العمادیة وغیرها انه یهلك امانة وفی الذخیرة وروی ابن سماعة عن محمد رحمه الله تعالیٰ انه لیس للمرتهن حبسه لانه اصرار علی المعصیة ولکن ما فی ظاهر الروایة اصح لان الراهن لما نقض فقد ارتفعت المعصیة وحبس المرتهن المرهون لیصل الیٰ حقه لایکون اصرارا لان الراهن یجبر علی تسلیم ما قبض فاذا امتنع فهو المصر الاتری ان فی الشراء الفاسد للمشتری الحبس الیٰ استیفاء الثمن اھ ملخصا (قوله ای ان لم یکن مالا) کالمدبر وام الولد فان للراهن اخذهما لان رهنهما باطل منح (قوله ولم یکن المقابل به مضمونا) کما لو رهن عینا بخمر مسلم فله اخذها منه والواو بمعنی او قال فی جامع الفصولین فلو فقد احدهما لم ینعقد اصلا (رد المحتار ص۳۰۳ ج ۵) والله سبحانه وتعالیٰ اعلم.

۲۲ جمادی الاولیٰ سنه ۹۳ھ

تفصیل استیفاء الدین من المرهون:

السوال: ما قولکم رحمکم الله فی ان المرهون اذا مضی علیه فی ید المرتهن سنة او سنتان ولا یفکه الراهن ولا ولده ولا ولد اولاده، هل یصیر بعد المرافعة

الى القاضى او الحاكم المسلم مثلا تطميعا للمرتهن كما هو المعروف فى القانون الحاضر وهو المسمى فى اصطلاحهم "ڈاکٹ الميعاد" وبالجملة ان اذن الحاكم هو شرط لازم من القانون العرفى؟ وبعد المرافعة الى الحاكم المسلم هل يجوز الانتفاع من ذلك المرهون شرعا ام لا؟ وان لم يجز له الانتفاع فكيف يستوفى دينه؟ بينوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اذا حل اجل الرهن ولا يؤدى الراهن دين المرتهن ولا ورثته بعد موت الراهن قبل فكاك الرهن فان كانت ورثته كبارا يجبرهم القاضى ببيعه واداء دين المرتهن فان امتنعوا باعه القاضى وادى حقه ولا يملك المرتهن نفس الرهن نعم لو كان الرهن دارا ولم يكن للمرتهن دار غيرها يسكنها لتعلق حق المرتهن بها۔

وعلم بهذا ان لو كان المرتهن محتاجا الى نفس الرهن صار ملكا له باذن القاضى ان كانت قيمته مساوية للدين وجاز له الانتفاع وان لم تكن مساوية فيرد كل واحد منهما الفضل الى صاحبه۔

قال العلامة الحصكفى رحمه الله تعالى: مات الراهن باع وصيه رهنه باذن مرتهنه وقضى دينه لقيامه مقامه فان لم يكن له وصى نصب القاضى له وصيا وامره ببيعه لان نظره عام وهذا لو ورثته صغارا فلو كبارا خلفوا الميت فى المال فكان عليهم تخليصه بحر (وبعد اسطر) ولا يبطل الرهن بموت الراهن ولا بموت المرتهن ولا بموتهما ويبقى الرهن رهنا عند الورثة. (رد المحتار ص ۳۳۳ ج ۵)

وقال ايضا: سلطه ببيع الرهن ومات للمرتهن بيعه بلا حضور وارثه غاب الراهن غيبة منقطعة رفع المرتهن امره للقاضى ليبيعه بدينه ينبغى ان يجوز ولو مات ولا يعلم له وارث فباع القاضى داره جاز۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت (قوله ينبغى ان يجوز) بل اذا كان حاضرا او امتنع عن بيعه وفى الولوالجية يجبر على بيعه فاذا امتنع

باعه لقاضي ان ميته للمرتهن وارفاء حقه والعهدة على الراهن او يخلصا وبه افتى في الحامدية وحرر في الخيرية انه يجبره على بيعه وان كان دارا ليس له غيرها يسكنها لتعلق حق المرتهن بها بخلاف المفلس (رد المحتار ج ۵)
والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲ رجب سنہ ۸۰ھ

ارض رہن کی کاشت جائز نہیں:

سوال: ارض رہن کو اگر مرتہن کاشت کرتا ہے تو اس کی آمدن اس کے لئے حلال ہے یا نہیں؟

ارض رہن کو اگر خود راہن کاشت کرے اور آمدن کا کچھ حصہ مرتہن کے لئے مقرر کر دے تو یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مرتہن کے لئے نفع اٹھانا جائز نہیں۔

راہن مرتہن کی اجازت سے نفع اٹھا سکتا ہے مگر مرتہن کے لئے حصہ مقرر کرنا جائز نہیں۔

قال في التنوير وشرحه: (لا الانتفاع به مطلقا) لا باستخدام ولا سكنى ولا لبس ولا اجارة ولا اعارة سواء كان من مرتهن او راهن (الا باذن) كل للآخر وقيل لا يحل للمرتهن لانه ربا وقيل ان شرطه كان ربا والالا وفي الاشباه والجواهر اباح الراهن للمرتهن اكل الثمار او سكنى الدار او لبن الشاة المرهونة فاكلها لم يضمن وله منعه ثم افاد في الاشباه انه يكره للمرتهن الانتفاع بذلك وسيجيء آخر الرهن (رد المحتار ج ۵)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت (قوله ولا يحل للمرتهن) قال ط قلت والغالب من احوال الناس انهم انما يريدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع والله تعالى اعلم اهـ

(رد المحتار ج ۵)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى معزيا للمستصفى عن

التهذيب انه يكره للمرتهن ان ينتفع بالرهن وان اذن له الراهن قال المصنف وعليه يحمل ما عن محمد بن اسلم من انه لا يحل للمرتهن ذلك ولو بالاذن لانه ربا قلت وتعليله يفيد انها تحريمية فتأمله (رد المحتار ص ۳۲۰ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۲ ذی القعدہ ۸۲ھ

اجارۂ رہن جائز نہیں:

سوال: رہن کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک ایکڑ زمین پانچ ہزار روپے کے بدلے رہن رکھتے ہیں اور انتفاع کے لئے یہ حیلہ اختیار کرتے ہیں کہ سالانہ مثلاً دس روپے وضع کرتے ہیں۔ کیا یہ صورت جائز ہے؟ اگر یہ شرط نکال دی جائے کہ دس سال کی مدت پوری ہونے پر بقیہ روپے ادا کرکے رہن چھڑا لیا جائے گا۔ اس صورت میں اگر وہ دس سال سے پہلے رہن چھڑانا چاہے تو دس روپے کے حساب سے رقم ادا کرکے رہن چھڑا سکتا ہے یا مطابق شرط دس سال پورے کرنے ہوں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سالانہ دس روپے وضع کرنا اجارہ ہے اور مرہون کو اجارہ پر دینا جائز نہیں۔ جب بھی چاہے رہن چھڑا سکتا ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: لا الانتفاع به مطلقا لا باستخدام ولا سكنى ولا لبس ولا اجارة ولا اعارة سواء كان من مرتهن او راهن الا باذن كل للآخر وقيل لا يحل للمرتهن لانه ربوا وقيل ان شرطه كان ربوا والا لا۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله وقيل لا يحل للمرتهن) قال في المنح وعن عبد الله محمد بن اسلم السمرقندي وكان من كبار علماء سمرقند انه لا يحل له ان ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وان اذن له الراهن لانه اذن له في الربوا لانه يستوفي دينه كاملا فتبقى له المنفعة فضلا فيكون ربوا

وهذا امر عظيم قلت وهذا يخالف لعامة المعتبرات من انه يحل بالاذن الا ان يحمل على الديانة وما في المعتبرات على الحكم ثم رأيت في جواهر الفتاوى اذا كان مشروطا صار قرضا فيه منفعة وهو ربا والا فلا بأس اه ما في المنح ملخصا واقره ابنه الشيخ صالح وتعقبه الحموي لان ما كان ربوا لا يظهر فيه فرق بين الديانة والقضاء على انه لا حاجة الى التوفيق بعد ان الفتوى على ما تقدم اى من انه يباح اقول ما في الجواهر يصلح للتوفيق وهو وجيه وذكروا نظيره فيما لو اهدى المستقرض للمقرض ان كانت بشرط كره والا فلا وما نقله الشارح عن الجواهر ايضا من قوله لا يضمن يفيد انه ليس بربوا لان الربوا مضمون فيحمل على غير المشروط وما في الاشباه من الكراهة على المشروط ويؤيده قول الشارح الآتي آخر الرهن ان التعليل بانه ربوا يفيد ان الكراهة تحريمية فتأمل واذا كان مشروطا ضمن كما افتى به في الخيرية فيمن رهن شجر زيتون على ان يأكل المرتهن ثمرته نظير صبره بالدين قال قلت والغالب من احوال الناس انهم يريدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع والله تعالى اعلم اه (رد المحتار ص۳۱۰ ج۵)

والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۹ جمادی الاولی ۸۹ھ

رہن سے انتفاع جائز نہیں:

سوال: زید نے بکر کے پاس مبلغ سو روپے کے بدلے اپنی سائیکل گروی رکھی، بکر کو اس کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ زید نے خوشی استعمال کی اجازت دے دی ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مرتہن کے لئے شیٔ مرہون سے انتفاع مطلقاً درست نہیں، راہن کی اجازت سے ہو یا بلا اجازت، کیونکہ یہ معنیً ربوا ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت (قوله وقيل لا يحل للمرتهن لانه ربوا) قال في المنح وعن عبد الله محمد بن اسلم السمرقندي رحمه الله تعالى وكان من كبار علماء سمرقند انه لا يحل له ان ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وان اذن له الراهن لانه اذن له في الربوا لانه يستوفي دينه كاملا فتبقى له المنفعة فضلا فيكون ربوا وهذا امر عظيم (الى ان قال) قال ط قلت والغالب من احوال الناس انهم انما يريدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع والله تعالى اعلم اه (رد المحتار ص۳ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۰ ذی القعدة سنہ ۹۳ھ

کتاب الجنایۃ والضمان

ایک اونٹ نے دوسرے اونٹ کو قتل کردیا تو قاتل اونٹ کے مالک پر ضمان کا حکم:

سوال: مسائل ذیل کے بارے میں حکم شرعی مطلوب ہے:

(۱) ایک شخص کا اونٹ جنگل میں چرر ہا تھا کہ دوسرے شخص کے اونٹ نے اسے مار ڈالا تو مارنے والے اونٹ کے مالک پر ضمان ہے یا نہیں؟

(۲) اگر مارنے والے اونٹ کے مالک نے اونٹ کے محافظ نوکر کو تاکید کردی ہو کہ اگر میرے اونٹ نے کوئی نقصان کردیا تو تجھ سے وصول کروں گا تو اس صورت میں نوکر پر ضمان ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی صورتیں مختلف ہیں جن کا حکم بھی مختلف ہے۔

(۱) قاتل اونٹ خودبخود چھوٹ گیا ہو، خواہ مالک کی زمین میں دوسرے اونٹ کو قتل کیا ہو یا اجنبی کی زمین میں یا شارع عام اور ارض مباح میں۔

(۲) اونٹ کو مالک نے اپنی زمین میں چھوڑا اور اس نے خود اجنبی زمین میں جاکر جنایت کی۔

(۳) مالک نے اپنی زمین میں چھوڑا اور اسی زمین میں اونٹ نے جنایت کی۔

(۴) غیر کی زمین میں اس کی اجازت سے خود جاکر چھوڑا، اذن دلالۃً بھی کافی ہے بحسب تعرف۔ جو جنگل کسی کا مملوک نہیں، عوام کے مواشی اس میں چرتے ہیں وہ بھی اسی صورت میں داخل ہے۔

(۵) غیر کی زمین میں اس کے اذن صراحۃً یا دلالۃً کے بغیر خود جاکر اونٹ چھوڑا۔

پہلی چہار صورتوں میں ضمان نہیں اور صورت خامسہ میں ضمان ہے، قاتل اونٹ کے مالک کا مرتکب قتل پر ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

(۶) مالک نے اونٹ کو شارع عام پر چھوڑا یا لے جارہا تھا، اس نے راستے میں کوئی

نقصان کردیا، اس صورت میں تفصیل ہے، چونکہ یہ صورت سوال میں داخل نہیں لہٰذا اس تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔

مذکورہ صورتیں جب ہیں کہ اونٹ انسانوں کو قتل کرنے میں مشہور نہ ہو اگرچہ حیوانوں کے قتل یا دوسرے نقصان کرنے میں شہرت رکھتا ہو۔

⑤ اگر اونٹ قتل انسانی میں مشہور ہے تو بشرط تقدم ضمان ہوگا، تقدم کی تفسیر یہ ہے کہ اونٹ کے مالک یا محافظ سے کسی نے کہا ہو "تیرا اونٹ خطرناک ہے، اسے کامل حفاظت میں رکھیے" سو اگر تقدم پر شہادت موجود ہے یا مالک یا محافظ تقدم کا اقرار کرتا ہے، مع ہٰذا اونٹ کی حفاظت نہیں کی اور اونٹ نے طریق عام یا خاص میں یا ملک غیر میں دخول بلا اذن کی حالت میں کسی کا مالی یا جانی نقصان کیا تو ضمان ہے۔

① فی دیات شرح التنویر: انفلتت دابۃ بنفسہا فاصابت مالا او آدمیا نہارا او لیلا لا ضمان فی الکل لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم العجماء جبار ای المنفلتۃ ہدر۔

وفی الشامیۃ: ولو فی الطریق او ملک غیرہ اتقانی (رد المحتار ص[illegible] ج ۵)

② وفی جنایات الہندیۃ: فان دخلت فی ملک الغیر من غیر ادخال صاحبہا بان کانت منفلتۃ فلا ضمان علی صاحبہا (عالمگیریۃ ص[illegible] ج ۶)

وفی الشامیۃ: سواء دخلت بنفسہا او ادخلہا بالاذن.

وایضا فیہا: فان کان انفلاتا فلا ضمان علیہ علی کل حال لانہ لیس بمباشر ولا متسبب (رد المحتار ص[illegible] ج ۵)

③ وفی جنایات الہندیۃ: فان کانت فی ملک صاحب الدابۃ ولم یکن صاحبہا معہا فانہ لا یضمن صاحبہا (الی قولہ) وان صاحبہا معہا ان کان قائدا لہا او سائقا لہا فکذا لا یضمن صاحبہا فی الوجوہ کلہا (عالمگیریۃ ص[illegible] ج ۶)

وفی شرح التنویر: فلو حدثت المذکورات فی السیر فی ملکہ لم یضمن ربہا الا فی الوطء وھو راکبہا لانہ مباشر بثقلہ فیحرم المیراث.
(رد المحتار ص[illegible] ج ۵)

(۴) وفی جنایات الهندیة: وان کان باذن مالکه فهو کما لو کان فی ملکه (عالمگیریة ص۴ ج۶)

وایضا فیها: وان اوقف الدابة فی الفلاة لا یضمن (عالمگیریة ص۴ ج۶)

وایضا فیها: رجل ادخل بعیرا مغتلما فی دار رجل وفی الدار بعیر صاحبها فوقع علیه المغتلم فقتله اختلف المشایخ فیه منهم من قال لا ضمان علی صاحب المغتلم۔

وایضا فیها: وان کان ادخله باذنه فلا ضمان وبه اخذ الفقیه ابو اللیث وعلیه الفتوی (عالمگیریة ص۴ ج۶)

وفی شرح التنویر: ولو حدثت فی ملک غیره باذنه فهو کملکه فلا یضمن کما اذا لم یکن صاحبها معها۔

وفی الشامیة: وان کانت الجنایة فی ملک غیر صاحبها فاما ان ادخلها صاحبها فیه اولا فان الثانی فلا ضمان علیه علی کل حال لانه لیس بمباشر ولا متسبب (رد المحتار ص۴۳۱ ج۵)

(۵) وفی جنایات الهندیة: وان دخلت باد خال صاحبها فصاحب الدابة ضامن فی الوجوه کلها سواء کانت واقفة او سائرة وسواء کان صاحبها معها (الی قوله) اولم یکن معها (عالمگیریة ص۴ ج۶)

وایضا فیها: وان ادخل صاحب المغتلم بغیر اذن صاحب الدار فعلیه الضمان (عالمگیریة ص۴ ج۶)

وفی شرح التنویر: والا یکن باذنه ضمن ما تلف مطلقا لتعدیه۔

وفی الشامیة: وان کان الاول فعلیه الضمان علی کل حال سواء کان معها صاحبها او قائدها او راکبها اولا (رد المحتار ص۴۳۱ ج۵)

(۶) قال فی شرح التنویر عن المجرد: کلب یأکل عنب الکرم فاشهد علیه فیه فلم یحفظه حتی اکل العنب لم یضمن وانما یضمن فیما اشهد علیه فیما یخاف تلف بنی آدم بالخالفة: ماکل دفتر المقوس وعقر کلب عقور فیضمن اذا لم یحفظه انتہی۔ قال المصنف ویمکن حمل المختلف فی قوله

التي يلي وان اتلف الكلب فعلى صاحبه الضمان ان كان تقدم اليه قبل الاتلاف والا فلا كالحائط المائل على الآدمي اه فليحصل التوفيق۔

وفي الشامية: كأنه فهم من كلام الهداية انه لا يضمن في الكلب غير الآدمي وهذا غير مراد وانما معنى كلامه يخاف منه تلف الآدمي فالاشهاد فيه موجب للضمان اذا عاقبه تلف سواء كان التالف مالا او آدميا وما لا يخاف منه تلف الآدمي بل يخاف منه تلف المال فقط كعنب الكرم فلا يفيد فيه الاشهاد اه (رد المحتار ص۴۹۰ ج۵)

اقول: اما تفسير التقدم وتفصيله فمشروح في بيان الحائط المائل في الشامية ص۳۸۲ ج۵ وفي الهندية ص۲۲ ج۶ وفي الهداية والعناية مع الفتح ص۳۳۷ ج۸)

وايضا فيها: ولو اجله صاحب الدار او ابرأه منها او فعل ذلك ساكنوها فذلك جائز ولا ضمان عليه فيما تلف بالحائط لان الحق لهم بخلاف ما اذا مال الى الطريق فاجله القاضي او من اشهد عليه لا يصح لان الحق لجماعة المسلمين وليس اليهما ابطال حقهم وهكذا في شرح التنوير والهندية۔

(۲) صورضمان میں ذکر ضمان سے

قلت ويمكن ان يتوهم عدم الضمان على الحافظ مما في الشامية ونصها: ويؤخذ من عاقلة الواقف ان كان له عاقلة فيما تتحملون وان لم تكن له عاقلة او كان فيما لا تتحمله فلا يؤخذ من القيم۔

وايضا فيها: فلو سقط حائط الصغير بعد الطلب من وليه كان الضمان في مال الصبي (رد المحتار ص۳۸۳ ج۵)

فاجاب عنه في العناية ونصها: فان قيل الوصي اذا ترك النقض بعد التقدم اليه لحق ضرر بمال اليتيم فكان الواجب ان يكون الضمان عليه اجيب بأن في ترك النقض دفع مضرة متحققة وهي مضرة مؤنة النقض وبنائه ثانيا وفي نقضه دفع مضرة موهومة لجواز ان لا يسقط وان سقط

لا یعلف بہ شیء، فکان ترکہ افضل للصبی فلا یلزم الوصی ضمان۔ (عنایۃ مع الفتح ص ۳۲۷ ج ۸) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۳ رجب ۸۴ھ

بھینس کو خنزیر سمجھ کر مارنے پر ضمان ہے:

سوال: ایک شخص نے کسی کی بھینس کو خنزیر سمجھ کر بندوق سے مارڈالا تو اس پر ضمان ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس صورت میں قاتل پر ضمان واجب ہے، یہ قتل خطأ ہے جو کہ قتل تسبیب سے درایۃً وروایۃً ہر طرح قوی ہے اور قتل تسبیب میں تضمین سے متعلق تصریحات موجود ہیں تو قتل خطأ میں بطریق اولیٰ ضمان واجب ہوگا۔

اما قوۃ القتل خطأ علی القتل تسبیبا درایۃ فلأن الاول مباشرۃ والثانی تسبیب ولا ریب فی قوۃ المباشرۃ علی التسبیب، واما روایۃ فلأن فی الاول اثما زائدا علی اثم الثانی ولان الاول یوجب حرمان الارث دون الثانی۔

قال فی شرح التنویر: وموجبہ (الخطأ) وما یجری مجراہ الکفارۃ والدیۃ علی العاقلۃ والاثم دون اثم القتل اذ الکفارۃ تؤذن بالاثم لترک العزیمۃ۔

وفی الشامیۃ عن الکفایۃ وھذا الاثم اثم القتل لأن نفس ترک المبالغۃ فی التثبت لیس باثم وانما یصیر بہ آثما اذا اتصل بہ القتل فتصیر الکفارۃ لذنب القتل وان لم یکن فیہ اثم قصد القتل۔

وایضا فی الشرح: وموجبہ (ای التسبیب) الدیۃ علی العاقلۃ لا الکفارۃ ولا اثم القتل بل اثم الحفر والوضع فی غیر ملکہ ولا یتعلق بہ) ای بالتسبیب (وکل ذلک یوجب حرمان الارث الاجنبی ای القتل بسبب لعدم قتلہ (رد المحتار ص ۳۴۳ ج ۵)

قتل تسبیبا پر ضمان جزئیہ ذیل سے ثابت ہے:

قال فی التنویر فی باب ما یحدثہ الرجل فی الطریق وغیرہ: فان تلف بہ بھیمۃ ضمن (رد المحتار ص ۳۴۳ ج ۵)

حائط مائل، کلب عقور، ثور نطوح، فرس کدوم کی جزئیات میں بعد الاشھاد

ضمان مال ہے، حالانکہ یہ امور قتل تسبیبا سے بھی ضعیف ہیں کہ ان میں ضمان اشہاد پر موقوف ہے۔

قال فی شرح التنویر: مال حائط الی طریق العامة ضمن ربه ماتلف به من نفس انسان او حیوان او مال الخ (رد المحتار ص۳۹۳ ج ۵)

وفی الشامیة عن المنیة فی مسألة نطح الثور: یضمن بعد الاشهاد النفس والمال (رد المحتار ص۳۹۳ ج ۵)

وایضا فیها: ان ما یخاف منه تلف الآدمی فالاشهاد فیه موجب للضمان اذا عقبه تلف سواء کان المتلف مالا او آدمیا (الی ان قال) فان الاشهاد فیه (الحائط المائل) موجب لضمان المال والنفس (الی ان قال) وقد افتی فی الخیریة بالضمان بعد الاشهاد فی حمار اعتاد الکدم وکذا فی ثور نطوح قال وفی البزازیة عن المنیة فی نطح الثور یضمن بعد الاشهاد النفس والمال (رد المحتار ص۳۹۲ ج ۵) واللّٰه سبحانه وتعالی اعلم۔

۸ ا صفر سنہ ۱۴۰۳ھ

متسبب پر ضمان ہے:

سوال: ایک مدرسہ کے مہتمم مسمی خالد نے عالم مسمی زید کو مدرس مقرر کیا۔ زید نے متعین تاریخ پر مدرسہ میں پہنچنے کا خالد سے عہد کیا: زید مدرسہ کی طرف آرہا تھا کہ راستہ میں زید کو ایک خط ملا جس میں خالد کی طرف سے لکھا ہوا تھا کہ آپ ہرگز نہ آئیں۔ زید پریشان ہوا۔ اور اپنے اہل وعیال کو راستہ ہی میں چھوڑ کر خالد کے پاس تحقیق کرنے آیا تو معلوم ہوا کہ خالد نے کسی قسم کا کوئی خط نہیں لکھا بلکہ دوسرے شخص بکر کی شرارت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ بکر کی اس شرارت کی وجہ سے تحقیق کرنے پر زید کا جو خرچ ہوا، یہ خرچ زید بحکم شرع بکر سے وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

بکر پر خرچ کا ضمان لازم ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالی: ومن ذلک تضمین الساعی مع مخالفته لقاعدة المذهب من ان الضمان علی المباشر دون المتسبب ولکن

افتوا بضمانه زجرا بسبب كثرة السعاة المفسدين بل افتوا بقتله زمن الفترة۔
(رسائل ابن عابدين ص۱۱ ج ۲)

وقال ايضا: قال في المنح والفتوى اليوم بوجوب الضمان على الساعي مطلقا (رد المحتار ص۱۳۳ ج ۵)

نابالغ نے ودیعت کی حفاظت نہ کی تو اس پر ضمان لازم ہوگا:

یہ مسئلہ کتاب الودیعۃ جلد ۷ میں آچکا ہے۔

کسی کا ایسا درخت کاٹنا جس کی پرستش کی جاتی ہو:

سوال: ایک درخت کی عام عبادت کی جاتی تھی، جہلاء اس پر طرح طرح کے خرافات کرتے تھے، ایک موحد نے اس درخت کو فتنہ کا دروازہ بند کرنے کی غرض سے کاٹ دیا، اب درخت کا مالک ضمان کا طالب ہے، کیا شرعاً کاٹنے والے پر ضمان ہے؟ بعض علماء معازف پر قیاس کرکے قول مفتی بہ کی بنا پر سقوط ضمان کے قائل ہیں، اور بعض ائمہ مغنیہ سے تشبیہ دے کر ضمان کا فتوی دیتے ہیں، جانبین آپ کے فیصلہ پر راضی ہیں، لہٰذا بعجلت ممکنہ جواب عنایت فرما کر اختلاف رفع فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

قال في شرح التنوير: وضمن بكسر معزف بكسر الميم آلة اللهو ولو لكافر ابن كمال قيمته خشبا منحوتا صالحا لغير اللهو وضمن القيمة لا المثل بإراقة سكر ومنصف وصح بيعهما كما مر بيانه في الأشربة وهو بيعها كلها وقالا لا يضمن ولا يصح بيعها وعليه الفتوى ملتقى ودرر وزيلعي وغيرها وأقره المصنف وأما طبل الغزاة زاد في حظر الخلاصة والصيادين والدف الذي يباح ضربه في العرس فمضمون اتفاقا كالأمة المغنية ونحوها ككبش نطوح وحمامة طيارة وديك مقاتل وعبد خصي حيث تجب قيمتها غير صالحة لهذا الأمر۔

وفي الشامية: (قوله وقالا الخ) هذا الاختلاف في الضمان دون إباحة إتلاف المعازف وفيما يصلح لعمل آخر وإلا لم يضمن شيئا اتفاقا وفيما إذا فعل بلا إذن الإمام وإلا لم يضمن اتفاقا وفي غير عود المغني وخابية الخمار وإلا لم يضمن اتفاقا لأنه لو لم يكسرها عاد لفعله القبيح وفيما إذا كان لمسلم فلو لذمي

ضمن اتفاقا قیمته بالغا ما بلغ وکذا لو کسر صلیبه لانه مال متقوم فی حقه قلت لکن جزم القہستانی بعد ما حکی الخلاف ان الذمی کالمسلم فلیحرر. در منتقی اقول وجزم به فی الاختیار ایضا ولعله اقتصر فی الہدایة علی ذکر المسلم لکونه محل الخلاف وبه یتحرر المقام فتدبر (رد المحتار کتاب الغصب ص۱۳۲ ج۵)

عبارات مذکورہ سے یہ احکام مستفاد ہوئے:

① ایسے آلات لہو جو غیر لہو میں استعمال کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں ان میں بالاتفاق ضمان نہیں۔

② جو آلات لہو غیر لہو میں بھی استعمال کئے جا سکتے ہوں ان کے ضمان میں امام صاحب وصاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان اختلاف ہے، فتویٰ عدم ضمان پر ہے۔

③ امۂ مغنیہ وامثالہا میں بالاتفاق ضمان ہے۔

نوع ثانی وثالث میں بظاہر یہ فرق معلوم ہوتا ہے کہ نوع ثانی کے آلات لہو کے لئے مصنوع وموضوع ہیں، اور نوع ثالث موضوع للہو نہیں، بلکہ بغیر کسی قسم کی صنعت کے مستعمل فی اللہو ہیں چنانچہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل:

ان هذه الاشیاء اعدت للمعصیة فبطل تقومها کالخمر (ہدایۃ ج ۴)

سے واضح ہے کہ نوع ثانی میں ایسے آلات مراد ہیں جو ابتداء ہی سے معد وموضوع للہو ہوں۔

تفصیل مذکور کے بعد ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مسئولہ عنہا قسم ثالث میں داخل ہے، کیونکہ مصنوع للہو نہیں، بلکہ کسی صنعت کے بغیر حالت سابقہ ہی پر ثابت رکھتے ہوئے مستعمل للہو ہے کالامة المغنیة ونحوها۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۹ ذی القعدۃ

اپنا درخت کاٹنے سے دوسرے کا درخت گر گیا:

سوال: شخصی نخل خود را قطع کرد و بوقت افتادن بر نخل دیگری بیفتاد آن را انداخت حالانکہ قاطع در وقت قطع سعی کرد کہ تنہ نخل بر نخل دیگری نیفتد ولی از قابو ایشان خارج گشتہ این نقصان ہم رسانید، آیا بر قاطع ضمان لازم می آید یا خیر؟ اگر کسی بقاطع نخل گوید کہ شما بوقت قطع بر نخل خویش رسن ببندید تا بر نخل دیگری نیفتد و خسارہ وارد نکند او رسن نربست، ولی کوشش بسیار کرد کہ بوقت افتادن بر نخلی نیفتد تاہم از قابو خارج گشتہ نخل را

باخبر انداخت، چہ حکم است؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بر قاطع ضمان نیست، ولے بصورت تنبیہ ضمان لازم است۔

قال الامام قاضیخان رحمہ اللہ تعالیٰ: رجل مال حائط دارہ الی الطریق او الی ملک انسان فسقط واتلف انسانا او مالا ان سقط قبل الاشہاد فلا ضمان علیہ وان سقط بعد الاشہاد ضمن ان لم یفرغ ذلک الموضع عن الحائط مع القدرۃ علیہ فیصیر جانیا ان تلف بہ انسان کانت الدیۃ علی عاقلتہ وان اتلف مال انسان کان ضمانہ علی صاحب الحائط فی مالہ (الی ان قال) وصورۃ الاشہاد اذا کان مائلا الی الطریق ان یقول لہ واحد من الناس ان حائطک ہذا مائل الی الطریق او مخوف او متصدع فاہدمہ وان کان مائلا الی ملک الغیر یقول لہ ذلک صاحب الدار وشرط وجوب الضمان علی صاحب الحائط المطالبۃ بالاصلاح والتفریغ ولا یشترط الاشہاد حتی لو طولب بالتفریغ ولم یفعل مع القدرۃ علیہ کان ضامنا (خانیۃ بحاشیۃ الہندیۃ ص ج ۳)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم — ۵ ذی القعدۃ سنہ [illegible]

گھاس لادنے سے اونٹ کی ٹانگ ٹوٹ گئی:

سوال: ایک شخص نے اونٹ پر گھاس لاد کر دلال کے حوالے کیا کہ شہر لے جا کر گھاس فروخت کر آئے، چنانچہ دلال اونٹ لے گیا اور بیوپاری سے گھاس فروخت کرنے کی بات کی۔ اونٹ کو پہلے گھاس سمیت وزن کر لیا، پھر گھاس اتار کر صرف گھاس کا وزن کیا۔ گھاس پھر اونٹ پر رکھا گیا اور اسے اٹھایا گیا، اونٹ اٹھ کر گر پڑا جس سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اونٹ پر گھاس وغیرہ رکھنے کا طریقہ ہر ایک کو نہیں آتا، غلط رکھنے سے توازن برقرار نہیں رہتا اور اونٹ گر جاتا ہے جس سے نقصان پہنچتا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ مالک نے گھاس کھول کر دوبارہ باندھنے کی اجازت دی تھی یا نہیں؟ سوال یہ ہے کہ دلال پر اونٹ کے نقصان کا ضمان ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مالک نے بوجھ اتارنے اور لادنے کی اجازت دی ہو یا تجار کا تعامل ہو کہ بلا

بوجھ اٹھاتا اور لاد تا پڑتا ہو تو دلال پر ضمان نہیں، لان ذلک الا اذا کان صراحۃ او دلالۃ۔ اور اگر مالک نے صراحۃً اجازت دی ہو اور تعدی اس کا فعل اور عرف ہو تو دلال پر ضمان آئے گا، اگر مالک اور دلال میں اختلاف ہو جائے تو مالک پر بینہ ہوگا، لادعائہ الضمان بمعنی وان کان منکرا لفظا، اور دلال پر حلف ہوگا، لانکارہ وجوب الضمان وان کان یدعی الاذن لفظا۔

تنبیہ: خرید و فروخت میں حیوان کا وزن کرکے حساب لگانا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۷ر شعبان ۸۶ھ

ویلو کا ضمان کس پر ہے؟

سوال: احقر کتابوں کی تجارت کرتا ہے، احقر نے زید کو خط لکھا کر مناجات مقبول، زاد السعید، اغلاط العوام، کرامات اشرفیہ کے پانچ پانچ نسخے اور نشر الطیب، تعلیم الدین اور حیات المسلمین کے چند چند نسخے بذریعہ ڈاک بھیج دو۔ زید نے پہلی چار کتابوں کے پانچ پانچ نسخے روانہ کئے اور بقیہ تین میں سے کسی کے چوبیس، کسی کے تیس اور کسی کے چھتیس نسخے روانہ کر دیئے اور ایک نسخہ شمائل ترمذی کا اپنی طرف سے نمونہ کے طور پر مگر قیمۃً بھیج دیا۔

اتفاق سے چند کتابیں مجھ تک پہنچیں اور بقیہ ڈاک کی خرابی یا نامعلوم کس وجہ سے مجھے نہیں ملیں، راستے میں ضائع ہو گئیں۔ میں نے زید سے خط لکھ کر پوچھا کہ اتنی زیادہ مقدار کیوں روانہ کی تو اس نے جواب دیا کہ آپ کے الفاظ "چند چند" کا مطلب وسیع تعداد سمجھ کر زیادہ مال بھیجا ہے۔ زید تمام کتابوں کی رقم کا مطالبہ کر رہا ہے، سو دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱) جن کتابوں کی تعداد میں نے مقرر کر دی تھی، ان میں سے جو کتب مجھ تک نہیں پہنچیں، ان کی قیمت میرے ذمہ واجب الاداء ہے یا نہیں؟

(۲) چند چند نسخوں کی بجائے جو اس قدر زیادہ کتابیں روانہ کیں ان میں جو کتب مجھے نہیں ملیں، ان کی رقم کا کیا حکم ہے؟ جبکہ چند سے میری مراد پانچ یا سات ہی تھی، صرف تنگی کی وجہ سے "چند چند نسخے" لکھ دیا۔

(۳) شمائل ترمذی کی قیمت بھی میرے ذمہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عرف تجار سے خصوصاً اس امر سے کہ ویلو کے ضائع ہونے پر ضمان کا مطالبہ بھیجنے والا ہی کرتا ہے، منگوانے والا نہیں کرتا، یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل ڈاک بائع کے وکیل ہیں، مشتری کے

نہیں، لہٰذا ڈاک میں ضائع ہونے والے مال کا ضمان ہلاک قبل القبض کی وجہ سے مشتری پر نہیں ہوگا۔

جو کتابیں آپ کی طلب سے زائد آپ تک پہنچی ہیں، اگر آپ وہ خریدنا چاہتے ہیں تو قیمت ادا کرنا لازم ہے ورنہ کتابیں واپس کرنا لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ رجمادی الاولیٰ سنہ ۹۳ھ

حملہ آور اونٹ کو ہلاک کرنا:

سوال: زید کا اونٹ عادی اونٹنی کے ساتھ چر رہا تھا، عمرو نے ایک مددگار خالد کے ساتھ مل کر اپنی اونٹنی کو زید کے اونٹ سے علیحدہ کرنا چاہا، جس پر اونٹ نے مشتعل ہو کر خالد کو دبا لیا مگر وہ خوش قسمتی سے اونٹ کے سینہ کے نیچے نہ آسکا، اس کے پیٹ کے نیچے آگیا۔ خالد نے مدد کے لئے فریاد شروع کی، بستی کے بہت سے لوگ جمع ہوگئے اور مل کر اونٹ کو ڈنڈے اور پتھر مارنا شروع کئے مگر کسی طرح بھی اونٹ نہ اٹھا، اسی دوران ایک بندوق بردار شخص آگیا، اس نے بھی ڈنڈے اور پتھر مارنا شروع کئے، اسی دوران اونٹ نے ایک اور شخص کی ٹانگ زخمی کردی، لوگوں نے بندوق بردار کو مجبور کیا تو اس نے گولی چلاکر اونٹ کو ہلاک کردیا۔ زید اس کا ضمان طلب کر رہا ہے۔ کیا اس مامور شخص پر ضمان ادا کرنا لازم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

انسان کی جان بچانا فرض ہے، مدد کرنے والا عند اللہ ماجور ہوگا مگر اونٹ غیر کا مملوک تھا اور مامور قتل میں مختار تھا، لہٰذا مامور پر ضمان لازم ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ فی حیوان) ان الجمل لو صال علی انسان فقتلہ فعلیہ قیمتہ بالغۃ ما بلغ لان الاذن فی قتل السبع حاصل من صاحب الحق وھو الشارع اما الجمل فلم یحصل الاذن من صاحبہ (رد المحتار ص ۲۱۹ ج ۲)

اگر اونٹ کو مرنے سے پہلے ذبح کرلیا گیا ہو تو مامور ضمان کی وجہ سے گوشت وغیرہ کا مالک ہوگیا، لہٰذا گوشت پوست وغیرہ فروخت کرسکتا ہے۔

زید کے لئے بہتر یہ ہے کہ ضمان نہ لے صبر کرے اور ایک مسلمان کی جان بچانے کے سلسلہ میں ایثار سے کام لینے پر آخرت کے اجر عظیم کے علاوہ دنیا میں بھی نعم البدل کی اللہ

تعالیٰ سے امید رکھے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۳ ربیع الآخر سنہ ۹۱ھ

گاڑی کی ٹکر سے مجروح کا حکم:

سوال: ایک ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا، گاڑی کافی تیز تھی، سامنے ایک شخص نمودار ہوا، ڈرائیور نے بچانے کی بے حد کوشش کی مگر وہ جس طرف بھی گاڑی موڑتا وہ شخص اسی طرف سامنے آجاتا، چنانچہ اسے ٹکر لگ گئی، ڈرائیور حکومت کے ڈر سے بھاگ گیا، یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ شخص زندہ بچ گیا یا نہیں؟ اب ڈرائیور کے ذمہ کچھ لازم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ڈرائیور کے لئے بھاگنا جائز نہیں تھا۔ بھاگنے کے بعد بھی معلومات کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ تاہم اگر صحیح کیفیت کا علم نہ ہوسکے تو صرف توبہ واستغفار لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۷ جمادی الثانیہ سنہ ۹۵ھ

وطی بالبہائم کا حکم:

یہ مسئلہ کتاب الحدود والتعزیر ص ۵۸۶ ج ۵ میں بعنوان "حیوان سے بدفعلی کی سزا" گزر چکا ہے۔

حکم ضیاع امانت:

سوال: زید ایک مسجد کا امام ہے اور اس سے ملحق مدرسہ کا مہتمم بھی ہے۔ مسجد ومدرسہ کی رقم ان کے پاس بطور امانت رکھی تھی، وہ کہتے ہیں کہ حفاظت کے باوجود رقم ان کے گھر سے چوری ہوگئی اور اس بات کے معترف ہیں کہ یہ ان کے سالے نے چوری کی ہے اور بھاگ گیا ہے، اس سے رقم ملنے کی کوئی امید نہیں۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ امام صاحب پر ضمان آتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ رقم امانت ہے۔ اگر مہتمم نے واقعۃً اس کی حفاظت کا اہتمام کیا تھا تو اس پر رقم کا ضمان نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۸ ربیع الثانی سنہ ۹۱ھ

مؤذن کی غفلت سے مسجد کی چیز گم ہوگئی تو وہ ضامن ہے:

سوال: ایک مسجد میں تعمیر مسجد کے لئے دو عدد بکس ہر جمعہ کے دن مسجد میں رکھے جاتے ہیں، نمازی ان میں چندہ ڈالتے ہیں، یہ بکس مسجد کے ساتھ کمرہ میں پڑے رہتے ہیں رات کے وقت مسجد مقفل رہتی ہے۔ مسجد کی تمام چابیاں مؤذن کے پاس رہتی ہیں، تین چار ماہ بعد منتظمہ بکس کھول کر رقم کی گنتی کرکے رسید کاٹتے ہیں۔ پچھلے دنوں دو مرتبہ یہ بکس ٹوٹے ہوئے پائے گئے اور پیسے چوری ہوگئے۔ پہلی مرتبہ انتظامیہ نے مؤذن سے بازپرس کی تو اس نے جواب دیا کہ بکس جمعہ کے وقت مسجد کے صحن میں رکھا ہوا تھا، جب جماعت کھڑی ہوئی تو بچوں نے بکس کی کنڈی توڑ دی اور رقم نکال کر لے گئے، بقول اس کے ایک نمازی نے بچوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا تھا، بات آئی گئی ہوگئی۔ اس واقعہ کے دو ڈیڑھ ماہ بعد مؤذن نے اطلاع دی کہ میں نے بکس ٹوٹا ہوا پایا ہے۔ یہ سن کر منتظمہ کو حیرانی ہوئی کہ بیس سال کے عرصہ میں کبھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا، کیا بات ہے کہ اس نئے مؤذن کے آنے پر ہی ایسا کیوں ہو رہا ہے، انتظامیہ کو مؤذن پر شک گزرا، انتظامیہ کے ایک رکن نے مؤذن سے چند سوالات کئے:

① کیا آپ نے دوران ہفتہ دیکھا تھا کہ اس کی کیا حالت ہے؟

② جمعہ کے وقت جب بکس اٹھایا تھا تو اس میں کچھ رقم معلوم ہو رہی تھی؟

اسی طرح کچھ اور بھی سوال کئے، مؤذن نے ہر سوال کے جواب میں عدم علم کا اظہار کیا۔

انتظامیہ کو مؤذن پر شک ہوگیا کہ یہ اس کی کارستانی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس نے کوئی بھی تسلی بخش جواب نہیں دیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد کے تمام سامان کی حفاظت مؤذن پر ہوتی ہے یا انتظامیہ پر؟ جبکہ تمام تالوں کی چابیاں مؤذن کے پاس ہوتی ہیں۔ نیز سامان چوری ہونے کی صورت میں ضمان آئے گا یا نہیں؟ اگر آئے گا تو کس پر؟ مؤذن پر یا انتظامیہ پر؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عرف عام میں مسجد کا اثاثہ مؤذن کی تحویل میں رہتا ہے اور اس کے پاس امانت ہوتا ہے، اس لئے اگر حسب حفاظت کے باوجود کوئی نقصان ہوگیا تو مؤذن پر ضمان نہیں، اور اگر حفاظت میں غفلت ثابت ہوجائے تو مؤذن پر ضمان ہے۔

صورتِ مسئولہ میں نوکر کی غفلت ظاہر ہے، اس لئے اس پر ضمان لازم ہے۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

[illegible] جمادی الاولیٰ [illegible]

وکیل بالشراء پر ضمان نہیں:

سوال: زید نے بکر سے کہا کہ مجھے ایک دوا خرید کر لادو، لیکن دوا کے لئے دام نہیں دیئے، بکر نے دوا خریدی، دوا کی شیشی اس سے گر کر ٹوٹ گئی، بکر نے دوسری شیشی خرید کر زید کو دے دی۔ اب بکر دونوں شیشیوں کی قیمت زید سے لینے کا حقدار ہے یا صرف ایک شیشی کی قیمت کا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں شیشیوں کی قیمت زید پر ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

[illegible] شعبان [illegible]

سوار پر وجوبِ ضمان کی تفصیل:

سوال: ایک نوعمر لڑکے نے گھوڑی کو تیز دوڑایا، گھوڑی اس کے قابو سے باہر ہوگئی اور ایک بکری اس کی زد میں آکر ہلاک ہوگئی۔ یہ لڑکا نقصان کا ضامن ہوگا یا نہیں؟
بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جب سواری مستی کی وجہ سے بے قابو ہو جائے، یعنی سوار اس کے روکنے سے عاجز ہو جائے تو سوار پر ضمان نہیں، خواہ جانی نقصان ہو یا مالی، کیونکہ اس صورت میں فعلِ دابہ سوار کی طرف منسوب نہیں ہوگا۔

اور اگر سوار کے عجز میں اختلاف ہو جائے تو اثباتِ عجز کے لئے سوار پر بینہ لازم ہوگا ورنہ خصم کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

یہ حکم اس وقت ہے جب سوار نے گھوڑی کو معتدل رفتار سے چلایا ہو اور اگر غیر معتاد طور پر چابک وغیرہ لگایا یا سوار نے عمداً اپنی قدرت سے زیادہ دوڑا رکھا تو اس پر ضمان ہوگا لانہ متعد کما حسن اندابتہ

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: اذا نفلتت دابۃ بنفسها

فاصابت مالا او آدميا نهارا او ليلا لاضمان في الكل لقوله صلى الله عليه وسلم العجماء جبار اي المنفلتة هدر كما لو جمحت الدابة به اي بالراكب ولو سكران ولم يقدر الراكب على ردها فانه لا يضمن كالمنفلتة لانه حينئذ ليس بمسير لها فلا يضاف سيرها اليه حتى لو اتلفت انسانا فدمه هدر عمادية.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى : و ذكر الرملي انهما لو اختلفا في عدم القدرة على ردها فالقول للخصم والبينة على مدعي العجز لان انكاره لاصل الضمان في ضمن الدعوى لا يفيد بعد تحقق سببه تأمل اه ملخصا (رد المحتار ص۳۹۹ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم.

۵ ار صفر سنہ ۹۹ھ

حیوان کے نقصان پر ضمان کا حکم:

سوال: چہ میفرمایند علماء کرام اندریں مسئلہ کہ اگر کسے خر خود را یا گاؤ یا شتر را در بیابان یعنی جنگل رہا کرد برائے چریدن علف، بعدا ایں حیوان مذکور آمد زراعت کسے را خورد یا نقصان کرد لیکن یکبار نقصان نکردہ بلکہ چنداں بار می آید زراعت مردم تلف میکند، آیا ضمان بر صاحبش لازم یا نہ؟ اگر ضمان لازم است جواب حدیث چیست کہ "العجماء جرحها جبار" وثانیاً اشہاد کردن تنہا دربارۂ تلف مال اعتبار دارد یا نہ؟ اگر دارد جواب عبارت رد المحتار چیست؟

وما لا يخاف منه تلف الآدمي بل يخاف منه تلف المال فقط كغصن الكرم فلا يفيد فيه الاشهاد (رد المحتار ص۳۹۲ ج ۵، ص۴۱۶ ج ۶)

ولو ارسل بهيمة فافسدت زرعا على فورها ضمن المرسل وان مالت يمينا او شمالا وله طريق آخر لا يضمن لما مر (رد المحتار ص۳۹۲ ج ۵، ص۶۱۳ ج ۶)

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس صورت میں ضمان نہیں، البتہ حکومت پر لازم ہے کہ مالک کو تنبیہ کرے، اگر باز نہ آئے تو مناسب سزا دے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۷ ار شوال سنہ ۹۹ھ

اجیر مشترک پر ضمان کا حکم:

سوال: اگر راعی یا دیگر اجنبی دید کہ گوسفند یا گاوی قریب مرگ است او را ذبح کردہ ذابح ضامن می شود یا نہ؟ و اگر از دست راعی گوسفند گم شدہ ضامن میشود یا نہ؟ و در بعض شہرہا این طور رسم است کہ مردم یک نفر از اہل قریہ گوسفندان را می چراند آیا این یک نفر در حکم راعی است در صورت ذبح کردن یا گم کردن گوسفند یا نہ؟ و راعی در اطراف اکثر مشترک برای چند نفر می شود و در رد المحتار این عبارت موجود است:

ولو ذبحها الراعي او الاجنبي ضمن لو رجا حياتها او اشكل امرها ولو تيقن موتها لا للاذن دلالة هو الصحيح (ردالمحتار ص ج ۵)

و در مجمع الانہر این طور است:

فلو ذبح الراعي او الاجنبي شاة لا يرجى حياتها لا يضمن وقال الصدر الشهيد يضمن (مجمع الانہر ص ۲۲۳ ج ۲)

چونکہ مسئلہ مختلف فیہا است، لہٰذا قول صحیح و مفتی بہ را معلوم کنید و در رد المحتار ص ج ۵ موجود است:

وبقولهما يفتي۔

پس نزد صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ اجیر مشترک بہر حال ضامن میشود۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تضمین اجیر مشترک کی چار صورتیں ہیں:

(۱) ہلاک بفعل الاجیر ہو اور اس میں تعدی بھی ہو۔

(۲) ہلاک بفعل الاجیر ہو، لیکن اس میں تعدی نہ ہو۔

ان دونوں صورتوں میں وجوب ضمان پر ائمہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے۔

(۳) ہلاک بفعل الاجیر نہ ہو اور اس سے احتراز بھی ممکن نہ ہو۔

اس صورت میں عدم وجوب ضمان پر اتفاق ہے۔

(۴) ہلاک بفعل الاجیر نہ ہو، البتہ اس سے احتراز ممکن ہو۔

یہ صورت مختلف فیہ ہے، اس میں چار اقوال ہیں:

① امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضمان واجب نہیں۔
② صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضمان واجب ہے۔
③ متأخرین رحمہم اللہ کے نزدیک نصف قیمت واجب ہے۔
④ بعض نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر اجیر مصلح ہے تو ضمان نہیں، غیر مصلح ہے تو ضمان واجب ہے اور مستور الحال ہے تو نصف قیمت واجب ہے۔

یہ چاروں اقوال مصحح اور مفتی بہا ہیں، مفتی موقع و محل پر غور کرکے جو قول مناسب سمجھے اس پر فتویٰ دے سکتا ہے۔

اس تفصیل کے پیش نظر صورت سوال میں جب شہادت شرعیہ یا اقرار مالک سے موت ثابت ہو جائے تو اتفاقاً ضمان واجب نہیں، ورنہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق ضمان واجب ہوگا۔

متأخرین کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق نصف قیمت اور عدم ضمان کا فتویٰ بھی دیا جا سکتا ہے۔

اجرت پر چرانے والا بھی بحکم راعی ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: (قوله ولا یضمن) اعلم ان الهلاك اما بفعل الاجیر او لا، والاول اما بالتعدی او لا، والثانی اما ان یمکن الاحتراز عنه او لا، ففی الاول بقسمیه یضمن اتفاقا، وفی ثانی الثانی لا یضمن اتفاقا، وفی اول الثانی لا یضمن عند الامام مطلقا ویضمن عندهما مطلقا، وافتی المتأخرون بالصلح علی نصف القیمة مطلقا، وقیل ان مصلحا لا یضمن وان غیر مصلح ضمن وان مستورا فالصلح اھ والمراد بالاطلاق فی الموضعین المصلح وغیره۔

وفی البحر: لا یضمن عنده ما هلك بغیر صنعه قبل العمل او بعده لانه امانة فی یده وهو القیاس۔ وقالا یضمن الا من حرق غالب او لصوص مکابرین وهو استحسان اھ، قال فی الخیریة: فهذه اربعة اقوال کلها مصححة مفتی بها، وما احسن التفصیل الاخیر، والاول قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقال بعضهم قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی قول عطاء وطاؤس رحمهما الله تعالی

وهما من كبار التابعين، وقولهما قول عمر وعلي رضي الله تعالى عنهما وبه يفتى احتشاما لعمر وعلي رضي الله تعالى عنهما وصيانة لاموال الناس والله اعلم اه وفي التبيين: وبقولهما يفتى لتغير احوال الناس، وبه يحصل صيانة اموالهم اه لانه اذا علم انه لا يضمن ربما يدعي انه سرق او ضاع من يده. وفي الخانية والمحيط والتتمة: الفتوى على قوله، فقد اختلف الافتاء، وتمامه في الخيرية، وقال ابن ملك في شرح المجمع: وفي المحيط: الخلاف فيما اذا كانت الاجارة صحيحة فلو فاسدة لا يضمن اتفاقا، لان العين حينئذ تكون امانة لكون المعقود عليه وهو المنفعة مضمونة باجر المثل اه (رد المحتار ص ۴۳ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم.

۱۷ شوال ۹۹ھ

دھوبی کے ہاں ضائع ہونے والے کپڑے کا ضمان:

سوال: دھوبی کے ہاں جو کپڑے دھلنے جاتے ہیں، اگر ان میں کوئی کپڑا ضائع ہو جائے تو دھوبی اس کی آدھی قیمت مالک کو دیتا ہے، یہ قیمت مالک کے لئے لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جائز ہے، البتہ اگر ضیاع متیقن ہو تو جائز نہیں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله ولا يضمن الخ) اعلم ان الهلاك اما بفعل الاجير او لا، والاول اما بالتعدي او لا، والثاني اما ان يمكن الاحتراز عنه او لا، ففي الاول بقسميه يضمن اتفاقا، وفي ثاني الثاني لا يضمن اتفاقا، وفي اوله لا يضمن عند الامام رحمه الله تعالى مطلقا ويضمن عندهما رحمهما الله تعالى مطلقا وافتى المتأخرون بالصلح على نصف القيمة مطلقا، وقيل ان مصلحا لا يضمن وان غير مصلح ضمن وان مستورا فالصلح اهـ والمراد بالاطلاق في الموضعين المصلح وغيره (رد المحتار ص ۴۳ ج ۵)

وقال ايضا: وحاصل ما في الطوري عن المحيط ان ضمان المشترك ما تلف مقيد بثلاثة شرائط ان يكون في قدرته رفع ذلك فلو غرقت بموج

او زحم آدمی او صدمۃ او جبل لا یضمن وان یکون محل العمل مسلما الیہ بالتخلیۃ فلو رعیٰ المتاع او ذکیلہ فی السفینۃ لا یضمن وان یکون المضمون مما یجوز ان یضمن بالعقد فلا یضمن الآدمی کما یأتی (رد المحتار ص۴۳ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

ضمان میں قیمت مثل سے زائد لینا جائز نہیں:

سوال: اگر دکان پر کوئی گاہک یا اس کا بچہ کوئی نقصان کر دے تو کیا اس چیز کی قیمت نفع کے ساتھ وصول کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بازار کی عام قیمت کے برابر لینا جائز ہے، زائد نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۸ جمادی الثانیہ ۱۴۰۰ھ

طبیب پر وجوب ضمان کی تفصیل:

سوال: طبیب یا ڈاکٹر کے علاج سے اگر کوئی مرجائے یا اس کا کوئی عضو تلف ہو جائے تو طبیب یا ڈاکٹر پر ضمان واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

طبیب کی دو قسمیں ہیں:

① حاذق ② جاہل

طبیب حاذق کا حکم:

اس کے لئے علاج کرنا جائز ہے اور اس سے رفع ضمان کے لئے دو شرائط ہیں:

① مریض یا اس کے ولی نے علاج کی اجازت دی ہو۔

② علاج اصول طبیہ کے مطابق کیا ہو۔

اگر ان میں سے کوئی شرط مفقود ہو اور مریض کا نقصان ہو جائے تو ضمان واجب ہے۔

اگر بلا اذن علاج کیا تو پورا ضمان واجب ہے اور اذن سے کیا ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے:

① علاج کا پورا طریقہ اور عمل اصول طبیہ کے خلاف ہو تو:

اس صورت میں اگر مریض ہلاک ہو گیا تو پوری دیت لازم ہوگی اور اگر کوئی عضو تلف ہو گیا تو بحسب تفصیل فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ ضمان واجب ہوگا۔

② کچھ عمل اصول طبیہ کے مطابق کیا اور کچھ اس کے خلاف تو:

اس صورت میں مریض ہلاک ہوگیا تو نصف دیت واجب ہوگی، اور اگر عضو تلف ہوگیا تو پورا ضمان واجب ہوگا، اور اگر عضو میں نقصان آیا تو موضع معتاد سے تجاوز کی وجہ سے جو نقصان ہوا اس کی بقدر ضمان آئے گا۔

طبیب جاہل کا حکم:

اس کے لئے علاج کرنا جائز نہیں اور بہرصورت پورا ضمان واجب ہوگا، خواہ اصولِ طب کے مطابق علاج کرے یا ان کے خلاف، مریض یا اس کے ولی کی اجازت سے علاج کرے یا بلا اجازت۔

تنبیہ: وجوب ضمان اس صورت میں ہے کہ علاج میں ڈاکٹر یا طبیب کا اپنا فعل استعمال ہوا ہو، مثلاً آپریشن کیا ہو یا انجکشن لگایا ہو یا اپنے ہاتھ سے دوا پلائی ہو، اگر دوا بتا کر یا لکھ کر مریض کو دے دی، مریض نے خود اپنے ہاتھ سے دوا پی تو ضمان واجب نہ ہوگا۔

البتہ تعزیر بہرصورت واجب ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا ضمان علی حجام وبزاغ أی بیطار وفصاد لم یجاوز الموضع المعتاد، فإن جاوز المعتاد ضمن الزیادۃ کلها إذا لم یهلک المجنی علیه، وإن هلک ضمن نصف دیۃ النفس لتلفها بمأذون فیه وغیر مأذون فیه فیتنصف، ثم فرع علیه بقوله: فلو قطع الختان الحشفۃ وبرئ المقطوع تجب علیه دیۃ کاملۃ لأنه لما برئ کان علیه ضمان الحشفۃ وهی عضو کامل کاللسان، وإن مات فالواجب علیه نصفها لحصول تلف النفس بفعلین، أحدهما مأذون فیه وهو قطع الجلدۃ والآخر غیر مأذون فیه وهو قطع الحشفۃ فیضمن النصف، ولو شرط علی الحجام ونحوه العمل علی وجه لا یسری لا یصح لأنه لیس فی وسعه إلا إذا فعل غیر المعتاد فیضمن، عمادیۃ، وفیها سئل صاحب المحیط عن فصاد قال له غلام أو عبد افصدنی ففصده فصدا معتادا فمات بسببه، قال: تجب دیۃ الحر وقیمۃ العبد علی عاقلۃ الفصاد لأنه خطأ، وسئل عمن فصد نائما وترکه حتی مات من السیلان، قال: یجب القصاص۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله لم یجاوز الموضع المعتاد) أی وکان بالإذن، قال فی الکافی: عبارۃ المختصر ناطقۃ بعدم التجاوز وساکتۃ

عن الاذن وعبارة الجامع الصغير ناطقة بالاذن ساكتة عن التجاوز فصار ما نطق به هذا بيانا لما سكت عنه الآخر ويستفاد بمجموع الروايتين اشتراط عدم التجاوز والاذن لعدم الضمان حتى اذا عدم احدهما او كلاهما يجب الضمان انتهى طوري وعليه ما يأتي عن العمادية (قوله فلو قطع الخ (الحشفة) اى كلها قال فى الشرنبلالية وبقطع بعضها يجب حكومة عدل كما ذكره لاتفاق (قوله دية كاملة) قال الزيلعي هذا من اعجب المسائل حيث وجب الاكثر بالبرء والاقل بالهلاك (قوله تجب دية الحر) اى لو كان الغلام حرا وقيمة العبد لو كان عبدا قال ح لان فعله غير ماذون فيه حيث لم يعتبرا اذنهما للجني عليهما فى الاقوال (قوله لانه خطأ) اى من القتل خطأ اذ لم يتعمد قتله والذى يدل عليه عدم مجاوزة الفعل المعتاد ط (قوله قال يجب القصاص) لانه قتله عمدا ط اى وهو قاصد لقتله فكان عمدا (رد المحتار ص۵۲ ج ۵)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: يمنع مفت ماجن يعلم الحيل الباطلة كتعليم الردة لتبين من زوجها او تسقط عنها الزكوة وطبيب جاهل۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله وطبيب جاهل) بان يسقيهم دواء مهلكا واذا قوى عليهم لا يقدر على ازالة ضرره زيلعي (رد المحتار ص۹۳ ج ۵)

قال الامام ابو داؤد رحمه الله تعالى: حدثنا محمد بن العلاء ثنا حفص ثنا عبد العزيز بن عمر بن عبد العزيز حدثنى بعض الوفد الذين قدموا على ابى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ايما طبيب تطبب على قوم لا يعرف له تطبب قبل ذلك فاعنت فهو ضامن قال عبد العزيز اما انه ليس بالنعت انما هو قطع العروق والبط والكي (سنن ابى داؤد ص۲۸۵ ج ۲)

قال العلامة السهارنفوري رحمه الله تعالى: اما انه ليس بالنعت

ای حکم الحیوان لیس بالوصف بالمال وکذا حکم الکتابۃ بانہ ذاوصف الید وہو لانسان فعمن بالمریض فھذلک لایلزم الطبیب الدیۃ انما ہو فی حکم الضمان قطع العروق والبط ای الشق والکی بالنار (ردالمحتار ص [illegible] ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۶ ذی الحجۃ ۱۳۹۲ھ

بطور ضمان مصارف علاج وصول کرنا:

سوال: زید کو بکر نے چاقو مار کر شدید زخمی کر دیا، وہ ہسپتال میں زیر علاج ہے، علاج، ڈاکٹروں سے سرٹیفکیٹ لینے میں اور پولیس پر زید کے تین ہزار روپے خرچ ہو گئے، اب صلح کے وقت زید بکر سے دس ہزار روپے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ کیا زید کے لئے یہ روپے وصول کر کے صلح کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۰ ذی الحجۃ ۱۳۹۲ھ

آلات معصیت توڑنے پر حکم وجوب ضمان:

یہ مسئلہ کتاب الحظر والاباحۃ میں بعنوان "آلات معصیت توڑنے کا حکم" گزر چکا ہے۔

باب القود

حق قصاص کی تفصیل:

سوال: زید نے خالد کو ناحق قتل کردیا، حکومت وقت زید کو چند سال جیل میں رکھ کر چھوڑ دیتی ہے، یا زید اصلاً حکومت کے ہاتھ نہیں آتا، کوہستان میں ہے، حکومت اس کو پکڑنے سے عاجز ہے، ان حالات میں خالد کا بھائی یا اس کا کوئی دوسرا رشتہ دار یا قوم کا کوئی شخص زید کو خالد کے عوض میں قتل کردیتا ہے۔ کیا از نظر شرع خالد کے ورثہ کو یہ اختیار ہے کہ زید سے خالد کا قصاص لیں، حکومت اس پر راضی نہیں، وہ کہتی ہے کہ ہم خود فیصلہ کریں گے اور حکومت کا فیصلہ صرف چند سال قید ہے۔ امید ہے کہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ مع ادلہ بیان کرکے عنداللہ ماجور رہوں گے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قال الله تعالی: ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا فلا یسرف فی القتل انه کان منصورا.

① قال العلامة الألوسی رحمه الله تعالی: (ومن قتل مظلوما) بغیر حق یوجب قتله او یبیحه للقاتل حتی انه لا یعتبر اباحته لغیر القاتل وقد نص علماؤنا ان من علیه قصاص اذا قتله غیر من له القصاص یقتص له ولا یفیده قول الولی انا امرته بذلک الا ان یکون الامر ظاهرا (فقد جعلنا لولیه) لمن یلی امره من الوارث او السلطان عند عدم الوارث واقتصار البعض علی الاول رعایة للاغلب (سلطانا) ای تسلطا واستیلاء علی القاتل بمؤاخذته باحد الامرین القصاص او الدیة وقد تتعین الدیة کما فی القتل الخطأ والمقتول خطأ مقتول ظلما بالمعنی الذی اشیر الیه.

(روح المعانی ص۶۹ ج ۱۵)

② وقال الامام ابوبکر الجصاص رحمه الله تعالی: القتل ینقسم

الی اربعۃ انحاء واجب و مباح و محظور و مالیس بواجب ولا محظور ولا مباح (الی ان قال) واما المباح فھو القتل الواجب لولی الدم علی وجہ القود فھو مخیر بین القتل والعفو (احکام القرآن للجصاص ص ۱۳ ج ۳)

(۳) وقال فی موضع آخر فی تفسیر قولہ تعالی (ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق) وقال الضحاک السلطان انہ مخیر بین القتل و بین اخذ الدیۃ وعلی السلطان ان یطلب القاتل حتی یدفعہ الیہ۔
(احکام القرآن للجصاص ص ۲۰۷ ج ۳)

(۴) وقال ابو بکر بن العربی رحمہ اللہ تعالی: و تحقیق ذلک ان اللہ تعالی اوجب القصاص ردعا عن الاتلاف وحیاۃ للباقین وظاھرہ ان یکون حقا لجمیع الناس کالحدود والزواجر عن السرقۃ والزنا حتی لا یختص بھا مستحق بید ان الباری تعالی استثنی القصاص من ھذہ القاعدۃ وجعلہ للاولیاء الوارثین لیتحقق فیہ العفو الذی ندب الیہ فی باب القتل ولم یجعل عفوا فی سائر الحدود لحکمۃ بالغۃ وقدرتہ النافذۃ ولذا قال صلی اللہ علیہ وسلم من قتل لہ قتیل فھو بخیر النظرین بین ان یقتل او یأخذ الدیۃ وکانت ھذہ کما تقدم ذکرہ خاصیۃ اعطیتھا ھذہ الامۃ تفضلا وتفضیلا وحکمۃ وتخصیصا خص بذلک الاولیاء لیتصور العفو او لا ستیفاء لاختصاصہ بالحزن (احکام القرآن ص ۱۱۹۱ ج ۳)

(۵) ثم قال (قولہ سلطانا) فیہ خمسۃ اقوال (الی ان قال) ما طلب حتی یدفع الیہ فھو ابتداء الحق واخرہ استیفاؤہ وھو القول الخامس (احکام القرآن ص ۱۱۹۱ ج ۳)

(۶) وقال الامام الخازن رحمہ اللہ تعالی: (ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا) ای قوۃ وولایۃ علی القاتل بالقتل وقیل سلطانہ ھو انہ یتخیر فان شاء استقاد منہ وان شاء اخذ الدیۃ وان شاء عفا (تفسیر خازن ص ۱۶۷ ج ۳)

(۷) وقال العلامۃ ابو البرکات النسفی رحمہ اللہ تعالی: (سلطانا)

تسلطا على القاتل فى الاقتصاص منه (مدارك التنزيل بهامش الخازن ص۱۶۵ ج ۳)

نصوص الفقه:

① قال الامام المرغينانى رحمه الله تعالى: ومن قتل وله اولياء صغار وكبار فللكبار ان يقتلوا القاتل عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى وقالا رحمهما الله تعالى ليس لهم ذلك حتى يدرك الصغار (هدایة ص۵۶۵ ج ۴)

② وقال العلامة البابرتى رحمه الله تعالى: اذا كان اولياء القتيل صغارا وكبارا فاما ان يكون فيهم الاب اولا فان كان فلهم الاستيفاء عند علمائنا رحمهم الله تعالى بالاتفاق وان لم يكن فكذلك عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى وقالا رحمهما الله تعالى ليس لهم ذلك حتى يدرك الصغار.
(العناية بهامش الفتح ص۱۶۱ ج ۹)

③ وقال الامام الكاسانى رحمه الله تعالى: فان كان الكل كبارا فلكل واحد منهم ولاية استيفاء القصاص حتى لو قتله احدهم صار القصاص مستوفى (زو بعد اصطلح) ولكن اذا كان الكل حضورا لا يجوز لهم ولا لاحدهم ان يوكل فى استيفاء القصاص على معنى انه لا يجوز التوكيل باستيفاء القصاص مع غيبة الموكل لاحتمال ان الغائب قد عفا وان فى اشتراط حضرة الموكل رجاء العفو منه عند معاينة حلول العقوبة بالقاتل (بدائع ص۲۴۲ ج ۷)

④ وقال ايضا: وكذا اذا قتل من عليه القصاص بغير حق او بحق بالردة والقصاص بان قتل انسانا فقتل به قصاصا يسقط القصاص ولا يجب المال لما قلنا (بدائع ص۲۴۶ ج ۷)

⑤ وقال العلامة الحصكفى رحمه الله تعالى: من عليه التعزير لو قال لرجل اقم على التعزير ففعله ثم رفع للحاكم فانه يحتسب به قنية واقره المصنف ومثله فى دعوى الخانية لكن فى الفتح ما يجب حقا للعبد لا يقيمه الا الامام لتوقفه على الدعوى الا ان يحكما فيه فليحفظ.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله لا يقيمه الا الامام) وقيل لصاحب الحق كالقصاص وجه الاول ان صاحب الحق قد يسرف فيه

غلطا بخلاف القصاص لانه مقدر كما في البحر عن المجتبى (رد المحتار ص [illegible] ج ٥)

⑥ وقال العلامة التمرتاشي رحمه الله تعالى: وللكبار القود قبل كبر الصغار

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله وللكبار القود) اي: اذا قتل رجل له ولي كبير وصغير كان للكبير ان يقتل قاتله عنده لانه حق مشترك وفي الاصل ان كان الكبير ابا استوفى القود بالاجماع وان كان اجنبيا بان قتل عبد مشترك بين اجنبيين صغير وكبير ليس له ذلك وفي الكلام اشارة الى انه لو كان الكل صغارا ليس للاخ والاعمام ان يستوفيه كما في جامع الصغار فقيل ينتظر بلوغ احدهم وقيل يستوفي السلطان كما في الاختيار والقاضي كالسلطان والى انه لو كان الكل كبارا ليس للبعض ان يقتص دون البعض ولا ان يوكل باستيفاء لان في غيبته احتمال العفو فالقصاص يستوفيه من يستحق ماله على فرائض الله تعالى ويدخل فيه الزوج والزوجة كما في الخلاصة والى انه لا يشترط القاضي كما في الخزانة والى انه لو كان القتل خطأ لم يكن للكبير الا استيفاء حصة نفسه كما في جامع القهستاني (قوله لا يشترط القاضي) اي قضاؤه فمن له القصاص له ان يقتص سواء قضى به اولا كما في البزازية (رد المحتار ص [illegible] ج ٥)

⑦ وقال العلامة الرافعي رحمه الله تعالى: (قوله وقيل يستوفي السلطان) في معروضات المفتي ابي السعود اذا كان الورثة كلهم صغارا فاستيفاء القصاص الى السلطان هو الاصح وحينئذ والمجنون والمعتوه كالصبي.

(التحرير المختار ص [illegible] ج ٢)

⑧ وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ولو قتل ولي القتيل القاتل اي بعد قتل الاجنبي كذا امرته لقتله ولا بينة له على مقالته لا يصدق ويقتل الاجنبي درر (رد المحتار ص [illegible] ج ٥)

⑨ وقال ايضا: وظاهره ان حق الولي يسقط رأسا كما لو مات

القاتل حتف انفہ (حوالہ بالا)

(۱۰) وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ معزیا للتتارخانیۃ: اذا قتل القاتل بحق او بغیر حق سقط عنہ القصاص بغیر مال وکذا اذا مات (رد المحتار ص۳۴۲ ج ۵)

(۱۱) وقال ایضا: لو استوفاہ بعض الاولیاء لم یضمن شیئا وفی المجتبی والدرر دم بین اثنین فعفا احدھما وقتلہ الآخر ان علم ان عفو بعضھم یسقط حقہ یقاد والا فلا والدیۃ فی مالہ (حوالہ بالا)

(۱۲) وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وعفو الولی عن القاتل افضل من الصلح والصلح افضل من القصاص (رد المحتار ص۳۵۲ ج ۵)

(۱۳) وقال ایضا: الامام شرط استیفاء القصاص کالحدود وعند الاصولیین وفرق الفقہاء اشباہ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وفرق الفقہاء) ای بین القصاص والحدود فیشترط الامام لاستیفاء الحدود دون القصاص حموی قال فی الھندیۃ واذا قتل الرجل عمدا ولہ ولی واحد فلہ ان یقتلہ قصاصا قضی القاضی بہ او لم یقض اھ ط (رد المحتار ص۳۵۳ ج ۵)

(۱۴) وفی العلائیۃ عن الاشباہ: الحدود کالقصاص الا فی سبع۔

وفی الشامیۃ: (تنبیہ) زاد الحموی ثامنۃ وھی اشتراط الامام لاستیفاء الحدود دون القصاص (رد المحتار ص۳۵۳ ج ۵)

(۱۵) وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویسقط القود بموت القاتل لفوات المحل (رد المحتار ص۳۵۹ ج ۵)

(۱۶) وقال ایضا: القود یثبت للورثۃ ابتداء بطریق الخلافۃ من غیر سبق ملک المورث لان شرعیۃ القود لتشفی الصدور ودرک الثأر والمیت لیس باھل لہ وقولہ تعالیٰ فقد جعلنا لولیہ سلطانا نص فیہ

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ القود یثبت للورثۃ) قال فی الخانیۃ یستحق القصاص من یستحق میراثہ علی فرائض

الله تعالى يدخل فيه الزوج والزوجة (رد المحتار ص ۳۶۲ ج ۵)

عبارات بالا سے مندرجہ ذیل مسائل مستفاد ہوئے:

(۱) اگر وارث قاتل پر قادر نہیں تو حکومت پر لازم ہے کہ قاتل کو پکڑ کر ولی مقتول کے حوالہ کرے۔

(۲) اگر کسی ایک وارث نے قاتل کو قتل کر دیا تو بھی قصاص ادا ہو گیا، باقی وارثوں کو حق اعتراض نہیں، یعنی جبکہ کسی وارث نے معاف نہ کیا ہو، معاف کرنے کی تفصیل آگے نمبر ۱۲و۱۳ میں آرہی ہے۔

(۳) اگر وارثوں میں بعض چھوٹے ہوں اور بعض بڑے تو قتل عمد موجب قصاص میں بڑوں کو قصاص لینے کا حق ہے۔ چھوٹے وارثوں کے بلوغ کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔

(۴) اگر سب وارث چھوٹے ہوں یا مجنون و معتوہ ہوں تو کوئی اجنبی قاتل کو قصاصاً قتل نہیں کر سکتا، بھائی اور چچا اگر ارث سے محروم ہوں تو وہ بھی اجنبی کے حکم میں ہیں، اس صورت میں حاکم قصاص لے گا۔

(۵) قصاص لینے کا حق ان لوگوں کو ہے جن کو میت کے ترکہ سے حصہ ملتا ہے۔

(۶) اولیاء میں قتیل کا والد موجود ہو تو بوقت انفاذ قصاص اولیاء میں سے کسی دوسرے کا موجود ہونا ضروری نہیں، اور اگر والد موجود نہ ہو تو سب اولیاء کا موجود ہونا ضروری ہے۔

(۷) توکیل کی صورت میں بوقت قصاص موکل کا موجود ہونا ضروری ہے، ولی قصاص کسی کو وکیل بنا کر مجلس قصاص سے غائب ہو گیا تو قصاص لینا جائز نہیں۔

(۸) قتل موجب دیت میں دیت ورثہ میں بقدر حصص تقسیم ہوگی۔

(۹) قتل موجب دیت میں اگر وارثوں میں سے بعض چھوٹے ہوں تو بڑے کو پوری دیت لینا جائز نہیں، وہ صرف اپنا حصہ لے سکتا ہے۔

(۱۰) اگر ولی مقتول نے کسی اجنبی کو حکم دیا اور اس حکم دینے پر گواہ موجود ہوں یا لوگوں میں علی الاعلان حکم دیا ہو تو وہ ولی کی موجودگی میں قاتل کو قتل کر سکتا ہے۔

(۱۱) اگر شاہد موجود نہ ہوں اور اجنبی نے قاتل کو قتل کر دیا، پھر ولی مقتول کہتا ہے کہ میں نے حکم دیا تھا تو اس کا قول معتبر نہیں ہوگا، بلکہ اجنبی سے قصاص لیا جائے گا۔

(۱۲) اگر کسی اجنبی نے قاتل کو قتل کر دیا یا وہ مر گیا تو مقتول اول کے ورثہ کا حق ساقط

ہوجاتا ہے، وہ مقتول ثانی کے ورثہ پر بازگر کسی قسم کا دعوی نہیں کر سکتے۔

(۱۳) اگر کوئی وارث اپنا حق قصاص معاف کردے تو قصاص ساقط ہوجائے گا، باقی ورثہ قصاص نہیں لے سکتے بلکہ دیت لیں گے۔

(۱۴) اگر کسی وارث کے معاف کردینے کے باوجود دوسروں نے قصاص لے لیا تو اگر قصاص لینے والے کو یہ معلوم تھا کہ بعض وارثوں کا معاف کرنا مسقط قصاص ہے تو قصاص لینے والے سے قصاص لیا جائے گا اور اگر معلوم نہ تھا تو قصاص نہیں بلکہ اس کے مال میں دیت آئے گی۔

(۱۵) معاف کردینا افضل ہے صلح کرنے سے، اور صلح کرنا افضل ہے قصاص لینے سے۔

امور بالا سے سوال کا جواب ظاہر ہوگیا۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۵ جمادی الآخرۃ [illegible]

بدون توبہ قتل کا گناہ معاف نہیں ہوتا:

سوال: زید نے بکر کو قتل کردیا۔ اگر زید بکر کے ورثہ کو کچھ رقم دے کر راضی کرلے تو آخرت کے عذاب سے بچ جائے گا یا نہیں؟ اگر ورثہ رضامند نہ ہوں اور حکومت زید کو دس سال قید کی سزا دے تو اس سے اس کا گناہ معاف ہوجائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عذاب آخرت سے بچنے کے لئے توبہ و استغفار اور مقتول کے ورثہ کو راضی کرنا دونوں امر ضروری ہیں، لہٰذا صرف قید کی سزا کاٹنے یا صرف ورثہ کو راضی کرنے سے گناہ معاف نہیں ہوگا۔ توبہ و ارضاء ورثہ کے بعد بھی قتیل کا حق ادا نہیں ہوگا۔ اس کو آخرت میں مطالبہ کا حق ہوگا۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ لا تصح توبۃ القاتل حتی یسلم نفسہ للقود) ای لا تکفیہ التوبۃ وحدھا قال فی تبیین المحارم واعلم ان توبۃ القاتل لا تکون بالاستغفار والندامۃ فقط بل یتوقف علی ارضاء اولیاء المقتول فان کان القتل عمدا لا بد ان یمکنہم من القصاص منہ فان شاؤا قتلوہ وان شاؤا عفوا عنہ مجانا فان عفوا عنہ کفتہ التوبۃ اھ ملخصا وقدمنا [illegible] انہ بالعفو عنہ یبرأ فی الدنیا وھل

یبرأ فیما بینہ وبین اللہ تعالی ھو بمنزلۃ الدین علی رجل فمات الطالب وابرأتہ الورثۃ یبرأ فیما بقی اما فی ظلمہ المتقدم لا یبرأ فکذا القاتل لا یبرأ عن ظلمہ ویبرأ عن القصاص والدیۃ تتارخانیۃ اقول والظاھران الظلم المتقدم لا یسقط بالتوبۃ لتعلق حق المقتول بہ واما ظلمہ علی نفسہ باقدامہ علی المعصیۃ فیسقط بھا تأمل وفی الحامدیۃ عن فتاوی الامام النووی رحمہ اللہ تعالی مسألۃ فیمن قتل مظلوما فاقتص وارثہ او عفا علی الدیۃ او مجانا ھل علی القاتل بعد ذلک مطالبۃ فی الآخرۃ الجواب ظواھر الشرع تقتضی سقوط المطالبۃ فی الآخرۃ اہ وکذا قال فی تبیین المحارم ظاھر بعض الاحادیث یدل علی انہ لا یطالب وقال فی مختار الفتاوی القصاص مخلص من حق الاولیاء واما المقتول فیخاصمہ یوم القیامۃ فان بالقصاص ما حصل فائدۃ للمقتول وحقہ باق علیہ اھ وھو مؤید لما استظھرتہ (رد المحتار ص۳۵۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۲ صفر ۸۹ھ

سزا سے حق قصاص وحق صلح ساقط نہیں ہوتا:

سوال: دو اشخاص نے مل کر ایک شخص کو قتل کیا، حکومت نے دونوں کو جیل اور بھاری جرمانہ کی سزا دی۔ رہائی کے بعد مقتول کے ورثہ نے قصاص اور خون بہا کا مطالبہ کیا، کیا حکومت کی سزا کے بعد ان کا یہ مطالبہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر حکومت نے مقتول کے ورثہ سے قصاص اور خون بہا معاف نہیں کرایا اور نہ ہی ان کو قاتلین سے خون بہا دلوایا تو ورثہ کا مطالبہ درست ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۶ جمادی ثانیہ ۹۱ھ

محارم کے ایک دوسرے کو قتل کرنے میں حق قصاص کی تفصیل:

سوال: مندرجہ ذیل صورتوں میں حکم شرع کیا ہے؟

(۱) زید نے اپنے بیٹے بکر کو عمدا یا خطأً قتل کیا۔

② بکر نے اپنے باپ زید کو عمداً یا خطأً قتل کردیا۔

③ کسی نے اپنے سگے بھائی کو عمداً یا خطأً قتل کردیا۔

ان تمام صورتوں میں باپ بیٹے اور بھائیوں کے درمیان قصاص، دیت اور وراثت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

① خطأً و عمد دونوں صورتوں میں باپ پر دیت واجب ہوگی، قتل خطأ میں باپ کے عاقلہ پر اور عمد میں باپ کے اپنے مال میں۔

②، ③ باپ اور بھائی کے قاتل کو عمد کی صورت میں قصاصاً قتل کیا جائے گا اور خطأ کی صورت میں اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔

تینوں صورتوں میں قتل خطأ ہو تو کفارہ بھی واجب ہوگا اور میراث سے بہرصورت محروم رہے گا خواہ قتل عمداً ہو یا خطأً۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: والفرع باصلہ وان علا لا عکسہ خلافا لمالک رحمہ اللہ تعالیٰ فیما اذا ذبح ابنہ ذبحا ای لا یقتص للاصول وان علوا مطلقا ولو امہات من قبل الام فی نفس او اطراف بفروعھم وان سفلوا لقولہ علیہ السلام لا یقاد الوالد بولدہ وھو وصف معلل بالجزئیۃ فیتعدی لمن علا لانھم اسباب فی احیائہ فلا یکون سببا لافنائھم وحینئذ تجب الدیۃ فی مال الاب فی ثلاث سنین لان ھذا عمد والعاقلۃ لا تعقل العمد (رد المحتار ص۳۴۶ ج۵)

وقال ایضا: فی بیان القتل العمد وموجبہ الاثم والقود عینا لا الکفارۃ لانہ کبیرۃ محضۃ (رد المحتار ص۳۳۹ ج۵)

وقال ایضا: وکل ذلک یوجب حرمان الارث لو الجانی مکلفا ابن کمال۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وکل ذلک) ای ما تقدم من اقسام القتل الغیر المأذون فیھا (رد المحتار ص۳۴۰ ج۵)

وفی الھندیۃ: وان کان الوالد قتل ولدہ خطأً فالدیۃ علی عاقلتہ

وعلیہ الکفارۃ فی الخطأ (عالمگیریۃ ص ج ۶) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ محرم ۹۰ھ

عفو کے بعد مطالبۂ قصاص جائز نہیں:

سوال: اولیاء مقتول نے دو گواہوں کے سامنے قاتل کو معاف کر دیا، اب انہیں دوبارہ قصاص کا مطالبہ کرنے کا حق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایک مرتبہ معاف کرنے سے حق قصاص ہمیشہ کے لئے ساقط ہو گیا، اب دوبارہ مطالبہ جائز نہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۸ صفر ۹۰ھ

منصوبہ ایک کے قتل کا تھا قتل دوسرا ہو گیا:

سوال: عمرو، بکر پر قتل کی سازش کا دعویٰ کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ زید نے جن چار اشخاص کو اس کے قتل پر مامور کیا تھا انہوں نے اس کی بجائے اس کے باپ کو قتل کر دیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں آمر و مامورین کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امر قتل ہی گناہ کبیرہ ہے، خواہ اس پر کوئی قتل ہو یا نہ ہو، لہٰذا امر پر توبہ و استغفار لازم ہے اور مامورین جو مباشرین قتل ہیں ان سے قصاص لیا جائے گا اگرچہ انہوں نے غیر مقصود کو قتل کیا ہے، کیونکہ یہ قتل عمد ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۵ محرم ۹۱ھ

ضرب بالمثقل بقصد قتل موجب قصاص ہے:

سوال: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قتل شبہ عمد کی تعریف یہ کی ہے کہ عمداً ایسی چیز سے قتل کیا جائے جو نہ ہتھیار ہو اور نہ ہتھیار کے قائم مقام ہو کما فی الہدایۃ ص ج ۴۔ صاحبین رحمہما اللہ نے یہ تعریف کی ہے:

ان یتعمد ضربہ بما لا یقتل بہ غالبا (ہدایۃ ص ج ۴)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب بھی صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے مطابق ہے،

لہذا بڑے پتھر یا بڑی لاٹھی سے قتل یا زیادہ پانی میں غرق کرکے یا پہاڑی سے گرا کر غرض ایسی چیز سے جو اجزاء کو کاٹ کر جدا نہ کرے قتل کرنا امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شبہ عمد ہوگا اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں قتل عمد ہوگا۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے آلۂ قتل سلاح وغیرہ کو نیت قتل کا مظہر قرار دیا ہے، لہذا سلاح سے قتل قتل عمد ہوگا اور غیر سلاح سے قتل قتل شبہ عمد ہوگا۔ جبکہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مایقتل بہ غالباً سے عمد ہوگا اور مالا یقتل بہ غالباً شبہ عمد ہوگا۔

دریافت طلب یہ ہے کہ اس دور میں قتل بالمثقل کے واقعات بکثرت ہیں، اسی طرح آلۂ جارحہ سے قتل بھی روزمرہ کا معمول ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کو اگر ملکی قانون کا درجہ دیا جائے تو خطرہ ہے کہ قتل کے واقعات میں اضافہ ہو جائے گا، کیونکہ شبہ عمد کی سزا دیت ہے اور آج کل لوگوں کے پاس روپیہ عام ہے، پھر روپیہ ادا کرنے میں بھی بہت سہولت ہے کہ خود تو عاقلہ دیت ادا کریں گے، مزید یہ کہ تین سال تک ادا کرنے کی مہلت ہے۔

اس کے مقابل صاحبین رحمہما اللہ کی تعریف اس دور کے مناسب ہے اور شرح عقود رسم المفتی کی عبارت ذیل سے واضح ہے کہ قضاء کے معاملہ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا۔

وفی القنیۃ مزیاب المفتی بالفتوی علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فیما یتعلق بالقضاء لزیادۃ تجربتہ کذا فی البزازیۃ من القضاء۔ (شرح عقود رسم المفتی ص ۲۹)

نیز اس کتاب کے ص ۵۱ پر تصریح ہے کہ صاحبین رحمہما اللہ کا قول درحقیقت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کے کسی اصل کی فرع ہوتا ہے۔ خود امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی شبہ عمد ہونے کے لئے یہ شرط لگاتے ہیں کہ ضارب کا قصد صرف تادیب کا ہو اتلاف نفس کا نہ ہو، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر قصد اتلاف نفس کا ہو تو قتل بالمثقل ان کے نزدیک بھی عمد میں داخل ہوگا۔ جیسا کہ عبارت ذیل میں اس کی تصریح ہے۔

یشترط عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ای فی شبہ العمد ان یقصد التادیب دون الاتلاف (رد المحتار ص ۳۴۳ ج ۵)

اعلاء السنن جلد ۱۸ میں بھی قتل بالمثقل بقصد القتل سے وجوب قصاص کا ذکر موجود ہے۔

اس تفصیل کے پیش نظر اگر دور حاضر میں صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ دیا جائے تو احادیث ذیل کا کیا جواب ہوگا؟

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتیل السوط و العصا شبہ العمد۔

(۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا ان قتیل خطأ العمد بالسوط والعصا والحجر فیہ دیۃ مغلظۃ مائۃ من الابل فیہا اربعون خلفۃ فی بطونہا اولادھا (احکام القرآن باب شبہ العمد ص ۲۰۸ ج ۲) بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شبہ عمد میں قصد التأدیب دون الاتلاف کی شرط نص ہے کہ ضرب بالمثقل بقصد الاتلاف عمد ہے، پھر علم قصد کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ قاتل خود اس کا اقرار کرے دوسری یہ کہ قرائن ظاہرہ موجبۃ یقین موجود ہوں۔

قال العلامۃ الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ای فی شبہ العمد بقصد التأدیب الخ) یوافقہ ما قالہ الزیلعی وانما سمی ہذا النوع شبہ عمد لان فیہ قصد الفعل لا القتل فکان عمدا باعتبار نفس الفعل وخطأ باعتبار القتل اھ ویوافقہ ما ذکرہ ایضا فی الاستدلال لمذہب الامام رحمہ اللہ تعالیٰ وعلی ہذا اذا اقر بقصد قتلہ بما ذکر یقتص منہ عندہ۔

(التحریر المختار ص ۲۳۳ ج ۲)

جزئیہ مذکورہ میں اگرچہ صرف اقرار قصد مذکور ہے، مگر قرائن ظاہرہ کو بھی اثبات قصد میں مؤثر تسلیم کیا گیا کما فی کنایات الطلاق عند المذاکرۃ، بلکہ قرائن ظاہرہ کو توجیب حکم قرار دیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں قتل خطأ و قتل عمد کی جو سزا مذکور ہے وہ اس پر نص ہے کہ غیر محدد کا قتیل بھی بقصد قتل قتیل عمد ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سوال میں مذکورہ احادیث میں قتل بلا قصد مراد ہے، لہٰذا کسی کی تحقیق میں اگر قصد قتل ثابت ہو جائے تو قصاص کا حکم ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳ ربیع الاول ۹۹ھ

آمر پر قصاص نہیں:

سوال: ایک مل کے مالک نے کچھ غنڈوں کے ذریعے مزدوروں کی انجمن کے لیڈر کو قتل کروا دیا، کیا مقتول کے ورثہ کے لئے مل کے مالک یا اس کے کسی لڑکے کو قتل کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اصل قاتل کو بشرائط معہودہ قتل کر سکتے ہیں (جو عنوان "حق قصاص کی تفصیل" کے تحت گزر چکی ہیں)، قتل کا حکم دینے والے کو قتل کرنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۵ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۸۲ھ

غیر وارث کا صلح کرنا مسقط قصاص نہیں:

سوال: ایک مقتول کے ورثہ حسب ذیل ہیں:

والدہ، بیوی، تین بہنیں، ایک نابالغ لڑکا اور ایک ماموں زاد بھائی کا لڑکا جو مقتول کا بہنوئی بھی ہے۔

مقتول کی والدہ اور بیوی نے اس کے بہنوئی کو قاتل سے مقدمہ لڑنے کے لئے بحیثیت مدعی کے مختار نامہ دیا کہ آپ ہماری طرف سے مقدمہ کے مدعی ہیں۔ اب اگر قاتل سے صلح کی صورت پیش آئے تو کیا یہ بہنوئی دوسرے ورثہ کی رضامندی کے بغیر صلح کر سکتا ہے یا نہیں؟ دوسرے ورثہ میں سے کوئی ایک دوسروں کی رضا کے بغیر صلح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

طلب قصاص ورثہ کا حق ہے، لہٰذا ان میں سے کوئی ایک بھی معاف کر دے یا صلح کر لے تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ جو ورثہ راضی نہ ہوں ان کو ان کے حصہ کی دیت ملے گی۔

سوال میں مذکورہ اشخاص میں سے ماموں زاد کا لڑکا وارث نہیں، اس لئے اس کا صلح کرنا یا معاف کر دینا غیر معتبر ہے۔

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویسقط القود بموت القاتل وبعفو الاولیاء وبصلحھم علی مال ولو قلیلا ویجب حالا و

بجعلوا احدھم وعفوہ ولمن بقی حصتہ من الدیۃ (رد المحتار ص ۳۲۵ ج ۵)

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ القود یثبت للورثۃ) قال فی الخانیۃ یستحق القصاص من یستحق میراثہ علی فرائض اللہ تعالیٰ یدخل فیہ الزوج والزوجۃ اھ (رد المحتار ص ۳۲۶ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ

ورثہ میں سے کچھ نابالغ ہوں تو قصاص کا حکم:

سوال: اگر مقتول کے ورثہ میں سے ایک دو نابالغ ہوں تو قصاص لینے کے لئے ان کے بلوغ کا انتظار کیا جائے یا فی الحال قصاص لینا بھی جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

فی الحال قصاص لینا جائز ہے، بلوغ صبیان کا انتظار ضروری نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وللکبار القود قبل کبر الصغار خلافا لھما والاصل ان کل ما لا یتجزی اذا وجد سببہ کاملا ثبت لکل علی الکمال کولایۃ النکاح والامان الا اذا کان الکبیر اجنبیا عن الصغیر فلا یملک القود حتی یبلغ الصغیر اجماعا زیلعی فلیحفظ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ خلافا لھما) فعندھما لیس لھم ذلک لان للصغیر حقا فلا ینفرد الکبیر بالاستیفاء کما لو کان مشترکا بین کبیرین واحدھم غائب (قولہ والاصل الخ) استدلال لقول الامام قال فی الھدایۃ ولہ انہ حق لا یتجزی لثبوتہ بسبب لا یتجزی وھو القرابۃ واحتمال العفو من الصغیر منقطع ای فی الحال فیثبت لکل واحد کملا کما فی ولایۃ الانکاح بخلاف الکبیرین لان احتمال العفو من الغائب ثابت اھ (رد المحتار ص ۳۲۶ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ

حکومت کے فیصلہ کے بغیر قصاص لینا:

سوال: ہمارے زمانہ میں حکومت اسلامی اصول کے مطابق فیصلہ نہیں کرتی، کیا اولیاء مقتول حکومت کے فیصلہ کے بغیر خود قاتل سے قصاص لے سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اولیاء کو خود قصاص لینے کی اجازت چند شرائط کے ساتھ مقید ہے جن کا وجود متعسر ہے، لہذا احتیاط لازم ہے، ان شرائط کی تفصیل عنوان "حق قصاص کی تعیین" کے تحت پیچھے گزر چکی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

[illegible] ذی القعدۃ سنہ [illegible]ھ

قاتل کے رشتہ دار کو قتل کرنا جائز نہیں:

سوال: کیا اولیاء مقتول کے لئے یہ جائز ہے کہ مقتول کے بدلے قاتل کے اقرباء میں سے کسی کو قتل کردیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

[illegible] ذی القعدۃ سنہ [illegible]ھ

امام سے بھی قصاص لیا جائے گا:

سوال: اگر امام یعنی خلیفہ کسی کو قتل کردے تو اس پر قصاص ہوگا یا نہیں؟ اگر قصاص ہے تو اس سے قصاص کون لے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خلیفہ سے بھی قصاص لیا جائے گا اور اس کا حق ولی مقتول کو ہے، خلیفہ خود کو اس کے سپرد کردے، ورنہ ولی مقتول مسلمانوں کی قوت سے مدد لے کر خلیفہ سے قصاص لے سکتا ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: والخلیفۃ الذی لا والی فوقہ یؤخذ بالقصاص والاموال لانہما من حقوق العباد فیستوفیہ ولی الحق اما بتمکینہ او بمنعۃ المسلمین۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ اما بتمکینہ) ای تمکین الخلیفۃ ولی الحق من الاستیفاء (رد المحتار ص۱۵۵ ج ۳)

وقال الامام ابن الھمام رحمہ اللہ تعالی تحت قولہ ولا یؤاخذ بہ کالقصاص والمال، بخلاف حقوق العباد کالقصاص وضمان المتلفات لان حق استیفائها لمن لہ الحق ویکون الامام فیہ کغیرہ وان احتاج الی المنعۃ فالمسلمون منعتہ فیقدر بہم علی الاستیفاء فکان الوجوب مفیدا (فتح القدیر ص۱۵۵ ج۵)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۳ رجب سنہ ۱۳۸۲ھ

قتل بالاکراہ میں قصاص کس پر ہے؟ :

سوال : اکراہ کی صورت میں قصاص کس پر ہے، مکرہ یا مکرہ پر؟ مکرہ اگر قاضی یا سلطان ہو تو اس کا حکم وہ مکرہ جیسا ہی ہے یا مختلف؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اکراہ ملجی میں قصاص مکرہ یعنی آمر پر ہے اور غیر ملجی میں مامور پر۔ سلطان وغیر سلطان میں کوئی فرق نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی : ویقاد فی القتل العمد المکرہ بالکسر لو مکلفا علی ما فی المبسوط خلافا لما فی النهایۃ فقط لان القاتل کالآلۃ واوجبہ الشافعی رحمہ اللہ تعالی علیهما ونفاہ ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی عنهما للشبهۃ۔

وقال العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالی : (قولہ لان القاتل کالآلۃ) وهذا قول الامام ومحمد رحمهما اللہ تعالی قال فی التبیین هما انہ محمول علی القتل بطبعہ ایثارا لحیاتہ فیصیر آلۃ للمکرہ فیما یصلح ان یکون آلۃ لہ وهو الاتلاف دون الاثم وهذا لان الآلۃ هی التی تعمل بطبعها کالسیف فان طبعہ القتل عند الاستعمال فی محلہ وکالنار فان طبعها الاحراق وکالماء فان طبعہ الاغراق وباستعمال الآلۃ یجب القصاص علی المستعمل فکذا هنا اھ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ص ۶۳ ج ۴)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی : (قولہ ویقاد فی القتل العمد المکرہ فقط) یعنی انہ لا یباح الاقدام علی القتل بالملجی ولو قتل اثم

و یقتص الحامل و یحرم المیراث لو بالغا و یقتص المکرہ من الحامل و یرثہا

شرنبلالیۃ (ردالمحتار ص ۔۔ ج ۵)

وقال رحمہ اللہ تعالیٰ ایضا: وحکمہ اذا حصل بملجئ ان ینقل الفعل الی الحامل فیما یصلح ان یکون المکرہ آلۃ للحامل کأنہ فعلہ بنفسہ کاتلاف النفس والمال والا یصلح ان یکون آلۃ لہ اقتصر علی المکرہ کأنہ فعلہ باختیارہ مثل الاقوال والاکل (ردالمحتار ص ۔۔ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۶ ذی الحجۃ ۹۲ھ

تحقیق آلۂ جارحہ للعمد:

سوال: تحقق قتل عمد کے لئے آلۂ قتل کا محدد اور لوہے کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ تفصیل کو مع متون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تحقق قتل عمد کے لئے آلہ لوہے کا ہونا شرط نہیں، دوسری اشیاء لکڑی، پتھر، بانس وغیرہ کا ہونا بھی کافی ہے۔ البتہ لوہے یا اس جیسی دوسری دھاتوں پیتل وغیرہ میں محدد ہونا شرط نہیں، جبکہ لکڑی وغیرہ میں محدد ہونا ضروری ہے۔

نیز آگ بھی آلۂ جارحہ ہے۔

قال العلامۃ ابوبکر بن علی الحداد رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ فالعمد ما تعمد ضربہ بسلاح او ما اجری مجری السلاح فی تفریق الاجزاء کالمحدد من الخشب والحجر والنار) العمد ما تعمد قتلہ بالحدید کالسیف والسکین والرمح والخنجر والنشابۃ والابرۃ والاشفاء وجمیع ما کان من الحدید سواء کان یقطع او یبضع او یرض کالسیف ومطرقۃ الحداد والزبرۃ وغیر ذلک سواء کان الغالب منہا الہلاک ام لا ولا یشترط الحد فی الحدید فی ظاہر الروایۃ لانہ وضع للقتل قال اللہ تعالیٰ وانزلنا الحدید فیہ باس شدید وکذا ما یشبہ الحدید کالصفر والرصاص والذہب والفضۃ سواء کان یبضع او یرض حتی لو قتلہ بمثقل منہا یجب علیہ القصاص

كما اذا ضربه بعمود من صفر او رصاص (قوله او بما اجرى مجرى السلاح في تفريق الاجزاء) كالزجاج والليطة والمروة المحددة وكل ما كان يقع به الذكاة اذا قتله به ففيه القصاص (الجوهرة النيرة ص[illegible] ج ۲)
والله سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ

قصاص میں ترک شہادۃ جائز نہیں:

سوال: گواہ کے لئے مقدمۂ قصاص میں شہادت کو چھپانا جائز ہے یا نہیں؟
بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر ولی مقتول کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے تو اس کے حقیقۃً مطالبہ کے بغیر بھی شہادت دینا واجب ہے، چھپانا جائز نہیں، لیکن یہ وجوب شروط سبعہ کے ساتھ مشروط ہے۔

(۱) قاضی عادل ہو۔

(۲) شاہد کی رہائش عدالت سے اتنے فاصلے پر ہو کہ صبح جاکر شام کو واپس گھر پہنچ سکتا ہو۔

(۳) قبول شہادت کا یقین ہو۔

(۴) مدعی کی طرف سے شہادت کا مطالبہ ہو، خواہ حقیقۃً جبکہ اسے شاہد کا علم ہو، خواہ حکماً جبکہ اسے علم نہ ہو اور عدم شہادت کی وجہ سے اس کا حق ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔

(۵) دیگر کوئی شاہد نہ ہو۔

(۶) شاہد کو مشہود بہ کے بطلان کا علم نہ ہو۔

(۷) شہادۃ علی الاقرار کی صورت میں اقرار بوجہ خوف کا علم نہ ہو۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: وتجب اداؤها بالطلب ولو حكما كما مر لكن وجوبه بشروط سبعة مبسوطة في البحر وغيره منها عدالة قاض وقرب مكانه وعلمه بقبوله او بكونه اسرع قبولا وطلب المدعي لو في حق العبد ان لم يوجد بدله اي بدل الشاهد لانها فرض كفاية تتعين لو لم يكن الا شاهدان لتحمل او اداء۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: (قوله کما مر) وهو قوله او خوف فوت حقه (قوله وقرب مکانه) فان کان بعیدا بحیث لا یمکنه ان یغدو الی القاضی لاداء الشهادة ویرجع الی اهله فی یومه ذلک قالوا لا یأثم لانه یلحقه ضرر بذلک قال تعالی ولا یضار کاتب ولا شهید بحر (قوله ان لم یوجد بدله) هذا هو خامس الشروط واما الاثنان الباقیان فهما ان لا یعلم بطلان المشهود به وان لا یعلم ان المقر اقر خوفا ح (رد المحتار ص[illegible] ج ۴)

والله سبحانه وتعالی اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ [illegible]

کتاب الدیات والحدود

دیت وعاقلہ کی تفصیل:

سوال: قتل خطاء کی صورت میں قاتل کے عاقلہ پر دیت لازم ہوتی ہے، سوال یہ ہے کہ دیت کتنی ہوگی؟ اور اس کے ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ نیز عاقلہ سے کیا مراد ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دیت کی تین صورتیں ہیں:

(۱) دس ہزار درہم چاندی یا اس کی قیمت، ایک درہم = ۳ر۴۰۲ گرام۔
دس ہزار درہم = ۳۴ر۰۲ کلوگرام۔

(۲) ایک ہزار دینار سونا یا اس کی قیمت، ایک دینار = ۴ر۸۶ گرام۔
ہزار دینار = ۴ر۸۶ کلوگرام

(۳) سو اونٹ یا ان کی قیمت، یہ اونٹ پانچ قسم کے ہوں گے:

(۱) یک سالہ بیس اونٹنیاں۔
(۲) یک سالہ بیس اونٹ۔
(۳) دو سالہ بیس اونٹنیاں۔
(۴) تین سال کی بیس اونٹنیاں۔
(۵) چار سالہ بیس اونٹنیاں۔

تعداد مذکور مرد کی دیت ہے، عورت کی دیت اس سے نصف ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ دیت کی ان انواع میں سے کسی ایک کی تعیین کا اختیار قاتل کو ہے یا قاضی کو؟ قول اول راجح معلوم ہوتا ہے، معہذا قول ثانی کے مطابق قاضی نے تعیین کردی تو جائز اور نافذ ہے۔

عاقلہ کی تفصیل:

اگر قاتل اہل دیوان سے ہو تو اس کے عاقلہ اہل دیوان ہیں، یعنی وہ عاقل بالغ مرد

جن کے نام سرکاری دفتر میں اس لئے درج ہوں کہ وہ کسی خدمت کے عوض یا بوجہ ضرورت سرکاری خزانہ سے وظیفہ پا رہے ہوں، اسی لئے ان کو اہل عطاء بھی کہا جاتا ہے۔ سب سے پہلے اہل دیوان کی وہ جماعت جس سے قاتل کا تعلق ہو، دیت وصول کرنے کی آئندہ تفصیل کے مطابق اگر یہ جماعت کافی نہ ہو تو اس سے اوپر کی جماعت کو شامل کیا جائے گا، پھر اس سے اوپر کی جماعت کو۔

اس دور میں سرکاری دفاتر میں عورتوں کی ملازمت عام ہے، بنظر نقصان دیوانی عورتوں کو عاقلہ میں شمار کرنا چاہیے۔

عاقلہ کا مدار تناصر پر ہے، اس زمانہ میں تناصر کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً سیاسی جماعتیں اہل حرفت، صنعتکاروں، تاجروں اور مزدوروں وغیرہ کی تنظیمیں، لہذا اگر قاتل کسی سیاسی جماعت یا کسی تنظیم کا رکن ہوگا تو اس کی عاقلہ یہ جماعت یا تنظیم ہوگی۔

اگر قاتل اہل دیوان سے نہ ہو اور کسی تنظیم یا سیاسی جماعت کا رکن بھی نہ ہو تو اس کے عاقلہ اس کے عصبات ہیں اور ان پر وجوب دیت علی ترتیب الارث ہے: پہلے ابناء پھر آباء، پھر بھائی پھر بھتیجے پھر چچے پھر چچا زاد۔

قاتل سے بھی حصہ دیت وصول کیا جائے گا، خواہ وہ اہل دیوان سے ہو یا نہ ہو۔

واضطربت اقوال الفقہاء رحمہم اللہ تعالی فی ذلک والصحیح ما حررناہ۔

نساء، صبیان و مجانین پر دیت نہیں، اگرچہ قاتل ہوں۔

اگر قاتل کے عاقلہ نہ ہوں تو بیت المال سے تین سالوں میں دیت ادا کی جائے گی، بشرطیکہ قاتل مسلم ہو اور اس کا کوئی وارث معروف نہ ہو، مثلاً لقیط ہو یا کوئی حربی اسلام لے آیا ہو، اگر قاتل ذمی ہو یا اس کا کوئی معروف وارث ہو، خواہ کتنا ہی بعید ہو یا بوجہ رق یا کفر محروم ہی ہو تو دیت بیت المال میں نہیں بلکہ قاتل کے اپنے مال میں ہے، اسی طرح بیت المال پر دیت ہونے کی صورت میں اگر بیت المال موجود نہ ہو یا اس میں گنجائش نہ ہو تو دیت قاتل کے مال میں ہوگی جو تین سالوں میں وصول کی جائے گی۔

دیت وصول کرنے کا طریقہ:

دیت تین سالوں میں وصول کی جائے گی، ایک شخص سے ایک سال میں ایک درہم [illegible] گرام سے زیادہ نہیں لئے جائیں گے۔

قال الامام قاضیخان رحمه الله تعالیٰ: ویدخل الآباء والابناء فی العاقلة. (خانیة بهامش الهندیة ص ۴۴۳ ج ۳)

وقال العلامة ابو السعود رحمه الله تعالیٰ: (قوله فقیل یدخلون) لقربهم وقیل لا یدخلون لان الضم لنفی الحرج حتی لا یصیب کل واحد اکثر من ثلاثة او اربعة وهذا المعنی انما یتحقق عند الکثرة والآباء والابناء لا یکثرون کذا فی الهدایة والزیلعی والاول جزم قاضیخان بأن القاتل وابنه من جملة العواقل ولم یحک فیه خلافا (فتح المعین ص ۴۲۳ ج ۳)

وقال العلامة قاضی زاده الافندی رحمه الله تعالیٰ: (قوله وقیل لا یدخلون لان الضم لنفی الحرج حتی لا یصیب کل واحد اکثر من ثلاثة او اربعة وهذا المعنی انما یتحقق عند الکثرة والآباء والابناء لا یکثرون) اقول فیه کلام وهو ان عدم کثرة الآباء مسلم واما عدم کثرة الابناء وکثرة الاخوة فممنوع کیف واخوته ابناء ابیه فاذا جاز ان یکثر ابناء ابیه فلم لا یجوز ان یکثر ابناء نفسه فتأمل (نتائج الافکار ص ۳۲۱ ج ۹)

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: وآباء القاتل وابناؤه لا یدخلون فی العاقلة وقیل یدخلون (رد المحتار ص ۴۱۱ ج ۵)

وقال العلامة الرافعی رحمه الله تعالیٰ: (قوله وآباء القاتل وابناؤه لا یدخلون فی العاقلة وقیل یدخلون) قال الزیلعی رحمه الله تعالیٰ واختلفوا فی آباء القاتل وابنائه قیل یدخلون لقربهم وقیل لا یدخلون لان الضم لدفع الحرج حتی لا یصیب کل واحد اکثر من اربعة وهذا المعنی انما یتحقق عند الکثرة والآباء والابناء لا یکثرون اهـ ولم یظهر التعلیل الثانی ثم رأیت فی تکملة الفتح نظر فیه بأن اخوته ابناء ابیه وجاز ان یکثروا فلم لا یجوز ان یکون ابناؤه کذلک اهـ (التحریر المختار ص ۲۲۴ ج ۲)

وقال ملک العلماء الامام الکاسانی رحمه الله تعالیٰ: ثم الوجوب علی القاتل فیما تتحمله العاقلة قول عامة المشایخ وقال بعضهم کل الدیة فی هذا النوع تجب علی الکل ابتداء القاتل والعاقلة جمیعا والصحیح هو الاول لقوله

فی اهله ومعناه فلیحرر رقبة ویؤد وهذا خطاب للقاتل لا للعاقلة فدل علی ان
الوجوب علی القاتل ولما ذکرنا ان سبب الوجوب هو القتل وانه
وجد من القاتل لا من العاقلة فکان الوجوب علیه لا علی العاقلة وانما
العاقلة تتحمل دیة واجبة علیه ثم دخول القاتل مع العاقلة فی التحمل
مذهبنا وقال الشافعی رحمه الله تعالی لا یدخل معهم (بدائع ص۲۵۵ ج ۷)

وقال ایضا: ویدخل القاتل مع العاقلة ویکون فیما یؤدی کاحدهم
لان العاقلة تتحمل جنایة وجدت منه وضمانا وجب علیه فکان هو
اولی بالتحمل (بدائع ص۲۵۶ ج ۷)

وقال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالی: (والقاتل عندنا کاحدهم
ولو امرأة او صبیا او مجنونا فیشارکهم علی الصحیح زیلعی)۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: (قوله والقاتل عندنا
کاحدهم) یعنی اذا کان من اهل العطاء واما اذا لم یکن فلا شیء
علیه من الدیة عندنا ایضا ذکره فی المبسوط وعند الشافعی رحمه الله
تعالی لا شیء علیه مطلقا معراج. (رد المحتار ص۴۵۶ ج ۵)

وقال العلامة الرافعی رحمه الله تعالی: (قوله ذکره فی المبسوط) وفی
العنایة یعنی اذا کان القاتل من اهل الدیوان اما اذا لم یکن فلا شیء
علیه عندنا من الدیة کما لا تجب عند الشافعی رحمه الله تعالی لکن تعلیل
المسألة یفید الدخول مطلقا (التحریر المختار ص۳۴۲ ج ۲)

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: (قوله فیشارکهم علی
الصحیح) تقدم فی القسامة انه اختیار المتأخرین ومشی فی الهدایة
هنا علی عدم المشارکة قال فی الکفایة وهو اختیار الطحاوی وهو الاصح
وهو اصل روایة محمد رحمه الله تعالی اه لکن ذکر فی العنایة ان ما تقدم
انما هو فیما اذا وجد القتیل فی دار امرأة فادخلها المتأخرون مع العاقلة
لتقدیرها قاتلة بسبب وجوب القسامة اما ما هنا فهو فیما اذا کانت قاتلة
حقیقة والفرق ان القسامة تستلزم وجوب الدیة علی المقسم اما بالاستقلال

واما بالدخول فی العاقلۃ عندنا بالاستقراء وقد تحقق الملزوم فتحقق اللازم بخلاف القتل مباشرۃ فانہ قد لا یستلزم الدیۃ اھ ملخصا وعلیہ فلیس فی المسألۃ اختلاف تصحیح لاختلاف الموضوع فتأمل۔

(رد المحتار ص۵۱۲ ج ۵)

قال فی الھندیۃ: ولیس علی النساء والذریۃ ممن کان لہ عطاء فی الدیوان عقل وعلی ھذا لو کان القاتل صبیا او امرأۃ لاشیٔ علیہم من الدیۃ کذا فی الکافی (عالمگیریۃ ص۸۳ ج ۶)

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وتقسم الدیۃ علیھم فی ثلاث سنین لا یؤخذ فی سنۃ الا درھم او درھم وثلث ولم تزد علی کل واحد من کل الدیۃ فی ثلاث سنین علی اربعۃ علی الاصح فان لم تتسع القبیلۃ لذلک ضم الیھم اقرب القبائل نسبا علی ترتیب العصبات۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ علی الاصح) وقیل یؤخذ من کل واحد فی کل سنۃ ثلاثۃ دراھم او اربعۃ کما فی الملتقی (رد المحتار ص۵۱۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ محرم ۱۴۰۸ھ

بچہ ماں کے نیچے دب کر مرگیا:

سوال: ایک عورت بچے کو ساتھ لٹا کر سوگئی، سوتے میں غیر شعوری طور پر بچہ اس کے پہلو کے نیچے دب گیا اور سانس بند ہو کر مرگیا، اس عورت کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کے احکام کی تفصیل یہ ہے:

(۱) ماں بے احتیاطی کی وجہ سے بہت سخت گناہگار ہوئی، اس پر توبہ واجب ہے۔

(۲) کفارہ: اعتاق رقبۂ مؤمنہ، اس پر قدرت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے، قمری ماہ کی پہلی تاریخ کو شروع کرے تو چاند کے حساب سے دو ماہ شمار ہوں گے، ورنہ ساٹھ روزے پورے کرے۔

(۳) اس بچہ کی میراث سے محروم ہے، دیت بھی بچہ کی میراث میں داخل ہے۔
(۴) اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲ محرم ۱۴۰۵ھ

حکم قتل خطأ:

سوال: شادی کی ایک تقریب میں کچھ لوگوں نے ہوائی فائرنگ کی، اتفاق سے ایک شخص کو گولی لگ گئی اور وہ مرگیا۔ اس کا کیا حکم ہے؟ اس کی دیت واجب ہے یا نہیں۔ اگر پوری دیت کی بجائے پچیس ہزار روپے پر اتفاق ہوجائے تو صحیح ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ دیت یا کچھ رقم پر صلح کا حکم اس وقت ہے جب جان بوجھ کر مارا ہو، اگر جان بوجھ کر نہیں مارا تو روپے دینا جائز نہیں۔ شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ قتل خطأ ہے جس کے احکام یہ ہیں:

(۱) عاقلہ پر دیت۔
(۲) قاتل پر کفارہ، یعنی اعتاق رقبۂ مؤمنہ، اس کی قدرت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے۔
(۳) توبہ واستغفار۔

سوال میں صلح کی مذکورہ صورت جائز ہے لیکن روپے مجلس صلح ہی میں دینا ضروری ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وموجبہ ای موجب هذا النوع من الفعل وهو الخطأ وما جری مجراہ الکفارۃ والدیۃ علی العاقلۃ والاثم دون اثم القتل اذ الکفارۃ تؤذن بالاثم لترک العزیمۃ (رد المحتار ص ۳۴۲ ج ۵)

وقال فی الصلح لو صالح بغیر مقدیرھا صح لکن بشرط المجلس لئلا یکون دینا بدین (رد المحتار ص ۴۷۸ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرہ ذی القعدۃ ۱۴۰۵ھ

قتل خطأ میں والدہ کی ذمہ سے کفارہ اور دیت ساقط نہیں ہوتے:

سوال: جیسے قتل عمد میں والدہ سے قصاص ساقط ہوجاتا ہے ایسے ہی قتل خطأ میں

اس سے دیت اور کفارہ بھی ساقط ہو جاتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

والدین سے صرف قصاص ساقط ہوتا ہے، دیت اور کفارہ ساقط نہیں ہوتے۔

قال فی الهندیة: وان کان الوالد قتل ولده خطأً فالدیة علی عاقلته و
وعلیه الکفارة فی الخطأ (عالمگیریة ص ۳ ج ۶) واللہ سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ / صفر ۹۷ھ

قاضی کو تاجیل دیت کے اسقاط کا اختیار نہیں:

سوال: کیا قاضی قتل خطأ یا شبہ عمد میں تاجیل ثلاث سنین کو ختم کرکے حالاً دیت
کو واجب قرار دے سکتا ہے؟ کیونکہ تو ولی مقتول کو قریبی رشتہ دار کے قتل کا صدمہ پہنچا،
دوسرے حق کو تین سال تک دیت کا انتظار کرنا پڑے گا، اگر کوئی گنجائش ہو تو تحریر فرمائیں۔
بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قتل خطأ میں دیت کی تاجیل باجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ثابت ہے، لہذا قاضی
کو اس کے اسقاط کا اختیار نہیں۔

البتہ قتل شبہ عمد میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تاجیل نہیں، ائمہ حنفیہ
رحمہم اللہ تعالیٰ کا تاجیل پر اتفاق ہے۔ لہذا اگر کبھی قاضی شافعی المسلک ہو اور وہ دیت حالاً
کا فیصلہ کر دے تو نافذ ہو جائے گا۔

قال الامام الکاسانی رحمه الله تعالیٰ: واختلف فی شبه العمد وفی العمد الذی
دخلته شبهة وهو الاب اذا قتل ابنه عمدا فقال اصحابنا رحمهم الله تعالیٰ انها
تجب مؤجلة فی ثلاث سنین الا ان دیة شبه العمد تتحملها العاقلة ودیة
العمد فی مال الاب وقال الشافعی رحمه الله دیة الاب کدیة العمد تجب حالا
وجه قوله ان سبب الوجوب وجد حالا فتجب الدیة حالا اذ الحکم یثبت
علی وفق السبب هو الاصل الا ان التأجیل فی الخطأ ثبت معدولا به عن
الاصل لاجماع الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم ویثبت معلولا بالتخفیف
علی القاتل حتی تحمل عنه العاقلة والعامد یستحق التغلیظ ولهذا وجب فی ماله

لا علی العاقلة ولنا ان وجوب الدیة لم یعرف الا بنص الکتاب العزیز وهو قوله تبارك وتعالی ومن قتل مؤمنا خطأ فتحریر رقبة مؤمنة ودیة مسلمة الی اهله والنص وان ورد بلفظ الخطأ لکن غیره ملحق به الا انه مجمل فی بیان القدر والوصف فبین علیه الصلوٰة والسلام قدر الدیة بقوله علیه الصلوٰة والسلام فی النفس المؤمنة مائة من الابل و بیان الوصف وهو الاجل ثبت باجماع الصحابة رضی الله تعالی عنهم بقضیة سیدنا عمر رضی الله تعالی عنه بمحضر منهم فصار الاجل وصفا لکل دیة وجبت بالنص (بدائع ص۲۵۶ ج۷) والله سبحانه وتعالی اعلم۔

۳ ربیع الاول سنہ ۱۹ھ

بس سے کچلنے کا حکم:

سوال: بس وغیرہ گاڑیوں کے مصادمہ سے کوئی شخص مارا جائے تو قتل خطأ شمار ہوگا یا قتل کی کوئی اور قسم ہوگی؟ ڈرائیور پر کفارہ اور اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی یا اس کا حکم کچھ اور ہوگا؟ عاقلہ کی تفصیل آج کل کیا ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ قتل خطأ ہے، ڈرائیور پر کفارہ اور عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔

عاقلہ اور دیت کی تفصیل عنوان "دیت وعاقلہ کی تفصیل" کے تحت گزر چکی ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرۃ ربیع الثانی سنہ ۱۹ھ

نصاب قطع ید:

سوال: حکومت نے یہ قانون بنایا ہے کہ سارق کے قطع ید کے لئے ۴ء۴۵۷ گرام سونا یعنی نصف تولہ سے زائد مالیت ضروری ہوگی، اس پر ہمیں کافی خلجان پیدا ہوا ہے کہ مروج نوٹ کے اعتبار سے اس کی تعداد اور حساب کیا ہونا چاہئے؟ ہر شخص اس مقدار کی مالیت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔

چونکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے قطع ید کے لئے کم از کم دس درہم کی مقدار متعین کی ہے جو دو تولہ ساڑھے ساتھ ماشہ چاندی کے برابر ہے کما صرح بہ المفتی الاعظم

رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتابہ "اوزان شرعیہ ص" تو کیا فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کے مقابلہ میں حکومت کا یہ قانون بنانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حکومت کے لئے خلاف شریعت قانون بنانے کا کوئی جواز نہیں۔

نصاب قطع ید دس درہم یا ایک دینار ہے، درہم ۳۰۶۱۸ گرام چاندی، دینار = ۴۸۶ر۴ گرام سونا۔

سونے اور چاندی کی قیمت کم و بیش ہوتی رہتی ہے، اس لئے اس کی نوٹ سے دائمی تعیین نہیں ہو سکتی۔

درہم و دینار کے وزن کی تحقیق بندہ کے رسالہ "بسط الباع لتحقیق الصاع" میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۹ھ

حدود کفارۂ سیئات نہیں:

سوال: کیا حدود جیسے مثلاً حد قذف، حد شرب خمر، حد زنا جاری ہونے کے بعد مرتکب جرم آخرت کے مواخذہ سے بری ہو جاتا ہے؟ یا اس کے لئے توبہ و استغفار بھی ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بدون توبہ مواخذہ اخرویہ سے نہیں چھوٹ سکتا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۹ھ

کسی کے ہاتھ سے بچہ گر کر مر گیا:

سوال: ایک شخص شفقت و پیار سے اپنے بچہ سے کھیل رہا تھا کہ اچانک بچہ اس کے ہاتھ سے گر کر ہلاک ہو گیا، اب شرعاً اس کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ قتل جاری مجرائے خطأ ہے، جس کا حکم یہ ہے:

(۱) توبہ۔ (۲) عاقلہ پر دیت۔

(۳) کفارہ۔ (۴) حرمان عن الارث۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: والرابع ما جرى مجرى الخطأ (الى قوله) وموجبه اي موجب هذا النوع من الفعل وهو الخطأ وما جرى مجراه الكفارة والدية على العاقلة والاثم دون اثم القتل اذ الكفارة تؤذن بالاثم لترك العزيمة (رد المحتار ص ... ج ۵)

وفي الهندية: وعن ابي القاسم في ابوين اذا لم يتعاهدا الصبي حتى سقط من سطح او مات او احترق بالنار لا شيء عليهما الا التوبة والاستغفار واختيار الفقيه ابي الليث رحمه الله تعالى على انه لا كفارة عليهما ولا على احدهما الا ان يسقط من يده والفتوى على ما اختاره ابو الليث رحمه الله تعالى كذا في الظهيرية (عالمگیریہ ص ۳۶ ج ۶) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۹ ربیع الاول [illegible]

جماع موجب اسقاط کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنی حاملہ بیوی سے جماع کرتا ہے جس سے حمل ساقط ہوجاتا ہے حالانکہ اس کو معلوم بھی ہے کہ اس سے حمل ساقط ہوجائے گا تو اس شخص پر کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟ حاملہ پر بھی کفارہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر جماع بطریق معروف کیا تو کسی پر کوئی ضمان نہیں، اگر غیر معروف طریقہ سے کیا اور زوجہ نے کوئی ایسی حرکت کی جو عموماً موجب اسقاط ہوتی ہے اور نیت اسقاط کی تو زوجہ کے عاقلہ پر ضمان غرہ واجب ہے جس کی مقدار یہ ہے:

۵۰۰ درہم = ۱.۵۳۱ کلوگرام چاندی ایک سال میں۔

واضح رہے کہ عاقلہ زوجہ پر وجوب ضمان کے لیے تین شرائط ہیں:

(۱) ایسی حرکت کی ہو جو عموماً مسقط ہو۔

(۲) بدون اذن زوج ہو۔

(۳) بنیت اسقاط ہو۔

اور اگر زوج نے ایسی حرکت کی جو عموماً مسقط ہوتی ہے تو اس کے عاقلہ پر ضمان غرہ ہے، اس میں نیت اسقاط شرط نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۵ جمادی الآخرہ [illegible]

عوام کو حدود جاری کرنے کا اختیار نہیں:

سوال: ہمارے والد صاحب آج سے تقریباً ۱۶ سال قبل افغانستان کی کمیونسٹ حکومت کی طرف سے گرفتار ہوئے اور آج تک ان کی موت وحیات کا کچھ پتہ نہیں۔ والد صاحب کی گرفتاری کے کچھ عرصہ بعد ہمارے چچا نے جو کہ غیر شادی شدہ ہے ہماری والدہ سے زنا کا ارتکاب کیا، جس کا والدہ نے اپنے بھائی اور اس کی بیوی اور اپنی بیٹی کے سامنے اقرار کیا، جب چچا سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ گھر میں اس طرح ہوتا رہتا ہے، اس زنا کی وجہ سے والدہ حاملہ ہوئی، ہمارے ایک دوسرے چچا نے ہماری والدہ کو اس بہانے سے کہ میں ایک لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، آپ چل کر اسے دیکھیں، لے جا کر وضع حمل کے بعد اسے قتل کر دیا۔ وہ اب بھی اس کا معترف ہے اور اسے بہت بڑا جہاد کہتا ہے، ہم نے کہا کہ آپ نے اپنے بھائی (زانی) کو کیوں قتل نہیں کیا تو وہ کہتا ہے کہ جب موقع ملا تو میں اسے بھی قتل کر دوں گا، حالانکہ اسے کئی بار موقع بھی مل چکا ہے، اب چونکہ ہم جوان ہو چکے ہیں، والدہ صاحبہ کا انتقام لینے کے لئے ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے، اب ازروئے شریعت ہمارے لئے اس زانی اور قاتل کو قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اجرائے حدود کا اختیار امام یا اس کے نائب کو ہے، عوام کو اس کا اختیار نہیں۔

قال الامام الکاسانی رحمه الله تعالیٰ: واما شرائط جواز اقامتها فمنها ما یعم الحدود کلها ومنها ما یخص البعض دون البعض اما الذی یعم الحدود کلها فهو الامامة وهو ان یکون المقیم للحد هو الامام او من ولاه الامام وهذا عندنا (الی ان قال) وبیان ذلک ان ولایة اقامة الحد انما ثبتت للامام لمصلحة العباد وهی صیانة انفسهم واموالهم واعراضهم لان القضاة یمتنعون من التعرض خوفا من اقامة الحد علیهم والمولی لا یساوی الامام فی هذا المعنی لان ذلک یقف علی الامامة والامام قادر علی الاقامة لشوکته ومنعته وانقیاد الرعیة له قهرا وجبرا ولا یخاف تبعة الجناة واتباعهم لانعدام المعارضة بینهم وبین الامام وتهمة المیل والمحاباة والتوانی عن الاقامة منتفیة فی حقه فیقیم علی وجهها فیحصل الغرض المشروع له الولایة بیقین (بدائع الصنائع ص ۵۷ ج ۷) والله سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ ربیع الثانی سنہ [illegible]

حد قذف معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتی:

سوال: قرآن کریم کا حکم ہے کہ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو اسی کوڑے مارو۔ اور ان کی شہادت قبول نہ کرو، وہ خود ہی فاسق ہیں، اگر کوئی پاک مردوں پر تہمت لگائے پھر ثابت نہ کر سکے تو اس پر بھی حد جاری ہوگی کیا اس صورت میں مردوں کو عدالت میں فیصلہ لانے کا حق ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ جب مقذوف عدالت میں گئے تو قاذف کو مجبور کیا جائے گا کہ الزام ثابت کرے، ورنہ ثابت نہ ہونے کی صورت میں اس پر حد جاری ہوگی، اور عدالت میں آنے کے بعد نہ عدالت اس کو معاف کر سکتی ہے نہ خود صاحب معاملہ، نہ کسی مالی تاوان پر معاملہ ختم ہو سکتا ہے، نہ توبہ کر سکے، ورنہ معافی مانگ کر بچ سکتا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سوال میں مذکور تفصیل صحیح ہے، مردوں کو بھی حد قذف طلب کرنے کا حق ہے اور مقذوف یا عدالت کے معاف کرنے سے حد قذف ساقط نہیں ہوتی، البتہ عفو مقذوف کی صورت میں صاحب حق کی طرف سے عدم طلب کی وجہ سے حد نہیں لگائی جائے گی، عفو مقذوف صحیح نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بعد العفو بھی اس کو طلب حد کا اختیار رہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ولا ارث فیہ خلافا للشافعی ولا رجوع بعد اقرار ولا اعتیاض ای اخذ عوض ولا صلح ولا عفو فیہ وعنہ نعم لو عفا المقذوف فلا حد لا لصحۃ العفو بل لترک الطلب حتی لو عاد وطلب حد شمنی ولذا لا یتم الحد الا بحضرتہ (رد المحتار ص۱۸۲ ج ۳) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۷ ذی الحجۃ سنہ ۹۲ھ

حکم تو بس اللہ ہی کا ہے

(۱۲—۶۷)
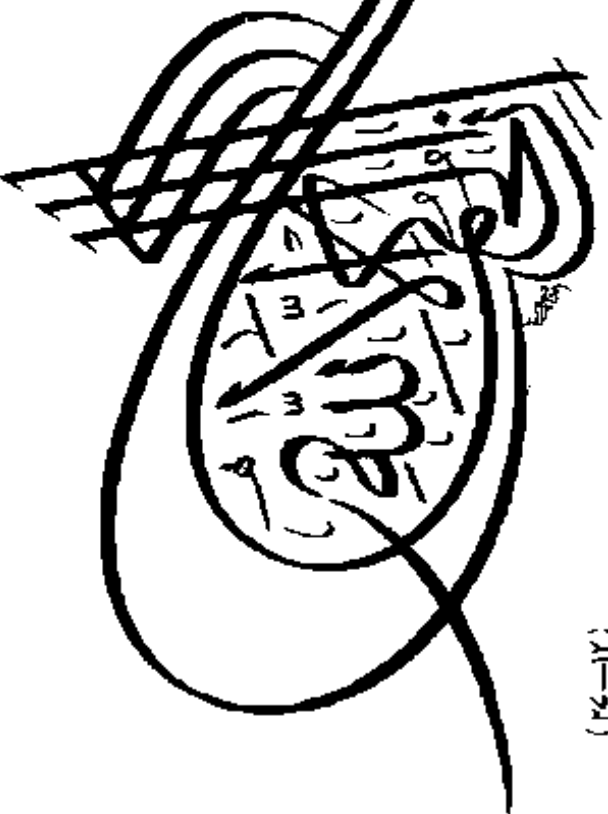
عورت کی دیت

اس رسالہ میں قرآن،
حدیث اور اجماع امت
سے ثابت کیا گیا ہے
کہ عورت کی دیت مرد کی
دیت سے آدھی ہے۔

افادہ

حضرت فقیہ العصر دامت برکاتہم

تحریر

حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

مکتبہ فاروق

عورت کی دیت

نئی قیادت کے تسلط میں ایک فتنہ کو بھی ہوا دی جا رہی ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے۔

اس رسالہ میں اس نظریہ کا ابطال تحریر کیا گیا ہے اور دلائل قاطعہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔

- آیات قرآنیہ
- ارشادات نبویہ
- اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
- اجماع ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ
- اجماع امت
- ملحدین کے دلائل کا جواب

عورت کی دیت
امت کا اجماعی موقف

اس ہوش ربا گرانی کے دور میں جو جنس سب سے ارزاں و فراواں ہے وہ جنسِ اجتہاد ہے جس کی مانگ اس ملک میں شاید سب سے زیادہ ہے۔ منصبِ اجتہاد سنبھالنے کے لئے یہاں کسی قسم کی داروگیر ہے نہ ہی دائرۂ اجتہاد کی کوئی حد بندی۔

ان تازہ واردانِ بساطِ اجتہاد کی اجتہادی ترکتازیوں کا میدان زیادہ تر وہ شرعی مسائل ہیں جو روزِ اول سے پوری امت میں متفق علیہ چلے آرہے ہیں، اس وقت نہیں تو ان مسائل کی فہرست پیش کرنا مدِنظر ہے نہ ہی ان کی جواب دہی، ان کی فہرست خاصی طویل ہے اور آنے والے وقت میں شاید ہی کوئی بنیادی مسئلہ ہو جو ان کی دست برد سے محفوظ رہ سکے۔

اس وقت جس مسئلہ پر گفتگو مقصود ہے وہ ہے عورت کی دیت کا مسئلہ، اسے اخبارات میں ہوا دے کر اس رنگ میں پیش کیا گیا گویا یہ ایک نو دریافت مسئلہ ہے جس میں اجتہاد کئے بغیر کوئی چارہ نہیں، حالانکہ فقہ کا مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے۔

اگر ان سے کوئی دریافت کرے کہ اس قسم کے طے شدہ مسائل کو از سرِ نو چھیڑ کر آپ دین کی کونسی خدمت انجام دے رہے ہیں؟ تو یہ نادان دوست جواب دیتے ہیں:

"ہمارے علماء موجودہ حالات سے بے خبر ہیں، اور اس قسم کے قدیم مسائل عالمی سطح پر اہلِ اسلام کی بدنامی اور لوگوں کی اسلام سے دوری کا سبب بن رہے ہیں، اس لئے متمدن دنیا کے موجودہ حالات اور ان کے تقاضے مجبور کر رہے ہیں کہ ان مسائل پر نئے سرے سے اجتہاد کیا جائے"

جہاں تک مسائل فقہیات کو جدید رنگ میں پیش کرنے اور انھیں موجودہ عالمی احوال و ظروف سے ہم آہنگ ثابت کرنے کا مسئلہ ہے تو یہ سوچ بلاشبہ لائقِ صد ستائش ہے، مگر

یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ اغیار کے بے بنیاد اعتراضات سے مرعوب ہوکر اپنے دین کا حسین چہرہ بگاڑ دیا جائے؟ یہ بدنامی کا ثبوت اور دشمنان اسلام کے سامنے سپر اندازی تو شکست خوردہ ذہنیت اور احساس کمتری کا آئینہ دار ہے۔

دفاع کا مردانہ طریقہ تو یہ ہے:

"احکام اسلام کا معقول و موزوں اور مبنی بر فطرت ہونا ثابت کیا جائے، اسکی پاکیزہ تعلیمات پر اعتراض کرنے والوں کو ان کے رد و رد باغی فطرت اور احمق و مورکھ ثابت کیا جائے۔"

اگر اجتماعی مسائل کو کاٹ تراش کر معترضین کی خواہشات سے ہم آہنگ کرنے کا یہ انوکھا طریقہ اختیار کر لیا جائے تو آپ کو پورے دین سے دست بردار ہونا پڑے گا، اس لئے کہ معاند و بدمست مخالفین تو ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی ہرزہ سرائی سے باز نہیں آتے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو کہاں معاف کریں گے؟ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

1. آپ کے دین میں تو عورت کی گواہی مرد کی بنسبت آدھی ہے۔
2. عورت کا حصۂ میراث آدھا ہے۔
3. اطاعت شوہر کی لازم ہے نہ کہ بیوی کی۔
4. بیک وقت چار نکاحوں کی اجازت مرد کو ہے نہ کہ عورت کو
5. طلاق، ظہار اور ایلاء کا اختیار مرد کے ہاتھ میں ہے۔
6. ولی نکاح مرد ہے نہ کہ عورت۔
7. عورتیں مردوں کی بنسبت عقل و دین میں ناقص ہیں۔
8. نکاح بانساء اہل کتاب کی اجازت مردوں کو ہے عورتوں کو نہیں۔
9. جمعہ، عیدین، جہاد اور عام مجمعوں میں نکلنا مردوں کا وظیفہ ہے، عورت کا دائرۂ کار گھر کی چار دیواری ہے۔
10. مرد عورتوں پر حاکم و نگراں ہیں، عورت کی حکومت کا دین اسلام میں کوئی تصور نہیں۔

یہ تمام مسائل نصوص قرآن و حدیث سے ثابت ہیں، ان میں سے ہر مسئلہ دشمن

کی نظر میں شتر بے مہار سے کم نہیں۔

اب فرمایئے:

"کس کس مسئلہ کو کاٹ کتر کر ان کے معیار پر لایا جائے گا؟"

اس قسم کا اجتہاد اسلام کی کوئی تعمیری خدمت نہیں بلکہ اس کے قصر مشید کو ڈھانے کی ناکام کوشش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم (ترتیب) مطالبات:

عمداً کوئی شخص کسی مسلمان کو قتل کر دے تو اس کی سزا قتل ہے کہ اس نے دوسرے کی جان لی ہے اور جان کا بدلہ جان ہی ہے۔ مگر قتل خطا کی صورت میں قصاص نہیں دیت واجب ہے۔ دیت مقتول مرد کی سو اونٹ ہیں اور بصورت نقد ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہیں۔ اور مقتولہ عورت کی دیت مرد کی بنسبت نصف ہے یعنی پچاس اونٹ یا پانچ سو دینار یا پانچ ہزار درہم۔

آجکل اس اجماعی مسئلہ کے خلاف آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ یہ مرد و عورت کا امتیاز اصول مساوات کے خلاف ہے۔ دراصل یہ مساوات کا نعرہ یورپ سے لئے گئے فکر مستعار کا شاخسانہ ہے، ورنہ کون نہیں جانتا کہ اسلام میں اس قسم کی مزعومہ مساوات کا دُور دُور تک کوئی تصور نہیں۔ بہرحال عورت کی نصف دیت کا مسئلہ ایک اجماعی مسئلہ ہے، بالاختصار اس کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

① قرآن کریم میں ارشاد ہے:

(۱) وللرجال علیهن درجة الآیة (۲: ۲۲۸)

"اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں درجہ بڑھا ہوا ہے۔"

(۲) واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتن ممن ترضون من الشهداء الآیة (۲: ۲۸۲)

"اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ کر لیا کرو۔ پھر اگر وہ دو گواہ مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو۔"

(۳) یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین الآیة (۴: ۱۱)

"اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باب میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں

کے برابر ہے۔"

(۳) الرجال قوامون علی النساء۔ الآیۃ (۴ : ۳۴)

"مرد حاکم ہیں عورتوں پر۔"

یہ آیات کئی احکام میں مرد و عورت کے مابین فرق کو ظاہر کر رہی ہیں، حکم دیت میں بھی اگر دونوں متفاوت ہیں تو اس میں اعتراض کا کیا مقام ہے؟

(۲) عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقل المرأۃ مثل عقل الرجل حتی یبلغ الثلث من دیتہا۔

(سنن نسائی ص۲۴۴ ج۲، سنن کبری للبیہقی ص۹۶ ج۸، مصنف عبد الرزاق ج۹)

"عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے حتی کہ تہائی کو پہنچ جائے۔"

(۳) عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل (سنن کبری للبیہقی ص۹۵ ج۸)

"معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔"

(۴) عن ابن شہاب وعن مکحول وعطاء رحمہم اللہ تعالی: قالوا ادرکنا الناس علی ان دیۃ المسلم الحر علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مائۃ من الابل فقوم عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ تلک الدیۃ علی اہل القری الف دینار او اثنی عشر الف درہم، ودیۃ الحرۃ المسلمۃ اذا کانت من اہل القری خمس مائۃ دینار او ستۃ آلاف درہم فاذا کان الذی اصابہا من الاعراب فدیتہا خمسون من الابل ودیۃ الاعرابیۃ اذا اصابہا الاعرابی خمسون من الابل، لا یکلف الاعرابی الذہب ولا الورق (السنن الکبری للبیہقی ص۹۵ ج۸، مصنف عبد الرزاق ص۲۹۶ ج۹، مصنف ابن ابی شیبۃ ص۳۲ ج۹)

"امام ابن شہاب، مکحول اور عطاء رحمہم اللہ تعالی سے روایت ہے کہ ہم نے لوگوں کو (یعنی صحابہ و تابعین کو بلا خلاف) اس مذہب پر پایا کہ آزاد مرد مسلمان کی دیت عہد نبوت میں سو اونٹ مقرر تھی، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس دیت

کی یہ قیمت مقرر فرمائی:

”گاؤں والوں پر ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم، اور آزاد مسلمان عورت کی دیت جب وہ گاؤں کی ہو پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم، پھر جب اس کا قاتل بدوی ہو تو مقتولہ کی دیت پچاس اونٹ ہیں، اور بدویہ کا قاتل بدوی ہو تو دیت پچاس اونٹ ہیں، بدوی کو سونا چاندی ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔“

⑤ عن الشعبی رحمہ اللہ تعالیٰ ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یقول جراحات النساء علی النصف من دیۃ الرجل فیما قل وکثر

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص۹۶ ج۸، مصنف ابن ابی شیبۃ ص۱۳ ج۹)

”امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

”عورتوں کے زخموں کی دیت قلیل وکثیر میں مرد کی دیت سے نصف ہے۔“

⑥ عن ابراہیم عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال عقل المرأۃ علی النصف من عقل الرجل فی النفس وفیما دونھا (السنن الکبریٰ ص۹۵ ج۸، مصنف عبد الرزاق ص۳۹۶ ج۹)

”حضرت ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

”عورت کی دیت جان اور اعضاء دونوں میں مرد کی دیت سے نصف ہے۔“

⑦ وقال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ الا السن والموضحۃ فانہما سواء وما زاد فعلی النصف (السنن الکبریٰ ص۹۵ ج۸، مصنف عبد الرزاق ص۳۹۷ ج۹، مصنف ابن ابی شیبۃ ص۱۳ ج۹)

”اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”دانت اور موضحہ (جو زخم ہڈی کھول دے) میں مرد وعورت کی دیت برابر ہے، اور اس سے زائد میں عورت کی دیت نصف ہے۔“

⑧ وکان زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول دیۃ المرأۃ فی الخطأ مثل دیۃ الرجل حتی تبلغ ثلث الدیۃ فما زاد فھو علی النصف (مصنف ابن ابی شیبۃ ص۱۲ ج۹، السنن الکبریٰ ص۹۶ ج۸، مصنف عبد الرزاق ص۳۹۷ ج۹)

”اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے:

”عورت کی دیت خطا تہائی تک مرد کی دیت کے برابر ہے، پھر تہائی دیت

عورت کی دیت ——————— ۶

سے زائد میں مرد کی دیت سے نصف ہے۔"

(۹) مالک عن یحیی بن سعید عن سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالی انہ کان یقول تعاقل المرأۃ الرجل الی ثلث الدیۃ (موطأ امام مالک ص[illegible])

"امام مالک رحمہ اللہ تعالی یحیی بن سعید رحمہ اللہ تعالی سے وہ سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالی سے روایت کرتے ہیں:

"تہائی دیت تک مرد و عورت کی دیت یکساں ہے۔"

(۱۰) مالک عن ابن شہاب وبلغہ عن عروۃ بن الزبیر انہما کانا یقولان مثل قول سعید بن المسیب فی المرأۃ انہا تعاقل الرجل الی ثلث دیۃ الرجل فاذا بلغت ثلث دیۃ الرجل کانت الی النصف من دیۃ الرجل (موطأ امام مالک ص[illegible])

"امام مالک رحمہ اللہ تعالی امام ابن شہاب رحمہ اللہ تعالی اور حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ دونوں حضرات سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالی کی طرح فرماتے تھے:

"تہائی دیت تک مرد و عورت کی دیت برابر ہے، جب عورت کی دیت مرد کی تہائی دیت تک پہنچے تو عورت کی دیت مرد سے نصف ہوگی۔"

(۱۱) کتب شریح الی هشام بن هبیرۃ رحمہما اللہ تعالی ان دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل الا السن والموضحۃ (مصنف ابن ابی شیبۃ ص[illegible] ج ۹، السنن الکبری ص۹۶ ج ۸، مصنف عبد الرزاق ص[illegible] ج ۹)

"قاضی شریح رحمہ اللہ تعالی نے ہشام بن ہبیرہ رحمہ اللہ تعالی کو لکھا:

"عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے سوائے دانت اور موضحہ (ہڈی کھولنے والے زخم) کے۔"

(۱۲) عن ابن عون عن الحسن رحمہ اللہ تعالی قال یستوی جراحات الرجال والنساء علی النصف فاذا بلغت النصف فهی علی النصف (مصنف ابن ابی شیبۃ ص[illegible])

"ابن عون حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالی سے روایت کرتے ہیں:

"نصف دیت تک مرد و عورت کا حکم یکساں ہے، پھر جب نصف کو پہنچ جائے تو عورت کی دیت نصف ہے۔"

(۱۳) عن سعید بن المسیب وعن مکحول عن عمر بن العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ قال: یعاقل الرجل المرأۃ فی ثلث دیتھا ثم یختلفان۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۰۳ ج۹، مصنف عبد الرزاق ص۳۹۶ ج۹)

"حضرت سعید بن المسیب اور مکحول رحمہما اللہ تعالیٰ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں:

تہائی دیت تک مرد و عورت کا حکم برابر ہے، پھر مختلف، عورت کی دیت نصف ہوگی۔"

ان میں بعض روایات گو سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں مگر ان کے ساتھ دوسری صحیح و متصل روایات موجود ہیں، نیز اجلہ صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بلاخلاف قبول عام نے ان کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کردی، اس سے ان کا ضعف منجبر ہوگیا، ان جلیل القدر صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بالمقابل کسی صحابی، تابعی یا قابل ذکر فقیہ کا مذہب نہیں ملتا جس نے نصف دیت کے خلاف قول کیا ہو جس سے نصف دیت کا قول اُمت کا اجماعی موقف بن گیا،

اُمتِ مسلمہ کے متفق علیہ ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ بھی عورت کی نصف دیت پر یک زبان ہیں، ذیل میں انکی تصریحات پیش کی جاتی ہیں:

(۱) فقہ احناف کی شہرۂ آفاق کتاب **ھدایہ** میں ہے:

(ودیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل) وقد ورد ھذا اللفظ موقوفاً علی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ومرفوعاً الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ھدایۃ ص۵۸۲ ج۴)

"اور عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے، اور یہ حدیث ان الفاظ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً منقول ہے۔"

(۲) موطأ کے حوالہ سے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی دو روایتیں اوپر مذکور ہیں، موطأ میں ان کی تفسیر یوں ہے:

قال مالک وتفسیر ذلک انھا تعاقلہ فی الموضحۃ والمنقلۃ ومادون المأمومۃ والجائفۃ واشباھھا مما یکون فیہ ثلث الدیۃ فصاعدًا، فاذا بلغت ذلک کان

عقلها فی ذلک النصف من عقل الرجل (موطا امام مالک ص ۶۷۶)

"امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اس کی تفسیر یہ ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہوگی موضحہ (جس میں ہڈی کھل جائے) اور منقلہ (جو ہڈی کو اپنی جگہ سے سرکا دے) میں، اور ان زخموں میں جو ماموسہ (بھیجے تک پہنچنے والا) اور جائفہ (پیٹ تک پہنچنے والا) سے کم ہیں اور ان جیسے دوسرے زخم جن میں تہائی دیت یا تہائی سے زائد آتی ہے ان سے کم درجے کے زخموں میں مرد و عورت کی دیت یکساں ہے، پھر جب اس حد (تہائی یا اس سے زائد) تک پہنچ جائے تو عورت کی دیت مرد سے نصف ہوگی۔"

المدونۃ الکبری صفحہ ۳ ج ۴ میں بھی یہی تفصیل مذکور ہے کہ ثلث اور اس سے زائد میں نصف دیت ہے۔

شارح موطا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ مذکورہ بالا مقام کی شرح میں لکھتے ہیں:

قال ابن المنذر وابن عبد البر اجمع اهل العلم علی ان دیۃ المرأۃ نصف دیۃ الرجل وحکی غیرهما عن ابن علیۃ والاصم انهما قالا دیتها کدیۃ الرجل لقوله صلی اللّٰه علیه وسلم فی النفس المؤمنۃ مائۃ من الابل وهذا قول شاذ یخالف اجماع الصحابۃ وسنۃ النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فان فی کتاب عمرو بن حزم دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل وهی اخص مما ذکروه فیکون مفسرا لما ذکروه ومخصصا له (اوجز المسالک ص [illegible])

"امام ابن المنذر اور ابن عبد البر رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد سے نصف ہے۔"

اور ان دونوں حضرات کے سوا دوسرے علماء نے ابن علیہ اور اصم کا قول نقل کیا ہے:

"عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: نفس مؤمن کی دیت سو اونٹ ہیں۔"

لیکن یہ ایک شاذ قول ہے جو اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی سنت کے خلاف ہے، اس لئے کہ "کتاب عمرو بن حزم" میں ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے، اور یہ ارشاد مذکور الصدر حدیث کی بنسبت اخص ہے، لہٰذا اس کے لئے مفسر و مخصص قرار پائے گا؟

(۳) وقال الشافعي رحمه الله تعالى لم أعلم مخالفا من أهل العلم قديما ولا حديثا في أن دية المرأة نصف دية الرجل وذلك خمسون من الإبل (كتاب الأم ص[illegible] ج ۶)

"امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"میرے علم میں زمانۂ قدیم وجدید کے اہل علم میں کوئی شخص نہیں جس نے اس مسئلہ کی مخالفت کی ہو کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے جو پچاس اونٹ ہیں (لہٰذا اس پر امت کا اجماع ثابت ہوچکا)"

(۴) امام موفق الدین ابن قدامۃ الحنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(ودية الحرة المسلمة نصف دية الحر المسلم، قال ابن المنذر وابن عبد البر أجمع أهل العلم على أن دية المرأة نصف دية الرجل (المغني ص[illegible] ج ۹)

"آزاد مسلمان عورت کی دیت آزاد مسلمان مرد کی دیت سے نصف ہے، امام ابن منذر اور ابن عبد البر رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اس پر اہل علم کا اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے"

اختصار کے پیش نظر مذاہب اربعہ کا صرف ایک ایک مستند حوالہ پیش کیا گیا ورنہ تتبع سے بیسیوں حوالہ جات پیش کئے جاسکتے ہیں۔

معروف اہل حدیث عالم علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی نیل الاوطار ص ۲۲۴ ج ۷ میں مفصل دلائل کے ساتھ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

منکرین اجماع کے دلائل:

اس اجماعی مسئلہ کے خلاف جہاں جہاں سے آوازیں اٹھ رہی ہیں ان سب کے پیچھے مرد وعورت میں مساوات کی مغرب زدہ ذہنیت کارفرما ہے، اور متعدد آیات قرآنیہ اور احادیث کے حوالوں سے ہم اس نظریہ کا بے بنیاد و باطل ہونا واضح کرچکے ہیں، کم از کم کسی مسلمان کو اس فریب میں مبتلا نہ ہونا چاہئے۔

اب ہم مخالفین اجماع کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں:

(۱) سورۂ نساء کی آیت ۹۲ میں حکم دیت "فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ" مطلق ہے، سو اس حکم مطلق کی تقیید کے لئے قرآن ہی کی دوسری آیت درکار ہے، یا حدیث متواتر و مشہور پیش کرنا لازم ہے، یا کم از کم صحیح السند خبر واحد ہی لائی جاسکے، حالانکہ ان میں سے کسی ایک کا وجود نہیں، لہٰذا قرآن کے حکم مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا ضروری ہے۔

جواب :

آیت نساء کے متعلق عموم یا اطلاق کا دعوی ہی بے بنیاد ہے، آیت کے متعلقہ جملوں کا ترجمہ ہے:

"اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کردے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے، اور دیت ہے جو اس کے خاندان والوں کے حوالہ کردی جائے، مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کردیں۔"

آیت کا اصل مدعا جو ترجمہ ہی سے ظاہر ہے اتنا ہے:

"قتل خطا کی صورت میں قاتل پر کفارہ اور دیت لازم ہے۔"

یہی تقاضائے انصاف و دیانت ہے، اس کے برعکس قاتل خاطی کو قصاص میں قتل کردینا یا بالکل بری الذمہ قرار دینا اصول عدل و مساوات کے خلاف ہے، قتل کرنے میں قاتل پر ظلم لازم آتا ہے اور بلا کفارہ و دیت رہا کردینے میں ورثۂ مقتول کی حق تلفی لازم آتی ہے۔

اس لئے قرآن نے یہ عادلانہ فیصلہ صادر فرمایا جس میں ہر فریق کی پوری پوری رعایت برتی گئی۔

غرض قرآن نفس کفارہ و دیت کا وجوب بیان کررہا ہے، مقدار دیت سے کہ (وہ کل ہو یا نصف) اس آیت کا کوئی تعلق ہی نہیں، ہاں! یہ کہہ سکتے ہیں کہ آیت مجمل ہے جس کی تفصیل احادیث، تعامل صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم بلکہ اجماع امت کی روشنی میں ہمارے سامنے آگئی۔

(۲) المسلمون تتکافأ دماؤھم الحدیث (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ وغیرہم)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ تمام مسلمانوں کا خون برابر ہے لہٰذا قصاص کی طرح دیت کا حکم بھی مرد و عورت میں مساوی ہے۔

جواب :

اس حدیث کا بھی مخالفین اجماع کے موقف سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے :

"قصاص و دیت کے باب میں تمام مسلمانوں کا حکم یکساں ہے کہ بلا امتیاز قوی و ضعیف، شریف و وضیع، مرد و عورت، ہر مسلمان قاتل کو بصورت عمد مسلمان مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔"

یہ عالمگیر مساوات کا قانون جاری کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم جاہلیت کی بیخ کنی فرمائی جس میں مرد کے بدلے عورت کو قتل کیا جاتا تھا مگر عورت کے بدلے مرد کو چھوڑ دیا جاتا، اسی طرح طاقتور کو چھوڑ دیا جاتا کمزور کو دھر لیا جاتا، ذات پات اور اونچ نیچ کے اس امتیاز کو مٹا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو ایک صف میں کھڑا کر دیا۔

الغرض! اس حدیث میں قانون قصاص و دیت کے نفاذ میں برابری کا اصول بیان کیا گیا ہے، مقدار دیت سے اس میں کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔

امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

فتأملنا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المؤمنون تتکافأ دماؤھم، فوجدنا اھل العلم جمیعا لا یختلفون فی تأویل ذلک انہ علی التساوی فی القصاص والدیات وان ذلک ینفی ان یکون لشریف علی وضیع فضل فی ذلک وان ذلک کان ردا علی اھل الجاھلیۃ فی ترکھم قتل الشریف بقتلہ الوضیع وفی ذلک ما قد دل ان النساء یجری ذلک کالرجال ان الرجل یقتل بالمرأۃ کما تقتل المرأۃ بالرجل۔ (مشکل الآثار للامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۱۲۴ ج ۲)

"پس ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی المسلمون تتکافأ دماؤھم (مسلمانوں کا خون برابر ہے) میں غور کیا تو تمام علماء کو اس پر متفق پایا کہ یہ ارشاد قصاص اور دیتوں میں برابری پر محمول ہے، اور یہ ارشاد اس بات کی نفی کرتا ہے کہ کسی اعلیٰ کو ادنیٰ پر ترجیح ہو، اور اس میں زمانۂ جاہلیت کے اس دستور کی تردید ہے کہ وہ اونچے درجے کے آدمی کو نیچے درجے کے آدمی کے قتل کرنے پر چھوڑ دیتے تھے، اور اسی ارشاد میں ہم نے یہ سمجھا کہ عورتیں بھی اس قانون میں مردوں کی طرح ہیں"

لہٰذا مرد کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا جیسا کہ عورت کو مرد کے بدلے قتل کیا جاتا ہے۔"

دوسرے تمام شراح حدیث نے بھی حدیث کا یہی مفہوم بتایا ہے، طوالت کے خوف سے ہم ان کی پوری عبارات نقل نہیں کرتے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یعنی بما ثبت وردا ان المسلمین متساویۃ فی القصاص من یقاد الشریف منہم بالوضیع والکبیر بالصغیر والعالم بالجاہل والمرأۃ بالرجل . . . . علی خلاف ما کان یفعلہ اہل الجاہلیۃ

(مرقاۃ المفاتیح ص۵۱ ج ۷)

اشعۃ اللمعات ص۲۳ ج۳، نیل الاوطار ص۱۵۴ ج۷، بذل المجہود ص۲۶ ج۵ پر بھی یہی تفصیل مذکور ہے۔

مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

وھٰذا بالاجماع۔

"یہ پوری امت کا اجماعی موقف ہے۔"

مگر منکرین اجماع بزور قلم سے اپنا مطلب کشید کر رہے ہیں۔ کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ حدیث کی یہ نئی تشریح جو انہیں چودہ سو سال بعد سوجھی ہے پوری امت پر کیسے او جھل رہی؟ اور تو اور راوی حدیث حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حدیث کے مفہوم سے نا آشنا رہے چنانچہ نصف دیت کے متعلق ان کا مذہب ہم اوپر مفصل ذکر کر آئے ہیں۔

مترجمہ اگر عابد و زاہد کہے نہ گفت ❊ در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

(۳) حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت امام ابو حنیفہ و شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مرد و عورت کی دیت میں برابری کا حکم منقول ہے، چنانچہ قاضی ابو الولید الباجی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعاقل المرأۃ الرجل الی ثلث الدیۃ اصبعہا کاصبعہ یرید ان ما دون ثلث الدیۃ عقلہا فیہ کعقل الرجل وھو معنی معاقلتہا لہ حتی اذا بلغت فی عقل ما جنی علیہا ثلث الدیۃ کان عقلہا نصف عقل الرجل وبھذا قال من ذکرنا من التابعین وھو قول زید بن ثابت وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم وما روی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تساویہما فی الموضحۃ وما اختلف عن عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما فروی عنہما باسناد

ضعیف انہا علی دیۃ الرجل فی القلیل والکثیر وبہ قال ابوحنیفۃ والشافعی رحمہما اللہ تعالیٰ وروی عنہما مثل قولنا (المنتقی ص۸۹ ج ۷)

"امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد :

"عورت کی دیت تہائی تک مرد کی دیت کے برابر ہوگی، اسکی انگلی مرد کی انگلی کیطرح ہوگی۔"

آپ کی مراد یہ ہے کہ تہائی سے کم کم میں عورت کی دیت مرد کی طرح ہے، عورت کی مرد کے ساتھ برابری کے یہی معنیٰ ہیں، جب عورت پر کی گئی جنایت تہائی دیت کو پہنچ جائے تو اسکی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہوگی، اور یہی قول ہے ان تابعین کا جن کا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا اور یہی زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے۔ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ موضحہ میں مرد و عورت کا حکم یکساں ہے۔ اور حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دو مختلف روایتیں ہیں، ایک ضعیف السند روایت یہ ہے کہ قلیل وکثیر میں مرد و عورت کی دیت یکساں ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ و شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دوسری روایت ہمارے مذہب کے مطابق ہے (کہ تہائی دیت سے اوپر عورت کی دیت نصف ہوگی)۔"

یہ استدلال بھی ایک مضحکہ خیز مغالطہ ہے، اس استدلال کی پوری عمارت ایک کاتب کی غلطی پر استوار ہے، جس سے "انہا علی نصف دیۃ الرجل" کی کتابت میں لفظ "نصف" چھوٹ گیا، سہو کاتب سے منکرین اجماع خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول یہ ضعیف روایت دوسری کتب میں بھی موجود ہے جس میں لفظ "نصف" موجود ہے، سنن کبریٰ للبیہقی میں ہے :

عن ابراھیم النخعی رحمہ اللہ تعالیٰ عن عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہما قالا عقل المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل فی النفس وفیما دونہا (ص۹۶ ج ۸)

یہ روایت انہی الفاظ میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب الحجۃ علی اھل المدینۃ ص۲۸۳ ج ۴ میں بھی موجود ہے۔

نیز مصنف ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بالفاظ ذیل منقول ہے :

تستوی جراحات النساء والرجال فی کل شیٔ (رسالہ ج ۲ ص ۹)

یہ روایت ہم اوپر بھی مفصل نقل کر آئے ہیں، اگر ان حضرات کا یہی مذہب ہے جو المحلی کی ناقص عبارات سے اخذ کیا جا رہا ہے تو کوئی منکرِ اجماع اس کا ماخذ پیش کرے۔ صاحب عبارت قاضی ابو الولید رحمہ اللہ تعالیٰ تو پانچویں صدی کے عالم ہیں، آخر ان تک حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ مذہب کس ذریعہ سے پہنچا؟

یہ لوگ جمہورِ اُمت سے تو آیت قرآنی یا حدیث متواتر یا مشہور یا صحیح السند کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود ایک ضعیف بلکہ غلط روایت پر اتنا غرور؛ اسے کہتے ہیں ؎ "دیوانہ بکار خویش ہشیار"

حضرت امام ابو حنیفہ و شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب بھی ہم اوپر ھدایہ اور کتاب الام کے حوالہ سے نقل کر آئے ہیں، ان کے مذہب کی تمام مستند کتب میں یہی لکھا ہے، لہٰذا ان حضرات کی طرف بھی مساوات دیت کی نسبت سراسر غلط ہے، صاحب ھدایہ کے نقل کردہ الفاظ جو انھوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھی منسوب فرمائے ہیں ان پر دوبارہ غور کر لیا جائے:

"ودیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل"

یہ الفاظ خود المحلی کی عبارت میں سہو ہونا بتا رہے ہیں۔

(۷) متقدمین میں ابو بکر اصم اور امام ابن علیہ کا مذہب بھی یہی تھا کہ وہ مرد و عورت کی دیت میں برابری کے قائل تھے چنانچہ المغنی لابن قدامۃ ص ۵۳۲ ج ۷ اور دیگر کتب میں اسکی تصریح موجود ہے۔

جواب:

یہ استشہاد درست ہے، ان دونوں کا یہی مذہب متعدد کتب میں منقول ہے، مگر یہاں چند باتیں قابلِ غور ہیں۔

اوّل یہ کہ ابو بکر اصم جس کا اصل نام عبد الرحمٰن بن کیسان ہے، لسان المیزان ص ۴۲۷ ج ۳ کے مطابق معتزلی ہے، اس کا ذکر معتزلہ کے طبقات ہی میں ملتا ہے، معتزلہ کے گمراہ کن عقائد کسی پر مخفی نہیں۔

ابن علیہ نام کے دو شخص ہیں:

ایک اسمٰعیل بن علیہ جو مشہور محدث اور امام شافعی وغیرہ کے استاذ ہیں۔

دوسرے ان کے بیٹے ابراہیم بن علیہ، یہ جہمی ہے جس کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"هو ضال يضل الناس"

اس کے حالات بھی لسان المیزان کے حوالہ بالا مقام میں تحریر ہیں۔

یہ بات بظاہر بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ مساوات دیت کا قول امام اسماعیل بن علیہ کا ہو، ورنہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ کیسے فرماتے:

لم اعلم مخالفا من اهل العلم قديما ولا حديثا .....

"میرے علم میں زمانہ قدیم وجدید کا کوئی صاحب علم نصف دیت کا مخالف نہیں؟"

کتاب الام کی یہ پوری عبارت ہم پہلے نقل کر آئے ہیں۔

بظاہر یہ قول مساوات ابراہیم بن علیہ جہمی کا ہے جو کسی درجہ میں بھی لائق اعتنا نہیں۔

دوسری بات یہ کہ جو لوگ جمہور امت سے صریح آیت قرآن یا صحیح حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں وہ خود اس قسم کے غیر ثقہ اور مجروح لوگوں کے قول سے استدلال کس برتے پر کرتے ہیں جو علمی دنیا میں پرکاہ کی حیثیت نہیں رکھتا؟ لقد صدق من قال:

الغريق يتشبث بالحشيش

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے ساقط الاعتبار لوگوں کے سہارے کسی دعوے کی بنیاد کوئی علمی استدلال نہیں بلکہ آپ اپنی تردید کے مترادف ہے۔

تیسری بات یہ کہ المغنی لابن قدامۃ کے حوالہ سے یہ قول پیش کیا گیا ہے اس میں یہ بھی لکھا ہے:

وهذا قول شاذ يخالف اجماع الصحابة رضي الله تعالى عنهم و سنة النبي صلى الله عليه وسلم (ص ۵۳۲ ج ۸)

"یہ ایک شاذ قول ہے جو اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور سنت نبویہ کے خلاف ہے اس تصریح کے بعد اب اس کی کیا حیثیت باقی رہ گئی؟ واللہ الہادی الی سبیل الرشاد

محمد ابراہیم

نائب مفتی دار الافتاء والارشاد

۹ جمادی الاولی ۱۴۰۳ھ

جلستہ رالک :

دیت میں چاندی کی مقدار کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دو روایتیں منقول ہیں ، دس ہزار درہم اور بارہ ہزار درہم ۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں روایتیں مع صورت تطبیق یوں نقل فرمائی ہیں :

قال محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ بلغنا عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ فرض علی اھل الذھب الف دینار وعلی اھل الورق عشرۃ آلاف درھم ۔

(حدثنا) بذلک ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ عن الھیثم عن الشعبی عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

وقال اھل المدینۃ : ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرض الدیۃ علی اھل الورق اثنی عشر الف درھم ۔

قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ : قد صدق اھل المدینۃ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرض الدیۃ اثنی عشر الف درھم ولکنہ فرضھا اثنی عشر الف درھم وزن ستۃ (السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۸ ج ۸)

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی ارشاد فرمودہ صورت تطبیق کا حاصل یہ ہے :

" درہم دو مختلف وزن کے رائج تھے ، ان دونوں میں ۱۰ = ۱۲ کی نسبت تھی ۔"

محمد ابراہیم
۷ رجب ۱۴۱۳ھ

دوست دشمن سب تمہارے مجذوب قائل ہیں مگر
کوئی قائل ہے زباں سے کوئی قائل دل سے ہے
مجذوبؔ

انوار الرشید

فقیہ العصر شیخ الحدیث مفتی اعظم
حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم

کے

نصیحت آموز و بصیرت افروز حالات و ارشادات

جنکے مطالعے سے بیشمار لوگوں کی زندگیوں میں ایسا انقلاب عظیم آگیا کہ وہ دنیا ہی میں جنت کے مزے لے رہے ہیں۔

اضافات کیساتھ پانچ ضخیم جلدیں

ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی